شرحِ بانگِ درا

(لغت و تشریح)

شارح

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

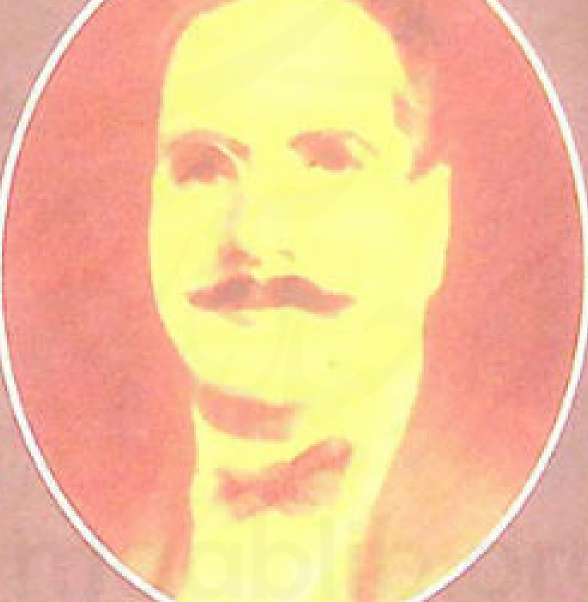

شرحِ بانگِ درا

(لغت و تشریح)

شارح
ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

maablib.org

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.51 Yazdani, Dr. Khawaja Hameed
Sharah Baang-e-Dara / Dr. Khawaja Hameed Yazdani.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2006.
584pp.
1. Iqbal Studies. 2. Poetry.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2006
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-1868-3

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com
Chowk Urdu Bazar Lahore. Pakistan. Phone 7667970

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

عرضِ شارح

بانگ درا علامہ کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۲۴ء میں چھپا۔ ۱۹۳۶ء تک یہ مجموعہ پچاس ہزار کے قریب چھپ چکا تھا۔ اس کے شروع میں علامہ کا کوئی دیباچہ نہیں' البتہ شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء' سابق مدیر ''مخزن'' کا طویل دیباچہ ہے۔ اس میں' جیسا کہ ملاحظہ ہوگا' مختلف موضوعات پر طویل اور چھوٹی نظمیں اور غزلیات ہیں' پھر ''ظریفانہ'' عنوان کے تحت چھوٹے چھوٹے قطعات بھی ہیں۔ اس کتاب کے علامہ نے تین حصے رکھے ہیں۔ (حصہ اول ۱۹۰۵ء تک) اس میں نظمیں اور غزلیں ہیں۔ حصہ دوم (۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک) اس میں بھی اسی طرح نظمیں اور غزلیں ہیں اور حصہ سوم (۱۹۰۸ء سے ......) جس کے آخر میں ظریفانہ کلام ہے۔ اس شرح سے قاری کو پتا چل جائے گا کہ علامہ میں آہستہ آہستہ کیا تبدیلیاں آ گئیں۔

عربی مقولہ ہے ''المعنی فی بطنِ شاعر'' (معنی شاعر کے پیٹ/دل میں ہوتے ہیں) شاعر ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ ہر شارح یا مترجم اپنے اپنے مطالعہ کے مطابق کسی شعر کا ترجمہ یا تشریح کرتا ہے۔ راقم نے اس کتاب کی تشریح خاصی محنت اور شوق و جذبہ کے تحت کی ہے۔ چونکہ میرے پیش نظر' عام قاری کی نسبت زیادہ تر طلبہ ہیں' اس لیے یہ کوشش کی ہے کہ زبان سادہ اور عام فہم ہو' کسی بھی قسم کی فلسفیانہ بحثوں کو نہیں چھیڑا۔

اصل متن کی نقل زیادہ تر بانگ درا کی طبع دہم (فروری ۱۹۳۶ء) اور کسی قدر اقبال اکادمی پاکستان' لاہور کی شائع کردہ کلیات اقبال اردو سے کی گئی ہے۔ جہاں علامہ نے کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر نقل کیا یا اس پر تضمین کی ہے' شرح میں اس کی کسی قدر تفصیل دے دی ہے۔ متعلقہ شاعر کے شعر کو اس کے دیوان سے چیک (Check) کیا اور اگر کوئی فرق تھا تو وہ لکھ دیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ کے بعض اشعار کے مضمونوں سے ملتے جلتے دوسرے فارسی و اردو

شعرا کے جو اشعار مجھے یاد آ گئے' شرح میں وہ بھی لکھ دیے ہیں تاکہ دلچسپی کا بھی سامان ہو۔

بعض اشعار میں جو قرآنی' حدیث کی اور تاریخی تلمیحات آئی ہیں اور اسی طرح جن شخصیات کا ذکر آیا ہے' سب کے بارے میں لغت میں تفصیل دے دی ہے اور شرح میں ویسے ہی رہنے دی ہیں۔ پھر بعض مشکل الفاظ اور ضرب الامثال کی وضاحت بھی لغت میں کر دی ہے۔ شرح میں اس قسم کی تلمیحات وغیرہ کے آگے احتیاطاً یہ لکھ دیا ہے کہ ''لغت دیکھیے۔''

امید ہے میری اس پرخلوص محنت سے طلبہ اور عام قارئین پوری طرح استفادہ کر سکیں گے اور علامہ کے تعمیری احساسات و جذبات سے بخوبی آگاہ ہو سکیں گے۔ راقم اس سے پہلے' بفضلہٖ تعالیٰ' علامہ کے سارے اردو اور فارسی مجموعوں کی تشریح کر چکا ہے۔ یہ تمام کتابیں ادارہ سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کی ہیں' کہ اسی ادارے کے ایما کے پر میں نے یہ کام کیا ہے۔

آخر میں سنگِ میل پبلی کیشنز کے نیاز صاحب کا شکریہ' جن کے ایما پر مجھے یہ کام کرنے کا موقع ملا' بلکہ شرف حاصل ہوا۔

لاہور ۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء۔ جمعہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

maablib.org

دیباچہ

از شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء سابق مدیر ''مخزن''

کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور نرالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسداللہ خان غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا اس نے ان کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشہ میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں' دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبول دعا کا وقت ہوگا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال مند بیٹا ہندوستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا۔ وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانہ میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا' جسے فلسفہ ایران کی تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں

نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں' جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمگیر شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہ قدر دانی سر کا ممتاز خطاب انہیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطف خداداد ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلص کا تخلص ان کی ڈاکٹری اور سری سے زیادہ مشہور اور مقبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علوم مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انہیں گورنمنٹ سے خطاب شمس العلماء بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی۔ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ ابھی سکول میں ہی پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا کم و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اس کے لیے اقبال نے بھی کبھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں ان دنوں نواب مرزا خان صاحب داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظام دکن کے استاد ہونے سے ان کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لوگ جو ان کے پاس جا نہیں سکتے تھے۔ خط و کتابت کے ذریعے دور ہی سے ان سے شاگردی کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈاک میں ان کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانہ میں جب ڈاک کا یہ انتظام نہ تھا' کسی شاعر کو اتنے شاگرد کیسے میسر آ سکتے تھے۔ اب اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سینکڑوں آدمی ان سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور انہیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان دانی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل گوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی مگر جناب داغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انہوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ تلمذ کا بہت دیر قائم نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد دونوں

طرف رہ گئی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ رکھتا ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی قدر ہے اور اقبال نے داغ کی زندگی ہی میں قبولِ عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انہوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔

سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجہ تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال کو لاہور آنا پڑا۔ انہیں علم و فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انہیں لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت شفیق استاد ملا۔ جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انہیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سر ٹامس آرنلڈ ہو گئے ہیں اور انگلستان میں مقیم ہیں۔ غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ قوت تحریر ان کی بہت اچھی ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے شاگردوں کو اپنے مذاق اور اپنے طرزِ عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادہ میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ پہلے انہوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانہ میں اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے پختہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اب انہیں یہاں ایک اور جوہر قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی' وہ آخر شاگرد کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا اور آج تک قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں میرے لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں داغ کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا' اس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی مشفقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی منازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ' براؤن' نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو ہمارے شکریہ کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے اقبال کی مشہور فارسی نظم ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اس پر دیباچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں جتنے نامور اس زمانہ میں موجود تھے۔ مثلاً مولانا شبلی مرحوم' مولانا حالی مرحوم' اکبر مرحوم سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے

بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال نے اپنی نظم میں ان باکمالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انہیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرہ میں دیکھا۔ اس بزم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انہوں نے کہہ سن کر ایک غزل بھی ان سے پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی غزل تھی' سادہ سے الفاظ زمین بھی مشکل نہ تھی مگر کلام میں شوخی اور بیساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرہ میں انہوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک ہونہار شاعر میدان میں آیا ہے مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض اور ایسے لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسہ میں اپنی وہ نظم جس میں ''کوہ ہمالہ'' سے خطاب ہے' پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضروریات وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے۔ مگر شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظر ثانی کی ضرورت ہے' اسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب اردو کی ترقی کیلئے رسالہ ''مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثناء میں شیخ محمد اقبال سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالہ کے حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انہوں نے کہا' ابھی کوئی نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ''ہمالہ'' والی نظم دے دیجئے اور دوسرے مہینے کیلئے کوئی اور لکھئے۔ انہوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انہیں یہی خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی۔ اس لیے میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور مخزن کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلا' شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا اور ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے' یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصہ میں وہ عموماً مخزن کے ہر نمبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو

ان کی شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام سے محظوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے۔ طبیعت زوروں پر تھی۔ شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے' پنسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانہ میں انہیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکرِ سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ ابلتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سریلی آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے۔ خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں' اگر وہ ایک مسلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے حافظہ میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے اور درمیان میں خود وہ انہیں قلمبند نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے مگر یہ رنگ کسی اور میں نہیں دیکھا۔ اقبال کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ باایں ہمہ موزونی طبع وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے۔ جب طبیعت خود مائل نظم ہو تو جتنے شعر چاہے کہہ دے مگر یہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے' یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انہیں اکثر فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسہ کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں' تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ مگر بعض دوستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے بہ اصرار کہا کہ وہ نظم ترنم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتاً بلند اور خوش آہنگ ہے۔ طرز ترنم سے بھی خاصے واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھا گیا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس کے دو نتیجے ہوئے' ایک تو یہ کہ اب ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔ جب کبھی پڑھیں لوگ

اصرار کرتے ہیں کرنے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدردان تھے اور اس کو سمجھ سکتے تھے۔ اس کشش کے سبب عوام بھی کھنچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں' وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انہیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان کی نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں' تھوڑی ہے مگر ان میں ایک خاص رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اس زمانہ میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور اکثر ملاقات کے لیے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے' اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے۔ اس لیے ایسی مفید خداداد طاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہوگا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے' کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں' وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو ہمارے شاعر کی طبیعت میں آیا تھا۔ اس کا تو یوں خاتمہ ہوا مگر دوسرا تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنا لیا۔

فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی اس کو بھی ضرور اس تغیر مذاق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق

گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انہوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں۔ اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعہ سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے سوائے ایک آدھ شعر بھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آ کر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انہوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انہیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا۔ جس کا پہلے انہوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر گو کبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصہ میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی۔ جن کی دھوم مچ گئی مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے۔ وہ ان کی فارسی مثنوی ''اسرار خودی'' تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحۂ قرطاس پر اترنے لگا اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ جس سے اقبال کا نام ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں۔ ''اسرار خودی'' ''رموز بے خودی'' اور ''پیام مشرق'' ایک سے ایک بہتر۔ پہلی کتاب سے دوسری میں زبان زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظموں کو دیکھ کر مایوس ہوئے ہوں گے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کم و بیش حصہ اول ہے اقبال کا کلام اس ذریعہ سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل قدر مصنف کا حال معلوم ہوا۔ ''پیام مشرق'' میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر گوئٹے کے ''سلام مغرب'' کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوبصورتی

سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقدے حل ہوئے ہیں جو پہلے ایسے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو "ترجمانِ حقیقت" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے' اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔

فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ جو نظمیں اردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں' ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ہے۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہبِ قلم جو فارسی کے میدان میں گامزن ہے' اس کی باگ کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا' اس کے مجموعہ کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اردو کلام کا مجموعہ شائع کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آخراب شائقین کلام اردو کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور اقبال کی اردو نظموں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو تین سو چھتیس صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر منقسم ہے۔ حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں۔ حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اردو کلام ہے۔ یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطالب و معانی یکجا ہوں اور کیوں نہ ہوں۔ ایک صدی کے چہارم حصہ کے مطالعہ اور تجربہ اور مشاہدہ کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرعہ ایسا ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر سا مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے' اس میں مختلف نظموں کی تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلہ کی گنجائش نہیں۔ اس کے لیے اگر ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبانِ ذوق کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اردو کلیاتِ اقبال ان کے سامنے رسالوں اور گلدستوں کے اوراقِ پریشاں سے نکل کر ایک مجموعہ دلپذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور امید ہے کہ جو لوگ مدت سے اس کلام کو یکجا دیکھنے کے مشتاق تھے' وہ اس مجموعہ کو شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اردو کو وہ حصہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انہوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے ۔

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیٔ پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوایا تھا' اس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصہ کے لیے گیسوئے اردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ ہوں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اس مجموعہ اردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے' ایک دوسرے کلیات اردو کا پیش خیمہ سمجھیں۔

شرحِ بانگِ درا

حصہ اوّل (۱۹۰۵ء تک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمالہ (پہلا بند)

اے ہمالہ! اے فصیل کشورِ ہندوستاں ‏ چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں ‏ تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

(دوسرا بند)

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو ‏ پاسباں اپنا ہے تو، دیوارِ ہندوستاں ہے تو
مطلعِ اوّل فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو ‏ سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو
برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالمتاب پر

(تیسرا بند)

تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن ‏ وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن ‏ تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن
چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے

(چوتھا بند)

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے ‏ تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے

اے ہمالہ! کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے — دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے
ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

(پانچواں بند)

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی — جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی — دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کنجِ خلوتخانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا

(چھٹا بند)

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی — کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی — سنگِ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی
چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو

(ساتواں بند)

لیلیِ شب کھولتی ہے آ کے جب زلفِ رسا — دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا — وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

(آٹھواں بند)

اے ہمالہ! داستاں اس وقت کی کوئی سنا — مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا — داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

(یہ نظم مئی 1901ء کے رسالہ مخزن لاہور کے پہلے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ جب علامہ جغرافیائی بنیاد پر وطن پرستی کے قائل تھے۔ اس وقت اس کے بارہ بند تھے بانگ درا میں یہ آٹھ چھپے باقی "باقیات اقبال" میں شائع ہوئے۔ اس میں حب الوطنی کے ساتھ ساتھ مختلف مناظر کی تصویر کشی بھی ہے۔)

پہلا بند = اے ہمالیہ کے پہاڑ! تو ملک ہندوستان کے لیے فصیل کا کام دے رہا ہے۔ تو اتنا بلند ہے کہ آسمان جھک کر تیرا ماتھا چومتا ہے یعنی تیری بلندی آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ تجھ میں پرانے پن کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ دن اور رات کی گردش میں بھی تو جوان ہے یعنی صدیاں گزرنے پر بھی تیرا وجود اسی طرح برقرار ہے۔ طور سینا پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا جس کی وجہ سے اس پہاڑ کو بڑی عظمت حاصل ہے جبکہ تو دیکھنے والی آنکھ کے لیے پورے طور پر ایک تجلی ہے یعنی تجھے دیکھ کر ایک صاحب بصیرت خدا کی قدرت پر عش عش کر اٹھتا ہے کہ کیا زبردست چیز تخلیق کی ہے۔ اس میں اسے خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔

دوسرا بند = ظاہری آنکھوں سے دیکھا جائے تو تو محض ایک پہاڑ ہے جبکہ تو اپنا پاسباں بھی ہے اور ہندوستان کی دیوار بھی ہے یعنی اس کی فصیل یا اس کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے۔ تو ایک ایسا شعری مجموعہ ہے جس کا پہلا مطلع آسمان ہے۔ تو بہت بلند ہے اور تو دل کی خلوت گاہ کی طرف مائل کرنے یا کھینچنے والا ہے یعنی تجھے دیکھ کر انسان کے دل میں قدرت کی عظمت کے بارے میں خیالات آتے ہیں جس نے تجھ جیسی عظیم اور بے حد بلند شے تخلیق کی ہے۔ تیرے سر پر برف نے عظمت کی پگڑی باندھ رکھی ہے۔ برف کی سفیدی کو پگڑی سے تشبیہ دی ہے۔ کبھی دستور تھا کہ کسی کی فضیلت تسلیم کرنے کی خاطر اس کے سر پر پگڑی باندھی جاتی تھی۔ تیری یہ پگڑی دنیا کو روشن کرنے والے سورج کی کلاہ کی ہنسی اڑا رہی ہے یعنی اس برف میں اتنی چمک ہے کہ سورج کی روشنی بھی اس کے آگے ماند ہے۔

تیسرا بند = پرانا زمانہ تیری گزری ہوئی عمر کا محض ایک لمحہ ایک ہے۔ تو صدیوں سے قائم ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ تیری وادیوں میں کالی گھٹاؤں نے خیمے لگا رکھے ہیں۔ ہر وقت کالی گھٹائیں چھائی رہتی ہیں۔ تیری چوٹیاں ثریا سے باتیں کرنے میں مشغول ہیں یعنی بلندی کے لحاظ سے ثریا جیسے بلند ستاروں کے قریب ہیں۔ تیرے دامن یا اونچی جگہ سے نیچے بہنے والا پانی کا چشمہ ایک آئینہ ہے۔ پانی کی چمک کو آئینے سے تشبیہ دی ہے جس کے لیے ہوا کی لہروں کا دامن (قمیص کا نیچے لٹکا ہوا حصہ یا آنچل) رومال کا کام کرتا ہے۔ آئینے کو رومال سے صاف کیا جاتا ہے۔ گویا ہوا کی لہروں سے چشموں کا پانی چمکتا رہتا ہے۔

چوتھا بند = پہاڑ کے اوپر چمکنے والی بجلی نے ہوا کے گھوڑے کے لیے بادل کے ہاتھوں میں

چابک دے دیا ہے۔ گویا جس طرح چابک سے گھوڑا تیز دوڑتا ہے اسی طرح بادل کے سبب ہوا میں تیزی آ جاتی ہے۔ اے ہمالہ! تو بھی کوئی کھیل کا میدان ہے جسے قدرت نے عناصر کے لیے بنایا ہے۔ تو گویا چار عناصر (آگ، پانی، مٹی اور ہوا) کا ایک مادہ ہے جس سے یہ عناصر تیار ہوتے ہیں۔ واہ! بادل کس وجد اور مستی کی حالت میں جھومتا جا رہا ہے۔ وہ (بادل) ایسے ہاتھی کی طرح اڑا جا رہا ہے جسے زنجیر نہ ڈالی گئی ہو۔ تیز رفتاری سے اڑا جا رہا ہے۔

پانچواں بند= صبح کی ہوا کی لہر کی حرکت (چلنا) ایک جھولا بنی ہوئی ہے جس سے ہر پھول کی کلی وجود کے نشے میں جھوم رہی ہے۔ صبح ہوا چلتی ہے تو کلیاں لہلہانے لگتی اور یوں پھول بنتی چلی جاتی ہیں۔ اس کلی کی خاموشی پتے کی زبان سے یوں گویا ہوتی ہے بولتی ہے کہ میں نے آج تک کسی گلچیں کے ہاتھوں کو جھٹکا نہیں دیکھا۔ پہاڑ کی بلندی پر واقع پھولوں کے پودوں تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ میری (کلی کی) خاموشی ہی میری داستان بیان کر رہی ہے اور وہ یہ کہ قدرت کے خلوت خانے کا گوشہ ہی میرا گھر یا ٹھکانا ہے۔ انتہائی بلندی کے حوالے سے خلوت خانہ کہا ہے۔ جہاں کسی انسان کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

چھٹا بند= تیری (ہمالہ کی) بلندی سے ندی گاتی ہوئی آ رہی ہے جو اس کی کیفیت ہے وہ کوثر اور تسنیم جیسی جنتی ندیوں کو بھی شرما رہی ہے۔ ندی کے نیچے بہنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے گانے سے تشبیہ دی ہے۔ گویا یہ ایک ایسا حسین اور دل کش منظر ہے کہ اس کے آگے کوثر و تسنیم کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ ندی قدرت کے حسین و معشوق یعنی قدرتی مناظر کو آئینہ دکھلاتی ہوئی آ رہی ہے۔ نہایت شفاف پانی میں ان مناظر کا عکس پڑ رہا ہے۔ وہ (ندی) کبھی راستے میں آنے والے پتھروں سے بچتی ہوئی اور کبھی ان سے ٹکراتی ہوئی آ رہی / بہہ رہی ہے۔ اے مسافر! یعنی ندی! تو اس دل نشین نغمے کے ساز کو چھیڑتی چلی جا اسی طرح بجتی رہ کہ اس میں ایک دلنشین موسیقی کی کیفیت ہے۔ تیری آواز کو دل سمجھتا ہے۔ دل تیرے اس انداز سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ساتواں بند= جب رات کی لیلیٰ آ کر اپنی لمبی اور گھنی زلفیں / گیسو کھولتی ہے یعنی رات آ جاتی ہے تو اس کی تاریکی میں آبشاروں کی آواز دل کا دامن کھینچتی ہے۔ گویا اس آواز میں دل کش موسیقی ہوتی ہے۔ شام کے وقت جو خاموشی ہوتی ہے اس پر تکلم بھی فدا ہوتا ہے۔ رات کی خاموشی میں چشموں اور آبشاروں کی آواز میں عجیب دلکشی ہوتی ہے۔ تجھ (ہمالہ) پر اگے ہوئے درخت رات کے وقت یوں لگتے ہیں جیسے وہ غور و فکر میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ گویا ہوا نہ چلنے کے باعث ساکت ہوتے ہیں۔ پہاڑ پر شفق کا رنگ کس طرح اور کتنے حسن و خوشنمائی کے ساتھ کانپ رہا ہے۔ یہ سرخی (شفق) تیرے رخسار پر بڑی خوشنما لگتی ہے۔ شام کے وقت شفق کا منظر بہت دلنشیں ہوتا ہے۔

آٹھواں بند= اے ہمالیہ! تو جو صدیوں یا ازل سے برقرار ہے۔ ذرا اس دور کی داستان بیان کر جب تیرا پہلو انسان کے آباؤ اجداد کا مسکن بنا یعنی جب انسان زمین پر آیا اور تیرے قریب آباد ہوا۔ ذرا ان قدیم انسانوں کی سیدھی سادی زندگی کا ماجرا بھی بیان کر جس (زندگی) پر بناوٹ کی سرخی کا داغ نہ تھا یعنی قدیم لوگوں نے سادہ زندگی بسر کی جبکہ آج کے دور میں زندگی میں کئی قسم کی بناوٹیں آ گئی ہیں۔ لوگ سیدھی سادی زندگی بسر کرنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ہاں اے تصور! تو پھر ان لوگوں کے شام وسحر کا منظر دکھا دے' اس کے لیے اے زمانے کی گردش تو پیچھے کی طرف دوڑ چل یعنی تصور میں ہم دیکھیں کہ ان لوگوں کی کیا زندگی تھی' کیسی بے تکلف اور سادہ زندگی تھی جس کی آج بھی ضرورت ہے۔ اگر آج ایسی زندگی اختیار کر لی جائے تو انسانوں میں جو مختلف فسادات' برائیاں اور بناوٹیں وغیرہ ہیں' سب ختم ہو جائیں۔

گلِ رنگیں

(پہلا بند)

تو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں
اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیبِ محفل ہے' شریکِ شورشِ محفل نہیں
یہ فراغت بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں
اس چمن میں میں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور تیری زندگانی بے گدازِ آرزو

(دوسرا بند)

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں
یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ یہ دستِ جفا جو اے گلِ رنگیں نہیں
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں
کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے کرتا ہوں میں نظارہ ترا

(تیسرا بند)

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے

میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے   میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے

مطمئن ہے تو، پریشاں مثلِ بو رہتا ہوں میں

زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

(چوتھا بند)

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو   یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو

ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو   رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں افروز ہے

توسنِ ادراکِ انساں کو خرام آموز ہے

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ پھول اگرچہ خوبصورت اور دل کش ہے لیکن اس میں انسان کی طرح تجسس کا ذوق و مادہ نہیں ہے۔ سوز و گداز کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ انسان میں حقیقتوں کو سمجھنے کا شوق بھی ہے۔ علامہ نے یہ نظم 1901ء میں لکھی۔)

پہلا بند:۔ اے رنگین پھول! مشکل گتھی کے نتیجے میں دل میں جو خراش پیدا ہوتی ہے تو اس سے آگاہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے تیرے پہلو میں دل نہیں ہے۔ کسی مشکل مسئلہ کے حل میں انسان کے دل پر جو گزرتی ہے پھول اپنی خوبصورتی و دل کشی کے باوصف اس کیفیت سے دور رہتا ہے۔ تو (رنگین پھول) محفل کی زینت کا باعث تو بنتا ہے لیکن محفل کے ہنگامے اور رونق میں شریک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس میری یعنی انسان کی یہ حالت ہے کہ بزمِ ہستی میں مجھے یہ فراغت میسر نہیں ہے۔ اس چمن (دنیا) میں میں تو پورے طور پر آرزو کا سوز و ساز ہوں جبکہ تیری زندگی آرزو کے سوز و گداز سے محروم ہے۔ عاشقانہ زندگی کا لطف صرف انسان کو میسر ہے اور یہ سب دل کی وجہ سے ہے۔

دوسرا بند:۔ تجھے شاخ سے توڑ لینا میرا دستور نہیں ہے۔ یہ تو صرف ظاہر پرست (ظاہری شکل و صورت دیکھنے والے) انسان کا کام ہے کہ وہ تجھے توڑ لیتا ہے حالانکہ تجھ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس سے قدرتِ الٰہی آشکار ہوتی ہے۔ ہائے افسوس! اے رنگین پھول میرا یہ ہاتھ ظلم کرنے (توڑ لینا) کا بہانہ ڈھونڈنے والا نہیں ہے۔ میں تجھ پر اپنے بارے میں یہ کیسے واضح کروں کہ میں گلچیں نہیں ہوں۔ مجھے فلسفیانہ سوچ سے دیکھنے والی نظر کے انجھیڑوں سے کیا سروکار میں تو بلبل کی نگاہ سے تیرا نظارہ کرتا ہوں۔ بلبل پھول کی عاشق ہے۔ عاشق تو صرف عشق و محبت ہی سے واسطہ رکھتا ہے باقی سوچوں سے دور رہتا ہے۔

تیسرا بند= تیری سوز بانیں ہیں پھر بھی تو خاموشی ہی کو پسند کرتا ہے۔ آخر وہ کیا راز ہے جو تیرے سینے میں پوشیدہ ہے؟ پھول کی پتیوں کو زبانوں سے تشبیہ دی ہے۔ میری طرح تو بھی تو طور کے باغ کی ایک پتی ہے۔ میں بھی چمن سے دور ہوں اور تو بھی چمن سے دور ہے۔ چمن سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا مطلب یہ کہ تجلی الٰہی کے مرکز سے ہم دونوں دور ہیں۔ تو تو اپنی جگہ اطمینان سے ہے جبکہ میں مہک کی طرح پریشان (منتشر، حیران) رہتا ہوں۔ اس لیے کہ میں ذوق جستجو کی تلوار سے زخمی رہتا ہوں۔ تجسس و تفحص کے ذوق کی بنا پر انسان بےقراری کا شکار رہتا ہے۔ وہ ہر لحظہ نئی تلاش میں لگا رہتا ہے اسی کی بنا پر دو دنیا میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہے۔ اگر اس میں یہ ذوق وارد نہ ہوتا تو یہ کائنات جمود میں ڈوبی رہتی۔

چوتھا بند= خدا کرے کہ میری یہ پریشانی (ذوق جستجو) میرے اطمینان و سکون کا باعث نہ بنے یعنی جاری رہے۔ خدا کرے کہ میری یہ جگر سوزی (سوز و گداز) فلسفے کے گھر کے کا چراغ نہ بنے یعنی میں فلسفیانہ سوچوں سے دور رہوں اور سوز و گداز اور عاشقانہ جذبوں سے سرشار رہوں۔ میری اس حیرت (ذوق جستجو) کا آئینہ جام جمشید کے لیے باعث رشک نہ ہو۔ میری یہ مسلسل تلاش و جستجو تو ایک ایسی شمع ہے جو دنیا کو روشن کرتی ہے اور انسان کے فہم و شعور کے گھوڑے کو رفتار سکھانے والی اور آگے بڑھانے والی ہے۔ وہی تیسرے بند کے آخر والی بات۔ انسان کے ذوق جستجو ہی نے اس کائنات میں رونق پیدا کی ہے۔ اسی سے اس کے فہم و ادراک میں خوب اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلسل تلاش و جستجو کے نتیجے میں نئی نئی حقیقتیں اس کے سامنے آتی رہتی ہیں۔

عہدِ طفلی (بچپن کا زمانہ)

(پہلا بند)

تھے دیارِ نو زمین و آسماں میرے لیے
وسعتِ آغوشِ مادر اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جاں میرے لیے
حرفِ بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے
دردِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے

(دوسرا بند)

تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر
وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر

پوچھتا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر
اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر
آنکھ وقفِ دید تھی لب مائلِ گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوقِ استفسار تھا

(علامہ کی یہ نظم پہلی بار رسالہ مخزن لاہور کے شمارہ جولائی 1901ء میں شائع ہوئی۔ اس میں بچوں کی نفسیات کی دلکش تصویر کشی ہے۔ اس کا تیسرا بند "باقیاتِ اقبال" میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کی مجبتیں بچپن کی معصوم زندگی اور قدرتی حسن کو طرح طرح کی برائیوں سے بدل دیتی ہیں۔)

پہلا بند = میرے لیے یہ زمین اور آسمان نئی نئی بستی یا نامانوس بستی تھے اور ماں کی گود میرے لیے ایک وسیع دنیا تھی۔ ہر طرح کی حرکت و جنبش میرے لیے لطفِ جاں کا سامان بن جایا کرتی۔ میری اپنی زبان میرے لیے ایک ایسا لفظ بن جایا کرتی جس کا کوئی معنی و مفہوم نہ ہوتا۔ اگر بچپن میں مجھے کوئی تکلیف ہوتی اور میں رونے لگتا تو (میری امی) دروازے کی زنجیر کو ہلا دیتی جس کے شور کا مجھے بڑا مزہ آتا اور میں خاموش ہو جاتا۔

دوسرا بند = واہ! کیسا وقت تھا کہ میں پہروں تک چاند کی طرف دیکھتا رہتا۔ اس (چاند) کا وہ منظر میرے لیے اور بھی دلچسپی کا باعث بنتا جب وہ چھپتے بادل میں پاؤں کی آواز کے بغیر چلتا۔ (پھٹا بادل جو ادھر اُدھر سے تو گاڑھا ہو لیکن درمیان میں بالکل نہ ہو یا ہوا برابر ہو) اسے یوں چلتے دیکھ کر میں امی سے بار بار پوچھتا کہ یہ کس پہاڑ یا صحرا کا رہنے والا ہے اور اس کے جواب میں جو کچھ مجھے بتایا جاتا وہ گویا دروغِ مصلحت آمیز ہوتا اور اس سے میں حیرانی میں ڈوب جاتا۔ میری آنکھ ہر وقت دیکھنے ہی میں لگی رہتی اور میرے ہونٹ بولنے پر مائل ہوتے۔ اس عمر میں میرا دل گویا دل نہ تھا بلکہ پورے طور پر استفسار کا ذوق تھا۔ بچوں کی اس عادت کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں ہر چھوٹی شے یا بات کے بارے میں تجسس کا مادہ و ذوق ہوتا ہے۔

مرزا غالب

(پہلا بند)

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تُو، بزمِ سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

(دوسرا بند)

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

(تیسرا بند)

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر
آہ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(چوتھا بند)

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہمنشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں
آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں
گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

(پانچواں بند)

اے جہان آباد! اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

(یہ نظم پہلی مرتبہ رسالہ مخزن ستمبر 1901ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں علامہ نے غالب کی شاعری کو سراہا ہے۔ اگرچہ غالب فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا شاعر تھا لیکن اس نظم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ اس کی اردو شاعری سے زیادہ متاثر تھے۔)

پہلا بند= تیرے وجود سے انسانی فکر و تخیل پر یہ بات روشن ہوئی کہ تخیل کے پرندے کے پر کہاں تک اڑ سکتے ہیں۔ غالب کی بلندیٔ فکر کے حوالے سے یہ کہا ہے۔

تو سراسر روح تھا جبکہ تیرا وجود بزم شاعری تھا۔ تو اپنی عظیم شاعری کی بنا پر محفل کی زینت بھی بنا اور محفل سے پوشیدہ بھی رہا۔ گویا تیرا کلام محفلوں میں شوق سے پڑھا جاتا جبکہ خود تو ایک طرح سے گوشہ نشیں رہا۔ تیری آنکھوں کو اس حسن کا دیدار پسند ہے جو زندگی کا سوز بن کر ہر شے میں پوشیدہ ہے۔ حسن قدرت مراد ہے جو ایک صاحب بصیرت کو کائنات کی ہر شے میں نظر آتا ہے۔

دوسرا بند= ہستی کی محفل تیرے باجے سے مالدار ہے بالکل اسی طرح جس طرح ندی کے نغموں سے پہاڑ کی خاموشی مالدار ہے۔ پہاڑ سے ندی نیچے آتی ہے اوپر سکوت ہوتا ہے لیکن اس کے نیچے آتے وقت کس قدر شور پیدا ہوتا ہے جسے نغموں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ تیری شاعری تو خاموش ہے لیکن محفلوں میں اس کی وجہ سے خوب رونق ہوتی اور سامعین اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

تیرے تخیل کے فردوس سے حسن قدرت کی بہار ہے۔ تخیل غالب کو فردوس کے اعلیٰ طبقہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور تیرے تخیل کی کھیتی سے عالم سبزے کی طرح کثرت سے اگتے ہیں۔ نئے نئے اور دلنشیں مضامین وجود میں آتے ہیں۔

تیری شوخیٔ تحریر میں زندگی پوشیدہ/مخفی ہے اور تصویر کے ہونٹوں پر گویائی کی قوت کے باعث حرکت جاری ہے۔ تیرے اشعار میں تاثیر و شگفتگی ہے جو دل کو ابھارتی ہے اور مایوسی سے بچاتی ہے اور اس کا اثر تصویر پر بھی کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے بولنے کا ارادہ کرنے پر لبوں میں زبان کی چمک سی آجاتی ہے۔

تیسرا بند= تیرے لب اعجاز پر زبان کو سو ناز ہیں۔ تیرے بلند تخیل کے سامنے ثریا جیسا انتہائی بلند ستاروں کا گچھا بھی محو حیرت ہے۔

مضمون کا محبوب/معشوق تیرے انداز شاعری پر صدقے قربان ہو ہو جاتا ہے یعنی تیری شاعری میں بڑے حسین مضمون ہوتے ہیں۔ دلی کا غنچہ شیراز کے پھول/پھولوں کی ہنسی اڑاتا ہے۔ غنچہ یعنی غالب اور گل شیراز سے مراد سعدی و حافظ شیرازی ہیں۔ علامہ نے کچھ زیادہ ہی مبالغہ سے کام لیا ہے ورنہ غالب کا مقام ان دو شعرا سے کمتر ہے۔

افسوس کہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرام کر رہا ہے' دفن ہے جبکہ ویمر کے گلشن میں تیرا ہم نوا' تیرے جیسا شاعر گوئٹے سویا ہوا ہے' دفن ہے۔ اجڑی ہوئی دلی اس لیے کہا کہ مغلیہ بادشاہوں کے دور میں دلی علم وادب اور شعر وسخن کا بہت بڑا مرکز رہا۔ 1857ء کی جنگ آزادی (جسے انگریز غدر کا نام دیتا ہے) کے بعد وہ سب شعر وشاعری اور ادب کی شاہی سرپرستی ختم ہو گئی اور اس لحاظ سے یہ شہر گویا اجڑ گیا۔ ہم نوا سے مراد جو شاعری میں تجھ جیسا اور تخیل کے لحاظ سے تیرا ہمسر تھا۔

چوتھا بند= گفتار یعنی شاعری میں اس وقت تیری برابری ممکن نہیں جب تک (کسی شعر کہنے والے کا) تخیل' فکر کامل کا رفیق کار نہ ہو۔ محض تخیل کوئی بات نہیں' غور وفکر کی گہرائی بنیادی ضرورت ہے اور تیری شاعری میں یہ موجود ہے۔

افسوس! اب ہندوستان کی سرزمین کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ افسوس! اے نکتہ بیں نگاہوں کو نظارے کا انداز سکھانے والے یعنی یہ نکتہ سمجھانے والے کہ کس انداز اور نگاہ سے مشاہدہ کیا جائے اور اسے کس طرح شعر میں ڈھالا جائے۔

اردو زبان کے گیسو ابھی کنگھی کا احسان قبول کرنے والے ہیں یعنی احسان وہی قبول کرے گا جو اس کا ضرورت مند ہو گا۔ گویا اردو زبان کو سنوارنے اور زبردست زبان بنانے کے لیے تیرے جیسے عظیم اور ثقہ شاعر کی ضرورت ہے۔ (یہ نظم غالب کی وفات کے 32 سال بعد کہی گئی تھی) یہ شمع (اردو) پروانے کی دل سوزی کی مشتاق ہے۔ وہی بات نئے استعارے میں۔

پانچواں بند= اے جہاں آباد (دلی) تو جو کبھی علم وہنر کا گہوارہ یعنی مرکز رہا ہے' تیری آج کی صورت حال پر تیرے بام ودر سراپا نالہ خاموش بنے ہوئے ہیں یعنی تو اب ویسا مرکز نہیں رہا۔

تیرے ذرے ذرے میں شمس وقمر آرام کر رہے ہیں یعنی بڑے بڑے باکمال لوگ تیری سرزمین میں دفن ہیں۔ یوں تو تیری خاک میں لاکھوں موتی چھپے ہوئے ہیں (باکمال لوگ دفن ہیں) لیکن ذرا یہ تو بتا کہ کیا تجھ میں ایسا بے حد چمکدار موتی کوئی اور بھی پوشیدہ ہے یعنی غالب جیسی کوئی اور شخصیت بھی تجھ میں دفن ہے؟ ظاہر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی نہیں ہے۔

ابر کوہسار (پہاڑ کا بادل)

(پہلا بند)

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کوہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا — شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزہ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو

(دوسرا بند)

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُرافشاں ہونا — ناقۂ شاہدِ رحمت کا حدی خواں ہونا
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا — رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا
بن کے گیسو رخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں۔

(تیسرا بند)

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہوں — کسی بستی سے جو خاموش گزر جاتا ہوں
سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جُو آتا ہوں — بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں
سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہوں میں
زادۂ بحر ہوں، پروردۂ خورشید ہوں میں ۔

(چوتھا بند)

چشمۂ کوہ کو دی شورشِ قلزم میں نے — اور پرندوں کو کیا محوِ ترنم میں نے
سر پہ سبزے کے کھڑے ہو کے کہا "قم" میں نے — غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسم میں نے
فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامنِ کہسار میں دہقانوں کے

(اس نظم کے دس بند تھے جو ماہنامہ مخزن لاہور کے شمارہ نومبر 1909 میں شائع ہوئے تھے۔ اب باقی چھ بند "باقیات اقبال" میں چھپ چکے ہیں۔)

پہلا بند= بادل کہہ رہا ہے کہ میں اتنی بلندی پر ہوں کہ میرا ٹھکانا آسمان کو چوم رہا ہے۔ میں پہاڑ کا بادل ہوں یعنی پہاڑ پر چھایا ہوا ہوں اور میرا دامن پھول بکھیر رہا ہے۔ کبھی تو میں صحرا میں ٹھکانا کرتا ہوں (چھا جاتا ہوں) اور کبھی باغ پر چھا جاتا ہوں۔ کیا شہر اور کیا ویرانہ ویرانے اور کیا سمندر اور جنگل ہر

جگہ میری ہے۔ میں کبھی کہیں چھا جاتا ہوں اور کبھی کہیں۔ اگر مجھے کسی وادی میں سونے کی خواہش ہو تو وہاں پہاڑ کا سبزہ میرا مخملیں بچھونا بن جاتا ہے۔ سبزہ نرم ہوتا ہے اس لیے اسے مخمل کا بچھونا کہا۔

دوسرا بند = قدرت نے مجھے موتی لٹانا / بکھیرنا اور رحمت کے محبوب کی اونٹنی کا حدی خواں سکھایا ہے۔ موتی یعنی بارش کے قطرے اور شاہد رحمت یعنی خدا کے کرم کا حدی خوان سے مراد بارش جو بادل کے پھیلنے پر برستی اور انسان وحیوان وغیرہ سب کے لیے رحمت الٰہی ہوتی ہے۔

قدرت نے مجھے کسان کے غمزدہ دل کا غم دور کرنے والا بنایا ہے یا مجھے ایسا کرنا سکھایا ہے۔ بارش ہونے سے کھیت سرسبز ہو جاتے ہیں جس سے کسان کی بے حد خوشی کا سامان ہوتا ہے۔ قدرت نے مجھے باغ کے جوانوں کی محفل کی رونق بننا سکھایا ہے یعنی میرے برسنے سے باغ میں پھول کثرت سے کھلنے لگتے ہیں۔ میں گیسوؤں کی صورت میں دنیا پر بکھر جاتا ہوں اور تیز ہوا کی کنگھی سے سنور جاتا ہوں۔ کالے بادل کو گیسوؤں سے اور آندھی کو کنگھی سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح کنگھی سے بکھری زلفیں سمٹ آتی ہیں اسی طرح تیز ہوا سے سیاہ بادل سمٹ جاتے ہیں۔

تیسرا بند = جب میں خاموشی سے کسی بستی سے گزر جاتا ہوں تو میں امید رکھنے والی نگاہوں کو دور سے ترساتا ہوں۔ لوگوں کو توقع ہوتی ہے کہ یہ جو بادل دور سے نظر آ رہے ہیں یہ ان کے علاقے پر برسیں گے تو ان پر خدا کی رحمت ہو جائے گی لیکن یہ بادل برسے بغیر آگے گزر جاتے ہیں جس سے لوگوں میں مایوسی پھیل جاتی ہے۔

جب میں گھومتا گھامتا ندی / نہر کے کنارے پہنچتا ہوں تو وہاں نہر کو سنور کی بالیاں / بندے پہناتا ہوں۔ بھنور وہ چکر ہوتا ہے جو پانی میں ہوا سے پڑتا ہے۔ اس چکر کی بنا پر اسے بالیوں سے تشبیہ دی ہے۔ میں تازہ تازہ اُگی ہوئی کھیتی کے سبزے کی امید ہوں یعنی میرے برسنے سے کھیتی سرسبز و شاداب ہو جائے گی۔ میں سمندر سے پیدا ہوا ہوں اور سورج نے میری پرورش کی ہے۔ سمندر کا پانی دھوپ کی گرمی سے بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور فضا تک پہنچتے پہنچتے بادل کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی بنا پر "زادۂ بحر" اور "پروردۂ خورشید" کہا ہے۔

چوتھا بند = پہاڑ کے چشمے کو میں نے سمندر کا سا شور عطا کیا اور میری وجہ سے پرندے چہچہانے نغمے الاپنے میں مست ہو جاتے ہیں۔ بارش برسنے سے چشمے پانی سے بھر جاتے ہیں اور نیچے گرتے وقت ان میں خاصا شور ہوتا ہے جسے "شورشِ قلزم" کہا ہے۔ بادل کی وجہ سے موسم کی جو کیفیت ہوتی ہے پرندوں پر بھی اس کا اچھا اثر ہوتا ہے اور وہ خوب چہچہانے لگتے ہیں۔

میں نے سبزے کے سر پر کھڑے ہو کر کہا "اٹھ جا۔" یعنی میرے برسنے سے سبزہ خوب اُگ

آتا ہے اور پھولوں کی کلی کو میں نے مسکرانے کا ذوق دیا یعنی کلیاں کھل کر پھول بنتی ہیں۔

پہاڑ کے دامن میں کسانوں کے جو جھونپڑے ہیں وہ میرے ہی فیض سے شبستانوں کے نمونے ہیں۔ میں کسانوں کی خوشحالی کا باعث بنتا ہوں۔

ایک مکڑا اور مکھی (ماخوذ)

بچوں کے لیے

(پہلا بند)

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
"اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمہارا
لیکن میری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا"
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
"حضرت! کسی نادان کو دیجیے گا یہ دھوکا
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا پھر نہیں اترا"

(دوسرا بند)

مکڑے نے کہا "واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظور تمہاری مجھے خاطر تھی وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھہرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسر نہیں ہوتا"
مکھی نے کہا "خیر، یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا"

(تیسرا بند)

مکڑے نے کہا دل میں، سنی بات جو اس کی ———— پھانسوں اسے کس طرح یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں ———— دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے "بڑی بی! ———— اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبہ
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت ———— ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں ———— سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی ———— پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا"
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی ———— بولی کہ "نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں ———— پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا کئی روز سے، اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

(علامہ نے اس نظم کا مضمون/خیال کسی شاعر مغرب سے لیا لیکن کچھ اس انداز میں اسے ڈھالا کہ وہ ان کا اپنا خیال بن گیا ہے۔ اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان/بچوں کو دشمن کی چکنی چپڑی باتوں کا اثر نہ لینا چاہیے۔)

پہلا بند= ایک دن ایک مکڑا (جو مکھی کا دشمن ہوتا ہے) مکھی سے کہنے لگا کہ تم روز اس راستے سے گزرتی ہو لیکن اس کے باوجود میری کٹیا کی کبھی قسمت نہ جاگی کیونکہ تم نے بھولے سے بھی میری اس کٹیا (وہ جالا جو مکڑا بنتا ہے اور اس میں مکھیوں کو پھانستا ہے) میں کبھی قدم نہیں رکھا۔ اگر غیروں سے نہ ملا جائے تو اس میں کوئی بات نہیں ہے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اپنوں سے تو یوں دور دور رہنا نہیں چاہیے۔ اگر تم کبھی میرے گھر آؤ تو یہ میرے لیے بڑی عزت کی بات ہوگی۔ اگر آنا چاہو تو وہ سامنے سیڑھی ہے جو اس سے چڑھ آنا۔ (سیڑھی یعنی جال)

مکھی نے جب مکڑے کی یہ چاپلوسانہ بات سنی تو بولی کہ حضرت! آپ کسی احمق/بے وقوف کو یہ دھوکا دیں۔ مکھی کبھی اس جال میں نہیں آئے گی اس لیے کہ جو کوئی اس سیڑھی پر چڑھا وہ پھر نہیں اترا (یعنی تم اسے کھا جاتے ہو)

دوسرا بند= مکڑے نے جب دیکھا کہ مکھی اس کی باتوں میں نہیں آئی تو اب اس نے دوسرا انداز اختیار کیا۔ وہ بولا واہ! تم نے مجھے دھوکے باز سمجھا ہے تم سے بڑا نادان اور کون ہو سکتا ہے یعنی میں فریبی نہیں ہوں۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ مجھے تو تمہاری خاطر تواضع کی خواہش تھی ورنہ اس میں میرا کوئی ذاتی

فائدہ تو نہ تھا۔ خدا جانے تم اڑتی ہوئی کہاں سے آئی ہو اگر تم میرے گھر میں ذرا ٹھہر جاؤ تو اس میں کیا برائی ہوگی (ٹھہرو یعنی سستا لو ذرا آرام کرلو) اس گھر میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں دکھانے کے لائق ہیں۔ اگرچہ باہر سے میرا یہ گھر ایک چھوٹی سی کٹیا دکھائی دیتا ہے۔ میرے اس گھر کے دروازوں پر باریک پردے لٹک رہے ہیں اور دیواروں کو میں نے آئینوں سے سجایا ہے۔ مہمانوں کے لیے یہاں بچھونے رکھے ہیں۔ اس قسم کا سامان ہر کسی کو میسر نہیں ہوتا۔

اس پر مکھی بولی کہ خیر! یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن کبھی یہ امید نہ رکھنا کہ میں آپ کے گھر آؤں گی۔ خدا مجھے آپ کے ان نرم بچھونوں سے بچائے۔ ان پر کوئی سو جائے تو پھر وہ اٹھ نہیں سکتا (تو اسے کھا جاتا ہے)

تیسرا بند= مکڑے نے جب مکھی کی یہ بات سنی تو اس نے دل میں کہا کہ میں اسے کس طرح پھانسوں کہ یہ کمبخت تو دانا ثابت ہوئی ہے۔ دنیا میں خوشامد سے سو کام نکلتے ہیں' بنتے ہیں۔ دنیا میں جسے دیکھو وہ خوشامد کا غلام ہی ہوگا یعنی اسے اپنے حق میں خوشامد بہت پسند ہوتی ہے۔ اب مکمل چاپلوسی کا انداز شروع ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے مکھی سے کہا' بڑی بی! اللہ نے آپ کو بڑا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ جس کسی نے بھی آپ کو بس ایک نظر دیکھ لیا' وہ آپ کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ آپ کی آنکھیں یوں لگتی ہیں جیسے ہیرے کی کنیاں ہوں جبکہ آپ کا سر اللہ نے کلغی سے سجایا ہے۔ واہ! آپ کے حسن کے کیا کہنے! آپ کی یہ پوشاک' یہ خوبی اور یہ صفائی بھی حیران کن ہیں۔ مزید اور حیران کن بات آپ کا اڑتے ہوئے گانا ہے۔

مکھی نے مکڑے کی جب یہ خوشامد بھری بات سنی تو وہ نرم پڑ گئی اس کی طرف مائل ہوگئی اور بولی کہ مجھے آپ سے کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔ میں انکار کی عادت کو برا سمجھتی ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں ہے۔ میں آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اڑی۔ جب مکڑے کے قریب پہنچی تو اس نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ وہ کئی روز سے بھوکا تھا چنانچہ اب اس نے بڑے مزے سے گھر بیٹھ کر (اپنے جال میں) مکھی کو اڑایا یعنی خوب مزے لے کر اسے کھا گیا۔

ایک پہاڑ اور گلہری (ماخوذ از ایمرسن)

بچوں کے لیے

(پہلا بند)

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے "تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا کہنا
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط ہے کیا مری شان کے آگے
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں"

(دوسرا بند)

کہا یہ سن کے گلہری نے "منہ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انہیں نکال ذرا
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے، خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(اس نظم کا مرکزی خیال اور درس یہ ہے کہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز کی تخلیق میں اس خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے اس لیے کسی شے کو حقیر یا برا نہیں سمجھنا چاہیے اور غرور و تکبر سے بچنا چاہیے۔)

پہلا بند= کوئی پہاڑ ایک گلہری سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تجھ میں شرم کا مادہ ہو تو پانی میں جا کے ڈوب مرے یعنی میرے مقابلے میں حقیر اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے تو غیرت سے مر جائے یا منہ چھپا لے۔ تو ایک حقیری ذرا سی شے ہے لیکن اس پر بھی اتنا غرور ایک عجیب بات ہے۔ تیری اس عقل، سمجھ اور فہم و شعور کے کیا کہنے یعنی تجھ میں عقل و فہم نہیں ہے۔ پہاڑ نے طعنے کے طور پر کہا ہے کہ تو غرور کرتی ہے جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔ خدا کی شان ہے کہ بے عزت لوگ بھی عزت دار بن بیٹھے ہیں اور جن کو کوئی شعور نہیں ہے، وہ بڑے باشعور بن بیٹھے ہیں یا خود کو عزت دار اور باشعور سمجھنے لگتے ہیں۔ بھلا میری شان کے آگے تیری حیثیت ہی کیا ہے جبکہ زمین بھی میری شان و شوکت کے آگے پست / حقیر شے ہے۔ جو بات / بڑائی مجھ میں ہے، وہ بھلا تجھ کو کیونکر نصیب ہو سکتی ہے کہ تو تو ایک چھوٹا سا پرندہ ہے۔ بھلا پہاڑ ایک بلند و

عظیم شے کہاں اور معمولی سا جانور کہاں۔ میں بلند و عظیم تو حقیر ہی' تیرا میرا مقابلہ نا ممکن ہے۔

دوسرا بند: پہاڑ ڈینگیں مار چکا اور غرور و تکبر کا اظہار کر چکا تو گلہری اس کی باتیں سن کر بولی' ذرا اپنا منہ سنبھال' زبان کو قابو میں رکھ کر بات کر۔ تیری یہ سب باتیں بچگانہ/ بیہودہ ہیں' انہیں دل سے نکال۔ مت ایسی فضول و بیہودہ باتیں کر۔

اگر میں تیری طرح بڑی یا بلند و بالا نہیں ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ آخر تو بھی تو میری طرح چھوٹا نہیں ہے۔

یاد رکھ' ہر چیز خواہ وہ چھوٹی ہے یا بڑی' خدا کی قدرت کا شہکار ہے۔ اگر کوئی بڑا ہے یا اگر کوئی چھوٹا ہے تو اس میں اس خالق کی حکمت ہے۔ کسی کے اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تجھے بلند و بالا/ بڑا بنا دیا تو اس میں اس کی حکمت ہے اور اگر مجھے چھوٹا بنا دیا ہے تو یہ بھی اس کی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

اب ذرا اس بات پر غور کر کہ تجھ میں تو اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ تو قدم اٹھا سکے۔ یہ تو سراسر بڑائی ہے' غرور و تکبر ہے۔ تجھ میں اور کوئی خوبی کیا ہے' یعنی نہیں ہے۔

چلو میں مان لیتی ہوں کہ تو بڑا ہے لیکن ذرا مجھ سا ہنر بھی تو دکھا (تجھ میں کوئی ہنر نہیں ہے) ذرا مجھے یہ چھالیا ہی توڑ کر دکھا۔ گویا تجھ میں معمولی سی بھی قوت اور کوئی ہنر نہیں تو اس میں بڑائی اور بلندی کا کیا فائدہ۔

یاد رکھ زمانے میں کوئی چیز بھی نکمی نہیں ہے' بیکار نہیں ہے جو کسی کام نہ آ سکے۔ قدرت کے کارخانے میں کوئی بھی برا نہیں ہے۔ قدرت جسے جو چاہے بنا دے اس لیے کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

ایک گائے اور بکری (ماخوذ)

بچوں کے لیے

(پہلا بند)

۱۔ اک چراگہ ہری بھری تھی کہیں — تھی سراپا بہار جس کی زمیں

۲۔ کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں — ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں

۳۔ تھے اناروں کے بے شمار درخت — اور پیپل کے سایہ دار درخت

۴۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں — طائروں کی صدائیں آتی تھیں
۵۔ کسی ندی کے پاس اک بکری — چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی
۶۔ جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا — پاس اِک گائے کو کھڑے پایا
۷۔ پہلے جھک کر اسے سلام کیا — پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
۸۔ "کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں؟" — گائے بولی کہ "خیر اچھے ہیں
۹۔ کٹ رہی ہے بری بھلی اپنی — ہے مصیبت میں زندگی اپنی
۱۰۔ جان پر آ بنی ہے، کیا کہیے — اپنی قسمت بری ہے، کیا کہیے
۱۱۔ دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں — رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں
۱۲۔ زور چلتا نہیں غریبوں کا — پیش آیا لکھا نصیبوں کا
۱۳۔ آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے — اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے
۱۴۔ دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے — ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے
۱۵۔ ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے — کن فریبوں سے رام کرتا ہے
۱۶۔ اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں — دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
۱۷۔ بدلے نیکی کے یہ برائی ہے — میرے اللہ! تیری دہائی ہے"

(دوسرا بند)

۱۔ سن کے بکری یہ ماجرا سارا — بولی "ایسا گلہ نہیں اچھا
۲۔ بات سچی ہے بے مزا لگتی — میں کہوں گی مگر خدا لگتی
۳۔ یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا — یہ ہری گھاس اور یہ سایہ
۴۔ ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں — یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں
۵۔ یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں — لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
۶۔ اس کے دم سے ہے اپنی آبادی — قید ہم کو بھلی کہ آزادی!
۷۔ سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا — واں کی گزران سے بچائے خدا
۸۔ ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا — ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا
۹۔ قدر آرام کی اگر سمجھو — آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو"
۱۰۔ گائے سن کر یہ بات شرمائی — آدمی کے گلے سے پچھتائی

۱۱۔ دل میں پرکھا بھلا برا اس نے — اور کچھ سوچ کر کہا اس نے

"یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی"

(اس نظم کا مرکزی خیال اور درس یہ ہے کہ اگر انسان کو کسی دوسرے سے تکلیف پہنچے تو صرف اس بنا پر اس سے نفرت کرنا اچھی بات نہیں ہے بلکہ یہ دیکھنا اور سوچنا چاہیے کہ اس تکلیف پہنچانے والے سے اسے اپنی زندگی میں کتنے فائدے پہنچتے رہتے ہیں جنہیں وہ تکلیف پہنچنے پر بھلا دیتا ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے)

(پہلا بند)

۲-۱ کسی جگہ ایک ہری بھری چراگاہ تھی جس کی زمین' اپنی سرسبزی و شادابی کی بنا پر مکمل طور پر بہار کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس بہار کا منظر کس طرح بیاں ہو کہ وہاں ہر طرف ندیاں بہہ رہی تھیں یعنی بہت ہی حسین و دلکش منظر تھا جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔

۳۔ اس چراگاہ میں اناروں کے بے شمار درخت تھے۔ ان کے علاوہ پیپل کے بھی بڑے گھنے درخت تھے جن کا سایہ پھیلا ہوا تھا۔

۴۔ وہاں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بڑا حسین منظر تھا۔

۶-۵: ایک بکری کہیں چرتے چرتے ایک ندی کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ جب ذرا ٹھہر کر اس بکری نے ادھر ادھر دیکھا تو اپنے قریب ہی اسے ایک گائے کھڑی نظر آئی۔

۸-۷: بکری نے پہلے تو اس گائے کو جھک کر سلام کیا' پھر بڑے سلیقے اور ادب سے یوں بات کی کہ "بڑی بی! اسنائیے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟" جواب میں گائے بولی "خیر اچھے ہی ہیں (یعنی کوئی خاص نہیں ہیں)

۱۰-۹: جیسی بھی اپنی بری بھلی زندگی ہے گزر رہی ہے' بس یوں سمجھ لے کہ اپنی / میری زندگی مصیبتوں کا شکار ہے۔ کیا بیان کروں۔ میری تو جان پر بنی ہوئی ہے' میری جان خطرے میں ہے۔ بس اپنی قسمت ہی بری ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ میں تو خدا کی شان دیکھتی ہوں۔ بروں کی جان کو رو رہی ہوں۔ مجھ سے جو برا سلوک کر رہے ہیں۔ ان ظالموں کو دل ہی دل میں کوس رہی یا ان کے ظلم پر صبر کے گھونٹ

پی رہی ہوں۔

۱۲- غریبوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے' یوں سمجھتی ہوں کہ میرے نصیبوں میں ایسا لکھا ہے۔

۱۳- آدمی سے بھلائی کرنی ہی نہیں چاہیے (کہ وہ ناشکرا اور احسان فراموش ہے) خدا نہ کرے کسی کو اس سے کوئی واسطہ پڑے۔

۱۴- اگر میں کسی وقت کم دودھ دوں تو وہ منہ ہی میں مجھے برا بھلا کہنے لگتا ہے اور اگر پتلی ہو جاؤں تو مجھے بیچ کھاتا ہے۔

۱۵- وہ اپنے مکر و فریب اور عیاری سے مجھے اپنا غلام کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کن حیلوں فریبوں سے اپنا مطیع بناتا یا اپنے قابو میں لاتا ہے۔

۱۶- حالانکہ میں اس کے بچوں کو پالتی ہوں۔ اس کے بچے میرا دودھ پی کر بڑے ہوتے ہیں۔ میں اپنے دودھ سے ان میں جان ڈالتی ہوں۔ میرے دودھ سے ان میں طاقت پیدا ہوتی ہے۔

۱۷- اب ذرا یہ ملاحظہ ہو کہ نیکی کے بدلے اس قسم کی برائی/ظلم و ستم ہے۔ میرے اللہ! تیری دہائی ہے۔ تیرے حضور ہی میں فریاد کرتی ہوں' تو انصاف فرما۔

(دوسرا بند)

۱-۲: بکری نے جب اس کی ساری سرگزشت سنی تو بولی کہ گلہ/شکوہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اگرچہ سچی بات بری لگتی ہے یا ناگوار لگتی ہے لیکن میں انصاف کی بات کہوں گی۔

۳-۴: یہ سبزہ زار/ چراگاہ' یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا' یہ ہری ہری گھاس اور درختوں کا سایہ ہمارے لیے کس قدر پر لطف اور مفید ہے۔ ایسی خوشیاں بھلا ہم بے زبان غریبوں کے نصیب میں کیونکر ہو سکتی ہیں۔

۵-۶: یہ سب مزے تو آدمی ہی کی بدولت ہم کو میسر ہیں اور ہماری زندگی کے سارے لطف اسی کے طفیل ہیں۔ ہم جو آباد ہیں' پھل پھول رہے ہیں تو انسان ہی کی محنت کے نتیجے میں ہے۔ پھر تم خود ہی بتاؤ کہ اس بہترین صورت حال میں ہمارے لیے انسان کی قید میں رہنا اچھا ہے یا آزادی اچھی ہے؟

۷- جنگلوں میں تو سو طرح کے ڈر خوف ہوتے ہیں' وہاں زندگی گزارنے سے خدا بچائے۔

۸-۹: ہم پالتو جانوروں پر آدمی کا بہت احسان ہے' اس لیے ہمیں یہ زیب نہیں دیتا یا ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اس کا شکوہ گلہ کریں۔ اگر تم آرام و راحت کی قدر و اہمیت سے آگاہ ہو جاؤ تو پھر تم کبھی آدمی کے خلاف شکوہ شکایت نہیں کرو گی۔

۱۰-۱۲: گائے نے بکری کی جب یہ سب باتیں سنیں تو وہ شرما گئی اور آدمی کا شکوہ گلہ کرنے سے پچھتائی۔ اس نے اپنے دل میں برائی اور اچھائی کو جانچا پرکھا یعنی مصلحت کیا ہے اور کچھ سوچ کر وہ بولی کہ اگرچہ بکری کا وجود دیکھنے میں چھوٹا ہے لیکن اس نے جو کچھ کہا ہے وہ تو دل پر اچھا اثر کر رہا ہے۔ گویا اسے اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ کسی محسن کی طرف سے اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اس کے احسانوں کو بھلانا نہیں چاہیے۔

بچے کی دعا (ماخوذ)

بچوں کے لیے

۱- لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری	زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
۲- دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے	ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے
۳- ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت	جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
۴- زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!	علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
۵- ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا	دردمندوں سے' ضعیفوں سے محبت کرنا
۶- مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو	نیک جو راہ ہو' اس رہ پہ چلانا مجھ کو

(اس نظم میں بچوں کو یہ درس دیا گیا ہے کہ انہیں قوم کے اجتماعی مفاد کو ذاتی فائدے پر ترجیح دینا چاہیے اور یہ کہ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اصل برائی یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے دکھ تکلیف کا اثر نہ لے۔ تعلیم / علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ دوسروں کے دکھ درد کا اثر لیا جائے اور اس میں شریک ہوا جائے)

۱-۲: میری آرزو اور خواہش اس دعا کی صورت میں میرے لبوں پر آ رہی ہے کہ اے خدا! میری زندگی شمع کی صورت ہو۔ میرے دم سے دنیا کا اندھیرا دور ہو جائے اور میرے چمکنے سے ہر جگہ اجالا ہو جائے۔ شمع جلنے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میری زندگی کچھ اس طرح کی ہو کہ اس سے دنیا میں' جہاں کہیں جہالت' غفلت اور

پستی ہو وہ دور ہو جائے اور لوگ بیدار ہو کر مختلف برائیوں سے بچ جائیں اور اچھے کاموں کی طرف متوجہ ہو کر اپنی سربلندی کا سامان کریں۔

۳۔ میرے دم سے میرے وطن کی سجاوٹ اس طرح ہو جس طرح چمن کی سجاوٹ پھول سے ہوتی ہے۔ یعنی میرے کارنامے ایسے ہوں جو میرے وطن کی عزت و آبرو کا باعث بنیں۔

۴۔ یارب! میری زندگی پروانے کی سی زندگی کی طرح ہو جو شمع کا عاشق ہوتا ہے۔ مجھے اس کی طرح علم کی شمع سے محبت ہو۔ میں بڑے ذوق شوق اور جذبے کے ساتھ علم کے حصول میں لگ جاؤں یا لگا رہوں۔

۵۔ زندگی میں میرا اہم کام غریبوں اور بے بسوں کی حمایت کرنا ہو اور دکھ درد کے مارے ہوؤں اور ضعیفوں سے مجھے بہت محبت ہو۔ میں ہر ممکن طریقے سے ان کے کام آتا رہوں۔

۶۔ میرے اللہ! تو مجھے برائیوں سے بچائیو اور جو نیک اور ہدایت کا راستہ ہے اس پر مجھے چلائیو کیونکہ انسان کی زندگی کا صحیح مقصد ہی راہ ہدایت پر چلنا ہے۔ خود علامہ کے بقول

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ہمدردی (ماخوذ از ولیم کوپر)

بچوں کے لیے

۱۔ ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
۲۔ کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
۳۔ پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
۴۔ سن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
۵۔ "حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
۶۔ کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
۷۔ اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا
۸۔ ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے — آتے ہیں جو کام دوسروں کے"

(اس نظم میں یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنے پرائے ہر کسی کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا

جائے کہ یہی صحیح انسانیت اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے)

۱۔ کسی درخت کی ٹہنی پر کوئی بلبل تنہا اور اداس بیٹھا ہوا تھا۔

۲۔۳: خود سے وہ کہہ رہا تھا کہ دن تو اڑنے اور دانہ چگنے میں گزر گیا' اب رات سر پر آ گئی ہے جس کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا ہے۔ اس اندھیرے میں میں اپنے گھونسلے تک کس طرح پہنچوں۔ گویا اس پر غم طاری ہو رہا تھا کہ اس حالت میں خدا جانے اس پر کیا گزرے۔

۴۔۵: اتفاق سے اس کے پاس ہی ایک جگنو بھی اس ٹہنی پر بیٹھا تھا۔ اس نے جب بلبل کی یہ آہ و زاری سنی تو ازراہِ ہمدردی بولا کہ اگرچہ میں ایک چھوٹا سا کیڑا ہوں' تاہم میں تمہاری مدد کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں۔

۶۔ اگر رات اندھیری ہے تو تم کوئی غم نہ کرو' میں تمہارے راستے میں روشنی کروں گا (جگنو چھوٹا سا کیڑا ہے جو رات کو چمکتا پھر تاریک ہو جاتا ہے اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے۔)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشعل / چراغ عطا فرمایا ہے اور مجھے چمکا کے دیا / چراغ بنا دیا ہے۔

۸۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں وہی انسان اچھے ہیں جو دوسروں کے کام آتے ہیں۔ کسی کی مشکل کے وقت یا دکھ تکلیف کے وقت اس کا سہارا بنتے ہیں۔ بقول شاعر:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

ماں کا خواب (ماخوذ)

بچوں کے لیے

۱۔ میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب — بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
۲۔ یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں — اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
۳۔ لرزتا تھا ڈر سے میرا بال بال — قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
۴۔ جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی — تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
۵۔ زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے — دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
۶۔ وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں — خدا جانے جاتا تھا ان کو کہاں

۷- اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر | مجھے اس جماعت میں آیا نظر
۸- وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا | دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
۹- کہا میں نے پہچان کر "میری جاں! | مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں
۱۰- جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار | پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
۱۱- نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی | گئے چھوڑ اچھی وفا تم نے کی"
۱۲- جو بچے نے دیکھا مرا پیچ و تاب | دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب
۱۳- "رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری | نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری"
۱۴- یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا | دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
۱۵- "سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے | ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے"

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مرنے والے کی جدائی میں بے قرار اور بے چین ہونے کی بجائے اس کی روح کو ثواب پہنچانے کا کام کرنا چاہیے۔)

۱- ماں کہہ رہی ہے کہ میں ایک رات جب سوئی تو میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جس سے میری بیقراری اور بے چینی میں مزید اضافہ ہوا۔

۲- میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں کہیں جا رہی ہوں لیکن اندھیرا اتنا چھایا ہوا ہے کہ راستے کا پتا ہی نہیں چلتا۔

۳- میرا رواں رواں یا سارا جسم ڈر خوف سے کانپ رہا تھا اور اسی خوف و وحشت کی وجہ سے میرے قدموں کا اٹھنا دشوار ہو رہا تھا۔

۴- جب میں نے ذرا حوصلے سے کام لیا اور آگے بڑھی تو مجھے لڑکوں کی ایک قطار نظر آئی۔

۵- سب نے زمرد کے رنگ کا سبز چمکتا ہوا لباس پہن رکھا تھا اور سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے دیے تھے۔

۶- سب لڑکے چپ چاپ اور خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔ انہیں کہاں جانا تھا یا ان کی منزل کہاں تھی' یہ اللہ ہی جانتا ہے۔

۷- میں اسی سوچ میں تھی کہ اس گروہ میں مجھے میرا بیٹا بھی نظر آ گیا۔

۸- وہ سب سے پیچھے تھا اور اس کے ہاتھ میں جو دیا تھا' وہ جل نہیں رہا تھا۔

۹- جب میں نے اسے پہچان لیا تو اس سے کہا کہ اے میری جان! تم مجھے چھوڑ کر کہاں آ گئے ہو؟

۱۰- میں تمہاری جدائی میں بڑی بیقرار رہتی ہوں اور ہر روز آنسوؤں کے ہار پروتی ہوں یعنی لگاتار روتی رہتی ہوں۔

۱۱- بیٹے! تم نے تو ہماری ذرا بھی پروا نہ کی اور یوں مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ تو اچھی وفا نہیں ہے۔

۱۲-۱۳: جب میرے بچے/ بیٹے نے میری یہ بیقراری دیکھی تو اس نے منہ پھیر کر (میری طرف پشت کر کے) یوں جواب دیا کہ میری جدائی تو تجھے رلاتی ہے' تو میری جدائی میں روتی رہتی ہے لیکن اس میں میری تو کوئی بھلائی نہیں ہے۔ تیرا یہ روتے رہنا میرے کس کام' مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

۱۴- یہ کہہ کر میرا بیٹا کچھ دیر تک چپ رہا۔ پھر اس نے اپنا دیا دکھا کر مجھ سے کہا کہ:

۱۵- کیا تجھے علم ہے کہ میرے اس دیے کو کیا ہو گیا ہے۔ تو سن لے کہ اسے تیرے انہی آنسوؤں نے بجھایا ہے۔ اس طرح رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اصل محبت یہ ہے کہ میری روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کچھ کیا کر' پڑھا کر۔

پرندے کی فریاد

بچوں کے لیے

(پہلا بند)

۱- آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ — وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
۲- آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی — اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
۳- لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم — شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا
۴- وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت — آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا
۵- آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں — ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

(دوسرا بند)

۱- کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں — ساتھی تو ہیں وطن میں' میں قید میں پڑا ہوں

۲۔ آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں ۔۔۔ میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

۳۔ اس قید کا الٰہی! دکھڑا کسے سناؤں ۔۔۔ ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

(تیسرا بند)

۱۔ جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے ۔۔۔ دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے

۲۔ گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے ۔۔۔ دُکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

۳۔ آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے ۔۔۔ میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

(اس نظم میں علامہ نے بالواسطہ بچوں کو چڑیاں وغیرہ پکڑنے اور انہیں ستانے سے بچنے کا درس دیا ہے۔ یہ نظم پہلی مرتبہ ماہنامہ مخزن لاہور فروری ۱۹۰۷ء میں اکیس شعروں کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ اب باقی دس اشعار "باقیاتِ اقبال" میں شائع ہو چکے ہیں۔)

پہلا بند

۱۔ پنجرے میں قید پرندہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اپنا گزرا ہوا زمانہ یاد آ رہا ہے جب میں اس پنجرے میں قید نہیں تھا اور باغ میں آزادانہ اڑتا تھا، جہاں کیسی سرسبزی و شادابی تھی اور سب پرندے مزے سے چہچہایا کرتے تھے۔

۲۔ اب اس پنجرے میں وہ اپنے گھونسلے کی آزادیاں کہاں نصیب ہیں۔ اس سے پہلے جب دل کرتا گھونسلے کی طرف آ جاتا اور جب دل چاہتا وہاں سے اڑ کر باغ کی بہاریں دیکھنے لگتا۔

۳۔ جب مجھے وہ منظر یاد آتا ہے کہ شبنم کے آنسوؤں پر کلیاں مسکراتی تھیں (یعنی صبح اوس پڑنے پر کلیاں کھل کر پھول بن جاتی تھیں) تو میرے دل کو بڑا دکھ پہنچتا ہے۔

۴-۵: وہ پیاری پیاری صورت اور نازک و حسین شکل و صورت جس کے دم سے میرا گھونسلا آباد تھا، اب اس پنجرے میں مجھے اس کی آوازیں نہیں آ رہیں۔ اے کاش میری رہائی میرے بس میں ہوتی اور میں اپنی پیاری چڑیا کے ساتھ گھونسلے میں رہتا۔

دوسرا بند

۱۔ میں کس قدر بدنصیب ہوں کہ میں اپنے گھر (گھونسلے) کے لیے تڑپ (پھڑک) رہا

ہوں۔ میرے سارے ساتھی' دوسرے پرندے تو وطن یعنی باغ میں آزادانہ اڑ پھر رہے ہیں جبکہ میں یہاں پنجرے کی قید میں پڑا ہوں۔

۲۔ موسم بہار کا آغاز ہو گیا ہے جس کی وجہ سے پھولوں کی کلیاں ہنس یعنی کھل رہی ہیں جبکہ میں اس اندھیرے گھر یعنی پنجرے میں قید پڑا اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔ مجھے اپنی بدنصیبی پر بڑا دکھ ہو رہا ہے۔

۳۔ یاالٰہی! میں جو اس قید میں پڑا ہوں' اس کا دکھڑا کسے سناؤں' کوئی میری فریاد سننے کو تیار نہیں ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس غم کے ہاتھوں میں اس پنجرے ہی میں نہ مر جاؤں۔

تیسرا بند

۱۔ جب سے میں پنجرے میں قید اور اپنے باغ سے دور ہوا ہوں' میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرا دل غم کو کھا رہا ہے اور غم دل کو کھا رہا ہے یعنی میرا دل غموں میں ڈوبا ہوا ہے۔

۲۔ میں جو یہ کچھ کہہ رہا ہوں تو سننے والے اسے گانا سمجھ کر خوش نہ ہوں۔ میری یہ صدا تو دکھے ہوئے غمزدہ مصیبت کے مارے ہوؤں کی فریاد ہے۔ خدا نہ کرے کوئی اس طرح کسی کی قید میں آئے۔

۳۔ (پرندہ اس فریاد کے بعد اب شکاری سے' جس نے اسے پکڑ کر پنجرے میں قید کیا ہے دکھے ہوئے دل سے یہ کہہ رہا ہے کہ) اے مجھے قید کرنے والے! تو مجھے آزاد کر دے۔ میں ایک بے زباں قیدی ہوں تو مجھے آزاد کر دے۔ میں تیرے حق میں دعا کروں گا۔

خفتگانِ خاک سے استفسار

(پہلا بند)

۱۔ مہرِ روشن چھپ گیا' اٹھی نقابِ روئے شام — شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام

۲۔ یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے — محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے

۳۔ کر رہا ہے آسماں جادو لبِ گفتار پر — ساحرِ شب کی نظر ہے دیدۂ بیدار پر

۴۔ دل ہے کہ پیچاکِ الفت میں دنیا سے نفور — کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامۂ عالم سے دور

۶- منظرِ حرماں نصیبی کا تماشائی ہوں میں — ہم نشینِ خفتگانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

(دوسرا بند)

۱- تھم ذرا بیتابیِ دل! بیٹھ جانے دے مجھے — اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے
۲- اے مئے غفلت کے سرمستو! کہاں رہتے ہو تم؟ — کچھ کہو اس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم
۳- وہ بھی حیرت خانۂ امروز و فردا ہے کوئی؟ — اور پیکارِ عناصر کا تماشا ہے کوئی؟
۴- آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟ — اس ولایت میں بھی ہے انساں کا دل مجبور کیا؟
۵- واں بھی جل مرتا ہے سوزِ شمع پر پروانہ کیا؟ — اس چمن میں بھی گل و بلبل کا ہے افسانہ کیا؟
۶- یاں تو اک مصرع میں پہلو سے نکل جاتا ہے دل — شعر کی گرمی سے کیا واں بھی پگھل جاتا ہے دل؟
۷- رشتہ و پیوند یاں کے جان کا آزار ہیں — اس گلستاں میں بھی کیا ایسے نکیلے خار ہیں؟
۸- اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے — روح کیا اس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے
۹- کیا وہاں بجلی بھی ہے، دہقاں بھی ہے، خرمن بھی ہے؟ — قافلے والے بھی ہیں؟ اندیشۂ رہزن بھی ہے؟
۱۰- تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے — خشت و گل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے
۱۱- واں بھی انساں اپنی اصلیت سے بیگانے ہیں کیا؟ — امتیازِ ملت و آئیں کے دیوانے ہیں کیا؟
۱۲- واں بھی کیا فریادِ بلبل پر چمن روتا نہیں؟ — اس جہاں کی طرح واں بھی دردِ دل ہوتا نہیں؟

(تیسرا بند)

۱- باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟ — یا رخِ بے پردۂ حسنِ ازل کا نام ہے؟
۲- کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟ — آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟
۳- کیا عوض رفتار کے اس دیس میں پرواز ہے؟ — موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں، کیا راز ہے؟
۴- اضطرابِ دل کا ساماں یاں کی ہست و بود ہے — علمِ انساں اس ولایت میں بھی کیا محدود ہے
۵- دید سے تسکین پاتا ہے دلِ مہجور بھی؟ — "لن ترانی" کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی؟
۶- جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟ — واں بھی انساں ہے قتیلِ ذوقِ استفسار کیا؟
۷- آہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا معمور ہے؟ — یا محبت کی تجلی سے سراپا نور ہے؟
۸- تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے — موت اک چبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے

(یہ نظم ۱۹۰۲ء میں تصنیف اور رسالہ مخزن میں شائع ہوئی۔ اس میں علامہ نے یہ

حقیقت واضح کی ہے کہ انسان کے لیے موت ایک پہیلی ہے جسے آج تک کوئی نہیں بوجھ سکا۔ یہ انسان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے اور یہیں سے اس خالق حقیقی کے وجود کا پتا چلتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ نے دنیاوی زندگی کے حالات کی افسانوی رنگ میں عکاسی کی ہے۔ اس نظم کے ان تین بندوں میں وہ کئی اشعار نہیں ہیں جو مخزن میں شائع ہوئے تھے۔ بعض اشعار نئے ہیں جو بعد میں اضافہ کیے گئے۔)

پہلا بند

۱۔ روشن سورج چھپ گیا، غروب ہو گیا اور شام کے چہرے سے نقاب اٹھ گئی یعنی شام کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ کائنات کی ساری مخلوقات کے کندھے پر شام کے گیسو بکھرے ہوئے ہیں۔ شام کو ایک حسینہ سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہی کہ تاریکی چھانے لگی ہے۔

۲۔ یہ جو سیاہ لباس (تاریکی) پہنا جا رہا ہے تو یہ کسی کے غم میں ہے۔ قدرت کی محفل شاید سورج کے ماتم میں لگ گئی ہے۔ مختلف تشبیہات و استعارات میں رات کے آغاز کی تصویر کشی ہے۔

۳۔ آسمان بولنے والے ہونٹوں پر جادو کر رہا ہے۔ رات کا جادوگر بیدار آنکھوں پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ رات کو جادوگر سے تشبیہ دی ہے جو لوگوں کو ایک نظر دیکھتی ہے اور فوراً ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں یعنی وہ سو جاتے ہیں۔ بیدار آنکھ سے مراد جو لوگ ابھی نہیں سوئے۔ گویا رات چاہتی ہے کہ وہ اب سو جائیں۔

۴۔ ہوا کی لہر خاموشی کے دریا میں غوطے لگا رہی ہے۔ رات کی وجہ سے ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ البتہ دور سے ایک آواز درا سنائی دے رہی ہے۔ گویا زندگی کا قافلہ کوچ کرنے کی تیاری میں ہے۔ دنیا سے کوچ کا ڈنکا بج رہا ہے یعنی معلوم نہیں موت کس وقت آ جائے۔

۵۔ میرا دل جو الفت و محبت کی وجہ سے بیقرار رہتا ہے اور اسی باعث دنیا سے متنفر ہے، مجھے دنیا کے ہنگاموں سے دور لے آیا ہے۔

۶۔ میں حرماں نصیبی کے منظر کا تماشائی ہوں اور اسی بنا پر تنہائی کے گوشے میں سوئے ہوؤں کا ہم نشین/ساتھی ہوں یعنی قبر میں دفن مردوں کا ہمنشیں ہوں۔ ان کے پاس آ بیٹھا ہوں۔

دوسرا بند

۱- اے میرے دل کی بیقراری ذرا تھم/رک جا' مجھے یہاں (قبرستان میں) بیٹھ جانے اور اس بستی پر مجھے کچھ دیر رونے دے۔ انسان کے انجام کا جو دکھ ہے' اس کا کچھ دیر اظہار کرلوں۔

۲- (اب مُردوں سے خطاب ہے) اے غفلت کی شراب پی کر بے حدمست ہو جانے والو! تم لوگ کہاں رہتے ہو؟ تم آخر اس دیس کے بارے میں تو کچھ بتاؤ جہاں تم رہتے ہو۔ مرنے پر انسان کے حواس ختم ہو جاتے ہیں۔ موت کی بے خبری اور حواس کے ختم ہونے کو (جسے غفلت کہا ہے) شراب سے تشبیہ دی ہے۔

۳- تم جہاں رہتے ہو کیا وہ بھی' ہماری دنیا کی طرح' امروز و فردا کا کوئی حیرت خانہ ہے؟ اور وہاں بھی عناصر کی باہمی چپقلش/لڑائی کا تماشا ہوتا ہے؟

۴- کیا وہاں بھی انسان غم کے قلعہ میں محصور ہوتا ہے (کیا وہاں بھی انسان غموں دکھوں کا شکار رہتا ہے؟) اور کیا اس ملک/دیس میں بھی انسان کا دل مجبور ہوتا ہے؟ یعنی کیا وہاں بھی انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے؟

۵- کیا وہاں بھی شمع کی آگ پر پروانہ جل مرتا ہے؟ کیا اس چمن میں بھی گل و بلبل کا افسانہ ہوتا ہے۔ پروانہ شمع کا اور بلبل پھول کا عاشق ہوتا ہے۔ گویا کیا وہاں بھی عشق کی داستان دہرائی جاتی ہے؟

۶- اس دنیا میں تو ایک مصرع ہی پر آدمی کا دل پھڑک اٹھتا ہے۔ (اچھا شعر سن کر سننے والا واہ واہ کرنے لگتا ہے) کیا وہاں بھی شعر کی گرمی سے دل پگھل جاتا ہے؟ وہی اچھے شعر والی بات۔

۷- اس دنیا میں تو جو قرابت داری اور رشتہ داری جان کا عذاب ہیں' کیا اس گلستاں میں بھی ایسے نوکیلے (بہت چبھنے والے) کانٹے ہیں؟ رشتہ و پیوند کو نکیلے خاروں سے تشبیہ دی ہے یعنی آج کی رشتہ داریوں اور قرابت داریوں میں ایک دوسرے کا احساس اور ہمدردی کا جذبہ نہیں ہے' بس ہر کسی کو اپنے مفاد کی پڑی ہے۔

۸- ہماری دنیا میں تو ایک روزی کے حصول کے لیے سو طرح کی مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ کیا اس دیس میں روح روزی کے اس فکر سے آزاد ہے؟ ظاہر ہے روح کا تو ان

جھمیلوں سے کوئی تعلق نہیں ' یہ تو سراسر مادی جسم کی ضرورت کا نتیجہ ہے۔

۹- کیا تمہارے دیس میں بھی ہماری دنیا کی طرح کھلیان پر گرنے والی بجلی اور کسان اور کھلیان بھی ہے؟ کیا وہاں بھی قافلے چلتے ہیں اور راہ ماروں /لٹیروں کا خوف ان پر طاری رہتا ہے؟ (آج بھی ہمارے یہاں یہ سلسلہ جاری ہے۔ڈاکوں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں' مسافروں کو بڑے ظلم وستم کے ساتھ لوٹا جا رہا ہے لیکن حکمران وقت اس طرف توجہ ہی نہیں کر رہے ہے۔ وہ اپنی عیاشیوں میں غرق ہیں۔ خدا انہیں ہدایت دے۔)

۱۰- کیا وہاں بھی پرندے اپنے گھونسلے بنانے کیلئے زمین پر سے تنکے اٹھاتے ہیں اور کیا وہاں بھی' یہاں کے لوگوں کی طرح' مکان بنانے کیلئے اینٹوں اور مٹی کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

۱۱- کیا وہاں بھی انسان اپنی حقیقت واصلیت سے بے خبر ہیں؟ اصلیت یہ کہ وہ مٹی سے بنا اور فانی ہے۔ کیا وہاں بھی لوگ مذہب وملت اور آئین میں امتیاز کرنے کے دیوانے ہیں؟ دنیا میں انسان نے مذہب وملت کے نام پر خود کو گروہوں میں تقسیم کر لیا ہے اور اسی تقسیم کے باعث وہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے اور انسانیت کی تذلیل میں لگے رہتے ہیں جبکہ سب انسان ایک اور برابر ہیں۔ کسی شاعر نے یوں کہا ہے:

کس منہ سے کوئی عظمتِ آدم کا نام لے
جب آدمی فریب کرے آدمی کے ساتھ

۱۲- کیا وہاں بھی بلبل کی فریاد پر چمن نہیں روتا؟ اور کیا وہاں بھی اس دنیا کی طرح وہاں کے لوگ بھی دردِ دل سے نا آشنا ہیں؟ چمن کا رونا گویا اظہار ہمدردی ہے لیکن دنیا میں کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ سب کو اپنی پڑی ہوئی ہے۔

تیسرا بند=

۱- (اب مُردوں سے نئے سوال پوچھے جا رہے ہیں) کیا فردوس ایک باغ ہے یا آرام کرنے کی ایک منزل ہے؟ غالباً یہ مراد ہے کہ وہاں گھوما پھرا جا سکتا ہے جس طرح یہاں لوگ باغ میں گھومتے پھرتے ہیں یا ایک ہی جگہ پڑے رہنے کا مقام ہے یا فردوس حسن ازل کے بے پردہ چہرے کا نام ہے؟ یعنی قدرت کا حسن وہاں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے؟

۲- کیا دوزخ گناہوں کو جلانے' گناہ کے عمل کو ختم کرنے کی ایک ترکیب ہے؟ اس میں

آگ کے جو شعلے ہیں۔ کیا ان سے یہ مقصود و مطلوب ہے کہ ادب سکھانے کے لیے ڈرانے کی کیفیت کو عمل میں لایا جائے یعنی گناہوں سے دور رہنے کی تربیت مقصود ہے؟

۳۔ کیا اس دیس میں رفتار کی بجائے پرواز سے کام چلتا ہے؟ ہم زمین والے جس چیز/بات کو موت کہتے ہیں' وہ کیا راز ہے؟ انسان کے دل میں اس قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں کہ موت کیا ہے' یہ دوزخ اور بہشت کیا ہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جنہیں انسان سمجھ نہیں سکتا۔ یہ سب قدرت کے کام ہیں اور وہی ان سے آگاہ ہے۔

۴۔ اس دنیا میں دل کی بیقراری کا سبب یہاں کی بود و باش (رہنا سہنا) ہے۔ کیا اس ملک میں بھی انسان کا علم محدود ہے۔ ظاہر ہے قدرت کے معاملات کو سمجھنا انسانی علم کے بس کی بات نہیں ہے۔ دنیا میں زندگی کے مختلف مسائل انسان کو بے چین رکھتے ہیں۔

۵۔ کیا وہاں بھی ہجر کا مارا ہوا دل دید سے تسکین پاتا ہے؟ یہاں جب ایک عاشق کو محبوب کا دیدار نہیں ہوتا تو وہ بیقراری و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور جب محبوب کا دیدار ہو جائے تو اسے بے حد سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی حوالے سے ایسا کہا ہے یا وہاں کے طور بھی ''لن ترانی'' کہہ رہے ہیں۔ مراد یہ کہ کیا تمہیں اس محبوب حقیقی کا دیدار ہوتا ہے یا اس سے دوری ہی ہوتی ہے اور وہی حضرت موسیٰ والا واقعہ دہرایا جاتا ہے؟

۶۔ کیا وہاں بھی تلاش و جستجو کی بنا پر روح کو آرام و سکون میسر آتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی انسان ذوق استفسار کا مارا ہوا ہے؟ علامہ نے کئی اشعار میں تلاش و تحقیق اور اس میں مسلسل مصروف رہنے کو سراہا اور اس کا درس دیا ہے۔ یہ بات انہوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔ مثلاً

موت ہے عیش جاوداں ذوق طلب اگر نہ ہو
گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

۷۔ آہ! کیا وہ دیس بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے یعنی کیا وہاں بھی اس دنیا کی طرح جہالت کا دور دورہ ہے یا وہ محبت کی تجلی سے پوری طرح منور و روشن ہے۔ دنیا میں جہالت اور ایک دوسرے کی ہمدردی و غمگساری سے بے پروائی کے سبب گویا تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ انسان کو دوسروں سے محبت ہی نہیں ہے۔ اگر باہمی محبت و ہمدردی

ہو جائے تو یہ دنیا ہر طرح کی برائیوں اور جہالت سے پاک ہو جائے۔

۸- اس گردش کرنے والے آسمان میں جو راز ہے وہ تم ہمیں بتا دو اس لیے کہ موت ایک ایسا کانٹا ہے جو انسان کے دل میں مسلسل چبھتا رہتا ہے یعنی انسان اسی خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ خدا جانے میری موت کب آ جائے۔ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور یہی بات اس خوف کا باعث بنتی ہے۔

شمع و پروانہ

۱- پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع! پیار کیوں؟	یہ جانِ بیقرار ہے تجھ پہ نثار کیوں؟
۲- سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے	آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے
۳- کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا	پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟
۴- آزارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟	شعلے میں تیرے زندگیِ جاوداں ہے کیا؟
۵- غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو	اس تفتہ دل کا نخلِ تمنا ہرا نہ ہو
۶- گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے	ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
۷- کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حسنِ قدیم ہے	چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے
۸- پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی	کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی

(یہ نظم پہلی بار رسالہ مخزن لاہور اپریل ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ مخزن میں اس کے بارہ اشعار چھپے تھے۔ اب باقی چار اشعار "باقیاتِ اقبال" میں ہیں۔ اس میں علامہ نے عشق کی واردات و کیفیات کو شمع و پروانہ کے استعارے اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔)

۱- اے شمع! یہ جو پروانہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی بیقرار جان کیوں تجھ پر قربان ہوتی ہے؟ پروانہ رات کو شمع / موم بتی کے گرد گھومتا اور پھر اس کی آگ میں جل جاتا ہے۔ اسے اس کا شمع سے عشق قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبوب کی اداؤں پر عاشق قربان ہو جاتا ہے۔

۲- تیری ادا (جلنا) اسے پارے کی طرح بیقرار رکھتی ہے۔ کیا تو نے اسے عشق کے آداب سکھائے ہیں جو اس کی یہ حالت ہوتی ہے؟ محبوب کی ادائیں ہی عاشق کو

بیقرار رکھتی ہیں۔ اس موضوع پر ہر شاعر نے طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً:

نظیری　زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

عرفی　زبت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے　بہ حیرتم کہ دل برہمن زلف چون شد

میر تقی میر　گل ہو مہتاب ہو آئینہ ہو خورشید ہو میر　اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

درد　صورتوں میں خوب ہوں گی شیخ! گو حور بہشت　پر کہاں یہ شوخیاں' یہ طوز' یہ محبوبیاں

احمد ندیم قاسمی

وہ کشش کچھ اور ہی چیز ہے' جسے حسن کہتے ہیں اہل دل

نہ جمال عارض و چشم و لب' نہ کمال چست قبائی ہے

۳۔ یہ تیری جلوہ گاہ (روشنی کی جگہ) کے گرد طواف کرتا ہے جو انجابی عشق کی علامت ہے۔ کیا یہ تیری نگاہوں کی بجلی کا پھونکا ہوا ہے۔ محبوب کی نظروں کا انداز کچھ ایسا ہوتا ہے کہ عاشق پر ان سے عجیب اور والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پر بھی شعرا نے اپنے اپنے انداز میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً:

حافظ　از چشم خود بپرس کہ ما را کہ می کشد　جانا! گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

(اے محبوب! تو اپنی آنکھ یا نگاہوں سے پوچھ کہ ہمیں کون مار رہا ہے۔ یہ قسمت اور ستارۂ مقدر کا جرم نہیں ہے۔)

کلیم اصفہانی

در دیارے کہ بود گردش آں چشم کلیم

نسبت فتنہ بہ بد گردی اختر ندہند

(جس دیار میں اس محبوب کی آنکھیں گردش کریں وہاں مقدر کے ستارے کی بری گردش پر الزام نہیں دیتے۔)

نیز کلیم　کہ دل بجا تواند داشت پیش چشم شہلا یش　کشد ز آئینہ بیرون عکس را مژگان گیرایش

(محبوب کی پھول شہلا جیسی دلکش آنکھوں کے سامنے کون اپنے دل کو ٹھکانے پر رکھ سکتا ہے یعنی نہیں رکھ سکتا' اس لیے کہ اس کی گرفت کرنے والی پلکیں تو آئینے سے عکس باہر کھینچ لاتی ہیں۔)

موزوں　بجا کنند غم زدگان شکوہ فلک　موزوں چہ فتنہ ہاست کہ در چشم یار نیست

(اے موزوں! یہ جو غمزدہ لوگ آسمان کا شکوہ کرتے ہیں تو یہ بجا ہے' اس لیے کہ کون سے فتنے ہیں جو اس محبوب کی آنکھوں / نگاہوں میں نہیں ہیں)

نشاط　روشنان فلکی را اثرے در ما نیست　حذر از گردش چشم سیہ باید کرد

(آسمانی ستاروں یعنی قسمت کے ستاروں کا ہم میں کوئی اثر نہیں ہے۔ درحقیقت کسی سیاہ چشم کی گردش سے بچنا چاہیے۔

لالہ حیا: غم تغافل صد سالہ می رود ز دل من — حیا! نگاہ ز چشمش چو عذر خواہ برآید

(اے حیا! جب معذرت کرنے والی نگاہ اس کی آنکھوں سے باہر آتی ہے تو میرا اس کے تغافل کا سو سالہ غم دل سے ختم ہو جاتا ہے۔)

بقول شاعر: تمام از گردش چشم تو شد کار من اے ساقی — ز دست من بگیر این جام را کز خویشتن رفتم

(اے ساقی! تیری آنکھوں کی گردش سے میرا کام تمام ہو گیا ہے۔ تو جام میرے ہاتھ سے پکڑ لے کہ میں اپنے آپ سے گیا۔

بقول سودا: ع ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ میں چلا

مسنون: فلک کو صرف خرابی ہے گردش شب و روز — کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

نظام: گردش چشم یار کے آگے — گردش روزگار کیا شے ہے

ناظم: بیخود ہے یہ اس چشم سیہ مست کا مارا — ہر چند قیامت ہوئی برپا نہیں اٹھا

۴۔ کیا موت کی اذیت/تکلیف میں اس کی جان کو آرام ملتا ہے؟ کیا تیرے شعلے (جس پر وہ مر مر جاتا ہے) میں حیات جاوداں (ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی) کا سامان ہے؟

۵۔ اگر دنیا میں 'جو غموں دکھوں کا گھر ہے' تیری روشنی نہ ہو تو اس دل جلے عاشق کی آرزو و خواہش کبھی پوری نہ ہو یعنی تیری روشنی ہی اس کے لیے سب کچھ ہے۔ اسی پر جل مرنے میں اس کی آرزو پوری ہوتی ہے۔

۶۔ وہ جو کچھ دیر تیرے گرد چکر لگا کر گر جاتا ہے تو یہ اس کی تیرے حضور نماز ہے۔ وہ تجھے یعنی اپنے محبوب کو فرط محبت سے سجدہ کرتا ہے۔ اس کے ننھے سے دل میں عشق کا سوز و گداز ہے جس سے وہ لذت اندوز ہوتا ہے۔

۷۔ اس میں کس قدر خدا تعالیٰ کے جلوے کے عشق یعنی حضرت موسیٰ کا سا جوش ہے۔ تو (شمع) گویا ایک چھوٹا سا طور ہے اور وہ ذرا سا یا چھوٹا سا کلیم (موسیٰ کلیم اللہ جنہوں نے طور پر خدا کا جلوہ دیکھا) ہے۔

۸۔ حیرانی کی بات ہے کہ پروانہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے لیکن اس میں روشنی کے نظارے کا کس قدر ذوق و شوق ہے۔ چھوٹا سا کیڑا اور روشنی کی آرزو؟ تعجب خیز بات ہے۔

عقل و دل

۱۔ عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا — "بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
۲۔ ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا — دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
۳۔ کام دنیا میں رہبری ہے مرا — مثل خضرِ خجستہ پا ہوں میں
۴۔ ہوں مفسر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
۵۔ بوند اک خون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں"
۶۔ دل نے سن کر کہا "یہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا میں ہوں
۷۔ رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
۸۔ ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن سے آشنا ہوں میں
۹۔ علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے — تو خدا جُو، خدا نما ہوں میں
۱۰۔ علم کی انتہا ہے بے تابی — اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
۱۱۔ شمع تو محفلِ صداقت کی — حسن کی بزم کا دِیا ہوں میں
۱۲۔ تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا — طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں
۱۳۔ کس بلندی پہ ہے مقام مرا — عرشِ ربِّ جلیل کا ہوں میں

(علامہ نے اپنا فلسفۂ خودی محکم طور پر مرتب کرنے سے پہلے یہ نظم اپنے ابتدائی دور میں کہی تھی۔ اس میں "دل" سے مراد عشق ہے۔ اس لحاظ سے اس نظم میں عقل اور عشق کا موازنہ و مقابلہ کیا ہے اور یہی موضوع بعد میں ان کی شاعری کا بنیادی موضوع قرار پایا۔ ان کے مطابق عشق کو عقل پر برتری و فضیلت حاصل ہے۔ عقل سے نئی نئی باتیں دریافت کی جاتی ہیں اور عشق سے انسان ان حقیقتوں (مثلاً خدا تعالیٰ کا وجود وغیرہ) کا یقین اور عقیدہ حاصل کرتا ہے جن تک عقل اور حواس خمسہ کی رسائی ممکن نہیں)

۱۔ ایک دن عقل نے دل سے یہ کہا کہ میں راستہ بھولنے والے / والوں کی رہنمائی کرتی ہوں۔ گویا عقل انسان کو اس کی غلطیوں سے آگاہ کرتی ہے۔

۲۔ میں ہوں تو زمین پر لیکن آسمان پر میرا گزر یعنی میری رسائی ہے۔ تو ذرا ملاحظہ کر کہ میری رسائی کس بلندی تک ہے۔ میں منزل مقصود تک پہنچتی ہوں یا صاحب عقل و خرد

کو اس کے صحیح مقام سے آگاہ کرتی ہوں۔

۳- دنیا میں میرا کام انسانوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ انہیں ان کا مقصد حیات بتاتا ہے۔ یوں سمجھو کہ میں مبارک قدموں والے حضرت خضر کی مانند ہوں جو بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

۴- میں زندگی/وجود کی تفسیر کرنے والی ہوں اور اس ذات کبریا اللہ تعالیٰ کی شان کی مظہر ہوں۔ وہی بات دوسرے استعارے میں کہی ہے۔

۵- تو تو خون کی ایک بوند ہے جبکہ میں ایک نہایت قیمتی لعل کے لیے بھی باعث رشک ہوں۔ گویا دل/عشق پر اپنی برتری جتائی ہے جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو اگلے شعروں میں واضح ہوگا۔

۶- دل نے جب عقل کی یہ بڑائی کی باتیں سنیں تو بولا کہ تو جو کچھ کہہ رہی ہے' ٹھیک ہے' سچ ہے لیکن ذرا تو مجھ پر بھی تو توجہ کر' مجھے دیکھ میں کیا ہوں۔

۷- تو زندگی/وجود کے راز کو سمجھتی ہے جبکہ میں اسے آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ کائنات میں جو کچھ ہے' اسے تو ظاہری طور پر دیکھتی ہے جبکہ میری تمام تر توجہ اس وجود کی طرف ہوتی ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔

۸- تجھے تو ظاہری اشیائے کائنات سے واسطہ رہتا ہے جبکہ میں مظاہر کے باطن سے آشنا ہوں۔ ساتویں شعر والی بات۔

۹- انسان تیری بدولت صاحب علم بنتا ہے اور میری (عشق کی) وجہ سے اس میں معرفت ایزدی پیدا ہوتی ہے۔ تو تو خدا کی تلاش کرنے والی ہے جبکہ میں خدا تک پہنچانے والا ہوں۔ دل میں پیدا ہونے والے جذبات عشق ہی کی بدولت انسان اس ذات الٰہی کے وجود سے آگاہ ہوتا اور اس تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

۱۰- علم جب اپنی انتہا (کمال) کو پہنچتا ہے تو وہ انسان کی بیقراری کا باعث بنتا ہے اور اس مرض کی میں ہی دوا ہوں۔ انسان' جس نے علم میں کمال حاصل کر لیا لیکن جذبات عشق سے محروم رہا' وہ خالق کائنات کے بارے میں صرف سوچ ہی سکتا ہے جو اس کی بیقراری کی علامت ہے لیکن اس خالق تک رسائی اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ یہ صرف عشق ہی کے طفیل ممکن ہے۔

۱۱- تو (عقل) راست بازی/سچائی کی محفل کی شمع (موم بتی) ہے اور میں حسن کی بزم کا

چراغ ہوں۔ موم بتی میں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ پھر صداقت کی نسبت حسن (حسن حقیقی) بہت افضل ہے۔ خدا نما والی بات ہے۔ (شعر۔۹)

۱۲۔ تو زمان و مکاں کے چکر میں پڑی ہے یعنی ایک خاص حد تک پہنچنے والی ہے جبکہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے والا پرندہ ہوں۔ نئے استعارے میں شعر ۹ والی بات۔

۱۳۔ تو یہ دیکھ کہ کس بلندی پر میرا مقام ہے۔ میں (عشق) رب جلیل کا عرش ہوں۔ گویا عشق کی بدولت انسان کا مرتبہ حضرت جبریل سے بھی بڑھ جاتا ہے جو سدرہ سے آگے نہیں جا سکتے۔

صدائے درد

(پہلا بند)

۱۔ جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے — ہاں ڈبو دے اے محیط آب گنگا تو مجھے
۲۔ سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے — وصل کیسا یاں تو اک قرب فراق آمیز ہے
۳۔ بدلے یک رنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب — ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
۴۔ جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں — اس چمن میں کوئی لطف نغمہ پیرائی نہیں
۵۔ لذت قرب حقیقی پر مٹا جاتا ہوں — اختلاط موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

(دوسرا بند)

۱۔ دانہ خرمن نما ہے شاعر معجز بیاں — ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں
۲۔ حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو — شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو
۳۔ ذوق گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں — میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں
۴۔ کب زباں کھولی ہماری لذت گفتار نے — پھونک ڈالا جب چمن کو آتش پیکار نے

(شروع میں علامہ نے ہندوستان کو اپنا وطن قرار دے کر کہا تھا "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" لیکن بعد میں ان پر ہندوؤں کی ذہنیت واضح ہو گئی کہ وہ کسی

طرح بھی اور کہیں بھی مسلمانوں کی اکثریت برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ اگرچہ اس نظم میں علامہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک خرمن کے دو دانے کہا ہے لیکن اس وقت تک وہ ہندوؤں کے سلوک اور رویے سے اس حد تک مایوس ہو چکے تھے کہ وہ ہندوستان سے کسی دوسرے ملک جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی یہ سوچ ان چھ الوداعی شعروں سے ظاہر ہے جو علامہ نے بعد میں نکال دیئے تھے اور اب "باقیات اقبال" ص ۲۹۴ پر نقل ہیں۔ مکمل نظم رسالہ مخزن شمارہ جون میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں ہندوؤں کے اسی رویے پر اظہار افسوس ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ میں جل رہا ہوں اور کسی صورت بھی مجھے چین قرار نہیں ہے' لہٰذا اے دریائے گنگا تو مجھے خود میں ڈبو دے۔ اس جلنے اور بیقراری کی وجہ اگلے اشعار میں ہے۔

۲۔ اپنا ملک قیامت کی حد تک یعنی بہت زیادہ نفاق انگیز ہے۔ دونوں قوموں میں بہت پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ آپس میں میل ملاپ کی بات تو کیا کرنی' یہاں ان میں فراق آمیز قرب ہے۔

۳۔ اتحاد و اتفاق کی بجائے یہ ناآشنائی بڑے دکھ کی بات ہے۔ ایک ہی کھلیان کے دانوں میں یہ جدائی دکھ کی بات ہے یعنی ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے یہ باہمی کشیدگی' ایک دوسرے سے دور دور رہنا دکھ کی بات ہے۔ انسان دشمنی اور انسان دوستی سے متعلق یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ اگرچہ ان کا پس منظر ہندوستان کی مذکورہ حالت نہیں ہے' وہ عمومی حوالے سے ہیں:

جگر مراد آبادی — جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے — گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

شکیب جلالی — ملبوس خوشنما ہیں مگر جسم کھوکھلے — چھلکے سجے ہوئے ہیں پھلوں کی دکان پر

(انسان دوستی)

سعدیؒ — چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

(جب زمانے کے ہاتھوں کسی ایک عضو کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو باقی اعضا کو قرار نہیں رہتا)

امیر مینائی — خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر — سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

میر صیدی تہرانی: دلم بہ دوستی عالمے گرفتار است ❊ بکار ہر کہ شکستے رسد بکار من است

(میرا دل اہل دنیا کی دوستی میں گرفتار ہے یا دوستی میں غرق ہے۔ جس کسی کو بھی کسی کام/معاملے میں نقصان یا دکھ پہنچتا ہے' وہ گویا میرے کام کو پہنچتا ہے۔

۴۔ جس چمن کے پھولوں میں بھائی چارے کی ہوا نہیں آئی' اس میں نغمہ الاپنے میں کوئی لطف نہیں۔ گویا جس ملک میں بھائی چارہ نہیں ہے' وہاں شاعری کرنا بیکار مشغلہ ہوگا۔

۵۔ میں تو حقیقی اتفاق اور باہمی محبت یا بھائی چارے کا شیفتہ ہوں یعنی میری دلی خواہش ہے کہ دونوں قومیں باہمی چپقلش کی بجائے اتفاق اور محبت سے رہیں۔ اسی بات کو ساحل اور لہر کے استعارے میں کہا ہے۔ لہر ساحل سے ٹکراتی رہتی ہے' یہ نا اتفاقی کی علامت ہے۔ جس سے علامہ گھبراتے ہیں۔

(دوسرا بند)

۱۔ ایک مجبوریاں شاعر ایک خرمن نما دانہ ہے۔ جب خرمن ہی نہ ہو تو دانے کی کیا ہستی رہ جاتی ہے یعنی شاعر تو سب انسانوں کو ایک سمجھتا ہے اور اگر ان قوموں میں اتفاق و محبت کا جذبہ ہی نہ ہو تو شاعری کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

۲۔ اگر کوئی حسن کی طرف مائل ہی نہ ہو تو حسن کیونکر خود نما ہو سکتا ہے۔ اگر محفل ہی نہ ہو تو شمع کا جلنا بیکار ہوگا۔ پہلے شعر والی بات نئے استعاروں میں۔

۳۔ اس نا اتفاقی اور باہمی پھوٹ پر اپنے دکھ کا اظہار یوں کیا ہے کہ میرا یہ بات کرنے (شاعری) کا ذوق خاموشی سے کیوں نہیں بدلتا۔ میرے آئینے سے یہ چمک دمک کیوں نہیں نکلتی۔ پہلے مصرعے والی بات استعارے میں کہی ہے۔ مطلب یہ کہ اپنے ملک میں جو اذیت ناک صورت حال ہے اس پر کیونکر خاموشی اختیار کروں۔

۴۔ (بڑے دکھ کی بات ہے کہ) میری لذت گفتار (شاعری) نے اس وقت زبان کھولی جب باہمی چپقلش اور لڑائی جھگڑے کی آگ نے چمن کو پھونک ڈالا یعنی میں نے شاعری اس وقت شروع کی جب دو قوموں میں باہمی چپقلش لڑائی جھگڑا بہت بڑھ چکا تھا اور میرے جیسے پیار اور محبت والے انسان کے لیے یہ بڑے دکھ کی بات ہے۔

آفتاب (ترجمہ گایتری)

(لغت ملاحظہ ہو)

۱۔ اے آفتاب! روح و روانِ جہاں ہے تو — شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو
۲۔ باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا — ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا
۳۔ قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے — ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
۴۔ ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے — تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
۵۔ وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے — دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے
۶۔ اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے — چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے
۷۔ ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو — یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
۸۔ تیرا کمال ہستیِ ہر جاندار میں — تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
۹۔ ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو — زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
۱۰۔ نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری — آزادِ قیدِ اول و آخر ضیا تری

۱۔ اے خالقِ کائنات! تو دنیا کا روح و رواں ہے، تجھ پر حیاتِ انسانی کا دار و مدار ہے اور کائنات کی کتاب کا شیرازہ بند ہے۔ کائنات کے اجزاء کو انتشار سے محفوظ اور مرتب رکھنے والا ہے۔

۲۔ تو ہی ہستی اور نیستی / عدم کے ظہور و نمود کا باعث ہے اور تیرے ہی دم سے کائنات کا چمن سرسبز و شاداب ہے۔ کائنات کی ساری رونق و شادابی تیری وجہ سے ہے۔ تو نے ہی یہ تخلیق کی اور اس میں رونق کا سامان کیا ہے۔

۳۔ یہ جو چار عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) دنیا میں قائم و برقرار ہیں تو یہ بھی تیرے ہی دم سے ہیں۔ تیری ذاتِ اقدس ہی نے یہ تخلیق کیے ہیں اور یہ جو ہر شے میں زندگی کی صلاحیت نظر آتی ہے تو یہ بھی تیرے ہی طفیل ہے۔ ظاہر ہے خالق ہی نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ وہ نہ ہوتا تو یہ کائنات بھی نہ ہوتی۔

۴۔ یہ جو کائنات کی ہر شے کو ثبات و حیات میسر ہے تو یہ تیری جلوہ گری کے باعث ہے۔ کائنات کی ہر ہر شے میں تیرا جلوہ کارفرما ہے۔ البتہ اسے دیکھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے۔ تیرا یہ جذبۂ عشق سراسر زندگی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ جب میں

نے خود کو دیکھنا چاہا تو یہ کائنات پیدا کر دی۔ ہر شے میں اس کی جلوہ گری کا مضمون اکثر شعرا نے باندھا ہے۔ مثلاً

سعدی شیرازی برگ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش ہر ورقے است دفتر معرفت کردگار

(ہر صاحب فہم و شعور کے لیے سبز درختوں کا ایک ایک پتا اس کردگار کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔

بو علی قلندر گر چشم دل کشادہ شود اے شرف تُرا ہر ذرۂ جہان شود آئینہ دار دوست

(اے شرف! اگر تیرے دل کی آنکھیں کھلی ہوں' تجھ میں بصیرت ہو تو کائنات کا ہر ہر ذرہ اس محبوب کا آئینہ دار ہے۔

فیضی ہر گیاہے کہ از زمین روید وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

(زمین سے جو بھی گھاس اگتی ہے' وہ یہ کہتی ہے کہ وہ خالق واحد ہے۔ اس کا کوئی ثانی/شریک نہیں)

فغانی مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست اما نمی توان کہ اشارت بہ او کنند

(یہ بات کہ ہر ذرہ سراپا وہی ذات ہے' ایک مشکل حکایت ہے لیکن اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔)

جامی بے نشان است کز و نام و نشاں چیزے نیست بہ خدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست

(وہ ایک ایسا بے نشان ہے جس کا نام و نشان کوئی چیز نہیں ہے۔ خدا کی قسم! دونوں جہانوں میں خدا کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔)

احمد ندیم قاسمی جس راز سے انساں کوئی فلسفے سوجھے دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

۵-۶: وہ آفتاب' جس کے باعث دنیا میں روشنی پھیلی ہے یا پھیل سکتی ہے' وہ دل ہے' خرد ہے' روحِ رواں ہے اور فہم و شعور ہے' لہٰذا اے خالقِ کائنات تو ہمیں فہم و شعور کی روشنی عطا فرما اور عقل و خرد کی آنکھوں کو اپنی تجلی سے نور عطا فرما تا کہ ہم انسان صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات بن کر اس کائنات کی مختلف تاریکیوں کو دور کرنے اور اس کی رونق کا سامان کر سکیں۔

۷- تو ہی اس وجود کی محفل (کائنات) کا منتظم ہے اور نشیب و فراز کے رہنے والوں کا خدا ہے۔ زمین و آسمان کے رہنے والوں کا خالق و مالک تو ہی ہے اور کائنات کی ساری رونق کا سامان تو ہی کرتا ہے۔

۸۔ ہر جاندار کے وجود میں تیرا کمال نمایاں ہے یعنی انسان جب اشیائے کائنات و مخلوقات پر غور کرتا ہے تو ان کی تخلیق اس کے لیے بڑے تعجب و حیرانی کا باعث بنتی ہے کہ اس خالق نے کس کمال سے ان کی تخلیق کی ہے۔ اے خالق! پہاڑوں کی قطار میں تیرا ظہور ہے۔ پہاڑوں کو دیکھ کر انسان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا ایک خالق ہے' یہ یونہی وجود میں نہیں آ گئے۔

۹۔ تو ہی ہر چیز کی زندگی کی پرورش و تربیت کرنے والا اور نور سے پیدا ہونے والوں کا تاجدار ہے۔ وہی بات کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور تربیت کنندہ تو ہی ہے۔ تیرے ہی نور کے طفیل فرشتوں کا وجود ہے۔

۱۰۔ اے خالق کائنات! تیری نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا ہے۔ تیرا نور اول اور آخر کی قید سے آزاد ہے۔ تیرا نور ازل سے چلا آ رہا ہے اور کبھی ختم نہ ہوگا۔ تیرا نوری وجود ہمیشہ قائم و برقرار رہنے والا ہے۔

شمع

(پہلا بند)

۱۔ بزم جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع دردمند — فریاد در گرہ صفت دانۂ سپند
۲۔ دی عشق نے حرارت سوز دروں تجھے — اور گل فروش اشک شفق گوں کیا مجھے
۳۔ ہو شمع بزم عیش کہ شمع مزار تو — ہر حال اشک غم سے رہی ہمکنار تو

(دوسرا بند)

۱۔ یک بیں تری نظر صفت عاشقان زار — میری نگاہ مایۂ آشوب امتیاز
۲۔ کعبے میں' بتکدے میں ہے یکساں تری ضیا — میں امتیاز دیر و حرم میں پھنسا ہوا
۳۔ ہے شان آہ کی ترے دود سیاہ میں — پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

(تیسرا بند)

۱- جلتی ہے تو کہ برقِ تجلی سے دور ہے — بیدرد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے
۲- تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں — بینا ہے اور سوزِ دروں پر نظر نہیں
۳- میں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی — آگاہ و اضطرابِ دل بیقرار بھی
۴- تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا — احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

(چوتھا بند)

۱- یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بیقرار — خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتشکدے ہزار
۲- یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے — گل میں مہک، شراب میں مستی اسی سے ہے
۳- بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی — اصلِ کشاکشِ من و تو ہے یہ آگہی

(پانچواں بند)

۱- صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق — آوازِ "کن" ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
۲- یہ حکم تھا کہ گلشنِ "کن" کی بہار دیکھ — ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ
۳- مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی — شامِ فراق صبح تھی میری نمود کی
۴- وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا — زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
۵- قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں — غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں
۶- یادِ وطن فسردگیِ بے سبب بنی — شوقِ نظر کبھی، کبھی ذوقِ طلب بنی

(چھٹا بند)

۱- اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ — مسجودِ ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ
۲- مضموں فراق کا ہوں، ثریا نشاں ہوں میں — آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہوں میں
۳- باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود — تحریر کر دیا سرِ دیوانِ ہست و بود
۴- گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے — بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے
۵- چشمِ غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے — عالم ظہورِ جلوۂ ذوقِ شعور ہے
۶- یہ سلسلہ زمان و مکاں کا کمند ہے — طوقِ گلوئے حسنِ تماشا پسند ہے

۷- منزل کا اشتیاق ہے، گم کردہ راہ ہوں — اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں
۸- صیاد آپ، حلقۂ دامِ ستم بھی آپ — بامِ حرم بھی، طائرِ بامِ حرم بھی آپ
۹- میں حسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں — کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
۱۰- ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں — پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

(یہ نظم رسالہ مخزن شمارہ دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ "باقیاتِ اقبال" میں اس کے دس اور اشعار درج ہیں جو بعد میں علامہ نے بانگِ درا میں شامل نہیں کیے۔ اس نظم میں مسئلہ وحدت الوجود پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں علامہ نے جو تعبیریں/ وضاحتیں کی ہیں وہ حضرت شیخ اکبر ابن عربی نے پیش کی تھیں۔ یہ کہنا چاہا ہے کہ حسن اور عشق یعنی خالق اور مخلوق اور ناز و نیاز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس نظم میں علامہ نے وحدت الوجود کے اس نظریے سے اتفاق کیا ہے جو "انا الحق" کے نعرے کو درست سمجھتا ہے، چنانچہ آخری شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔)

(پہلا بند)

۱-۲: اے شمع! میں بھی اس دنیا کی محفل میں دردمند ہوں اور دانۂ سپند کی طرح ہر وقت فریاد کے لیے تیار رہتا ہوں۔ عشق نے تجھے سوزِ دروں کی تپش عطا کی اور مجھے سرخ آنسوؤں کے پھول بیچنے والا بنا دیا۔ موم بتی جب جلتی ہے تو اس سے قطرے گرنے لگتے ہیں جو اس کے اندر کی تپش کا پتا دیتے ہیں اور یہ دردمندی کی علامت ہے۔ شاعر نے عشقِ محبوبِ حقیقی کے حوالے سے خود کو شمع کی مانند کہا ہے اور ہجر میں بہائے جانے والے آنسوؤں کو پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔

۳- تو خواہ بزمِ عیش کی شمع ہو یا کسی مزار پر تجھے رکھا جائے، ہر صورت میں تو اشکِ غم سے ہمکنار رہی ہے یا رہتی ہے۔ شمع کے جلنے اور اس کے قطرے گرنے کو عشق کے باعث غم کے آنسوؤں سے تشبیہ دی ہے۔

(دوسرا بند)

۱- تیری نظر تو عاشقانِ زار کی طرح یک بیں ہے جبکہ میری (انسان کی) نگاہ موجودات میں فرق و تفریق کا فتنہ پیدا کرنے والی ہے، حالانکہ ساری کائنات میں ایک ہی خالق

کا جلوہ کارفرما ہے۔

۲۔ تیری روشنی ہر طرح کی تفریق سے دور ہونے کے باعث بتکدے میں بھی اور کعبہ میں بھی ایک جیسی ہی رہتی ہے جبکہ میری حالت یہ ہے کہ میں بتکدے اور کعبہ میں فرق و امتیاز کرنے کے چکر میں الجھا ہوا ہوں۔ تخلیق کے لحاظ سے تو سبھی انسان ایک ہیں لیکن انہوں نے خود کو مختلف مذہبوں میں تقسیم کر رکھا ہے جو اچھی بات نہیں ہے۔

۳۔ تیرے سیاہ دھوئیں میں آہ کی شان ہے (جب انسان آہ بھرتا ہے تو اس کا سانس کسی قدر باہر آتا ہے' اسی حوالے سے یہ کہا ہے) آہ یا آہیں بھرنا عشق کی علامت ہے اور عشق کا جذبہ دل میں ہوتا ہے' اسی لیے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے تیری جلوہ گاہ میں کوئی دل چھپا ہوا ہے۔ گویا تو بھی عاشق ہے اور دھوئیں کی صورت میں آہیں بھرتی ہے۔

(تیسرا بند)

۱۔ تو (شمع) اس لیے جلتی ہے کہ تو تجلی کی بجلی سے دور ہے (نور الٰہی کی وہ بجلی جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر نظر آئی تھی اور جسے دیکھ کر وہ بیہوش ہو گئے تھے) جبکہ ظالم و سنگدل لوگ تیرے سوز عشق کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نور ہے۔ تجھ میں اس محبوب کا عشق سمایا ہوا ہے اور اس سے دوری کے باعث تو غم میں مبتلا ہے' لوگ اسے روشنی عام سمجھتے ہیں۔

۲۔ تو جل رہی ہے لیکن تجھے اپنے جلنے کی کچھ خبر نہیں ہے۔ تو بینا (دیکھنے والی' روشنی کی بنا پر ایسا کہا ہے) ہے لیکن اپنے سوز دروں (جذبۂ عشق) پر تیری نظر نہیں ہے۔

۳۔ جبکہ میں (انسان) عشق کے نتیجے میں بیقراری کی وجہ سے پارے کی طرح بھی تڑپ رہا ہوں اور اپنے بیقرار دل کے اضطراب سے بھی باخبر ہوں۔

۴۔ یہ بھی کسی بے نیاز یعنی خالق حقیقی کا ناز تھا جس نے مجھے اپنے سوز عشق کا احساس دے دیا۔ کائنات کی مختلف اشیا و مخلوقات گویا اس محبوب کے ناز ہیں جنہیں دیکھ کر ایک صاحب بصیرت / اس ذات اقدس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(چوتھا بند)

۱۔ گداز/سوز عشق کا یہ احساس مجھے بےقرار رکھتا ہے۔ اس چنگاری میں ہزاروں آتشکدے سوئے ہوئے ہیں یعنی راز کی صورت میں پنہاں ہیں۔

۲۔ بلندی اور پستی میں جو فرق و امتیاز ہے' وہ اسی احساس کی بنا پر ہے۔ پھول میں جو خوشبو ہے اور شراب میں جو مستی ہے' وہ سب اسی احساس کا نتیجہ ہے۔

۳۔ یہ احساس باغ ہے' بلبل و گل اور مہک ہے اور میں اور تو کی کھینچا تانی ہے۔ مراد یہ کہ سب محض کائنات کی چیزوں اور انسان کے خود میں اور دوسروں میں فرق و تفریق کرنے کا عمل ہے ورنہ اس خالق کا جلوہ تو سب میں نمایاں ہے۔ جس پر غور سے انسان اس خالق کے وجود کا قائل ہو جاتا اور کائنات کو اسی کا وجود سمجھتا ہے ورنہ کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔

(پانچواں بند)

۱۔ صبح ازل جب حسن حقیقی و ازلی دل میں جذبہ عشق پیدا کرنے والا بنا تو ''کن'' کی آواز عشق کی روح / جان کو تڑپ سکھانے والی بن گئی' عشق کی روح پھونکنے والی بن گئی۔ کائنات وجود میں آ گئی اور اس پر غور و توجہ سے انسان اس محبوب حقیقی کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔

۲۔ مجھے (انسان کو) یہ حکم ہوا کہ تو ''کن'' کے باغ کی بہار دیکھ اور ایک آنکھ لے کر ہزاروں منتشر خواب دیکھ یعنی تجھے جو آنکھیں عطا کی گئی ہیں' ان سے تو کائنات کی ہزاروں مخلوقات میں رنگ رنگ کے حسن قدرت کے منظر دیکھ جو ادھر ادھر پھیلے ہوئے اور متعدد و مختلف ہیں۔

۳۔ تو (اے مخاطب) مجھ سے وجود کے اس پردے کے بارے میں مت پوچھ جو مخلوق کے وجود میں آنے کے بعد خالق اور مخلوق کے درمیان حائل ہو گیا۔ بس یہ سمجھ کہ میں جو ظاہر ہوا یا میری نمود ہوئی تو میری یہ صبح (یعنی نمود) فراق کی شام تھی۔ پہلا مصرع دوسرے انداز میں ہے۔

۴۔ وہ دن گزر چکے جب میں قید سے آشنا نہ تھا اور جب میرا آشیانہ طور کے درخت کی

زینت کا باعث بنا ہوا تھا۔ گویا انسان خدا کے قریب تھا جب حضرت آدم کو زمین پر اتارا گیا تو گویا انسان کو کائنات میں قید کر دیا گیا جبکہ اس سے پہلے وہ خدا کے نور کی صورت میں تھا یا ظاہری وجود سے پہلے تجلی الٰہی کے ساتھ تھا (اس میں ''وحدت الوجود'' کی طرف اشارہ ہے۔)

۵۔ اب میں (انسان) قیدی ہوں اور اپنے پنجرے یعنی کائنات کو چمن سمجھتا ہوں۔ پردیس کے غم خانے کو میں اپنا وطن سمجھ رہا ہوں یعنی میں جنت سے نکل کر جو میرا وطن تھا' زمین پر آ گیا اور یہاں بسنے لگا۔ میرے لیے یہ پردیس ہے لیکن غموں کے اس گھر کو (انسان کو یہاں مختلف غم ستاتے رہتے ہیں) اب اپنا وطن سمجھ رہا ہوں۔

۶۔ اپنے وطن (جنت) کی یاد بلاوجہ کی افسردگی و رنجیدگی کا باعث بنی۔ یہ یاد کبھی تو نظر کے شوق کا باعث بنی اور کبھی ذوقِ طلب کی صورت میں ظاہر ہوئی یعنی کبھی تو اس سے کائنات کو دیکھ کر اس پر غور و فکر کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور کبھی اس سے وہ لطف و حظ مجھ میں پیدا ہوا جو حقیقت کی طلب میں ایک طالب حقیقت کو ملتا ہے۔

(چھٹا بند)

۱۔ اے شمع ! ذرا ہماری (انسانوں کی) انتہائی غلط فہمی ملاحظہ کر۔ ہم جو کبھی فرشتوں کے مسجود تھے' ہمارا انجام دیکھ۔ کبھی ہمیں وہ مقام حاصل تھا اور آج دنیا میں ہمارا کیا حشر ہو رہا ہے۔ مختلف غموں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ انسان آپس میں برسرِ پیکار ہیں' فرقہ پرستی اور اس قسم کی دوسری لعنتوں نے انسان کو اس کے مقام سے گرا دیا ہے۔ بقولِ شاعر:

کس منہ سے کوئی عظمتِ آدم کا نام لے
جب آدمی فریب کرے آدمی کے ساتھ

۲۔ میں محبوبِ حقیقی سے دوری یا اس کے فراق کا مضمون ہوں جبکہ ثریا نشان ہوں۔ اس کائنات کی نظم مرتب کرنے والے ناظم کی طبیعت یا ذوق سے مناسبت رکھنے والا تخیل یا نغمہ ہوں۔ ناظم یعنی خالق کائنات جو اس کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے۔

۳۔ جب اس ناظم نے میرا مضمون شعر میں باندھا تو اس میں میرے ظہور کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے کائنات کے دیوان (مجموعہ شعری) میں مجھے سرفہرست تحریر کر

دیا۔ جس طرح دیوان مختلف نظموں' شعروں وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح یہ کائنات مختلف اشیا و مخلوقات پر مشتمل ہے اور اس میں انسان اشرف المخلوقات ہے' مخلوقات میں سرفہرست ہے۔

۴۔ گوہر (روح) کو انسانی جسم میں رہنا پسند ہے۔ اگرچہ اس مضمون (انسان) کی بندش ست ہے۔ (کسی شعر میں ایسا مضمون باندھنا جو تخیل کے لحاظ سے ہلکا ہو) تاہم ہے وہ بلند۔ جسم میں انسانی روح یا کائنات میں انسان کا وجود اسی طرح ست (مراد فانی) ہے جس طرح شعر کا مذکورہ مضمون' لیکن اس کے باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے باعث اس کا مقام بلند ہے۔

۵۔ دراصل یہ سارا قصور غلط دیکھنے والی آنکھ کا ہے جو مخلوقات وغیرہ میں امتیاز کرتی ہے ورنہ یہ ساری کائنات فہم و شعور کے ذوق کے جلوہ کے ظاہر ہونے کی کیفیت ہے۔ وحدت الوجودی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے یعنی انسان غور و فکر سے کام لے تو اسے کائنات میں صرف اسی خالق کا وجود نظر آئے گا۔

۶۔ یہ سلسلہ جو زمان و مکاں کی کمند ہے دراصل تماشا پسند حسن کے گلے کا طوق ہے یعنی حسن (محبوب حقیقی) جسے موجودات کائنات میں اپنا جلوہ دیکھنے کا شوق ہے' قید زمان و مکاں اس کا بنایا ہوا ایک طوق ہے جو مخلوق کی گردن میں پڑا ہوا ہے اور اسے اس دائرے سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔

۷۔ میں راستہ بھولا ہوا ہوں جبکہ مجھے اپنی منزل تک رسائی کا شوق ہے۔ اے شمع! میں نگاہوں کے فریب کا اسیر یا مارا ہوا ہوں یعنی مجھے اس محبوب حقیقی تک رسائی کا بے حد شوق و خواہش ہے لیکن میں نظر کے دھوکے میں مبتلا ہونے کے باعث مخلوقات کو کچھ سے کچھ سمجھ رہا ہوں۔

۸۔ شکاری بھی وہ خود ہی ہے اور ستم کے جال کا حلقہ بھی خود ہی ہے۔ وہ کعبہ کی چھت بھی خود ہی ہے اور اس کی چھت پر بیٹھا ہوا پرندہ بھی خود ہی ہے۔ وحدت الوجود کا مضمون نئے استعارے میں۔

۹۔ میں حسن ہوں یا سراسر پرسوز عشق ہوں' کچھ واضح نہیں ہوتا۔ میں ناز ہوں یا نیاز ہوں' کچھ روشن نہیں ہوتا یعنی کبھی کچھ وہی ہے۔

۱۰۔ دیکھنا! کہیں ہونٹ پرانے راز سے آگاہ نہ ہو جائیں اور یوں (آگاہ ہونے پر) پھر

دار و رسن کا قصہ نہ چھڑ جائے۔ (لغت دیکھیے)

ایک آرزو

۱۔ دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب — کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
۲۔ شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا — ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
۳۔ مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری — دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
۴۔ آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں — دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
۵۔ لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں — چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
۶۔ گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا — ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
۷۔ ہو ہاتھ کا سرہانا سبزے کا ہو بچھونا — شرمائے جس سے جلوت، خلوت میں وہ ادا ہو
۸۔ مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل — ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو
۹۔ صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں — ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
۱۰۔ ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ — پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
۱۱۔ آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ — پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
۱۲۔ پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
۱۳۔ مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
۱۴۔ راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
۱۵۔ بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے — جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
۱۶۔ پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی موذن — میں اس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہم نوا ہو
۱۷۔ کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں — روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
۱۸۔ پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا مرا وضو ہو، نالہ میری دعا ہو
۱۹۔ اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے — تاروں کے قافلے کو مری صدا درا ہو
۲۰۔ ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے — بیہوش جو پڑے ہیں، شاید انہیں جگا دے

(یہ نظم علامہ نے ۱۹۰۲ء میں کہی تھی۔ اس میں انہوں نے دنیا و مافیہا کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو کر گوشۂ تنہائی میں زندگی

گزارنے کی تمنا کا اظہار کیا ہے لیکن عملی طور پر ایسا نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ خودی کی اہمیت سے بھی آگاہ تھے اور اسی بنا پر گوشہ نشینی کی نسبت دوسروں کے لیے جینے کو وہ اہمیت دیتے تھے۔ انہی دو وجوہ کے باعث ایک طرف تو وہ درویشی و استغنا سے مالا مال تھے اور دوسری طرف مسلمانوں سے متعلق ہر معاملے میں متاثر ہو کر اپنی شاعری سے قوم کی رہنمائی کرتے تھے۔

۱۔ اے رب کریم! دنیا کی محفلوں سے اب میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے میں کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ جب دل ہی بجھ چکا ہو۔ محفل میں باہم مل بیٹھنے کا لطف تو جبھی ممکن ہوتا ہے جب دل میں شگفتگی ہو اور تمام تر توجہ دوستوں وغیرہ کی طرف ہو۔

۲۔ میری اب یہ حالت ہے کہ ہنگاموں اور شور شرابے سے مجھے وحشت ہوتی ہے اور میرا دل ایسی خاموشی کا خواہش مند ہو گیا ہے جس پر بولنا بھی قربان ہو جائے یعنی بات چیت سے وہ فائدہ حاصل نہ ہو اور معرفت کے وہ سبق نہ ملیں جو اس قسم کی خاموشی میں قدرت کے مشاہدہ سے حاصل ہوں۔

۳۔ میں تو اب خاموشی پر فریفتہ' اس کا عاشق ہوں اور اسی بنا پر میری یہ خواہش ہے کہ آبادی کے شور شرابے اور ہنگاموں سے دور کسی پہاڑ کی وادی میں میرا چھوٹا سا جھونپڑا ہوتا کہ وہاں تنہائی اور خاموشی میں تیری معرفت پر غور کرتا رہوں۔

۴۔ میری اب یہ حالت ہو جائے کہ میں ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد و بے نیاز ہو جاؤں اور گوشۂ تنہائی میں اپنے رات دن گزاروں اور میرے دل سے دنیا کے ہر طرح کے غم و آلام کا کانٹا نکل گیا ہو۔ مجھے کوئی اور کسی طرح کا بھی دنیاوی و مادیت کا غم نہ ہو۔

۵۔ جب وہاں (پہاڑ کی وادی میں) چڑیاں چہچہائیں تو ان کی اس چہچہاہٹ سے مجھے وہی سرور حاصل ہو جو کوئی گیت یا نغمہ سننے سے حاصل ہوتا ہے اور چشموں سے جب پانی ابلے تو اس میں بھی خاص موسیقی ہو جیسے کوئی باجا سا بج رہا ہو۔

۶۔ پھول کی کلی کھل کر کسی کا پیغام دینے والی ہو اور چھوٹا سا پیالہ یعنی پھول میرے لیے جہاں نما ہو۔ مراد یہ کہ ان قدرتی اور حسین مناظر کو دیکھ کر مجھے تیری معرفت حاصل ہو۔ کسی سے مراد محبوب حقیقی ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ آیا ہے کہ کائنات' زمین و آسمان میں جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے' ان میں اس کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ (سورۂ

یونس آیہ ۶) اسی حوالے سے مختلف شعرا نے اپنے اپنے انداز میں بات کی ہے مثلاً

سعدی — برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(سبز درختوں کا ہر ہر پتا ایک صاحب بصیرت کے لیے اس کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔)

بو علی قلندر — گر چشم دل کشادہ شود اے شرف ترا ہر ذرہ جہان شود آئینہ دار دوست

(اے شرف! اگر تیرے دل کی آنکھ کھلی ہو تو اس دنیا کا ہر ہر ذرہ اس محبوب کا آئینہ دار نظر آئے گا۔)

فیضی — ہر گیاہے کہ از زمین روید "وحدہٗ لا شریک لہٗ" گوید

(زمین سے جو بھی گھاس اگتی ہے ہے۔ وہ وحدہ لاشریک لہٗ کہتی ہے۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

فغانی — مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

(یہ بات کہ ہر ذرہ سراسر وہی ذات ہے مشکل ہے لیکن اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔)

جامی — بے نشاں است کز و نام و نشاں چیزے نیست بہ خدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

(وہ ایک ایسا بے نشان ہے جس کا نام و نشان کوئی چیز نہیں۔ خدا کی قسم دونوں جہانوں میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔)

احمد ندیم قاسمی — جس راز سے انسان کو کئی فلسفے سوجھے دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

۷- میری زندگی کچھ اس طرح بسر ہو کہ ہاتھ سے میں سرہانے کا کام لوں اور سبزہ میرے لیے بچھونا ہو اور میری وہ خلوت و تنہائی کچھ اس انداز کی ہو کہ جلوت کو بھی اس سے شرم آ جائے۔ میری زندگی انتہائی سادہ ہو اور انجمن و محفل میری خلوت کے مقابلے میں اوصاف کی کمی پر نادم ہو۔

۸- بلبل میری صورت سے اس قدر مانوس ہو کہ اس کے نغمے سے دل میں میرا ذرا سا بھی ڈر نہ ہو۔ اس قسم کے مناظر کی تصویر کشی معرفت حق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۹- ندی کے دونوں کناروں پر ہرے ہرے بوٹے قطار کی صورت میں لہرا رہے ہوں اور اس کے صاف پانی میں ان کی تصویر آ رہی ہو۔ یہ منظر بھی بڑا دلکش ہے۔

۱۰- پہاڑ کا نظارہ کچھ ایسا دل کو لبھانے والا ہو کہ ندی کا پانی بھی اٹھ اٹھ کر اسے دیکھتا ہو۔

پانی میں موجیں اٹھتی ہیں، یہ گویا اس کے پہاڑ کے حسین منظر کو جو بلندی پر ہے اٹھ اٹھ کر دیکھتا ہے۔

۱۱- سبزہ زمین کی گود میں سویا ہوا ہو اور پانی جھاڑیوں میں پھر پھر کر چمک رہا ہو۔ گویا وہ جھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا صاف ہو کر باہر نکل رہا ہو۔ (یہ اور دوسرے مناظر جھونپڑے کے ارد گرد، وقع ہونے کی آرزو کے حوالے سے ہیں۔)

۱۲- پھولوں کی ٹہنی جھک کر ندی کے پانی کو چھو رہی ہو۔ خود کو اس میں دیکھ کر محو ہو رہی ہو اور اس کا یہ انداز بالکل ایسا ہو جیسے کوئی حسینہ آئینہ دیکھ رہی ہو۔ کسی حسین کا آئینہ دیکھنا اپنے حسن میں محو ہونا ہے۔ مثلاً بقول:

غالب — آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

نظامی گنجوی — سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر زمن شوی — گر نگری در آینہ روئے چو ماہ خویش را

(اگر میں تجھ پر عاشق ہوں تو مجھے سرزنش نہ کر، اس لیے کہ اگر تو آئینے میں اپنا چاند سا چہرہ دیکھ لے تو مجھ سے زیادہ خود پر عاشق ہوگا۔)

سعدی — جرم بیگانہ نباشد کہ تو خود صورت خویش — گر در آئینہ بینی برود دل زبرت

(کسی غیر کا تجھ پر عاشق ہونا کوئی جرم کی بات نہ ہوگی، اس لیے کہ اگر تو آئینے میں اپنی صورت دیکھ لے تو تیرے پہلو سے تیرا دل نکل جائے گا۔)

عرفی — دہن خویش ببوسند و لب خویش مکند — چون در آیینہ ببینند بتاں صورت خویش

(جب حسین آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہیں تو اپنے منہ کو چومنے اور ہونٹوں کو چوسنے لگتے ہیں۔)

فیضی — مبیں بسیار در آیینہ، آں بہ — کہ از خود ہم حجابے کردہ باشی

(اے محبوب! تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تو آئینے میں زیادہ نہ دیکھ ورنہ تجھے خود سے حجاب کرنا پڑے گا)

۱۳- جب سورج شام کی دلہن کو مہندی لگائے یعنی شفق پھوٹے تو ہر پھول کی سنہری قبا سرخی لیے ہوئے ہو۔ پھولوں پر شفق کی سرخی نمایاں ہو۔ دلہن کے حوالے سے سرخی کی بات کی ہے جو دلہنوں کے چہرے پر لگائی جاتی ہے۔

۱۴-۱۵: جب راتوں کو چلنے والے مسافر چلتے چلتے تھک جائیں تو میری جھونپڑی میں جلتا ہوا دیا ان کی امید کا باعث بن جائے یعنی انہیں یہ خوشی ہو کہ اس جھونپڑے میں انہیں

آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اپنی خدمتِ خلق کی خواہش کا اظہار ہے۔ جب آسمان پر ہر طرف بادل چھائے ہوئے ہوں تو آسمانی بجلی کے چمکنے سے ان مسافروں کو میری کٹیا نظر آ جائے۔

۱۶۔ پچھلے پہر جو کوئل کوکتی / چہچہاتی ہے' جو گویا صبح کی مؤذن ہے' یعنی صبح طلوع ہونے کا اعلان کرتی ہے' میں اس کا ہمنوا بن جاؤں اور وہ میری ہمنوا بن جائے۔ پچھلا پہر' صبح صادق' سورج نکلنے سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کا وقت۔

۱۷۔ میرے کانوں پر بت خانے اور کعبہ کا کوئی احسان نہ ہو۔ میری جھونپڑی کا سوراخ ہی مجھے صبح کے طلوع ہونے سے آگاہ کر دے یعنی بت خانے کے گھنٹے کی یا اذان کی آواز سن کر مجھے صبح طلوع ہونے کا پتا چلنے کی بجائے مجھے اپنے جھونپڑے کے سوراخوں سے یہ نظر آ جائے کہ صبح طلوع ہو رہی ہے۔

۱۸-۱۹: جب صبح سویرے شبنم پھولوں کو وضو کرانے آئے یعنی ان پر اس کے قطرے گریں تو رونا میرا وضو اور نالہ وزاری میری دعا ہو۔ میں اللہ کے حضور دلی طور پر اپنی عاجزی و نیازمندی کا اظہار کروں اور اس خاموش فضا میں میرے نالے اتنے بلند جائیں کہ انہیں سن کر تاروں کا قافلہ کوچ کرنے کی تیاری کرے یعنی تارے غروب ہونا شروع کر دیں۔

۲۰۔ میرا یہ رونا ہر دردمند دل کو رُلا دے اور جو بے عملی کی حالت میں پڑے ہیں' شاید انہیں باعمل بنا دے۔ قوم کی پسماندگی اور بے حسی و بے عملی کے حوالے سے یہ کہا ہے یعنی خدا کرے کہ میری شاعری اس میں جذبۂ آزادی پیدا کر دے۔

آفتابِ صبح

(پہلا بند)

۱۔ شورشِ میخانۂ انساں سے بالاتر ہے تو — زینتِ بزمِ فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو
۲۔ ہو دُرِ گوشِ عروسِ صبح وہ گوہر ہے تو — جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو
۳۔ صفحۂ ایام سے داغِ مدادِ شب مٹا — آسماں سے نقشِ باطل کی طرح کوکب مٹا

(دوسرا بند)

۱۔ حسن تیرا جب ہوا بام فلک سے جلوہ گر — آنکھ سے اڑتا ہے یکدم خواب کی مے کا اثر
۲۔ نور سے معمور ہو جاتا ہے دامانِ نظر — کھولتی ہے چشم ظاہر کو ضیا تیری مگر
۳۔ ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے — چشم باطن جس سے کھل جائے وہ جلوا چاہیے

(تیسرا بند)

۱۔ شوق آزادی کے دنیا میں نہ نکلے حوصلے — زندگی بھر قیدِ زنجیر تعلق میں رہے
۲۔ زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے — آرزو ہے کچھ اسی چشم تماشا کی مجھے
۳۔ آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو — امتیاز ملت و آئیں سے دل آزاد ہو

(چوتھا بند)

۱۔ بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں — نوع انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
۲۔ دیدۂ باطن پہ رازِ نظم قدرت ہو عیاں — ہو شناسائے فلک شمع تخیل کا دھواں
۳۔ عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے — حسن عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے

(پانچواں بند)

۱۔ صدمہ آجائے ہوا سے گل کی پتی کو اگر — اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر
۲۔ دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر — نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر
۳۔ شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو — سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو

(چھٹا بند)

۱۔ تو اگر زحمت کش ہنگامہ عالم نہیں — یہ فضیلت کا نشاں اے نیر اعظم نہیں
۲۔ اپنے حسن عالم آرا سے جو تو محرم نہیں — ہمسر یک ذرۂ خاک در آدم نہیں
۳۔ نور مسجود ملک گرم تماشا ہی رہا — اور تو منت پذیر صبح فردا ہی رہا

(ساتواں بند)

۱۔ آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے — لیلیٰ ذوقِ طلب کا گھر اسی محمل میں ہے
۲۔ کس قدر لذت کشودِ عقدۂ مشکل میں ہے — لطفِ صد حاصل ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
۳۔ دردِ استفہام سے واقف ترا پہلو نہیں — جستجوئے رازِ قدرت کا شناسا تو نہیں

(اس نظم میں اس خیال کا اظہار ہے کہ سورج اور انسان دونوں دن رات سفر میں مصروف رہتے ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ سورج / آفتاب میں جستجو وتلاش کا ذوق نہیں ہے' وہ اس سے محروم ہے جبکہ انسان حقیقتوں سے بے خبر ہونے کی خاطر ہر وقت ذہنی سفر میں مصروف رہتا ہے۔ آفتاب میں ظاہری نور ہے جبکہ انسان نورِ حقیقت کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے۔ اس تلاش میں ناکام رہنے کے بعد بھی وہ کچھ ایسا لطف محسوس کرتا ہے جس سے آفتاب سراسر محروم ہے۔ انسان دوستی کو بھی اپنا آئین و مسلک بنانے کی آرزو کی ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ اے صبح کے آفتاب! تو انسان کی شورشِ میخانہ سے بلند تر ہے۔ تو ایک ایسا جامِ شراب ہے جس سے آسمان کی محفل سجی ہے' تو اس کی زینت بنتا ہے۔ سورج کی روشنی کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔

۲۔ تو ایک ایسا موتی ہے جو صبح کی دلہن کے کان کا موتی بنتا ہے اور تو ایک ایسا زیور ہے جس پر افق کی پیشانی ناز کرتی ہے۔ سورج طلوع ہونے پر صبح کا آغاز ہوتا ہے۔ صبح کو دلہن سے اور سورج کو اس کی روشنی اور گولائی کی بنا پر موتی سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ تو صفحۂ ایام سے رات کی سیاہی کا داغ مٹا دے اور آسمان سے ستاروں کو نقشِ باطل کی طرح مٹا دے۔ نقشِ باطل تحریر وغیرہ کا وہ نشان جو غلطی سے بن گیا ہو' سورج طلوع ہونے پر ستارے غروب ہو جاتے ہیں اور رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے' جسے اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

(دوسرا بند)

۱۔ جب تیرا حسن (روشنی) آسمان کی چھت سے جلوہ گر ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے

آنکھوں سے نیند کی شراب کا اثر فوراً اڑ جاتا ہے۔ سورج طلوع ہونے پر انسان فوراً جاگ اٹھتا ہے۔

۲-۳: (تیرے طلوع ہونے پر) نظر کا دامن روشنی / نور سے بھر جاتا ہے لیکن تیری روشنی تو صرف ظاہری آنکھ کو کھولتی ہے جبکہ آنکھیں جس حقیقی تماشے کی تلاش میں ہیں' اس کی ضرورت ہے اور ایک ایسے جلوے کی ضرورت ہے جس سے چشم باطن کھل جائے یعنی اس جلوۂ محبوب حقیقی کا نظارہ ہو جائے جو اس کی معرفت کا باعث بنے۔

(تیسرا بند)

۱-۲: دنیا میں آزادی کے شوق کے ارمان پورے نہ ہوئے اور زندگی بھر ہم انسان دنیاوی تعلقات کی زنجیروں میں جکڑے رہے۔ گویا سارا زور دنیاوی تعلقات اور مادیت پرستی اور ذاتی مفادات پر ہی رہا جبکہ تیری نگاہوں کیلئے پست و بالا بھی ایک ہیں۔ تو سب پر یکساں چمکتا یا روشنی دیتا ہے۔ مجھے بھی کچھ اسی قسم کی چشم تماشا کی آرزو ہے جو سب انسانوں کو برابر کا درجہ دے' ان میں تفریق پیدا نہ کرے۔

۳- میری آنکھیں دوسروں کے غم میں اشک بار ہوں اور میرا دل ہر طرح کے ملت و آئین میں فرق کرنے سے آزاد ہو۔ میں سب انسانوں یا دوسری قوموں کو غیر اور بیگانہ سمجھنے کی بجائے اپنا سمجھوں۔

(چوتھا بند)

۱- میری زبان کا تعلق کسی خاص جماعت' فرقے یا قوم سے نہ ہو بلکہ اس قسم کے امتیاز کے بغیر بنی نوع انسان ہی میری قوم اور یہ دنیا ہی میرا وطن ہو۔ بحیثیت انسان کے سب انسان میرے لیے برابر ہوں اور اسی بنا پر ساری دنیا میرا وطن ہو۔

۲- میری باطن کی آنکھوں پر کائنات کے ازلی و ابدی انتظام کی حقیقت عیاں ہو جائے اور میرے تخیل کی شمع کا دھواں آسمان سے آگاہ و شناسا ہو۔ میرے روشن خیالات میں بلندی پیدا ہو یا آسمان تک پہنچ کر اس کی حقیقتوں سے واقف ہو جائیں۔

۳- دنیا والوں کے باہمی اختلافات و امتیازات کی الجھنیں مجھے نہ تڑپائیں اور مجھے ہر شے میں محبت پیدا کرنے والا حسن نظر آئے یعنی انسان دوستی میرا آئین و مسلک ہو۔

(پانچواں بند)

۱۔ اگر پھول کی کسی پتی کو ہوا سے کوئی صدمہ پہنچے (وہ گر جائے) تو اس کا اثر میری آنکھوں سے آنسو بن کر ٹپک جائے یعنی کسی کو بھی ذرا سی تکلیف پہنچے تو میں اسے اپنی تکلیف سمجھوں' اس انسان کی غمخواری کروں بقول شاعر:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

یا

یا مسلماں اللہ اللہ یا برہمن رام رام

۲۔ میرے دل میں سوزِ محبت کی وہ چھوٹی سی چنگاری ہو جس کی روشنی سے مجھے حقیقت کے راز کا پتا چل جائے یعنی تخلیقِ عالم کا اصلی بھید (باہمی محبت و ہمدردی) مجھ پر ظاہر ہو جائے۔

۳۔ میرا دل دل نہ ہو بلکہ اس محبوبِ حقیقی کا آئینہ ہو' جس کی قدرت محبوب / پیاری ہے۔ اور میرے سر میں دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کے سوا اور کوئی سودا نہ ہو۔

(چھٹا بند)

۱-۲: اے نیرِ اعظم! (آفتابِ صبح) جب تو ہنگامۂ عالم کی تکلیف اٹھانے والا نہیں ہے تو یہ تیری فضیلت کی علامت نہیں ہے۔ جب تو اپنے حسنِ عالم آرا ہی سے آگاہ نہیں ہے تو تو انسان کی خاکِ در کے ذرّے کے برابر بھی نہیں ہے۔ دنیا کو منور کرنے کے باوجود تو انسان کی طرح اشرف المخلوقات نہیں ہے۔ جو اپنی خودی ہی سے آگاہ نہ ہو' اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

۳۔ فرشتوں کے مسجود کا نور (انسان) نظارہ یا مشاہدہ کرنے ہی میں بے حد مصروف و مشغول رہا جبکہ تو آنے والی صبح ہی کا احسان مند رہا۔ انسان قدرت کی مختلف صورتوں (جو کائنات میں نظر آتی ہیں) کے مشاہدے میں مصروف رہ کر اس خالق کائنات کے وجود سے آگاہ ہوتا اور تو شام کو غروب ہو کر اگلے دن صبح کو طلوع ہوتا ہے' یہ تو کوئی عظمت نہیں ہے۔

(ساتواں بند)

۱- ہمارے دل میں تو اس نورِ حقیقت کو دیکھنے کی آرزو ہے' چنانچہ ذوقِ طلب کی لیلیٰ کا گھر اسی محمل (دل) میں ہے۔ یعنی انسان محبوبِ حقیقی کی تلاش و جستجو کے حسین و دل کش جذبے سے سرشار ہے۔

۲- ایک مشکل گتھی کو سلجھانے/حل کرنے میں کس قدر لذت ہے' یہ صرف انسان ہی جانتا ہے۔ ہماری ایسی سعی و کوشش میں' جس کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہو یا جو بے سود کوشش ہو' سیکڑوں ثمروں/نتیجوں کا لطف ہمیں ملتا ہے۔ انسان کی حقیقی زندگی مسلسل جدوجہد ہی سے بنتی ہے۔

۳- تیرا (آفتابِ صبح کا) دل دردِ استفہام سے آگاہ ہی نہیں ہے۔ تجھ میں تلاش و جستجو کا ذوق و جذبہ ہی نہیں ہے۔ پھر قدرت کے راز کی تلاش سے بھی تو شناسا نہیں ہے۔ تجھے کیا علم کہ اس محبوبِ حقیقی کی قدرت میں کیا راز ہے یا ہیں۔ ان سے آگاہی کا جذبہ و ذوق تو صرف انسان میں ہے۔

دردِ عشق

(پہلا بند)

۱- اے دردِ عشق! ہے گہر آب دار تو	نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو
۲- پنہاں تہِ نقاب تری جلوہ گاہ ہے	ظاہر پرست محفلِ نو کی نگاہ ہے
۳- آئی نئی ہوا چمنِ ہست و بود میں	اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
۴- ہاں' خود نمائیوں کی تجھے جستجو نہ ہو	منت پذیر نالۂ بلبل کا تو نہ ہو
۵- خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو	پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو
۶- پنہاں درونِ سینہ کہیں راز ہو ترا	اشکِ جگر گداز نہ غماز ہو ترا
۷- گویا زبانِ شاعرِ رنگیں بیاں نہ ہو	آوازِ نے میں شکوۂ فرقت نہاں نہ ہو
۸- یہ دور نکتہ چیں ہے' کہیں چھپ کے بیٹھ رہ	جس دل میں تو مکیں ہے' وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

(دوسرا بند)

۱۔ غافل ہے تجھ سے حیرتِ علم آفریدہ دیکھ — جویا نہیں تری نگہِ نارسیدہ دیکھ
۲۔ رہنے دے جستجو میں خیالِ بلند کو — حیرت میں چھوڑ دیدۂ حکمت پسند کو
۳۔ جس کی بہار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں — قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں
۴۔ یہ انجمن ہے کشتۂ نظارۂ مجاز — مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے راز
۵۔ ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے — کچھ اور آج کل کے کلیموں کا طور ہے

(اس نظم میں اس لطف و مزہ کے حوالے سے بات ہے جو ایک عاشق کو محبت میں حاصل ہوتا ہے۔ علامہ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ موجودہ تعلیم نے انسان کو عشق حقیقی سے دور کر دیا ہے۔ سب انسان ظاہر پرستی میں محو ہیں اور کسی ایک میں بھی اس تجلی کی ذرا سی بھی لگن نہیں ہے۔ جس کی تلاش میں حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر گئے تھے۔)

(پہلا بند)

۱۔ اے دردِ عشق! تو ایک بڑا چمکتا ہوا موتی ہے۔ دیکھ (خبردار) اپنے نامحرموں پر ظاہر نہ ہونا۔ جو لوگ جذبۂ عشق سے محروم ہیں ان پر یہ روشن نہ کرنا کہ دردِ عشق میں کس قدر لطف و مزہ ہے۔

۲۔ تیری جلوہ گاہ نقاب کے پیچھے چھپی ہوئی ہے یعنی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں ان کی رسائی سے دور ہے۔ جبکہ آج کی تہذیب کی دنیا کی نگاہ ظاہر پرست ہے۔

۳۔ آج اس دنیا میں مادہ پرستی پر مبنی تصورات اور نئے / جدید خیالات کا دور دورہ ہے اس صورتحال میں اے دردِ عشق! ظاہر ہونے میں کوئی لذت نہیں ہے۔ مادہ پرست کیا جانیں عشق کیا اور اس کے درد میں کیا لذت ہے۔

۴۔ خبردار یا دیکھیو! تجھے خود نمائیوں کی جستجو / دھن نہ ہو اور تو بلبل کے نالے کا احسان اٹھانے والا نہ بنے۔ یعنی کسی بھی دردمند کی درد بھری پکار یا آواز پر تو ظاہر ہونے کی کوشش نہ کرنا۔

۵۔ لالہ کے پھول کا جامِ عشق کی شراب سے خالی ہو اور شبنم کی گریہ وزاری کو پانی کی بوند کا نام دیا جائے۔ لالہ کی شکل پیالے کی طرح ہوتی ہے۔ اس لیے اسے جام سے تشبیہ

دی ہے۔ شبنم کے قطروں کو عشق کی وجہ سے گریہ وزاری کہا ہے۔ گویا شبنم لالہ پر عاشق ہے۔ اس لیے وہ روتی ہے لیکن یہ سب کچھ ظاہری معاملہ ہے۔ درد عشق تو باطن ہی میں رہتا ہے۔

۶۔ تیرا راز سینے کے اندر کہیں چھپا رہے اور جگر کو پگھلا دینے والے گرم آنسو تیرے غماز نہ ہوں۔ بصورت دیگر تجھ (درد عشق) میں بھی ظاہر پرستی کا مادہ آ جائے گا' جو اچھی بات نہیں۔

۷۔ رنگیں بیاں شاعری زبان بولنے والی نہ بنے' نہ بو نے' یعنی وہ اپنے کلام میں بے شک دلکش مضامین لائے لیکن درد عشق کے ذکر سے دور رہے۔ بانسری کی آواز میں جدائی کا شکوہ نہ چھپا ہو۔ وہی بات دوسرے استعارے میں۔ رومی کے اس شعر سے استفادہ کیا ہے:

بشنو از نے چون حکایت می کند　　وز جدائی ہا شکایت می کند

۸۔ اے درد عشق! آج کا دور نکتہ چینیوں کا دور ہے' لوگ تیری قدر و قیمت سمجھنے کی بجائے اعتراضات وغیرہ کریں گے' اس لیے تو کہیں چھپ کے بیٹھ جا اور جس دل میں تو سمایا ہوا ہے' اسی میں چھپ کے بیٹھا رہ۔

(دوسرا بند)

۱۔ ذرا دیکھ کہ علم آفریدہ حیرت تجھ سے غافل ہے۔ وہ تیری اہمیت و وقعت سے بے خبر ہے۔ اور نا تجربہ کار نگاہ (جسے عشق کا تجربہ نہ ہو) تیری تلاش میں نکلنے والی نہیں ہے۔

۲۔ تو بلند خیال کو جستجو میں رہنے دے اور حکمت پسند آنکھ کو حیرت میں ڈوبا رہنے دے۔ یعنی فلسفیوں / اہل منطق کو تجھے سمجھنے کی دلی خواہش نہیں ہے۔ وہ محض غور و فکر ہی کر سکتے ہیں' تیرے جذبے سے سرشار نہیں ہو سکتے۔

۳۔ یہ انجمن (آج کی دنیا) ایسا نہیں ہے کہ جس کی تو بہار بنے۔ یہ انجمن (دنیا) تیرے ظہور کے قابل نہیں ہے۔ آج لوگ مادہ پرستی اور ظاہر پرستی کا شکار ہیں' انہیں تیری اہمیت کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔

۴۔ یہ انجمن ظاہری حسن کے دیدار کی ماری ہوئی ہے' ظاہر پرست ہے جبکہ تیری نگاہ کا مقصد راز کی خلوت سرا ہے۔ یعنی تو تو دل میں چھپا ہوتا ہے' اس سے وہی آگاہ ہو سکتا ہے جو جذبہ عشق حقیقی سے سرشار ہو۔

۵۔ آج ہر انسان کا دل خیال کی شراب کی مستی سے بھرپور ہے۔ گویا لوگ زیادہ تر خیالی

پلاؤ پکاتے ہیں' حقیقت کی طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آج کے کلیسوں کا طور کچھ اور ہی ہے یا مختلف ہے۔ یعنی آج کے فلسفی' جو بظاہر جلوۂ الٰہی کے طلبگار ہیں' منطقی دلیلوں سے خدا کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

گلِ پژمردہ (مرجھایا ہوا پھول)

(پہلا بند)

۱۔ کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں — کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بلبل کہوں

۲۔ تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جنباں ترا — نام تھا صحنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا

۳۔ تیرے احساں کا نسیمِ صبح کو اقرار تھا — باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا

(دوسرا بند)

۱۔ تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا — ہے نہاں تیری اُداسی میں دلِ ویراں مرا

۲۔ میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو — خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو

۳۔ ہمچو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم — بشنو اے گل! از جدائی ہا شکایت می کنم

(اس نظم میں اس خیال کا اظہار ہے کہ انسانی روح اپنی اصل یعنی روح کی تخلیق کرنے والے خالق کائنات سے جدا ہو گئی ہے' جس کی وجہ سے وہ مضمحل و پژمردہ سی رہتی ہے۔ مثنوی رومی کا پہلا شعر ہے:

بشنو از نے چون حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت می کند

(علامہ کا خیال اسی سے ماخوذ ہے۔ علامہ نے رومی کے شعر کو ذرا بدل کر پیش کیا ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ اے مرجھائے ہوئے پھول میں تجھے کس زبان سے پھول کہوں اور کیونکر تجھے دلِ بلبل کی تمنا کہوں۔ گلِ پژمردہ استعارہ ہے مضمحل روح کا۔ گل کے حوالے سے بلبل کا

ذکر ہے جو پھول کی عاشق ہے۔ گویا ایک سچے عاشق کے لیے پژمردہ روح' روح نہیں ہے' اس لیے کہ اس میں عشق کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ کبھی وہ وقت بھی تھا جب بادِ صبا کی لہریں تیرا پالنا ہوا جھولا تھیں۔ ہوا چلنے سے تر و تازہ پھول ہلتا ہے۔ اور صحنِ گلستاں میں تیرا نام گلِ خنداں تھا۔ پھول کا کھلنا اس کا ہنستا مسکراتا ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ روح کبھی اپنے خالق کے قریب تھی جس کی وجہ سے وہ شگفتہ رہتی تھی' لیکن خالق سے جدائی نے اسے پژمردہ کر دیا ہے۔

۳۔ صبح کی ہوا کو تیرے احسان کا اقرار تھا۔ صبح پھول کھلتے ہیں تو ان کی خوشبو ہوا کی وجہ سے دور تک پہنچتی ہے۔ یہ گویا نسیمِ صبح پر احسان ہے۔ باغ تیرے ہی طفیل عطر فروش کا گویا ڈبا تھا۔ پھول کھلنے سے باغ پوری طرح مہک اٹھتا تھا۔

(دوسرا بند)

۱۔ تجھ پر میری روتی ہوئی آنکھیں شبنم برساتی ہیں۔ آنسوؤں کے قطروں کو شبنم سے تشبیہ دی ہے یعنی روح مرجھانے پر میرا دل روتا ہے۔ تیری اداسی یعنی پژمردگی میں میرا ویران دل پنہاں ہے۔ تیری اس حالت کے باعث میرا دل جذبوں سے خالی ہو رہا ہے۔

۲۔ تو میری بربادی کی ایک چھوٹی سی تصویر ہے۔ یعنی تیری پژمردگی میرے تباہ ہونے یا اجڑنے کا پتا دیتی ہے یا اس کی صورتِ حال ہے۔ میری زندگی ایک خواب تھی جس کی تو تعبیر ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ انسانی جسم ابھی وجود میں نہیں آیا' یا انسانی زندگی کا ابھی باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا' تیری بدولت انسان کو زندگی ملی۔

۳۔ میں بانسری کی طرح اپنے نیستان کی بات کر رہا ہوں۔ اے پھول (روح) تو سن میں جدائیوں کا شکوہ کر رہا ہوں۔ بانسری سے مراد روح اور نیستان عالمِ بالا' جہاں روح تخلیق ہو کر اپنے خالق کے قریب رہی۔ لیکن پھر انسانی جسم میں سمانے سے وہ اپنے خالق سے گویا دور ہو گئی' جدائی کا شکار ہو گئی۔ جس طرح بانسری میں پیدا ہونے والی نے گویا نیستان سے اپنی جدائی کا شکوہ کرتی ہے' اسی طرح انسان روح کی مذکورہ جدائی کا شکوہ کرتا ہے۔

سید کی لوحِ تربت

(پہلا بند)

۱۔ اے کہ تیرا مرغِ جاں تارِ نفس میں ہے اسیر — اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ہے اسیر
۲۔ اس چمن کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو دیکھ — شہر جو اُجڑا ہوا تھا، اُس کی آبادی تو دیکھ
۳۔ فکر رہتی تھی مجھے جس کی وہ محفل ہے یہی — صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی
۴۔ سنگِ تربت ہے مرا گرویدۂ تقریر دیکھ — چشمِ باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ

(دوسرا بند)

۱۔ مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیمِ دیں — ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
۲۔ وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں — چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
۳۔ وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے — دیکھ! کوئی دل نہ دُکھ جائے تری تقریر سے
۴۔ محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ — رنگ پر جو اب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

(تیسرا بند)

۱۔ تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا — ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
۲۔ عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے — نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے
۳۔ بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے — قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

(چوتھا بند)

۱۔ ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم — شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم
۲۔ پاک رکھ اپنی زباں، تلمیذِ رحمانی ہے تو — ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو
۳۔ سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے — خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

(علامہ کی یہ نظم رسالہ ماہنامہ 'مخزن' لاہور کے شمارہ جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں سرسید احمد خان کی تعلیمات کو علامہ نے ان کی لوحِ تربت کی زبان

سے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے علما سے یہ کہا گیا ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ قوم کو دنیا کی تعلیم حاصل کرنے کی بھی رغبت دلاؤ۔ فرقہ بندی سے قوم کو روکو اور اس تباہی سے بچاؤ جو باہم پھوٹ پڑنے یا نااتفاقی کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ سیاسی لیڈروں سے کہتی ہے کہ سچے مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ وہ بزدل نہیں ہوتا اور ہر موقع پر اخلاقی جرأت سے کام لیتا ہے' ریاکاری اور نفاق کے نزدیک بھی نہیں جاتا۔ شاعروں کو ہجو و بدگوئی سے بچنے' جھوٹے قصیدے نہ کہنے اور قوم کی اصلاح کے لیے اپنی شاعری کو وقف کرنے کی تلقین کرتی ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ اے (مخاطب)! تیری روح کا پرندہ سانس کے تار میں اسیر ہے' یعنی تو زندہ ہے اور تیرے سانسوں کا سلسلہ جاری ہے۔ تیری روح کا پرندہ پنجرے میں قید ہے۔ تیری روح تیرے بدن میں ہے' تو ابھی زندہ ہے۔

۲۔ ذرا اس چمن کے نغمہ الاپنے والوں کی آزادی تو دیکھ' جو شہر اجڑا ہوا تھا' ذرا اس کی آبادی تو دیکھ۔ چونکہ لوحِ تربت بات کر رہی ہے اس لیے قبرستان کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔ گویا قبرستان میں بہت قبریں ہو گئی ہیں۔

۳۔ مجھے جس محفل کی فکر رہتی تھی' وہ یہی محفل ہے۔ صبر اور استقلال کی کھیتی کا یہی حاصل ہے۔ محفل' مراد قبرستان' انسان کو موت کی فکر تو رہتی ہے' یا یہ کہ لوحِ تربت کسی تربت پر لگنے کی فکر میں رہتی ہے اور آخر ایک وقت آتا ہے' جب وہ کسی تربت پر نصب ہو جاتی ہے جو گویا اس کے صبر و استقلال کا پھل اسے ملتا ہے۔

۴۔ تربت / قبر کا پتھر میری (لوح کی) تقریر کا شیفتہ و فریفتہ ہے۔ تو ذرا چشمِ باطن سے اس لوح کی تحریر دیکھ۔ تحریر یہ ہے:

(دوسرا بند)

۱۔ (علما سے خطاب ہے) اے عالم! اگر تیرا مقصد و مدعا یہ ہے کہ دنیا میں دین کی تعلیم پھیلے' تو ٹھیک ہے لیکن اپنی قوم کو کہیں ترکِ دنیا کا سبق نہ دینا۔ یعنی قوم کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم پر بھی آمادہ کر۔

۲۔ تم فرقہ بندی پر اپنی زبان نہ کھولنا' اس لیے کہ قیامت کا ہنگامہ یہاں چھپ کے بیٹھا ہے۔ فرقہ بندی سے ملت اسلامیہ پارہ پارہ ہو جائے گی اور یوں اس کی تباہی کا سامان ہوگا۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ آج نام نہاد ملاؤں نے اسی فرقہ بندی پر سارا زور صرف کر رکھا ہے' چنانچہ آئے دن مختلف صورتوں میں مسلمان باہم برسرپیکار رہتے ہیں۔

۳۔ تو جو کچھ لکھے' اس سے باہمی ہمدردی اور میل ملاپ کا جذبہ پیدا ہو۔ دیکھنا! تیری تقریر سے کسی کے دل کو صدمہ نہ پہنچے۔ تیری تقریر فرقہ بندی کے حوالے سے نہ ہو۔

۴۔ آج کے دور میں تو پرانی داستانیں نہ چھیڑ۔ اب وہ افسانے بیان کرنے سے بچ جو مفید اور پسندیدہ نہ ہوں۔ تقریر و تحریر دونوں میں فرقہ بندی کی لعنت سے بچنے کی ترغیب دلا۔

(تیسرا بند)

۱۔ اے سیاسی لیڈر! اگر تو کوئی مدبر ہے تو میری (لوح تربت کی) صدا سن۔ اور وہ یہ کہ جرأت و دلیری سیاستدانوں کے ہاتھ کا عصا ہے۔ وہ منافقت سے کام نہیں لیتے۔ قائداعظم محمد علی جناح اس کی واضح مثال ہیں۔

۲-۳: اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں کے آگے جھکنا یا ان سے ڈرنا تیری شان کے خلاف ہے۔ اگر تیری نیت نیک ہے تو تجھے کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ تو قوم کو صحیح راستے پر لے کر چل اور ریاکاری سے بچ' بے خوف ہو کر چل۔ اس لیے کہ بندۂ مومن کا دل ہر طرح کے خوف اور ریاکاری سے پاک ہے۔ اس کے دل میں صرف خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے اور اسی بنا پر وقت کے حاکموں کی قوت کے آگے وہ بے باک ہوتا ہے۔ حاکموں سے نہیں ڈرتا' سچ بات کہتا اور بے خوف ہو کر اور دھڑلے سے کہتا ہے۔

(چوتھا بند)

۱-۲: (اب شاعر سے خطاب ہے) اگر تیرے ہاتھوں میں معجز رقم قلم ہو اور تیرے دل کا شیشہ جام جم کی طرح ہو' یعنی تیرا دل ہر طرح سے روشن ہو' ہر طرح کی برائی سے پاک ہو تو تو اپنی زبان کو پاک رکھ۔ اس لیے کہ تو تمیذ رحمانی ہے۔ دیکھنا کہیں تیری صدا (شاعری) بے آبرو نہ ہو جائے یعنی زبان کو پاک رکھ۔ کسی کی ہجو میں شعر نہ کہہ اور نہ حاکموں وغیرہ سے مفاد حاصل کرنے کی خاطر ان کی بے جا قسم کی مدح سرائی کر

کہ اس سے قوم میں تو بے آبرو ہو کر رہ جائے گا۔

۳۔ تو اپنی شاعری کے اعجاز سے سونے والوں کو جگا دے اور اپنی آواز (شاعری) کے شعلے سے باطل کے کھلیان کو جلا دے۔ یعنی تیری شاعری ایک با مقصد شاعری ہو۔ تو اس کے ذریعے بے عمل قوم کو عمل اور جدوجہد کی طرف رغبت دلا اور باطل قوتوں یا کفر سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دے۔

ماہِ نو (ہلال)

(پہلا بند)

۱۔ ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل — ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
۲۔ طشتِ گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب — نشترِ قدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب
۳۔ چرخ نے بالی چرا لی ہے عروسِ شام کی — نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی

(دوسرا بند)

۱۔ قافلہ تیرا رواں بے منتِ بانگِ درا — گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پا
۲۔ گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو — ہے وطن تیرا کدھر؟ کس دیس کو جاتا ہے تو؟
۳۔ ساتھ اے سیارۂ ثابت نما لے چل مجھے — خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بے کل مجھے
۴۔ نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بستی میں میں — طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

(اس نظم میں علامہ نے پہلی رات کے چاند یعنی ہلال کی چند خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ پھر انسان کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ میں اس بستی میں جانا چاہتا ہوں جس سے حضرت آدمؑ نکالے گئے تھے' اس لیے کہ یہ بستی جس میں میں رہ رہا ہوں' یعنی دنیا' تاریکیوں یعنی برائیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ سورج کی کشتی ٹوٹ کر نیل یعنی نیلے آسمان کے دریا میں ڈوب گئی' یعنی سورج غروب

شرح

ہو گیا۔ اب اس کا ایک ٹکڑا یا حصہ نیلے آسمان کے دریا کے پانی پر تیرتا پھر رہا ہے۔ گویا اس کی معمولی سی روشنی رہ گئی ہے یا یہ کہ شفق پھوٹ پڑی ہے۔

۲۔ آسمان کے تھال میں شفق کا خالص خون ٹپک رہا ہے۔ قدرت کے نشتر نے سورج کی کیسی فصد کھولی ہے۔ شفق کی سرخی کو خونِ ناب سے تشبیہ دی ہے اور چونکہ وہ سورج غروب ہوتے وقت پھوٹتی ہے اس لیے اسے سورج کی فصد کھولنے سے تعبیر کیا ہے۔

۳۔ یا تو آسمان نے شام کی دلہن کی بالی چرالی ہے' یا پھر نیل کے پانی میں رُپی چاندی کی مچھلی ہے۔ شام کو شفق کی سرخی کی بنا پر دلہن سے اور ہلال کو بالی اور رُپی چاندی سے' جو بہت سفید ہوتی ہے تشبیہ دی ہے۔

(دوسرا بند)

۱۔ اے ماہِ نو! تیرا قافلہ' کوچ کی گھنٹی کا احسان اٹھائے بغیر چل رہا ہے۔ قافلہ سے مراد ستارے ہیں۔ تو اس طرح چل رہا ہے کہ انسان تیرے پاؤں کی آواز نہیں سن سکتا۔ اسے انسان قرار دے کر قافلے' کوچ اور آوازِ پا کی بات کی ہے۔

۲۔ تو ہماری آنکھوں کو اپنے گھٹنے بڑھنے کا منظر دکھاتا رہتا ہے۔ چودھویں رات تک پہنچ کر ہلال مکمل چاند بن جاتا ہے' پھر گھٹنے لگتا اور آخر غائب ہو جاتا ہے اور پھر اگلے دن شام کو طلوع ہوتا ہے۔ تیرا وطن کدھر ہے اور کس دیس کو تو جاتا ہے؟ اس کے طلوع و غروب کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ چاند کہاں سے طلوع ہوتا اور غروب ہو کر کہاں جاتا ہے۔

۳۔۳: اے سیارۂ ثابت (ماہِ نو) تو مجھے اپنے ساتھ لے چل' اس لیے کہ حسرت کے کانٹے کی خلش مجھے بے چین رکھتی ہے۔ میں نور کا طالب ہوں اور اس بستی (دنیا) سے گھبراتا ہوں۔ میں ہستی کے مکتب / مدرسے کا ایک طفلک سیماب پا ہوں۔ یعنی میں اس دنیا کی تاریکیوں یعنی برائیوں سے بہت گھبراتا ہوں اور میری یہ گھبراہٹ کانٹے کی طرح مجھے بیقرار رکھ رہی ہے۔ مجھے نور کی خواہش ہے۔ میں چاہتا ہوں' پھر اپنی پرانی بستی (جنت) میں چلا جاؤں' جہاں حضرت آدمؑ بھی رہے تھے' تاکہ ان برائیوں اور خرابیوں سے بچ جاؤں۔

انسان اور بزمِ قدرت

(پہلا بند)

۱۔ صبح خورشید درخشاں کو جو دیکھا میں نے	بزم معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
۲۔ "پرتو مہر کے دم سے ہے اُجالا تیرا	سیم سیال ہے پانی تیرے دریاؤں کا
۳۔ مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے	تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
۴۔ گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں	یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں
۵۔ سرخ پوشاک ہے پھولوں کی، درختوں کی ہری	تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
۶۔ ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر	بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پر جو نظر
۷۔ کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی	مے گلرنگ خمِ شام میں تو نے ڈالی
۸۔ رُتبہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری	پردۂ نور میں مستور ہے ہر شے تیری
۹۔ صبح اک گیت سراپا ہے تیری سطوت کا	زیرِ خورشید نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا
۱۰۔ میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر	جل گیا پھر مری تقدیر کا اختر کیونکر؟
۱۱۔ نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں	کیوں سیہ روز، سیہ بخت، سیہ کار ہوں میں؟"

(دوسرا بند)

۱۔ میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی	بام گردوں سے و یا صحن زمیں سے آئی
۲۔ "ہے ترے نور سے وابستہ میری بود و نبود	باغباں ہے تری ہستی پئے گلزار وجود
۳۔ انجمن حسن کی ہے تو، تری تصویر ہوں میں	عشق کا تو ہے صحیفہ، تری تفسیر ہوں میں
۴۔ میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے	بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے
۵۔ نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری	اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری
۶۔ ہو نہ خورشید تو ویراں ہو گلستاں میرا	منزلِ عیش کی جا نام ہو زنداں میرا
۷۔ آہ! اے رازِ عیاں کے نہ سمجھنے والے	حلقۂ دامِ تمنا میں الجھنے والے
۸۔ ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز	ناز زیبا تھا تجھے، تو ہے مگر گرمِ نیاز
۹۔ تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے	نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے' اس لیے اُس میں یا اُس کی خودی میں غیر معمولی روحانی ترقی کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظم علامہ کے فلسفۂ خودی کے شعور کی گویا تمہید ہے۔)

(پہلا بند)

۱- جب میں نے صبح کے وقت درخشاں آفتاب کو دیکھا تو میں نے معمورۂ ہستی کی بزم سے سوال کیا۔ (سوال بند کے آخر میں ہے)

۲- سورج کی روشنی/ دھوپ کے طفیل تیرا اجالا ہے اور تیرے دریاؤں کا پانی بہتی ہوئی چاندی ہے؟ دھوپ میں دریاؤں کا پانی چمکتا ہے جسے سیم سیال سے تشبیہ دی ہے۔

۳- سورج نے تجھے (دنیا کی آبادی کو) نور کا زیور پہنایا ہے اور تیری محفل کو اسی نے چمکایا ہے۔ سورج طلوع ہونے پر دنیا میں چہل پہل اور رونق کا آغاز ہو جاتا ہے۔

۴- پھول اور گلزار/ باغ' اس دنیا میں' تیری بہشت کی تصویریں ہیں جن میں بڑی دلکشی ہے اور یہ سب گل و گلزار وغیرہ سورہ "والشمس" (قسم ہے سورج کی) کی تفسیریں ہیں یعنی تیری ساری رونق و دلکشی سورج کے طفیل ہے۔

۵- تیرے پھولوں کی پوشاک سرخ اور درختوں کی ہری ہے۔ گویا تیری محفل میں کوئی تو سبز پری اور کوئی لال پری ہے۔ پھولوں اور درختوں کی سرخی و سبزی کے حوالے سے پوشاک اور پری کہا ہے۔

۶- یہ جو افق پر (یا آسمان کے دور کے کنارے سے) لال سی بدلیاں نظر آتی ہیں' وہ گویا تیرے آسمان کے خیمے کی طلائی جھالر ہیں۔

۷- شفق کی لالی آنکھوں کو بہت بھلی/ پیاری لگتی ہے' یوں لگتا ہے جیسے تو نے شام کے مٹکے میں سرخ رنگ کی شراب ڈال رکھی ہو۔ شفق کی سرخی کی بنا پر اسے شراب سرخ کہا ہے۔

۸- تیرا مرتبہ بھی بڑا ہے اور تیری شان میں بھی عظمت ہے۔ تیری ہر شے نور کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ سورج کی روشنی میں ہر شے نمایاں نظر آنے لگتی ہے۔

۹- صبح (دن کا آغاز) تیری شان و شوکت کا ایک مکمل گیت ہے اور تیرے پیچھے تاریکی کا معمولی سا بھی نشان نہیں ہے۔ شعر آٹھ کے دوسرے مصرعے والی بات (اس کے بعد سوال ہے)

۱۰۔ میں بھی اس نور کی بستی (دنیا) میں آباد ہوں' لیکن پھر میری تقدیر کا ستارہ کیوں جل گیا ہے؟ میں (انسان) اس دنیا میں کیوں بدنصیبیوں کا شکار ہوں؟

۱۱۔ میں نور سے دور ہوں اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میں کیوں مصیبت زدہ ہوں' کس لیے بدنصیبیوں کا شکار اور کیوں بداعمال ہوں؟ دنیا میں انسان پر جو کچھ گزرتی ہے اور جس طرح وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر برے سے برا عمل کرنے پر تیار رہتا ہے' اس کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ وہ اپنی خودی سے آگاہ ہو کر اور مسلسل جدوجہد و عمل سے جہاں اپنی بگڑی تقدیر سنوار سکتا ہے' وہاں وہ اپنی بقا کا سامان بھی کر سکتا اور صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات بھی بن سکتا ہے۔

(دوسرا بند)

۱۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ کہیں سے' یا تو آسمان کی چھت سے یا پھر صحن زمیں سے' یہ آواز آئی:

۲۔ تیرے (انسان کے) نور ہی سے میری ہستی یا نیستی وابستہ ہے۔ تیری ہستی وجود کے گلزار کے لیے مالی/باغبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی انسان ہی کے وجود سے اس دنیا میں سب کچھ ہے۔ کائنات اسی کی خاطر تخلیق ہوئی۔ وہی اس دنیا کی صحیح معنوں میں دیکھ بھال کر سکتا ہے جس طرح ایک مالی باغ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

۳۔ تو حسن و خوبی کی انجمن/محفل ہے اور میں (معمورۂ ہستی) تیری تصویر ہوں۔ تو عشق کا صحیفہ ہے اور میں تیری تفسیر ہوں۔ یعنی دنیا میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے' حسن و عشق' خوبی' اچھائی' جذبہ وغیرہ سب انسان ہی کے وجود کے باعث ہے۔

۴۔ تو نے میرے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارا۔ جو بوجھ مجھ سے نہ اٹھ سکا وہ تو نے اٹھا لیا۔ مراد یہ کہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی ذمہ داری' جو روزِ ازل کل مخلوقات کے سامنے پیش کی گئی اور اس وقت انسان کے سوا کوئی یہ بوجھ کو اٹھانے پر تیار نہ تھا۔

۵۔ میرا وجود سورج کی روشنی کا محتاج ہے۔ دنیا میں سورج کے بغیر روشنی نہیں ہو سکتی' جبکہ سورج کے احسان کے بغیر تجھ میں چمک ہے۔ چمک سے مراد جلوہ۔ گویا اس دنیا میں سارا جلوہ انسان ہی کا ہے۔

۶۔ اگر خورشید نہ ہو تو میرا گلستاں ویران ہو کے رہ جائے اور اس بنا پر میرا نام منزلِ عیش کی بجائے قید خانہ ہو۔ عیش سے مراد آرام کی زندگی' لطف و راحت کے ساتھ زندگی

بسر ہونے کی کیفیت ہے۔ زنداں سے مراد تکلیفوں اور دکھوں کا گھر۔

۷-۸: افسوس ہے تجھ پر کہ تو ایک واضح راز کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا' تو آرزو کے جال یعنی نفسانی خواہشات کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ افسوس ہے تیری غفلت پر کہ تیری آنکھ پابند مجاز ہے۔ تیرے لیے تو ناز زیبا تھا (کہ تو اشرف المخلوقات ہے) لیکن تو تو عاجزی یا ذلت میں الجھا ہوا ہے۔ انسان کی مادیت پرستی' ماسوی اللہ سے زیادہ لگاؤ اور اس قسم کی دوسری خرابیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اسے کیا ہونا چاہیے' یہ اگلے شعر میں ہے۔

۹- اگر تو اپنی حقیقت سے آگاہ رہے' تجھے اپنی خودی کی معرفت حاصل ہو جائے اور تو جدوعمل میں لگ جائے تو تُو نہ سیاہ روز (بدنصیب) رہے گا اور نہ سیاہ کار (بدعمل) رہے گا۔ خودی کی معرفت اور جدوعمل سے تیری قسمت سنور جائے گی' تو برے اعمال سے بچے گا اور تیری بقا کا سامان ہو جائے گا۔ (صوفیا کی نظر میں یا عام لغت کے مطابق خودی بمعنی غرور و تکبر ہے' لیکن علامہ نے اسے زبردست اور نہایت اہم معنی دیے ہیں۔ ان کے مطابق قدرت نے انسان کے اندر بڑی قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں۔ اگر انسان ان پر توجہ دے یا ان سے آگاہ ہو جائے تو وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔)

پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

۱- اُجالا جب ہوا رخصت جبینِ شب کی افشاں کا — نسیمِ زندگی پیغام لائی صبحِ خنداں کا

۲- جگایا بلبلِ رنگیں نوا کو آشیانے میں — کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا

۳- طلسمِ ظلمتِ شب سورۂ "والنور" سے توڑا — اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا

۴- پڑھا خوابیدگانِ دیر پر افسونِ بیداری — برہمن کو دیا پیغام خورشیدِ درخشاں کا

۵- ہوئی بامِ حرم پر آ کے یوں گویا مؤذن سے — نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا؟

۶- پکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر — چٹک او غنچۂ گُل! تو مؤذن ہے گلستاں کا

۷- دیا یہ حکم صحرا میں' چلو اے قافلے والو! — چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا

۸- سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے — تو یوں بولی نظارا دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

۹۔ ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی		سُلادوں گی جہاں کو خواب سے تم کو جگاؤں گی

(اس نظم میں صبح کی زبان سے' اس کے طلوع ہونے پر جو منظر سامنے آتے ہیں' ان کی تشبیہوں اور استعاروں میں عکاسی کی گئی ہے' اس میں پانچویں شعر سے صنعتِ تجنیس Personification یعنی صبح کو انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔)

۱۔ جب رات کی پیشانی کی افشاں کا اجالا (روشنی) ختم ہو گیا' یعنی ستارے غروب ہو گئے تو زندگی کی صبح کی ہوا مسکراتی ہوئی صبح کا پیغام لائی۔ یعنی سورج طلوع ہو گیا اور ہر جگہ روشنی پھیل گئی اور لوگ بیدار ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے۔

۲۔ صبح نے رنگیں نوا بلبل کو اس کے آشیانے میں جگا دیا' وہ خوب چہچہانے لگی' اور کھیت کے کنارے کسان کا کندھا ہلایا۔ وہ جاگ کر کھیت کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔

۳۔ صبح نے رات کی تاریکی کا جادو سورۂ والنور سے توڑا۔ یعنی سورج طلوع ہو گیا اور تاریکی چھٹ گئی۔ اس (صبح) نے رات کے وقت سجائی ہوئی محفل/انجمن کی شمع کا تاج زر اندھیرے میں یعنی روشنی/نور سے اڑا دیا۔ ''سونے کا تاج'' سے مراد شمع کی لو ہے۔

۴۔ اس نے بت خانے/مندر کے سوئے ہوئے (برہمنوں) پر بیداری کا جادو پڑھا' یعنی وہ جاگ اٹھے اور برہمن کو روشن سورج کا پیغام دیا۔ یعنی انہیں پتا چل گیا کہ سورج طلوع ہو گیا ہے۔

۵۔ صبح ہر مسجد پر آ کر ہر اذان دینے والے سے کہنے لگی کہ کیا تیرے دل میں روشن سورج کے طلوع ہونے کا کوئی ڈر نہیں ہے؟ صبح کی اذان سورج طلوع ہونے سے پہلے یعنی صبح صادق کے وقت' جب روشنی پھیلنے لگتی ہے' دی جاتی ہے یعنی اے مؤذن اٹھ اور فوراً اذان دے۔

۶۔ وہ باغ کی دیوار پر کھڑی ہو کر پھول کی کلی کو یوں پکاری کہ او کلی! تو کھل جا' کیونکہ تو باغ کی مؤذن ہے۔ صبح طلوع ہونے پر کلیاں کھلنے لگتی اور پھول بنتی جاتی ہیں۔ ان کا یہ کھلنا گویا اس بات کی دلیل ہے کہ صبح طلوع ہو گئی ہے' بالکل اسی طرح جس طرح اذان سے صبح کے طلوع کا پتا چل جاتا ہے۔

۷۔ صحرا میں جا کر اس نے قافلے والوں کو یہ حکم دیا کہ اٹھو اور سفر پر چل کھڑے ہو۔ کیونکہ بیاباں کا ہر ذرہ جگنو کی طرح چمکنے والا ہے۔ یعنی صبح ہونے پر قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف رواں ہو جاتا ہے۔

۸-۹: صبح جب زندوں کی بستی سے قبرستان کی طرف گئی تو شہر خموشاں کا نظارہ دیکھ کر یوں بولی کہ اے مُردو! تم ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی۔ اس وقت میں دنیا کو سلا دوں گی اور تمہیں نیند سے جگا دوں گی۔ روزِ حشر کی طرف اشارہ ہے جب مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور دنیا فنا ہو جائے گی۔

عشق اور موت

(ماخوذ از ٹینی سن)

(پہلا بند)

۱- سُہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی   تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
۲- کہیں مہر کو تاجِ زر مل رہا تھا   عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
۳- سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے   ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
۴- کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے   کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
۵- فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا   ہنسی گل کو پہلے پہل آ رہی تھی
۶- عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو   خودی تشنہ کام مئے بیخودی تھی
۷- اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی   کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
۸- زمیں کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں   مکاں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں

(دوسرا بند)

۱- غرض اس قدر یہ نظارا تھا پیارا   کہ نظارگی ہو سراپا نظارا
فلک آزماتے تھے پرواز اپنی   جبینوں سے نورِ ازل آشکارا
۳- فرشتہ تھا اِک، عشق تھا نام جس کا   کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
۴- فرشتہ کہ پُتلا تھا بیتابیوں کا   ملک کا ملک اور پارے کا پارا
۵- پئے سیر فردوس کو جا رہا تھا   قضا سے ملا راہ میں وہ قضارا
۶- یہ پوچھا "ترا نام کیا؟ کام کیا ہے؟   نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا"

۷- ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ — "اجل ہوں' مرا کام ہے آشکارا
۸- اڑاتی ہوں میں رختِ ہستی کے پرزے — بجھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
۹- مری آنکھ میں جادوئے نیستی ہے — پیامِ فنا ہے اسی کا اشارا
۱۰- مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی — وہ آتش ہے' میں سامنے اس کے پارا
۱۱- شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں — وہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا
۱۲- ٹپکتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو — وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا"
۱۳- سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی — ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
۱۴- گری اس تبسم کی بجلی اجل پر — اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا
۱۵- بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ — قضا تھی' شکارِ قضا ہو گئی وہ

(یہ نظم مخزن' نومبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اب چھ شعر کم ہیں جو باقیاتِ اقبال میں درج ہیں۔ ٹینی سن کی نظم کا عنوان ہے "Love and Death" دنیا کی تخلیق کے آغاز کے حوالے سے بات کی گئی ہے) اور یہ کہ عشقِ حقیقی انسان کی حیاتِ جاوید/ بقا کا باعث بنتا ہے۔ جسمانی طور پر تو وہ بہرحال مرجاتا ہے لیکن اس کی روح تا ابد زندہ رہتی ہے۔ اس میں بھی بعض شعروں میں صنعت تجسیم ہے۔

(پہلا بند)

۱- جب اس کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا یا جب یہ کائنات وجود میں آئی تو بڑا خوشگوار وقت تھا۔ اس وقت زندگی کی کلی مسکراہٹیں بکھیر رہی تھی۔ کلی کا مسکرانا پھول بنتا ہے۔ زندگی کا آغاز ہو رہا تھا۔

۲- کہیں سورج کو سونے کا تاج مل رہا تھا' یعنی قدرت اس کو روشنی سے نواز رہی تھی اور کہیں یعنی رات کے وقت چاند کو چاندنی عطا ہو رہی تھی۔

۳- قدرت کے ارکان رات/ شام کو سیاہ لباس/ اندھیرے دے رہے تھے اور ستاروں کو چمکنے کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ شام کو تاریکی کا اور ستاروں کے چمکنے کا آغاز ہو گیا۔

۴- کہیں ہستی/ وجود کی شاخ کو پتے لگ رہے تھے' قسم قسم کی مخلوق وجود میں آ رہی تھی اور کہیں زندگی کی کلی اُگ رہی تھی۔

۵- فرشتے' شبنم کو رونا سکھا رہے تھے اور پھول کو پہلی مرتبہ ہنسی آ رہی تھی یعنی شبنم نے

قطرے ٹپکانا شروع کر دیے اور پھول کھلنا شروع ہو گئے۔

۶۔ شاعر کے دل کو قدرت کی طرف سے دل کا درد عطا ہو رہا تھا یعنی اس میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا اور خودی' بیخودی کی شراب کی پیاسی ہو رہی تھی۔ یعنی خودی پر وجد کے باعث بے خبری کی حالت پیدا ہونے لگی تھی۔

۷۔ آسمان پر پہلی مرتبہ کالی کالی گھٹا چھائی۔ یہ منظر کچھ ایسا تھا کہ لگ رہا تھا جیسے کوئی حور اپنی چوٹی کھولے کھڑی ہو۔ کالی گھٹا کو سیاہ چوٹی سے تشبیہ دی ہے۔

۸۔ اب زمین یہ دعویٰ کر رہی تھی کہ میں آسمان ہوں یعنی بلندی پر واقع ہوں جبکہ مکاں یہ کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں (عالم قدس) ہوں۔ یہ دعویٰ وجود میں آنے کے باعث تھا۔

(دوسرا بند)

۱۔ مختصر یہ کہ یہ نظارہ (کائنات کے وجود میں آنے کا نظارہ) کچھ اس قدر پیارا اور دل کش تھا کہ دیکھنے والا اس میں محو ہو جاتا تھا یا مجسم نظارہ بن جاتا تھا۔ منظر کی انتہائی دل کشی کی بات کی ہے۔

۲۔ ادھر آسمان پر فرشتے اپنی اپنی پرواز آزما رہے تھے' یعنی اپنی اڑنے کی قوت و صلاحیت آزما رہے تھے اور ان کی پیشانیوں سے نورِ ازل نمایاں ہو رہا تھا۔

۳۔ ایک فرشتہ ایسا تھا جس کا نام عشق تھا۔ اس کی رہنمائی سب کے لیے سہارا بنی ہوئی تھی۔ گویا عشق ہی کے ذریعے انسان اپنی اصل منزل' محبوبِ حقیقی تک پہنچ سکتا ہے۔ عشق کو فرشتہ سے تعبیر کیا ہے۔

۴۔ وہ فرشتہ بیقراریوں کا پتلا تھا۔ وہ فرشتے کا فرشتہ تھا اور پارے کا پارا تھا۔ یعنی فرشتہ بھی تھا اور پارے کی طرح بے تاب' بیقراریوں کا مجسمہ بھی تھا۔

۵۔ عشق نے قضا فرشتے سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اور تیرے ذمے کون سا کام ہے؟ تو کچھ اس ڈھب کا ہے کہ آنکھ تجھے دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ فنا کے حوالے سے یہ کہا ہے کیونکہ قضا آنے پر انسان فنا ہو جاتا ہے۔

۶۔ قضا کے فرشتے نے اس کی بات سن کر کہا کہ میرا نام ''اجل'' (موت) ہے اور میرا کام نمایاں ہے۔ موت آنے پر انسان جسمانی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

۸۔ میں (اجل) وجودِ زندگی کے لباس کو پارا پارا ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں اور زندگی

کی چنگاری کو بجھا ڈالتی ہوں۔ انسان کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہوں۔

۹- میری (اجل کی) آنکھ میں فنا کا جادو ہے اور میری آنکھ ہی کا اشارہ فنا کا پیغام ہے یعنی جس پر میری نظر پڑ جائے' وہ موت کی نیند سو جاتا ہے۔

۱۰- البتہ ایک ہستی دنیا میں ایسی ہے جو آگ ہے اور میں اس کے سامنے پارا ہوں۔ پارے کو ذرا سی بھی آنچ لگے تو وہ اڑ جاتا ہے۔ وہ ہستی عشق ہے۔ عشق کے آگے فنا کی کوئی حیثیت نہیں۔ عشق سراپا بقا ہے۔

۱۱- وہ ہستی انسان کے دل میں شرر بن کے رہتی ہے۔ وہ نور مطلق کی آنکھوں کا تارا ہے۔ شرر علامت ہے بیقراری کی۔ انسان جس کا دل عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے' وہ محبوب حقیقی تک رسائی کے لیے بیقرار رہتا ہے اور اس محبوب حقیقی کو بھی وہ بہت عزیز/پیارا ہوتا ہے۔

۱۲- وہ ہستی (عشق) آنکھوں سے آنسو بن بن کر ٹپکتی رہتی ہے۔ اس کے آنسو ایسے ہوتے ہیں جن کی تپش ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ عشق کی بنا پر عاشق حقیقی محبوب حقیقی کی یاد میں محبت کے آنسو بہاتا ہے۔ قضا/اجل کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ اسی لیے شعر نمبر ۱۰ میں "ایک ہستی......" کہا ہے۔

۱۳- عشق نے جب قضا کی بات سنی' تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی۔ وہ ہنس پڑا' اس لیے کہ اس نے یہ جان لیا کہ قضا کو علم نہیں وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ "وہ ہستی" تو وہی (عشق) ہے۔

۱۴- جب وہ ہنسا تو اس کی ہنسی کی بجلی قضا پر گری۔ قضا پر ایک مصیبت نازل ہوگئی یا اسے بہت صدمہ پہنچا۔ ظاہر ہے بھلا نور میں اندھیرے کا کیا گزارا/نباہ ہو سکتا ہے۔ گویا عشق نور ہے اور قضا تاریکی۔ نور پھیلا ہو یا روشنی ہو تو اندھیرے کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

۱۵- چنانچہ جب قضا نے بقا (عشق) کو دیکھا تو وہ فنا ہوگئی۔ وہ قضا تھی اور خود ہی اپنا شکار ہوگئی۔ عشق سراپا بقا ہے۔ فنا یا قضا اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹک سکتی۔

زُہد اور رندی

۱- اِک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی　　تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی

۲- شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کرتے تھے ادب ان کا اعالی و ادانی

۳- کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی

۴- لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں دُردِ خیالِ ہمہ دانی

۵- کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی

۶- مدت سے رہا کرتے تھے ہمسائے میں میرے
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی

۷- حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
"اقبالؔ کہ ہے قمریِ شمشادِ معانی

۸- پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی

۹- سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی

۱۰- ہے اس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی

۱۱- سمجھا ہے کہ ہے راگ عبادات میں داخل
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی

۱۲- کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

۱۳- گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
اس رمز کے اب تک نہ کھلے ہم پہ معانی

۱۴- لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے ہے میں نے
بے داغ ہے مانندِ سحر اس کی جوانی

۱۵- مجموعۂ اضداد ہے اقبالؔ نہیں ہے
دل دفترِ حکمت ہے، طبیعت خفقانی

۱۶- رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی

۱۷- اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
ہوگا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی"

۱۸- القصہ بہت طول دیا وعظ کو اپنے
تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی

۱۹- اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب میں
میں نے بھی سنی اپنے احبا کی زبانی

۲۰- اک دن جو سرِ راہ ملے حضرتِ زاہد
پھر چھڑ گئی باتوں میں وہی بات پرانی

۲۱- فرمایا "شکایت وہ محبت کے سبب تھی
تھا فرض مرا راہ شریعت کی دکھانی"

۲۲- میں نے یہ کہا "کوئی گلہ مجھ کو نہیں ہے
یہ آپ کا حق تھا ز رہِ قربِ مکانی

۲۳- خم ہے سرِ تسلیم مرا آپ کے آگے
پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

۲۴- گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
پیدا نہیں کچھ اس سے قصورِ ہمہ دانی

۲۵- میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی

۲۶- مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں
کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

۲۷- اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے"

(یہ نظم مخزن دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے ۳۰ اشعار تھے۔ باقی تین اب باقیات اقبال میں شامل ہیں۔ اس میں علامہ نے ''مولوی صاحب'' کی زبان سے اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں ایک اہم پہلو ان کا عقیدہ و مسلک ہے۔)

۱۔ میں ایک مولوی صاحب کی کہانی سناتا ہوں۔ اس بیان سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں اپنی تیزی دکھاؤں یا اس کا اظہار کروں۔

۲۔ ان کی صوفی منشی کا بہت چرچا تھا۔ چھوٹے بڑے سب ان کا بہت ادب کرتے تھے۔

۳۔ ان کا کہنا تھا کہ جس طرح الفاظ میں معانی پوشیدہ ہوتے ہیں' بالکل اسی طرح تصوف میں شریعت پوشیدہ ہے یعنی تصوف کا مسلک اسلام کے اصولی و فروعی مسائل پر مبنی ہے۔

۴۔ ان مولوی صاحب کے دل کی صراحی زہد کی شراب سے بھری ہوئی تھی' یعنی ان میں بہت زہد تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس صراحی کی تہ میں کہیں ہمہ دانی کے خیال کی تلچھٹ بھی پڑی تھی۔ یعنی وہ اس گھمنڈ یا پست خیال کے بھی مالک تھے کہ انہیں سب کچھ آتا ہے۔ اس میں طنز ہے۔

۵۔ وہ اکثر اپنی کراماتوں کا چرچا کرتے رہتے' جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ ان کے مریدوں میں اضافہ ہو۔

۶۔ وہ مولوی صاحب ایک مدت سے میرے ہمسائے میں رہائش پذیر تھے اور ان کی اس رند یعنی علامہ سے پرانی ملاقات تھی۔ (رند یعنی جو شرح وغیرہ کا پابند نہ ہو' آزاد منش' دنیادار)

۷-۸: ایک روز ان حضرت (مولوی صاحب) نے میرے ایک واقف کار سے میرے بارے میں پوچھا کہ اقبال جو ایک خوش فکر شاعر ہے' وہ اگرچہ کلیم ہمدانی جیسے شاعر کے لیے باعث رشک ہے (اس سے بڑھ کر ہے) لیکن شریعت کے احکام کی پابندی میں وہ کیسا ہے؟ یعنی کیا وہ احکام شریعت کا بھی پابند ہے یا نہیں؟

۹۔ میں (مولوی صاحب) نے سنا ہے کہ وہ ہندوؤں کو کافر نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا ہے تو اس کا یہ عقیدہ فلسفی ہونے کے باعث ہے۔ شروع شروع میں علامہ ہندوؤں کو بھی انسان سمجھتے ہوئے ان سے محبت کرتے تھے لیکن بعد میں ہندوؤں کی ذہنیت ان پر آشکار ہوگئی اور انہوں نے تقسیم ملک کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کو بھی لکھا تھا۔ شروع میں ان کا نظریہ یہ تھا ''ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا'' لیکن بعد میں

تھا: ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا''

۱۰۔ اس (اقبال) کی طبیعت میں ذرا سا شیعہ پن بھی ہے کیونکہ ہم نے اس کی زبانی حضرت علیؓ کی فضیلت کی بات بھی سنی ہے۔

۱۱۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ راگ (موسیقی) عبادت ہی کی ایک کیفیت ہے۔ غالباً وہ اپنی اس سوچ سے مذہب کو رسوا کرنا چاہتا ہے۔ مذہب اسلام میں موسیقی تو روا نہیں ہے۔ علامہ کو موسیقی سے دلچسپی تھی۔

۱۲۔ اسے حسن فروشوں سے میل ملاقات رکھنے میں بھی کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے شعرا کی یہ پرانی عادت ہے۔ گویا شروع سے ہی شعرا اس ملاقات کے عادی یا اس طرف متوجہ رہے ہیں۔

۱۳۔ (یہ عجیب بات ہے کہ) وہ رات کو تو گاتا ہے اور صبح کے وقت تلاوت قرآن کرتا ہے۔ اس کے اس بھید کے ہم پر معانی واضح نہیں ہوئے۔ یعنی ہم اب تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کی طبیعت میں یہ تضاد کیوں ہے؟

۱۴۔ تاہم میں نے اپنے مریدوں سے یہ سنا ہے کہ اس کی جوانی صبح کی مانند بے داغ ہے۔ یعنی اس میں کوئی نفسانی برائی نہیں ہے۔

۱۵۔ اقبال گویا اقبال نہیں' اضداد کا مجموعہ ہے۔ اس کا دل تو فلسفہ کی کتاب ہے' یعنی وہ ماہر فلسفہ ہے' جبکہ اس کی طبیعت خفقانی ہے۔

۱۶۔ وہ رندی سے بھی آگاہ ہے اور شریعت سے بھی بخوبی واقف ہے۔ (شریعت کو خوب جانتا ہے) اور اگر اس سے تصوف کے بارے میں پوچھو تو وہ' تصوف پر عبور کے باعث' گویا منصور حلاج کا ثانی ہے۔

۱۷۔ اس شخص (اقبال) کی حقیقت' اس کے مجموعہ اضداد ہونے کی بنا' پر ہم پر نہیں کھل رہی۔ اس کی اس قسم کی کیفیت و حالت سے تو یہ لگتا ہے کہ وہ کسی اور ہی اسلام کا بانی ہے۔ (ایسا اسلام جس میں رندی و موسیقی وغیرہ سب جائز ہے۔)

۱۸۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اپنے وعظ کو بہت طول دیا۔ یہ باتیں کیں۔ بڑی دیر تک ان کی یہ نغز بیانی جاری رہا۔ ''نغز بیانی'' طنزاً کہا ہے۔

۱۹۔ اس شہر میں جو بات ہو وہ بہت جلد پھیل جاتی اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے' چنانچہ میں نے بھی اپنے دوستوں کی زبانی سن لی۔

۲۰۔ ایک دن حضرت زاہد (مولوی صاحب) مجھے راستے میں مل گئے۔ باتوں میں وہی پرانی بات (علامہ کے متعلق مولوی صاحب کے خیالات) چھڑ گئی' شروع ہو گئی۔

۲۱۔ وہ بولے کہ تمہارے خلاف میری جو شکایت تھی وہ محض تم سے محبت کی وجہ سے تھی۔ ویسے بھی میرا فرض تھا کہ میں تمہیں شریعت کی راہ دکھاؤں' شریعت کا پابند کروں۔

۲۲۔ ان کی باتوں کے جواب میں میں نے ان سے کہا کہ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ ہمسایہ ہونے کے حوالے سے آپ نے جو کچھ کہا' وہ آپ کا حق تھا۔

۲۳۔ آپ کے آگے میرا سر تسلیم خم ہے' میں آپ کی مرضی پر خوش ہوں' اس لیے کہ تواضع کے سبب میری جوانی' بڑھاپے کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ اپنے عاجزی سے جھکنے کی طرف اشارہ ہے۔

۲۴-۲۵: اگر آپ کو میری حقیقت معلوم نہیں ہے تو اس میں آپ کی ہمہ دانی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں خود بھی اپنی حقیقت کا شناسا نہیں ہوں۔ (میں کیا ہوں اور کیسا ہوں' مجھ پر واضح نہیں ہے) میرے خیالات کے سمندر کا پانی گہرا ہے۔ جس طرح سمندر کے گہرے پانی تک پہنچنا مشکل ہے' کچھ یہی حال میرے خیالات کا ہے جنہیں سمجھنا مشکل ہے۔

۲۶۔ خود مجھے بھی اس بات کی تمنا ہے کہ میں اقبال کو دیکھوں۔ میں نے اس کی جدائی میں بہت آنسو بہائے ہیں۔ وہی بات کہ اپنی حقیقت' اپنے باطن کی صورت حال یا اپنی اصلیت سے باخبر ہونے کی خواہش و آرزو جو ایک صاحب علم کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مشہور قول ہے ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' جس نے اپنے آپ کو' اپنی ذات و اصلیت کو پہچان لیا' اس نے خدا کو پہچان لیا۔ اپنی معرفت سے آگاہی کے لیے زبردست جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۷۔ اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے۔ اس میں کوئی مذاق/ہنسی نہیں ہے' خدا کی قسم کوئی مذاق نہیں ہے یعنی جو کچھ میں نے اپنی حقیقت سے بے خبری کی بات کی ہے' وہ سنجیدگی سے کہی ہے۔

شاعر

۱۔ قوم گویا جسم ہے' افراد ہیں اعضائے قوم — منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
۲۔ محفلِ نظمِ حکومت' چہرۂ زیبائے قوم — شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
۳۔ مبتلائے درد کوئی عضو ہو' روتی ہے آنکھ — کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

(اس نظم میں قوم کو ایک جسم قرار دیا ہے جس کے افراد اس کے اعضا ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں کو استعاروں میں بیان کیا ہے اور شاعر کو آنکھ سے تشبیہ دی ہے جس کے بغیر زندگی لطف سے محروم رہتی ہے۔ اسی طرح شاعر کے وجود کے بغیر قوم قدرت کی نعمتوں سے لذت اندوز نہیں ہو سکتی۔)

۱۔ قوم/امت ایک طرح سے جسم ہے اور اس کے افراد (Persons) گویا اس جسم کے مختلف اعضا ہیں۔ اور قوم کے ہاتھ اور پاؤں دستکاری کے شعبہ/منزل کی طرف چلنے والے ہیں۔ گویا مختلف شعبوں کے کارکن قوم کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے استعارے سے ان کی اہمیت و ضرورت بیان کی ہے' کیونکہ جس طرح ہاتھ پاؤں کے بغیر جسم بیکار ہے' اسی طرح ان کارکنوں کے بغیر قوم کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔

۲۔ حکومت کی انتظامیہ ایک طرح سے قوم کا حسین چہرہ ہے جبکہ رنگین نوا شاعر قوم کا دیدۂ بینا ہے۔ جس طرح چہرہ' انسانی دل کشی کے لیے بنیادی ضرورت ہے' چہرے کے بغیر انسان کی حیثیت نہیں' اسی طرح مذکورہ انتظامیہ کسی قوم کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ملک کا انتظام نہیں چل سکتا۔ جس طرح آنکھ کے بغیر زندگی لطف سے محروم رہتی ہے' اسی طرح ایک رنگین نوا شاعر کے وجود کے بغیر کوئی قوم قدرت کی نعمتوں سے کماحقہ لذت اندوز نہیں ہو سکتی۔

۳۔ جسم کے کسی بھی عضو کو کوئی تکلیف ہو جائے تو اس کی وجہ سے آنکھ رونے لگتی ہے۔ آنکھ سارے جسم کی کس قدر ہمدرد ہوتی ہے۔ چونکہ شاعر کو آنکھ سے تشبیہ دی ہے' اس لیے اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ قوم کے کسی بھی فرد کو کوئی دکھ تکلیف پہنچے تو شاعر کو اس کا بڑا احساس اور دکھ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسے اپنی قوم سے' اس کے افراد سے بڑی محبت و ہمدردی ہوتی ہے۔

دل

۱۔ قصۂ دار و رسن بازیِ طفلانۂ دل — التجائے "ارنی" سرخیِ افسانۂ دل
۲۔ یارب! اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی! — جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
۳۔ ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب! — جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانۂ دل
۴۔ حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا — تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل
۵۔ عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر — کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل
۶۔ اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا — دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل
۷۔ تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں! اس کو — رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل
۸۔ خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے — وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل
۹۔ عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے — برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

(اس نظم میں علامہ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان کا دل محض گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے بلکہ عشق و محبت کا مرکز و مسکن ہے۔ اس کا مادیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی بنا پر مادی دنیا کے اصول اور رسم و رواج، طور طریقے اس پر منطبق نہیں کیے جا سکتے۔ وہ ایک نورانی مخلوق ہے جو مادی عقل سے بہت بلند ہے۔)

۱۔ دار و رسن کا قصہ دل کے لیے بچوں کا کھیل یعنی بہت آسان ہے جبکہ "ارنی" کی التجا دل کے افسانے کی سرخی ہے۔ ان دو واقعات کے حوالے سے دل کی اہمیت بیان کی ہے۔ یہ سب دلی جذبات یا عشق و محبت کا نتیجہ تھا۔

۲۔ یارب! اس بھرپور پیمانے کی شراب کیا ہوگی کہ اس دل کے پیمانے کی لکیر ہی ملکِ بقا میں پہنچانے والا راستہ ہے۔ جس کی لکیر میں اتنی اہمیت ہے کہ وہ پیمانہ بھرپور ہو تو خدا جانے وہ کہاں تک پہنچائے۔ دل میں عشق و محبت کے جذبات انسان کی بقا کا باعث بنتے ہیں۔ یہ جذبات جتنے زیادہ ہوں گے اسی قدر محبوبِ حقیقی تک رسائی آسان ہوگی۔

۳۔ یا الٰہی! یہ ابرِ رحمت تھا (رحمت کی بارش کرنے والا بادل) یا عشق کی بجلی تھی کہ زندگی کی کھیتی جل گئی تو دل کا دانہ اگا۔ بجلی گرنے سے کھیتی جل جاتی ہے۔ مراد یہ کہ عشقِ حقیقی کی بدولت انسان خود کو فنا فی اللہ کر لیتا ہے اور یوں اس کی بقا کا سامان ہو جاتا ہے۔ دل کو دانے/بیج سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ اے فرہاد! تو نے کبھی اپنے دل کے ویرانہ کو نہ کھودا' اگر تو ایسا کرتا تو تجھے حسن کا قیمتی خزانہ مل جاتا۔ یعنی تو نے شیریں کے ایما پر کوہ بیستون کھودا' اگر تو اپنے دل کو عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار کر لیتا تو تجھے حسن ابدی (محبوب حقیقی) کا قرب حاصل ہو جاتا۔ شیریں کا حسن تو فانی تھا۔

۵۔ اے رب کریم! میرے دل کا کاشانہ کس کی منزل یا ٹھکانا ہے' کیونکہ مجھے کبھی اس پر عرش کا اور کبھی کعبہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ عرش کو خدا تعالیٰ کی عظمت و شہنشاہیت کی بنا پر تخت کہا ہے' اور کعبہ کو خدا کا گھر کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اے محبوب حقیقی! تو میرے دل میں پوری طرح سمایا ہوا ہے۔

۶۔ اسے (دل کو) کسی اور کا جنون ہے اور مجھے اپنا جنون ہے۔ دل کسی اور کا دیوانہ ہے اور میں دل کا دیوانہ ہوں۔ کسی اور سے مراد محبوب حقیقی ہے' یعنی میرا دل اس کے عشق سے سرشار ہے' اور اسی بنا پر میں اپنے دل پر فریفتہ ہوں کہ وہ مادیت پسندی سے دور اور روحانیت کا قائل و عامل ہے۔

۷۔ اے نادان زاہد! تو اس بات کو نہیں سمجھتا کہ دل کی ایک مستانہ لغزش سو سجدوں کے لیے باعث رشک ہے۔ تو جذبۂ عشق سے محروم ہے' تیرے سجدے خلوص و محبت سے خالی ہیں' تیری عبادت محض ظاہری عبادت ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ عمل انتہائی گراں مایہ ہے جو عشق کے عالم کیف و سرور میں عاشق سے سرزد ہو جائے اور احکام شریعت کے مطابق نہ ہو۔

۸۔ دل کے پروانے کی راکھ میں ایسا زبردست اثر ہے کہ وہ خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے۔ خاک کا ڈھیر یعنی انسان جس کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے' اس پر جل کر راکھ بن جاتا ہے۔ ایک سچا عاشق محبوب حقیقی کے عشق سے سرشار ہو کر یا اس میں فنا ہو کر جنس اعلیٰ بن جاتا ہے' صاحب بقا بن جاتا ہے۔

۹۔ دل عشق کے دام میں گرفتار ہو کر رہائی پا جاتا ہے۔ جب بجلی گرتی ہے تو یہ درخت / پودا سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ گویا عشق کی راہ میں جتنی بھی مصیبتیں اور سختیاں آتی ہیں' ایک سچے عاشق کے دل میں عشق حقیقی کے اتنے ہی جذبے بڑھتے چلے جاتے ہیں' تا آنکہ وہ فنافی اللہ ہو جاتا ہے اور صاحب بقا بن جاتا ہے۔

موجِ دریا

(پہلا بند)

۱۔ مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بیتاب مجھے　　عینِ ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے
۲۔ موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے　　ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے
۳۔ آب میں مثلِ ہوا جاتا ہے توسن میرا　　خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

(دوسرا بند)

۱۔ میں اُچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے　　جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے
۲۔ ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے　　کیوں تڑپتی ہوں، یہ پوچھے کوئی میرے دل سے
۳۔ زحمتِ تنگیِ دریا سے گریزاں ہوں میں　　وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

(اس نظم میں موج کی روانی کو تڑپ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس خیال کا اظہار ہے کہ موج اس لیے تڑپ رہی ہے کہ وہ اپنی روانی کی تنگ جگہ سے نکل جائے اور سمندر کی وسعت میں جا کر دم لینے کی آرزو رکھتی ہے۔ اس حوالے سے علامہ نے دراصل اپنے قاری کو عزمِ بلند اور جہد و عمل کی رغبت دلائی ہے۔ موج کا ہلنا ایک قدرتی امر ہے' پھر موج کو گویا انسان ظاہر کیا گیا ہے' اس لحاظ سے پہلی صورت میں صنعتِ حسنِ تعلیل سے اور دوسری صورت میں صنعتِ تجسیم (Personification) سے کام لیا گیا ہے۔

(پہلا بند)

۱۔ موج کہتی ہے میرا بیتاب دل مجھے بیقرار رکھتا ہے۔ میرے لیے میری یہ تڑپ سراسر میری زندگی ہے' بالکل اسی طرح جس طرح پارہ تڑپتا رہتا ہے' یعنی متحرک رہتا ہے۔ موج ہلتی یا چلتی رہے تو موج ہے' ساکن ہو جائے تو وہ پانی میں شامل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو متحرک رہنا چاہیے' یعنی جہد و عمل میں مصروف رہے ورنہ وہ محض ایک چلتی پھرتی لاش ہو گا۔

۲۔ میرا نام موج ہے اور سمندر میرے لیے پایاب ہے۔ بھنور کا حلقہ میرے لیے کبھی زنجیر

نہیں بنتا۔ میں ہر طرح کی رکاوٹ سے بے پروا ہو کر چلتی رہتی ہوں کہ اسی میں میری زندگی ہے۔

۳- پانی میں میرا گھوڑا ہوا کی طرح اڑتا چلا جاتا ہے۔ تیز موج یا سیلاب کو گھوڑے سے تشبیہ دی ہے۔ بجلی کے کانٹے سے بھی میرا دامن نہیں اٹکا۔ دوسرے شعر والی بات نئے انداز میں۔

(دوسرا بند)

۱- کبھی تو میں چودھویں رات کے چاند کی کشش سے اُچھلتی ہوں' یعنی سمندر میں مدوجزر یا جوار بھاٹا (اتار چڑھاؤ) پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی میں جوش میں آ کر سر کو سمندر کے کنارے سے ٹکراتی ہوں۔ یعنی تیزی کے ساتھ کنارے سے متصادم ہوتی ہوں جو میری راہ میں حائل ہوتا ہے۔

۲- میں ایک ایسی مسافر ہوں جسے منزل سے محبت ہے۔ میں کیوں تڑپتی ہوں' یہ بات کوئی میرے دل سے پوچھے۔ منزل یہی ہے کہ سمندر کی وسعت میں جا کر دم لے۔ اسی خواہش کی بنا پر تڑپتی ہوں۔

۳- میں دریا کی تنگی (یعنی اس کا محدود ہونا) کی زحمت اٹھانے سے گریزاں ہوں۔ میں سمندر کی وسعت کی جدائی میں پریشان رہتی ہوں۔ دوسرے شعر والی بات۔

رخصت اے بزمِ جہاں

(ماخوذ از ایمرسن)

۱- رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں

۲- بسکہ میں افسردہ دل ہوں درخورِ محفل نہیں
تو مرے قابل نہیں ہے' میں ترے قابل نہیں

۳- قید ہے دربارِ سلطان و شبستانِ وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر

۴- گو بڑی لذت تری ہنگامہ آرائی میں ہے
اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے

۵- مدتوں تیرے خود آراؤں سے ہم صحبت رہا
مدتوں بے تاب موجِ بحر کی صورت رہا

۶- مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں میں
روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں

۷- مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل خار میں	آہ! وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں
۸- چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے	آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
۹- چھوڑ کر مانندِ بو تیرا چمن جاتا ہوں میں	رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
۱۰- گھر بنایا ہے سکوتِ دامنِ کہسار میں	آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں
۱۱- ہمنشینِ نرگسِ شہلا، رفیقِ گل ہوں میں	ہے چمن میرا وطن، ہمسایۂ بلبل ہوں میں
۱۲- شام کو آواز چشموں کی سلاتی ہے مجھے	صبح فرشِ سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے
۱۳- بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند	ہے دلِ شاعر کو لیکن کنجِ تنہائی پسند
۱۴- ہے جنوں مجھکو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں	ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں؟
۱۵- شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے؟	اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟
۱۶- طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کنجِ عزلت کا ہوں میں	دیکھ اے غافل! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں
۱۷- ہم وطن شمشاد کا، قمری کا میں ہمراز ہوں	اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں
۱۸- کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے	دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے
۱۹- عاشقِ عزلت ہے دل، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں	خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں
۲۰- لیٹنا زیرِ شجر رکھتا ہے جادو کا اثر	شام کے تارے پہ جب پڑتی ہو رہ رہ کر نظر
۲۱- علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود	گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود

(مرکزی خیال اس نظم کا یہ ہے کہ اگر انسان کائنات کی حقیقت اور ان افعال کو جو کائنات کی مختلف چیزوں سے کسی ظاہری محرک اور فاعل کے بغیر ظہور میں آتے ہیں، غور سے دیکھے اور سمجھے تو اس کی عقل یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اتنے بڑے کارخانے (کائنات) کو چلانے والا ایک خالق ضرور ہے۔ یہ تخلیقِ کائنات کا راز فلسفے سے نہیں بلکہ مطالعۂ فطرت سے معلوم ہو سکتا ہے۔)

۱- الوداع! اے دنیا کی محفل! میں اب اپنے وطن یعنی دامنِ کوہ کی طرف جاتا ہوں۔ افسوس کی بات ہے کہ میں اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں۔ دامنِ کوہ جہاں فطرت کے نظاروں میں خدائی جلوے نمایاں ہیں۔ اس دنیا میں میرا کوئی ہم خیال نہیں اور یہ صورتِ حال میری وحشت کا باعث ہے۔

۲- چونکہ میرا دل بجھا ہوا ہے، اس لیے میں اس محفلِ دنیا کے لائق نہیں ہوں۔ اے بزمِ جہاں نہ تو تو میرے قابل ہے اور نہ میں تیرے قابل ہوں۔ "آباد ویرانے" کے

حوالے سے کہا ہے۔

۳۔ خواہ وہ بادشاہ/سلطان کا دربار ہے یا کسی وزیر کا شبستان' میرے لیے وہ قید کے برابر ہے' لہٰذا میں' کہ طلائی زنجیر کا اسیر ہوں' اسے توڑ کر نکل جاؤں گا۔ دنیاوی مرتبوں منصبوں سے بے نیاز ہو کر دامنِ کوہ کی تنہائی و گوشہ نشینی اختیار کروں گا۔

۴۔ اے بزم جہاں! اگرچہ تیری محفلوں کی رونق اور مشغولیت میں ایک خاص لطف ہے لیکن پھر بھی تیری واقفیت میں غیریت کی سی جھلک ہے۔ یہ دنیا کسی کی دوست نہیں۔ اگرچہ بظاہر اس میں بڑی چہل پہل نظر آتی ہے' لیکن یہاں کوئی کسی کا ہم خیال نہیں ہے۔

۵۔ میں ایک مدت سے تیرے (بزم جہاں کے) خود آراؤں کی صحبت میں رہا ہوں اور مدتوں سمندر کی لہروں کی طرح بیقراری کا شکار رہا۔ مغرور لوگوں سے اور ہم خیال نہ ہونے والوں سے مجھے واسطہ رہا' جس کی وجہ سے مجھے کبھی دلی سکون میسر نہ آیا۔

۶۔ میں مدتوں تیری سرور و نشاط کی محفلوں میں بیٹھا۔ میں تاریکی میں روشنی کی تلاش کرتا رہا۔ گویا یہ محفلیں اپنی مادیت پسندی کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں' جبکہ مجھے روحانی جذبوں کی خواہش رہی جو پوری نہ ہو سکی۔

۷۔ میں ایک مدت تک کانٹے میں پھول کا نظارہ تلاش کرتا رہا' لیکن افسوس کہ وہ یوسف تیرے بازار میں میرے ہاتھ نہ لگا۔ گویا بزم جہاں ایک کانٹا ہے۔ پھول کی ٹہنی پر کانٹا ہوتا ہے لیکن یہاں صرف کانٹا ہی نکلا پھول نہ نکلا' افسوس کہ میرا مقصد و مدعا پورا نہ ہو سکا۔ استعارہ بدل کر ایک ہی بات کی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

۸۔ (ان ناکامیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ) اب میری چشم حیراں کسی اور نظارے کی تلاش میں ہے اور میں جو طوفان کا مارا ہوا ہوں' مجھے اب ساحل کی آرزو ہے یعنی میں نے اپنے مدعا و مقصد کی تلاش میں ہر طرف ٹھوکریں کھائیں لیکن ناکام رہا۔ اب مجھے سکون و راحت کی خواہش ہے' جو ظاہر ہے دامن کوہ کی تنہائی ہی میں میسر آ سکے گا۔

۹۔ جس طرح بو/خوشبو اڑ جاتی ہے' اسی طرح' اے بزم جہاں! میں تیرا چمن (یعنی تیری آبادی کو) چھوڑ کر جا رہا ہوں' لہٰذا الوداع! اے بزم جہاں! اب میں اپنے وطن کی طرف جا رہا ہوں۔

۱۰۔ (اب اس وطن کی بات ہے) میں نے پہاڑ کے دامن کی خاموشی/سناٹے میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔ یعنی وہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ جو لطف مجھے یہاں آ رہا ہے' افسوس

کہ وہ تیرے یہاں کی سریلی باتوں میں نہیں ہے۔ گویا اس تنہائی میں مناظر فطرت پر توجہ سے اس محبوب حقیقی کے جلوے ان میں نظر آتے ہیں۔

۱۱۔ یہاں میں نرگس شہلا کے ساتھ بیٹھتا ہوں اور گلاب کے پھول کا ساتھی ہوں۔ اب چمن میرا وطن ہے اور میں بلبل کا ہمسایہ ہوں۔ یہاں پھولوں کی خوشبو اور مختلف پرندوں کی چہچہاہٹ میں ایک عجیب سرور ہے۔ یہ سب منظر اس ذات کریم کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

۱۲۔ جب رات کا آغاز ہوتا ہے تو چشموں کے پانی گرنے کی آواز مجھے سلا دیتی ہے (جیسے بچوں کو لوری سلاتی ہے) اور صبح ہونے پر مجھے میرے بستر یعنی سبزے پر سے کوئل جگا دیتی ہے۔ قدرتی مناظر کی عکاسی ہے۔

۱۳۔ دنیا کی محفل میں سب کو باہم مل بیٹھنا پسند ہے' جبکہ شاعر کے دل کو تنہائی کا گوشہ پسند ہے۔ دنیا دار لوگ باہم مل بیٹھنے ہی کو اہمیت دیتے ہیں اور قدرت کے نظاروں کی طرف توجہ نہیں کرتے لیکن ایک سچا شاعر اس لیے تنہائی پسند کرتا ہے کہ وہ ان مناظر پر توجہ کر کے خالق حقیقی کے وجود سے آگاہ ہو جائے۔

۱۴۔ مجھے یہ جنون ہے کہ میں آبادی سے گھبراتا ہوں (تنہائی پسند کرتا ہوں) میں پہاڑ کی وادی میں کس کو ڈھونڈتا ہوں؟ اس کا جواب یہی ہے کہ اس گوشہ تنہائی میں قدرتی مناظر کے حوالے سے میں اس خالق کائنات کی تلاش میں رہتا ہوں۔ مجھے یہاں اس کے جلوے نظر آتے ہیں۔

۱۵۔ وہ کون سی ہستی ہے جس کے شوق میں میں سبزہ زاروں میں گھومتا پھرتا ہوں۔ یہی شوق جو مجھے پھراتا ہے رات کو چشموں کے کناروں پر مجھے سلاتا ہے۔ نئے استعارے میں وہی بات۔

۱۶۔ (اے مخاطب!) تو مجھے اس بات پر طعنے مار رہا ہے کہ میں گوشہ تنہائی پر فریفتہ ہوں' اس کا شیدائی ہوں۔ ارے غافل! دیکھ کہ میں بزم قدرت کا پیامی ہوں یعنی میں دوسروں تک یہ حقیقت پہنچانے والا ہوں کہ ان مناظر فطرت/قدرت میں اس خالق حقیقی کے جلوے کارفرما ہیں۔ (''پیامی'' کی وضاحت شعر ۱۸ میں)

۱۷۔ میں شمشاد کا ہم وطن ہوں' اس کے قریب میرا ٹھکانا ہے اور قمری کا ہمراز ہوں۔ میں یہاں کی خاموش فضا میں گوش برآواز رہتا ہوں۔ نیا استعارہ بات وہی۔

۱۸۔ میں یہاں اگر کچھ سنتا ہوں تو محض دوسروں کو سنانے کے لیے سنتا ہوں اور اگر کچھ دیکھتا ہوں تو وہ دوسروں کو دکھانے کے لیے دیکھتا ہوں۔ میں جو مناظر فطرت پر غور کرتا ہوں' تو اس لیے کہ اس میں جو کچھ مجھے نظر آتا ہے (محبوب حقیقی کے جلوے) میں اس کے بارے میں دوسروں کو بتاؤں تاکہ وہ بھی اس توجہ سے محبوب حقیقی کے جلووں سے لطف اندوز اور اس کے وجود کے قائل ہوں۔ قرآن کریم' سورۂ یونس' آیہ ٦ میں ارشاد ہوا ہے" بیشک رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے' ان سب میں ان لوگوں کے لیے توحید کے دلائل ہیں جو خدا کا ڈر مانتے ہیں۔" اور آیہ ۵ میں ارشاد ہے کہ" وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو بھی نورانی بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو صاحب دانش ہیں۔" شیخ سعدیؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

برگ درختان سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(سبز درختوں کا ہر ہر پتا ایک صاحب دانش کے لیے اس کردگار کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔)

۱۹۔ میرا دل تنہائی کا عاشق ہے اور میں اپنے گھر (دامن کوہ کا گوشہ تنہائی) پر نازاں ہوں۔ اسی بنا پر میں دارا و اسکندر کے تختوں کا مذاق اڑاتا ہوں۔ مجھے دنیاوی جاہ و جلال سے' جو سراسر فانی اور عارضی ہے' کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے لیے یہ سب فضول ہے۔ میں تو بقائے دوام کا قائل ہوں جو عشق حقیقی کا نتیجہ ہے۔

۲۰۔ شام کے وقت جب چمکتے ستاروں پر بار بار نظر پڑتی ہے تو درخت کے نیچے لیٹنے میں جادو کا اثر ہوتا ہے' عاشق حقیقی اس منظر میں مست و محو ہو جاتا ہے۔

۲۱۔ یہ سب کچھ بھلا علم کے حیرت خانے میں کہاں نمایاں اور ظاہر ہے' یعنی فلسفہ ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ عاشق حقیقی کو تو پھول کی پتی میں کائنات کا راز معلوم ہو جاتا یا نظر آ جاتا ہے۔

طفلِ شیر خوار (دودھ پیتا بچہ)

۱۔ میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو
مہرباں ہوں میں، مجھے نامہرباں سمجھا ہے تو؟

۲۔ پھر پڑا روئے گا اے نوواردِ اقلیمِ غم
چبھ نہ جائے دیکھنا! باریک ہے نوکِ قلم

۳۔ آہ کیوں دُکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے
کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

۴۔ گیند ہے تیری کہاں؟ چینی کی بلی ہے کدھر؟
وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

۵۔ تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو
آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرارِ آرزو

۶۔ ہاتھ کی جنبش میں، طرزِ دید میں پوشیدہ ہے
تیری صورت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

۷۔ زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ امتیاز
تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مگر قدرت کا راز

۸۔ جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلاتا ہے تو
کیا تماشا ہے ردی کاغذ سے من جاتا ہے تو

۹۔ آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
تو تلوّن آشنا میں بھی تلوّن آشنا

۱۰۔ عارضی لذت کا شیدائی ہوں، چلاتا ہوں میں
جلد آ جاتا ہے غصہ، جلد من جاتا ہوں میں

۱۱۔ میری آنکھوں کو لبھا لیتا ہے حسنِ ظاہری
کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

۱۲۔ تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں، طفلِ ناداں میں بھی ہوں

(یہ نظم ماہنامہ مخزن لاہور، فروری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں دودھ پیتے بچے کی فطری سادگی بیان کرنے کے علاوہ اس کی تلون مزاجی، یعنی ایک حالت پر قائم نہ رہنے کی کیفیت، کا ذکر ہے۔ نیز یہ کہ اس کیفیت میں نوجوان اور بوڑھے بھی بچوں سے کم نہیں ہیں، چنانچہ وہ عارضی و ظاہری حسن پر جان دیتے اور اشیا کی حقیقت سے غافل رہتے ہیں)

۱۔ اے بچے! میں نے تجھ سے چاقو چھینا ہے تاکہ تجھے لگ نہ جائے اور تو چلانے لگا ہے۔ میں تو تیرا مہربان ہوں، کیا تو مجھے اپنا نامہربان سمجھتا ہے؟ کیا تو مجھے اپنا ہمدرد نہیں سمجھتا؟ مجھے تو تجھ سے پیار ہے۔

۲۔ میرے بچے! اس غم کی دنیا میں نئے نئے وارد ہونے والے بچے! دیکھنا کہیں تمہیں قلم کی باریک نوک چبھ نہ جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو تُو روتا رہے گا۔

۳۔ افسوس کی بات ہے، تجھے تکلیف دینے والی چیزوں سے پیار کیوں ہے۔ لے میرے بچے! یہ کاغذ کا ٹکڑا لے اور اس سے کھیل کہ اس میں کسی تکلیف پہنچنے کا ڈر نہیں ہے۔

۴۔ تیری گیند کہاں ہے اور تیرا کھلونا چینی کی بلی کدھر رکھا ہوا ہے؟ وہ بلی جو ایک چھوٹا سا جانور اور جس کا سر ٹوٹا ہوا ہے۔ اس کھلونے سے کھیلتے کھیلتے اس کا سر توڑ دیا ہے۔

۵۔ تیرا آئینہ یعنی دل تو خواہش و آرزو کی گرد سے پاک تھا۔ یہ کیا ہوا کہ ہوش آتے ہی تیری آرزو کی چنگاری چمک اٹھی ہے۔ تو نے ابھی ذرا ہوش سنبھالا ہے اور آرزوئیں تجھ میں پیدا ہونے لگی ہیں۔

۶۔ تیری خواہش و آرزو، جو تیری طرح نئی نئی پیدا ہوئی ہے، تیرے ہاتھوں کی حرکت میں اور تیرے دیکھنے کے انداز میں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ کی حرکت اور طرز دید دونوں سے پتا چلتا ہے کہ تو کچھ مانگ رہا ہے۔

۷۔ (بہر حال خدا کا شکر ہے کہ) تیری زندگی امتیاز کی قید سے آزاد ہے لیکن قدرت کا راز تیری آنکھوں پر ظاہر ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ تو بھی بڑا ہو کر تفرقہ بازی کا شکار ہو جائے گا۔

۸۔ میرے بچے! جب تو کسی شے پر مجھ سے بگڑ جاتا ہے اور چلانے لگتا ہے تو کیسی عجیب بات ہے کہ تو مجھ سے ردی کاغذ ملنے پر مَن جاتا ہے، خاموش اور خوش ہو جاتا ہے۔ یہ بچے کی فطرت ہے کہ اگر وہ رو رہا ہو اور اس کی توجہ کسی اور طرف کرائی جائے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ معصومیت کی علامت ہے۔

۹۔ افسوس کہ تیری اس عادت (تلون مزاجی) میں میں بھی تیرا ہم خیال ہوں، تجھ سے اتفاق کرتا ہوں۔ تو بھی تلون آشنا ہے اور میں بھی تلون آشنا ہوں۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ متلون مزاج ہے۔ ابھی کسی چیز پر وہ راضی تھا تو کچھ دیر بعد کسی دوسری چیز پر اس کی توجہ ہوگئی۔ ماہرین اخلاقیات کے مطابق انسان ''متلون مزاج'' ہے۔

۱۰۔ میں بھی (تیری طرح) وقتی و عارضی لذت کا شیدائی ہوں اور چلاتا ہوں۔ مجھے بھی جلد غصہ آ جاتا ہے اور پھر میں بھی تیری جلد مَن جاتا ہوں۔

۱۱۔ ظاہری حسن پر جو عارضی و فانی ہے، میرا دل فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے میری نادانی تیری نادانی سے کم نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے چاہیے کہ میں اشیا اور کائنات کی حقیقتوں پر غور کروں۔

۱۲۔ میں بھی تیری طرح کبھی روتا اور کبھی ہنستا ہوں۔ دیکھنے میں تو میں نوجوان لگتا ہوں لیکن درحقیقت میں ایک طفل نادان ہوں، یعنی انسان غیر مستقل مزاج ہے۔

تصویرِ درد

۱- نہیں منت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری	خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری
۲- یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں؟	یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
۳- اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے	چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
۴- اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے	چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری
۵- ٹپک اے شمع! آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے	سراپا درد ہوں، حسرت بھری ہے داستاں میری
۶- الٰہی! پھر مزا کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا؟	حیاتِ جاوداں میری، نہ مرگِ ناگہاں میری
۷- مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا	وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
۸- دریں حسرت سرا عمریست افسونِ جرس دارم	ز فیضِ دل طپیدن ہا خروشِ بے نفس دارم
۹- ریاضِ دہر میں ناآشنائے بزمِ عشرت ہوں	خوشی روتی ہے جس کو، میں وہ محرومِ مسرت ہوں
۱۰- مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روتی ہے گویائی	میں حرفِ زیرِ لب، شرمندۂ گوشِ سماعت ہوں
۱۱- پریشاں ہوں میں مشتِ خاک، لیکن کچھ نہیں کھلتا	سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گردِ کدورت ہوں
۱۲- یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا	سراپا نور ہو جس کی حقیقت، میں وہ ظلمت ہوں
۱۳- خزینہ ہوں، چھپایا مجھ کو مشتِ خاکِ صحرا نے	کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
۱۴- نظر میری نہیں ممنونِ سیرِ عرصۂ ہستی	میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
۱۵- نہ صہبا ہوں، نہ ساقی ہوں، نہ مستی ہوں، نہ پیمانہ	میں اس میخانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
۱۶- مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے	وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
۱۷- عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں	کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
۱۸- اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا	مرا آئینۂ دل ہے قضا کے رازدانوں میں
۱۹- رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں! مجھ کو	کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
۲۰- دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا	لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
۲۱- نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں!	تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
۲۲- چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے	عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
۲۳- سن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جس کو	وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
۲۴- وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے	تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

۲۵۔ ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں؟

۲۶۔ یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر!
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں!

۲۷۔ نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

۲۸۔ یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن' محبوب فطرت ہے

۲۹۔ ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

۳۰۔ جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

۳۱۔ مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

۳۲۔ پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

۳۳۔ مجھے اے ہمنشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

۳۴۔ دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

۳۵۔ جو ہے پردوں میں پنہاں' چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

۳۶۔ کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

۳۷۔ رہا دل بستہ محفل' مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے

۳۸۔ فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

۳۹۔ تعصب چھوڑ ناداں! دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے

۴۰۔ سراپا نالۂ بیداد سوز زندگی ہو جا!
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدا تو نے

۴۱۔ صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تو نے

۴۲۔ زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے!

۴۳۔ زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل!
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

۴۴۔ کنوئیں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے

۴۵۔ ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

۴۶۔ دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبنم کو

۴۷۔ نرا نظارہ ہی اے بوالہوس! مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو

۴۸۔ اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

۴۹۔ شجر ہے فرقہ آرائی' تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

۵۰۔ نہ اٹھا جذبہ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو

۵۱- ابھرا کرتے نہیں مجروحِ الفت فکرِ درماں میں — یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنی مرہم کو
۵۲- محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے — ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے
۵۳- دوا ہر دکھ کی ہے مجروحِ تیغِ آرزو رہنا — علاجِ زخم ہے آزادِ احسانِ رفو رہنا
۵۴- شرابِ بے خودی سے تا فلک پرواز ہے میری — شکستِ رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بو رہنا
۵۵- تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں — عبادت چشمِ شاعر کی ہے ہر دم باوضو رہنا
۵۶- بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر آشیاں اپنا — چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا
۵۷- جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں — غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا
۵۸- یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو — تجھے بھی چاہیے مثلِ حبابِ آبجو رہنا
۵۹- نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری — اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو! رہنا
۶۰- شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی — سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا
۶۱- محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے — کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے
۶۲- بیابانِ محبت دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے — یہ ویرانہ قفس بھی ہے آشیانہ بھی، چمن بھی ہے
۶۳- محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی — جرس بھی، کارواں بھی، راہبر بھی، راہزن بھی ہے
۶۴- مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا — چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کہن بھی ہے
۶۵- جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا — یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے
۶۶- وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں — یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہکن بھی ہے
۶۷- اجاڑا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو — مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟
۶۸- سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ — زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے
۶۹- "نمیگردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم — حکایت بود بے پایاں، بخاموشی ادا کردم"

(علامہ نے اپنی یہ نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے ۱۹۰۴ء میں پڑھی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب علامہ جغرافیائی بنیاد پر وطنیت کے قائل اور پکے وطن پرور تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے بڑے پر درد لہجے میں غیر منقسم ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف پر نوحہ خوانی کی ہے اور انہیں خبردار کیا ہے کہ اب بھی اگر تم متحد نہ ہوئے تو فنا ہو جاؤ گے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ہندوؤں کے طرزِ عمل اور منافقت سے آگاہ ہونے پر علامہ نے اپنا نظریہ بدل لیا تھا۔)

۱- میری داستان ایسی ہے جو سننے کی تاب کی احسان مند نہیں ہے، کیونکہ میری گفتگو

خاموشی کی صورت میں ہے اور میری بے زبانی ہی میری زبان ہے۔ گویا یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ اگر انہیں بیان کیا جائے تو کوئی بھی سن کر برداشت نہ کر سکے گا' لہٰذا خاموشی ہی بہتر ہے۔

۲۔ تیری محفل میں یہ زبان بندی کا دستور کیسا ہے کہ یہاں تو میری زبان بات کرنے کو ترس رہی ہے۔ گویا اگر میں کھل کر بات کروں گا تو سب کی ناراضی اور غصے کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔ مجبوراً زبان بند رکھ رہا ہوں۔

۳۔ میری داستان کے کچھ ورق تو لالہ نے اٹھا لیے' کچھ نرگس نے اور کچھ گلاب نے اٹھا لیے' چنانچہ سارے چمن میں ہر طرف میری داستان پھیلی/بکھری ہوئی ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ ہمارے باہمی اختلاف سب پر یا پوری دنیا پر واضح ہیں۔

۴۔ میرے آہ و فغاں کرنے کا انداز' قمریوں' طوطیوں اور بلبلوں نے اڑا لیا۔ یوں چمن والوں نے مل کر میرا یہ انداز اڑا لیا۔

۵۔ اے شمع! تو پروانے کی آنکھوں سے آنسو بن کر ٹپک۔ میں سرتاپا یا پورے طور پر درد ہوں اور میری داستان میں حسرت ہی بھری ہے۔ مذکورہ اختلاف سے مجھے' بے حد دکھ پہنچ رہا ہے۔

۶۔ یا خدا! نہ تو حیات جاوید (بقائے دوام) میری ہے اور نہ اچانک کی موت ہی میری ہے۔ میرے بس میں یہ کچھ نہیں ہے' تو ایسی صورت میں تو ہی بتا کہ اس دنیا میں رہنے کا کیا لطف رہ جاتا ہے؟

۷۔ یہ فقط میرا ہی رونا نہیں ہے' سارے گلستان کا رونا ہے۔ میں وہ پھول ہوں کہ ہر پھول کی خزاں گویا میری خزاں ہے۔ گویا میں ہر انسان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتا ہوں۔

۸۔ اس دنیا میں جو کہ حسرتوں کا گھر ہے' میں ایک مدت سے گھنٹے یا کوچ کے گھنٹے کی سی کیفیت رکھتا ہوں' کیونکہ دل کے تڑپنے کی آوازوں سے مسلسل شور مچا رہا ہوں۔ یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدلؔ کا ہے۔ دل ہی دل میں مذکورہ اختلاف اور نا چاقی پر کڑھتا رہتا ہوں۔ دلی طور پر دونوں قوموں میں اتفاق کا آرزو مند ہوں۔

۹۔ میں زمانے کے باغ میں عشرت کی محفل سے نا آشنا ہوں۔ خوشی جس انسان کو روتی ہے' وہ میں ہی مسرت و شادمانی سے محروم انسان ہوں۔ مذکورہ حالات پر دکھ درد کا اظہار نئے استعارے میں ہے۔

۱۰- بولنے کی قوت میری بگڑی ہوئی تقدیر کو روتی ہے۔ میں حرف زیر لب ہونے کے باعث سننے کے کانوں سے شرمندہ ہوں۔ چونکہ آواز نہیں نکلتی' اس لیے کان نہیں سن سکتے۔

۱۱- میں کہ خاک کی مٹھی ہوں' بکھرا پڑا ہوں۔ یعنی میں کہ مٹی سے تخلیق ہوا ہوں' پریشانیوں کا شکار ہوں' لیکن یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ میں سکندر ہوں یا آئینہ ہوں یا مادیت کی تاریکی کا غبار ہوں۔ سکندر اعظم یونانی نے آئینہ ایجاد کیا تھا اور وہ لوہے کو جلا دے کر (پینٹ کر کے) بنایا تھا۔ مراد مخلوق کا ئنات جو تجلیوں کا آئینہ ہے' اس کا بنانے والا' وحدت الوجود کی طرف اشارہ ہے۔

۱۲- یہ سب کچھ ہے لیکن میرا وجود قدرت کا مقصد ہے۔ میں وہ تاریکی ہوں جس کی حقیقت سراپا نور ہے۔ غالباً اس ارشادِ ایزدی کی طرف اشارہ ہے کہ جب میں نے خود کو دیکھنا چاہا تو میں نے یہ کائنات پیدا کر دی۔ انسان کے برے اعمال کی بنا پر خود کو ظلمت کہا ہے اور چونکہ وہ نورِ مطلق (وحدت الوجود) سب میں سمایا ہوا ہے' اس لیے اپنی حقیقت کو سراپا نور کہا ہے۔

۱۳- میں ایک ایسا خزانہ ہوں جسے صحرا کی مٹھی بھر خاک نے چھپایا۔ کسی کو میری کیا خبر کہ میں کہاں ہوں اور کس کی دولت ہوں۔ پرانے زمانے میں لوگ اپنا خزانہ جنگل میں کسی جگہ دبا دیا کرتے تھے تا کہ کسی کو پتا نہ چلے۔ اس حوالے سے غالباً یہ کہنا چاہا ہے کہ میرے دل میں جو قیمتی/اعلیٰ جذبے ہیں' دوسرے لوگ ان سے کیونکر آگاہ ہو سکتے ہیں۔

۱۴- میری نظر اس وسیع میدانِ وجود یعنی مخلوقات کے نظارے کی احسان مند نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے تجلیاتِ قدرت کے نظارے کے لیے دنیا کی سیر کی ضرورت نہیں ہے' اس لیے کہ میں خود ایک چھوٹا عالم ہوں۔ میں اپنے اندر جھانک کر اس ذات کے جلوے سے محظوظ ہو سکتا ہوں۔

۱۵- میں نہ تو شراب ہوں' نہ ساقی ہوں' نہ مستی ہوں اور نہ جام ہی ہوں۔ میں خود وجود کے اس میخانے' یعنی اس کائنات میں ہر شے کی حقیقت ہوں۔ ۱۳ ویں شعر والی بات نئے استعارے میں۔

۱۶- میرے دل کا آئینہ مجھے دو عالم کا راز دکھاتا ہے۔ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار انسان (عاشقِ حقیقی) کو کائنات کی ہر ہر شے میں اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ عام آدمی اس

معاملے میں بے بس و محروم ہے۔

۱۷۔ قدرت کی طرف سے مجھے دوسرے شعرائے رنگیں بیان کے مقابلے میں ایسا بیان عطا ہوا ہے کہ عرش کی چھت کے پرندے یعنی فرشتے میرے ہم زبان بنے ہوئے ہیں۔ میری شاعری عام شاعری یا زلف و رخسار کی شاعری نہیں ہے۔ اس میں کائنات کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے اور اسی بنا پر فرشتے بھی میرے ہم خیال ہیں۔

۱۸۔ میرے شورش دل پیدا کرنے والے عشق کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ میرے دل کا آئینہ قدرت کے رازدانوں میں سے ہے۔ اس میں فطرت کے راز نمایاں نظر آتے ہیں۔ شعر ۶ والی بات۔

۱۹۔ اے ہندوستان! تیرا نظارہ (تیری موجودہ نااتفاقی کی حالت) مجھے رلاتا ہے۔ اس لیے کہ سب داستانوں میں تیری داستان ہی عبرت انگیز ہے۔ دونوں قوموں کا برسرپیکار رہنا میرے لیے بڑے دکھ کا باعث ہے' جب ملک یا وطن ہم سب کا ایک ہے' پھر یہ خانہ جنگی کس لیے۔

۲۰۔ کلکِ ازل/مشیت ایزدی نے میرے لیے ایسا رونا لکھ دیا کہ گویا مجھے سب کچھ دے دیا۔ اس مشیت کے باعث میں تیرے نوحہ خوانوں میں شامل ہو گیا۔ میرے مقدر میں لکھا تھا کہ میں تیری (ہندوستان کی) اس حالت پر مرثیہ لکھوں یا تیرے دردناک حالات دوسروں کو سناؤں۔

۲۱۔ اے پھول چننے والے! تو اس باغ میں پھول کی پتی تک کا بھی نشان نہ چھوڑ۔ یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ باغبان یہاں باہم برسرپیکار ہیں۔ گلچیں یقیناً حکمرانِ وقت خبیث انگریزوں کا استعارہ ہے جنھوں نے اس تفرقہ کو ہوا دی۔ چونکہ یہ دو بڑی قومیں آپس کی خانہ جنگی میں مصروف ہیں' اس لیے اس کا فائدہ ان حکمرانوں کو مل رہا ہے۔ اسی لیے یہ کہا کہ اے گلچیں! تو پھول کی پتی تک کا بھی نشان نہ چھوڑ۔ خوب لوٹ مار کرلے۔

۲۲۔ آسمان نے اپنی آستین میں بجلیاں چھپا کر رکھی ہیں' لہٰذا باغ کے بلبل اپنے آشیانوں میں غافل نہ بیٹھیں۔ مراد یہ کہ ہندو اور مسلم اس تفرقہ سے دور رہیں' ورنہ ان کے مقدر میں تباہی ہوگی۔

۲۳۔ اے غافل! میری آواز سن' یہ (آواز) ایسی چیز ہے جس کو پرندے وظیفہ سمجھ کر باغ میں پڑھتے ہیں۔ میں اپنی شاعری میں جو پیغام دے رہا ہوں وہ بڑی اہمیت کا حامل

ہے اور توجہ کے لائق ہے۔ اس پر عمل سے اہل ہند تباہی سے بچ جائیں گے۔

۲۴- اے نادان (اہل ہند) مصیبت آنے والی ہے' لہٰذا تو اپنے وطن کی فکر کر' کیونکہ آسمانوں میں تیری بربادیوں کے مشورے ہو رہے ہیں۔ یعنی اگر تمہاری یہی صورت حال رہی تو دونوں قومیں تباہ ہو جائیں گی جس کا فائدہ خبیث انگریز حکمران کو پہنچے گا اور وہ یہی چاہتا ہے۔

۲۵- آج جو کچھ ہو رہا ہے اور کل جو کچھ ہونے والا ہے تو ذرا اس پر غور کر' بھلا پرانے دور کی داستانوں میں کیا دھرا ہے' ان سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ یعنی فلاں ہندو ہے' فلاں مسلمان ہے۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں' ان سے بچو اور باہم مل کر اپنے تحفظ کا سامان کرو۔

۲۶- یہ جو حالات پیدا ہو رہے ہیں ان پر تم کب تک خاموش رہو گے۔ خود میں فریاد کی لذت پیدا کرو۔ تم زمین پر ہو اور تمہاری فریاد کی آواز آسمانوں میں ہو۔ ان حالات کے خلاف اٹھ کھڑے ہو اور پورے جوش و جذبے سے ان کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

۲۷- اے ہندوستان والو! اگر تم میری بات نہ سمجھو گے تو تم اس حد تک تباہ ہو جاؤ گے کہ داستانوں میں تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی۔ یعنی تمہارا نام و نشان تک نہ رہے گا۔

۲۸- قدرت کا یہی آئین اور فطرت کا یہی انداز ہے کہ جو کوئی بھی عمل کی راہ پر چل رہا ہے' یعنی جہد و عمل میں مصروف رہتا ہے وہی فطرت/قدرت کا پیارا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے جہد و عمل کی اہمیت بیان کی اور اس راہ پر گامزن رہنے کی بالواسطہ تلقین ہے۔

۲۹- (ان حالات سے) میرے دل کو جو زخم پہنچے ہیں (یا صدمہ پہنچا ہے) وہ میں آج ظاہر کر کے چھوڑوں گا اور لہو کے آنسو بہا بہا کر محفل کو گلستان بنا کے چھوڑوں گا۔ لہو کے آنسو بہانا انتہائی دکھ کی علامت ہے۔ گلاب کا پھول سرخ ہوتا ہے' گویا لہو کے آنسوؤں کو گلاب سے تشبیہ دی ہے۔ اہل وطن میں بھی اس دکھ کا احساس پیدا کروں گا۔

۳۰- میں ہر دل کی شمع کو اپنے دل سوز و تپش سے جلاؤں گا/روشن کروں گا اور یوں تیری (اے اہل وطن) تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا۔ گویا سب میں حب الوطنی کے جذبے بھر طور پیدا کروں گا اور یوں ان دکھ بھرے حالات سے نجات پا کر اہل وطن محبت و اتفاق کی طرف آئیں گے۔

۳۱- میں چمن میں اپنی مٹھی بھر خاک بکھیر کر چھوڑوں گا' ممکن ہے یا شاید اس سے درد آشنا

دل غنچوں کی صورت پیدا ہو جائیں۔ میں وطن میں اپنے جذبوں کی تشہیر کروں گا' شاید کچھ اور لوگ اس سے متاثر ہو کر اپنے دردِ آشنا دلوں کے ساتھ میرا ساتھ دیں اور وطن کی آزادی وفلاح اور باہمی دوستی ومحبت کے لیے کوشاں ہو جائیں۔

۳۲۔ تسبیح کے ان بکھرے دانوں کو ایک ہی تسبیح میں پرونا اگر مشکل ہے تو میں یہ مشکل آسان کر کے چھوڑوں گا۔ بکھرے دانے یعنی مختلف اقوامِ ہند۔ میں ان سب میں اتفاق و یگانگت پیدا کر کے چھوڑوں گا۔

۳۳۔ اے میرے ساتھی! تو مجھے دل کو نوچنے اور کھرچنے میں مشغول رہنے دے' یعنی میں دشواریوں میں کلیجہ مسوس کر زندگی بسر کروں۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ محبت کا داغ نمایاں کر کے رہوں۔ گویا اگرچہ مجھے اتحاد و اتفاق کی تبلیغ میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے لیکن مجھے انسانوں سے جو محبت ہے' اس کا بہر طور اظہار کروں گا۔

۳۴۔ (اے میرے ہمنشین) جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے' وہ تجھے بھی دکھا دوں گا اور یوں تجھے بھی آئینے کی طرح حیران کر کے چھوڑوں گا۔ ہم نشین سے مراد اہلِ وطن ہے۔ مذکورہ نا چاقی کے نتیجے میں جو حالات وطن کے میں دیکھ رہا ہوں' وہ تم پر واضح کر کے تمہیں بھی حیرت میں ڈبو دوں گا۔

۳۵۔ جو چشمِ بصیرت ہے' وہ وہ سب کچھ دیکھ لیتی ہے جو پردوں میں چھپا ہوا ہو' اور وہ زمانے کی طبیعت کے تقاضے سے بھی آگاہ ہو جاتی ہے۔ یعنی صاحبِ بصیرت ظاہری حالات سے یہ اندازہ لگا لیتا ہے کہ زمانہ مستقبل میں کس بات کا تقاضا کرے گا' کیسے حالات پیدا ہوں گے۔

۳۶۔ تو نے اپنے دل کو رفعت و بلندی (ظاہری اور ذہنی بلندی) سے آشنا نہ کیا اور اس کے نتیجے میں تو نے پاؤں کے نشان کی طرح اپنی زندگی پستی میں گزاری۔ اگر اہلِ وطن کو اپنی عظمت و سربلندی کا احساس ہوتا تو وہ آج غلامی کی پست زندگی بسر نہ کرتے۔

۳۷۔ تو بس محفل کا فریفتہ رہا' لیکن تو نے محفل سے باہر اپنی نگاہوں کو حیرت آشنا نہ کیا۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ محدود حلقے یا خاص قوم ہی سے اپنی وابستگی رکھی اور وطن کی اجتماعی صورتحال پر توجہ نہ کی۔

۳۸۔ تو اپنا دل حسینوں کی اداؤں پر قربان کرتا رہا' لیکن تو نے اس آئینے (دل) میں اپنی ادا نہ دیکھی۔ گویا تو دوسروں پر فریفتہ رہا' اپنی ذات کی معرفت پر توجہ نہ کی یا اپنی

اہمیت کا احساس نہ کیا۔

۳۹۔ اے نادان! تو تعصب چھوڑ' اس لیے کہ زمانے کے آئینہ میں جو تصویریں ہیں اور جنہیں تو برا سمجھ رہا ہے' وہ خود تیری تصویریں ہیں یعنی یہ دنیا' فطرت کی رو سے' آئینہ خانے کی طرح تعصبات اور ہر قسم کی بداخلاقی کے گرد و غبار سے صاف و پاک ہے' تو بھی (اہل وطن) ایسا بن جا۔

۴۰۔ تو سوز زندگی کی بیداد کے خلاف سراسر نالہ و فریاد بن جا۔ تو نے ہرل کے دانے کی طرح اپنی آواز گرہ میں کیوں باندھ رکھی ہے؟ یعنی اس ظالم طاقت کے خلاف پورے جوش سے فریاد کر جو زندگی کے درد کے بیان کے راستے میں' اپنے ظلم و جور کی صورت میں حائل ہے۔ برصغیر میں ظالم انگریز حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

۴۱۔ او نادان! تو نے کف آئینہ پر مہندی لگا رکھی ہے۔ بھلا پاکیزگی دل کو رنگ تعلق سے آراستہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی دل و باطن پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ حنا باندھنا' بیکار کام کرنا جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ رنگ تعلق سے مراد دنیاوی تعلقات کی اضافی رونق یعنی پاکیزہ باطن انسان دنیاوی یا مادی خواہشات وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑتا جبکہ اہل ملت اس پاکیزگی سے محروم ہیں۔

۴۲۔ زمین تو ایک طرف آسمان تک تیرے غور و فکر میں غلط بات سوچنے پر روتا ہے۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ تو نے قرآن کریم کی سطر کو چلیپا بنا دیا ہے۔ گویا قرآن کریم کی جو اصل تعلیم ہے' اس پر تو عمل نہیں کر رہا اور عیسائیوں کی طرح' جو چلیپا گلے میں ڈالے رکھتے ہیں' محض دکھاوے کے لیے اسے اپنے پاس رکھتا ہے۔

۴۳۔ اگر زبان سے یا محض زبان سے اپنے توحید پرست ہونے کا دعویٰ کیا جائے تو اس کا کیا فائدہ (یہ تو محض دکھاوا ہوگا) تو نے تو غرور و تکبر کے بت کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ آج کے مسلمان توحید پر عمل سے بیگانہ ہیں۔ سب کسی نہ کسی صورت میں اپنی بڑائی اور تکبر کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اگر توحید الٰہی پر عمل ہوتا تو ملت بھی ایک ہوتی اور فرقہ پرستی سے دور رہتی۔

۴۴۔ اگر تو نے (حضرت) یوسف کو کنوئیں میں دیکھ بھی لیا تو کیا دیکھا۔ اے غافل! جو مطلق تھا' اسے تو نے مقید کر دیا۔ مطلب یہ کہ جب تک حضرت یوسف کنوئیں میں تھے' اس وقت تک ان کے کمالات کسی پر واضح نہیں تھے۔ آزاد ہونے پر سب نے ان کے

کمالات دیکھ لے۔ یعنی خدا کے جلوے اگر کسی جگہ یا شے تک مختص کر دیے جائیں تو اس کی صحیح معرفت حاصل ہونا ممکن نہیں رہتا۔

۳۵- (اے نام نہاد ملا اور خطیب) تجھے اس بات کی ہوس ہے کہ تو منبر پر چڑھ کر لچھے دار تقریر / وعظ کرے۔ چنانچہ اگر تو کوئی نصیحت بھی کرتا ہے تو اس کا انداز کوئی داستان بیان کرنے کا ہوتا ہے۔ گویا تیرا دل عشق حقیقی کے جذبے سے خالی ہے۔ تیرا اسلام باتوں تک ہی محدود ہے۔ علامہ نے بال جبریل میں یوں کہا ہے:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

بقول قیصر:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوص عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں، ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

ایک شاعر نے طنزاً کہا ہے:

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوشخط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے
(اس ل یعنی لام نستعلیق)

۳۶- تو اپنی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھ کو، جو یاد الٰہی میں روتی ہو، وہ حسن دکھا جو ساری دنیا کے دل میں آتش شوق بھڑکا دینے والا ہے اور جو پروانے کو تڑپاتا اور شبنم کو رلاتا ہے۔ یعنی اس محبوب حقیقی کے عشق کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کر جس کے جلوے کائنات میں مختلف صورتوں میں نمایاں ہیں۔

۳۷- اے بوالہوس! (دولت پر فریفتہ دنیادار) تیری زندگی کا یہ مقصد ہی نہیں ہے کہ تو اس محبوب کا نظارہ کرے۔ اگر کسی یعنی قدرت نے انسان کو جو آنکھ عطا کی ہے تو کچھ سمجھ کر ہی کی ہے۔ یعنی انسان کائنات کی اشیا میں اس کا جلوہ دیکھے اور یہ جبھی ممکن ہے جب انسان عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار اور صاحب بصیرت ہو۔

۳۸- اگر ایرانی بادشاہ جمشید نے اپنے جام میں ساری دنیا کو دیکھ بھی لیا تو کیا دیکھا، اس لیے کہ اسے اس جام میں اپنی کچھ بھی حقیقت نظر نہ آئی۔ روایت کے مطابق جمشید نے ایک ایسا جام / پیالہ بنایا تھا جس میں دنیا نظر آتی تھی۔ مطلب یہ کہ اصل بات تو اپنی

حقیقت و معرفت سے آگاہ ہونا ہے۔ محض دنیا دیکھ لینا تو کوئی کارنامہ نہیں۔

۴۹۔ فرقہ پرستی (جو نام نہاد ملاؤں نے پھیلائی ہے) ایک ایسا درخت ہے جس کا پھل تعصب ہے۔ یہ وہ پھل ہے جو آدم کو جنت سے نکلواتا ہے۔ فرقہ پرستی انسانیت کے خلاف بلکہ انسان دشمنی ہے۔

۵۰۔ سورج کے جذبہ (کشش) سے پھول کی ایک پتی تک بھی باہر نہ آئی۔ یہ تو عظمت و بلندی کی آرزو ہے جو شبنم کو لے اڑتی ہے۔ سورج طلوع ہونے پر پھول نہیں کھلتے بلکہ اس سے پہلے شبنم کے قطرے گرنے سے پھول کھلنے لگتے ہیں۔ جیسے ہی سورج طلوع ہوتا ہے یہ قطرے سوکھ جاتے یعنی اڑ جاتے ہیں۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ اس ذات اقدس میں فنا ہو کر انسان عظمت و سربلندی حاصل کرتا اور صاحب بقا بن جاتا ہے۔

۵۱۔ جو عشق و محبت کے زخمی ہیں' وہ اپنے زخموں کے علاج کی فکر میں نہیں رہتے۔ یہ زخمی آپ ہی اپنا مرہم پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک سچے عاشق کو راہِ محبت میں جو بھی مصائب و آلام درپیش ہوتے ہیں' وہ ان سے خوفزدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ چنتا رہتا ہے یعنی اس کے جذبوں میں مزید پختگی آتی جاتی ہے۔

۵۲۔ محبت کی چنگاری سے دل سراپا نور بن جاتا ہے اور معمولی سے بیج سے طور کا باغ پیدا ہو جاتا ہے۔ طور وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا اور ان سے باتیں کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک درخت میں آواز پیدا کر دی تھی۔ اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ کوہ طور کے درخت جیسے درختوں کا باغ جس کے ہر درخت میں خدا کا جلوہ نظر آئے اور خدا انسان سے ہمکلام ہو' صرف عشق حقیقی ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

۵۳۔ خواہش و آرزو کی تلوار سے زخمی ہونا ہر دکھ درد کی دوا ہے اور رفو کے احسان سے آزاد رہنا زخم کا علاج ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کے پیش نظر اعلیٰ مقصد ہو اور وہ اس کے حصول کے لیے تگ و دو کرے' جہد و عمل سے کام لے تو وہ اس راہ میں آنے والی ہر مصیبت سے بے خوف ہو کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ زخم میں ٹانکے بھروانے کا احسان تک نہیں لیتا' دوسروں کا کسی بھی صورت میں احسان مند نہیں ہونا چاہتا۔

۵۴۔ بیخودی کی شراب کی بدولت میری پرواز آسمان تک پہنچ گئی ہے۔ رنگ کے اڑنے

سے میں نے بوا خوشبو بن کے رہنا سیکھا ہے۔ عشق حقیقی میں وجد کی کیفیت انسان کی عظمت و سربلندی کا باعث بنتی ہے۔ پھول کا رنگ اڑ جانے پر بھی اس کی خوشبو کچھ دیر تک پھیلی رہتی ہے۔ پہلے مصرعے کی بات استعارے میں کہی ہے۔

۵۵۔ وطن کی جو صورت حال ہے اس کے ماتم میں میری روتی ہوئی آنکھیں کیونکر (رونے سے) رک سکتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر کی آنکھوں کی عبادت ہردم باوضو رہنا ہے۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار اور حساس شاعر موجودہ (اس دور کی) حالت پر کیونکر سکون سے رہ سکتا ہے' اسے بے حد صدمہ پہنچ رہا ہے۔ آنسوؤں کو وضو کے پانی سے تشبیہ دی ہے۔

۵۶۔ افسوس کہ جب چمن میں بے آبرو ہو کر رہنا ہے تو پھر پھول کی ٹہنی پر کیا سمجھ کر آشیانہ بناؤں یا ہم بنائیں۔ یعنی جب وطن میں کسی کی عزت و آبرو ہی محفوظ نہیں ہے تو اس حال میں یہاں کیونکر زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔

۵۷۔ اگر تو سمجھے تو (حقیقت یہ ہے کہ) سچی آزادی باہمی محبت و رواداری میں پوشیدہ ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسرے میں فرق کرنا یا فرقہ پرستی کا اسیر بننا سراسر غلامی ہے۔ اہل وطن میں باہمی محبت ہو تو کوئی باہر کی قوم (انگریز کی طرح) آ کر انہیں اپنا غلام نہیں بنا سکتی۔

۵۸۔ یہ جو پیالہ پانی میں الٹا رہتا ہے تو یہ اس کی بے نیازی کے سبب ہے۔ تو بھی بلبلے کی طرح زندگی بسر کر جو نہر میں ہوتے ہوئے بھی الٹا رہتا ہے اور پانی کا احسان نہیں اٹھاتا۔ دوسروں کے احسان مند ہونے سے انسان کی عزت و آبرو نہیں رہتی' لہٰذا تو بھی:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۵۹۔ او بیگانہ خو! اگر تو اس دنیا میں (عزت) کی زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہے تو' اپنوں سے بے پروا نہ رہ کہ اسی میں تیری بھلائی ہے۔ اہل وطن سے خطاب ہے جو باہم مل کر رہنے کی بجائے فرقہ و قوم پرستی کی بنا پر باہم برسرپیکار ہیں۔ باہم مل کر رہو۔

۶۰۔ بنی نوع انسان کی محبت یعنی انسان دوستی بڑی روح پرور شراب ہے' باطن میں فرحت و تازگی پیدا کرتی ہے۔ اسی شراب (انسان دوستی) نے مجھے جام و سبو کے بغیر مست رہنا سکھایا۔ علامہ نے بلاتفریق مذہب و ملت ہر انسان سے اپنی بے حد محبت کا اظہار اس استعارے میں کیا ہے۔

۶۱۔ اسی محبت (انسان دوستی) کے طفیل بیمار قوموں نے شفا پائی ہے اور قوموں نے اپنے سوئے ہوئے مقدر کو اسی محبت سے بیدار کیا ہے۔ مراد یہ کہ انسان دوستی، باہمی محبت اور اتحاد ہی کی بنا پر کمزور قومیں طاقتور بنیں اور انہوں نے اپنے مقدر کو خوب سنوار لیا۔

۶۲۔ محبت کا بیابان، مسافرت کا جنگل بھی ہے اور وطن بھی ہے۔ یہ ویرانہ پنجرہ بھی ہے، آشیانہ بھی اور چمن بھی ہے۔ گویا محبت میں ملکی اور غیر ملکی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ انسان دوستی دنیا کے تمام انسانوں کے حوالے سے ہے۔

۶۳۔ محبت ہی ایک ایسی منزل ہے جو منزل بھی ہے اور صحرا بھی ہے۔ وہ قافلے کے کوچ کی گھنٹی بھی ہے، قافلہ بھی ہے، رہنما اور رہزن بھی ہے۔ محبت ہی سے دوسروں کی صحیح رہنمائی کی جا سکتی ہے اور ان کے دلوں پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ راہزن سے مراد ایک سچا انسان دوست ہے جو اپنی محبت سے لوگوں کے دل جیتتا ہے۔ شعر ۶۲ والی بات ہی ہے۔

۶۴۔ سب لوگ اسے (محبت کو) مرض کہتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں پرانے آسمان کی گردش کا علاج بھی چھپا ہے۔ یعنی اسی کے طفیل آسمان سے نازل ہونے والی مصیبتوں اور حادثوں کے دور کرنے کی تدبیر ممکن ہے۔ گویا محبت اور انسان دوستی ایک بڑا ہی عظیم جذبہ ہے جو لوگوں اور قوموں کے مقدر سنوارتا اور ہر طرح کی مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے۔

۶۵۔ دل کا جلانا خود کو مکمل طور پر نور بنا لینا ہے۔ یہ پروانہ اگر جلے یا جل جائے تو انجمن کی شمع بھی بن جاتا ہے۔ دل کا جلانا گویا دل میں دوسروں کی محبت کا سوز و گداز پیدا کرنا ہے۔ ایسا انسان دوسرے انسانوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

۶۶۔ حسن تو وہی ایک (حسن) ہے لیکن وہ ہر شے میں نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ گویا شیریں بھی ہے، فرہاد بھی اور بیستون پہاڑ بھی ہے۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ وہ محبوب حقیقی تو واحد ہے۔ اس کے جلوے کائنات کی ہر مخلوق اور ہر شے میں نمایاں ہیں تو جب سب مخلوق اسی ایک ذات کی ہے تو پھر ہم باہم مل جل کر اور محبت سے کیوں نہ رہیں۔

۶۷۔ اس مذہب و ملت اور آئین میں فرق و امتیاز نے قوموں کو تباہ کیا ہے۔ تو پھر کیا میرے اہل وطن کو وطن کی بھی کچھ فکر ہے یا نہیں؟ گویا اگر اتحاد و محبت پر توجہ نہ دی گئی تو وطن تباہی سے دوچار ہو جائے گا۔ علامہ ہی کے بقول:

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے

۶۸- داستانِ درد چونکہ طویل ہے جس کی وجہ سے خاموشی ضروری ہے ورنہ اس کے بیان کے لیے ہمارے منہ میں زبان بھی ہے اور بات کرنے کی طاقت بھی ہے۔ اس حوالے سے مذکورہ صورت حال پر اپنے انتہائی دکھ درد کا اظہار مقصود ہے۔

۶۹- مضمون کا سلسلہ مختصر نہیں ہو رہا تھا' اس لیے میں نے اسے بیان کرنا چھوڑ دیا۔ یہ ایک ایسی داستان (بیان) تھی جو بے حد طویل تھی' اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔
یہ شعر نظیری نیشاپوری کی ایک غزل کا مقطع ہے۔ اس غزل کا مقطع ہے:

زکوئے یار چون بو درہم و آشفتہ می آمد
نظیری گشتِ صد گلزار امروز از صبا کردم

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

(۱)

۱- جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سرزمیں

۲- آ گیا آج اس صداقت کا مرے دل کو یقیں
ظلمتِ شب سے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

۳- "تا ز آغوشِ وداعش داغِ حیرت چیدہ است
ہمچو شمعِ کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است"

(۲)

۱- کشتۂ عزلت ہوں' آبادی میں گھبراتا ہوں میں
شہر سے سودا کی شدت میں نکل جاتا ہوں میں

۲- یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں
بہرِ تسکیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں

۳- آنکھ گو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے
اجنبیت ہے مگر پیدا مری رفتار سے

(۳)

۱- ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا

۲- نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

۳- ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

(۴)

۱- تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم!
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم

۲۔ اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائی صحرائے علم — تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم
۳۔ "شورِ لیلیٰ کو؟ کہ باز آرائشِ سودا کند — خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند"

(۵)

۱۔ کھول دے گا دستِ وحشت عقدۂ تقدیر کو — توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
۲۔ دیکھتا ہے دیدۂ حیراں تری تصویر کو — کیا تسلی ہو مگر گرویدۂ تقریر کو
۳۔ "تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا — خامشی کہتے ہیں جس کو، ہے سخن تصویر کا"

(اس نظم میں علامہ نے اپنے فلسفہ کے استاد ڈاکٹر آرنلڈ کی یاد میں اپنے احساسات نظم کیے ہیں۔ یہ نظم ماہنامہ 'مخزن' مئی ۱۹۰۴ء میں چھپی تھی۔

(۱)

۱۔ اے ہندوستان! تیرا مکین / رہائشی آخر مغرب / ولایت میں جا کر آباد ہو گیا۔ افسوس کہ اسے مشرق کی سرزمین پسند نہ آئی۔ آرنلڈ ۱۹۰۴ء کے آغاز میں واپس یورپ چلے گئے تھے۔

۲۔ مجھے آج اس صداقت پر پورا یقین آ گیا کہ روزِ جدائی کی روشنی' رات کی تاریکی سے کم نہیں ہے۔ جدائی کا دن ایک دکھ کا دن ہے۔ اس لحاظ سے اس کی روشنی کو تاریکی کہا ہے۔

۳۔ جب سے میری آنکھ نے ان (آرنلڈ) کی رخصتی کی گود سے حسرت کا داغ اٹھایا ہے' یعنی انہیں بڑی حسرت سے رخصت کیا ہے' اس وقت سے نگاہ بجھی ہوئی شمع کی مانند آنکھ میں سو گئی ہے' گویا کسی کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ (یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا۔۔۔)

(۲)

۱۔ میں گوشہ تنہائی کا مارا ہوا اور آبادی سے گھبراتا ہوں۔ جب مجھ پر جنون کی کیفیت زیادہ ہو جاتی ہے تو میں شہر سے باہر نکل جاتا ہوں۔ اپنی گوشہ نشینی کی بات کی ہے۔

۲۔ گزرے ہوئے دنوں کی یاد میں میں اپنے دل کو تڑپاتا ہوں اور دل کی تسلی کی خاطر تیری طرف دوڑتا آتا ہوں۔ آرنلڈ کی صحبت میں گزرے ہوئے دن یاد آنے پر دل کو جو صدمہ ہوتا ہے اس کی عکاسی کر کے خیال ہی خیال میں آرنلڈ کی طرف دوڑ کر آنے کی بات کی ہے۔

۳۔ اگرچہ آنکھ تیرے در و دیوار سے مانوس ہے لیکن میری رفتار سے بیگانہ پن ظاہر ہے۔

در و دیوار سے مراد آرنلڈ کا وطن ہے۔ چونکہ خیال ہی خیال میں ادھر جانے کی بات کی ہے' اس لیے "رفتار سے بیگانہ پن ظاہر" کہا ہے۔

(۳)

۱۔ میرے اس استاد کی بدولت میرے دل کا ذرہ خورشید آشنا ہونے کو تھا (میرا دل نورِ علم سے منور ہونے والا تھا) اور ٹوٹا ہوا آئینہ عالم نما ہونے والا تھا۔ پہلے مصرعے والی بات دوسرے استعارے میں ہے۔

۲۔ میری آرزوؤں کا درخت ہرا اور سر سبز ہونے کو تھا۔ افسوس کہ کسی کو کیا معلوم میں کیا سے کیا ہونے والا تھا۔ مجھ میں علم و حکمت کے سلسلے میں بڑی عظیم تبدیلی آنے والی تھی یا میں اس ضمن میں بلندی پر جا رہا تھا' لیکن افسوس کہ استاد میرا وطن ہی چھوڑ گئے۔

۳۔ رحمت کا بادل میرے باغ سے دامن کھینچ کر چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر میری تمناؤں کی کلیوں پر برسا' پھر وہ چل دیا۔ ابرِ رحمت یعنی آرنلڈ۔ ان سے فیض حاصل کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا اس کا استعارہ ہے۔

(۴)

۱۔ اے علم و حکمت کے کوہِ طور کی چوٹی پر کلیم جیسا مرتبہ رکھنے والے (آرنلڈ) آپ کہاں ہیں۔ آپ کے سانس کی لہر علم کی ایک ایسی ہوا تھی جس سے امنگ اور ولولے میں اضافہ ہوتا تھا یا وہ علم کی ایسی ہوا تھی جو مسرتِ روحانی میں اضافہ کرتی تھی۔

۲۔ آپ کے جانے کے بعد اب مجھ میں علم کے صحرا کے سفر کا شوق ہی نہیں رہا۔ یہ جو ہمارے سر میں بھی علم کا جنون تھا تو یہ آپ ہی کے دم سے تھا۔ آرنلڈ جس خلوص و جذبے سے تدریس کرتے تھے اس سے طلبا میں حصولِ علم کا بہت شوق بڑھتا تھا۔

۳۔ لیلیٰ کا شور (چرچا' عشق) اب کہاں ہے؟ کہ وہ پھر جنون کی آرائش کرے اور مجنوں کی خاک کو صحرا کے دل کا غبار بنا دے۔ یہ شعر بھی مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے۔ اس استعارے میں اپنے استاد سے بے حد محبت کی عکاسی کی ہے۔ مجنوں' لیلیٰ کی محبت میں صحرا نوردی کرتا رہتا تھا' اسی لیے اسے مجنوں یعنی دیوانہ کہا جاتا ہے' ورنہ اس کا اصل نام قیس تھا۔

(۵)

۱۔ وہ دن آئے گا یا قریب ہے جب محبت و دیوانگی کا ہاتھ تقدیر کی گتھی کو سلجھا دے گا' اور

دو یوں کہ میں پنجاب کی زنجیر توڑ کر آپ کے پاس پہنچوں گا۔ چونکہ علامہ لاہور میں تھے جو صوبہ پنجاب کا دارالخلافہ رہا ہے اور آج بھی ہے' اس لیے یہ کہا کہ اس کی زنجیر توڑ کر پہنچوں گا۔

۲-۳: اگرچہ میری حیرت زدہ آنکھیں آپ کی تصویر کو دیکھتی رہتی ہیں' لیکن سچی بات یہ ہے کہ جو گفتگو کا مشتاق و شیفتہ ہو وہ بھلا تصویر دیکھ کر کیونکر تسلی پائے گا' اس لیے کہ تصویر کے منہ/ زبان میں بولنے کی طاقت نہیں ہے۔ تصویر کی گفتگو کو تو خاموشی کہا جاتا ہے' یا خاموشی ہی تصویر کی گفتگو ہے۔ تیسرا شعر امیر مینائی کا ہے۔

چاند

۱- میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن — ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موج زن

۲- قصد کس محفل کا ہے؟ آتا ہے کس محفل سے تو؟ — زرد رو شاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو؟

۳- آفرینش میں سراپا نور تو' ظلمت ہوں میں — اس سیہ روزی پہ لیکن تیرا ہم قسمت ہوں میں

۴- آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دید سے — تو سراپا سوز داغِ منتِ خورشید سے

۵- ایک حلقے پر اگر قائم تری رفتار ہے — میری گردش بھی مثالِ گردشِ پرکار ہے

۶- زندگی کی رہ میں سرگرداں ہے تو' حیراں ہوں میں — تو فروزاں محفلِ ہستی میں ہے' سوزاں ہوں میں

۷- میں رہِ منزل میں ہوں' تو بھی رہِ منزل میں ہے — تیری محفل میں جو خاموشی ہے' میرے دل میں ہے

۸- تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے — چاندنی ہے نور تیرا' عشق میرا نور ہے

۹- انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں — بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تو' تنہا ہوں میں

۱۰- مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغامِ اجل — محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوۂ حسنِ ازل

۱۱- پھر بھی اے ماہِ مبیں! میں اور ہوں' تو اور ہے — درد جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے

۱۲- گرچہ میں ظلمت سراپا ہوں' سراپا نور تو — سینکڑوں منزل ہے ذوقِ آگہی سے دور تو

۱۳- جو مری ہستی کا مقصد ہے' مجھے معلوم ہے — یہ چمک وہ ہے' جبیں جس سے تری محروم ہے

(یہ نظم رسالہ مخزن' مئی ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں علامہ نے چاند کی روشنی اور اس کی فیض رسانی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نور بکھیرنے کے باوجود تو ذوق آگاہی سے بہت دور ہے۔ گویا علامہ نے انسانوں کے لیے اپنی خودی بیدار

کرنے کی بالواسطہ کوشش کی ہے۔

۱۔ اگرچہ میرے ویرانے (دنیا، سرزمین) سے تیرا وطن (آسمان) کوسوں دور ہے لیکن پھر بھی تیری کشش سے دل کا دریا اسمندر خوب موج زن ہے۔ چاند کو دیکھ کر دل عجیب مسرت محسوس کرتا ہے۔ پورے چاند کی روشنی کے جذب سے سمندر میں پانی کا اتار چڑھاؤ / جوار بھاٹا ہوتا ہے' اسی لیے دریائے دل کے موج زن ہونے کی بات کی ہے۔

۲۔ اے چاند! تیرا کس محفل میں جانے کا ارادہ ہے؟ اور تو کس محفل سے آتا ہے؟ یہ جو تو زرد رو ہے' تو یہ شاید منزل کے راستے کے دکھ کے باعث ہے۔ زرد رو اس کی روشنی ہے جو سورج کے مقابلے میں کم ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ چونکہ چاند کی کوئی محفل نہیں' اس لیے اس کی زندگی بے کیف ہے۔

۳۔ آفرینش کے لحاظ سے تو سراپا نور ہے اور میں تاریکی ہوں۔ (میں ناموافق حالات و بدقسمتی کا شکار ہوں) لیکن اس سیاہ روزی میں میں اور تو ہم قسمت ہیں۔ ہم دونوں کی قسمت ایک ہے۔ چاند دن کے وقت غروب ہوتا ہے' اس لیے اسے سیاہ روز کہا جاتا ہے۔ خود کو بدقسمت کہا ہے۔

۴۔ افسوس کہ میں دیدار کے شوق کی تپش میں جلتا ہوں (دیدار محبوب حقیقی) جبکہ تو سورج کے احسان کے داغ سے سراپا تپش ہے۔ چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ سراپا تپش اس کی روشنی کو کہا ہے اور یہ کہ کسی کا احسان اٹھانا اپنی خودی کو زخمی کرتا ہے۔

۵۔ اگر تیری (چاند کی) رفتار ایک خاص حلقے تک (مغرب سے مشرق تک) محدود ہے تو میری گردش بھی پرکار کی گردش کی طرح ہے۔ پرکار ایک دائرے میں رہتے ہوئے گھومتی ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مجھ میں آگے بڑھنے اور مسلسل چلتے رہنے یعنی جہد و عمل کرنے کا شوق و جذبہ نہیں ہے۔

۶۔ تو زندگی کی راہ میں سرگرداں ہے تو میں حیران ہوں۔ تو وجود کی محفل میں روشن ہے تو میں جل رہا ہوں۔ سرگرداں سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ بے مقصد چلنا یا زندگی کی حقیقت سے بے خبر رہنا۔ جبکہ میں یا انسان زندگی کی حقیقت جاننے کے لیے خود میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے۔

۷۔ میں منزل کے راستے میں ہوں تو بھی منزل کے راستے میں ہے۔ تیری محفل

(ستاروں) میں جو خاموشی ہے وہ میرے دل میں ہے۔ میری منزل محبوب حقیقی تک رسائی ہے جس کے لیے جذبہ عشق کے ساتھ چلتے رہنا اور خودی سے آگاہ ہو کر اس ذات میں فنا ہونا ہے۔ میرا یہ جذبہ میرے دل میں ہے جو مجھے آگے بڑھا رہا ہے۔ جب کہ چاند کی منزل اس کا مشرق میں جا کر غروب ہو جانا ہے۔

۸۔ اگر تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی طور طریقہ ہے۔ چاندنی تیرا نور ہے تو عشق میرا نور ہے۔ میرا دل عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار ہونے کے باعث مجھے یا میری ہستی کو منور کر رہا ہے۔

۹۔ جہاں میں رہتا ہوں وہاں میری بھی ایک محفل ہے۔ اگر تو اپنی محفل (ستاروں کی محفل) میں یکتا ہے تو میں اپنی محفل میں تنہا ہوں۔ میری محفل والوں میں اپنی خودی سے آگاہی اور عشق حقیقی کا کوئی جذبہ نہیں ہے' محفل سے مراد ملت ہے۔ چونکہ میں اس جذبے سے سرشار ہوں' اس لیے خود کو تنہا سمجھتا ہوں۔

۱۰۔ سورج کی روشنی تیرے حق میں موت کا پیغام ہے۔ سورج نکلنے پر چاند غروب ہو جاتا ہے' یہ گویا اس کی موت ہے' جبکہ مجھے حسن ازل خود میں محو کر دیتا ہے۔ میں جب اس کائنات میں اس محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہوں تو اس میں کھو جاتا ہوں۔ یہ محو ہو جانا اس ذات حق سے بے حد عشق کی علامت ہے' میں تیری طرح سورج کی روشنی میں اپنا وجود نہیں کھو دیتا بلکہ اس جلوۂ حق سے میری روح زندہ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

۱۱۔ ان سب باتوں کے باوجود اے روشن چاند! تو اور ہے اور میں اور ہوں' ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' اس لیے کہ جس پہلو / دل میں اس محبوب کا درد پیدا ہوتا ہے' وہ پہلو ہی اور ہے۔ صرف انسان ہی اس محبوب حقیقی کے عشق کے جذبے سے سرشار ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر وہ اشرف مخلوقات ہے۔

۱۲۔ اگرچہ میں (انسان) اپنے اعمال کی بنا پر سراسر تاریکی ہوں اور تو نور ہے لیکن تو آگاہی کے ذوق سے کوسوں دور ہے۔ غالباً اپنے اعمال کی بنا پر ظلمت کہا ہے یا پھر یہ کہ انسان کے وجود میں چاند کی سی روشنی نہیں ہے۔ اپنی خودی سے آگاہی کی بنا پر میرا مقام بہت بلند ہے' جبکہ تو اس سے محروم ہے۔

۱۳۔ میری ہستی / حقیقی زندگی کا جو مقصد ہے' اس سے میں پوری طرح آگاہ ہوں۔ مقصد یہی کہ اپنی خودی کی معرفت حاصل کر کے خود میں خدائی صفات پیدا کرنا اور دنیا پر چھا

جاتا۔ یہ (خود آگاہی) ایسی چمک ہے جس سے تیری پیشانی محروم ہے۔ تو اس جذبے سے محروم ہے۔

بلالؓ

(۱)

۱۔ چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا — حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

۲۔ ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی — تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

۳۔ وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے — کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

۴۔ جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں — ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

(۲)

۱۔ نظر تھی صورت سلمانؓ ادا شناس تری — شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

۲۔ تجھے نظارے کا مثل کلیمؑ سودا تھا — اویسؓ طاقت دیدار کو ترستا تھا

۳۔ مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا — ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

۴۔ تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید — خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید

۵۔ گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر — کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰ پر

۶۔ تپش ز شعلہ گرفتند و بر دل تو زدند — چہ برق جلوہ بخاشاک حاصل تو زدند

(۳)

۱۔ ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

۲۔ اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی — نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

۳۔ خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا — خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

(۱)

۱۔ آپؓ (بلالؓ) کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا' اسی بنا پر آپؓ کو وہ حبش سے حجاز لے آیا۔ یہ واقعی بڑی خوش بختی تھی کہ وہ حجاز پہنچے جہاں انہیں حضور اکرمؐ کا قرب حاصل ہوا۔ حبش میں رہتے تو اس قرب سے محروم رہتے۔ دراصل وہ کسی کافر کے غلام تھے جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا جس پر اس کافر

مالک نے ان پر بڑے ظلم ڈھائے۔ یہ آزادی اس قرب کا باعث بنی۔

۲- اسی غلامی کے نتیجے میں آپ کے غمکدے کی آبادی کا سامان ہوا۔ ہزاروں آزادیاں آپ کی غلامی کے صدقے قربان ہیں۔ غلام ہونا قسمت کی بات تھی۔ غلام نہ ہوتے تو حبش ہی میں رہتے اور مذکورہ قرب کا شرف حاصل نہ ہوتا۔

۳- آپ سے وہ آستان ایک پل کے لیے بھی نہ چھٹتا۔ آپ نے کسی کے شوق میں ستم کے لطف اٹھائے۔ وہ آستاں یعنی آستانِ حضور اکرمؐ۔ کسی اشارہ ہے حضور اکرمؐ کی طرف۔ غلام ہونے کے باعث اپنے مالک کے ستم سہے تھے۔

۴- عشق میں جو جفا ہو اسے جفا نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ستم نہ ہو تو محبت بے مزہ رہتی ہے۔ ایک سچا عاشق اپنے محبوب کے قرب کے حصول میں ہر طرح کے ظلم، ستم اور مصیبتیں بڑے شوق سے برداشت کرتا ہے۔

(۲)

۱- آپؓ (بلالؓ) کی نظر حضرت سلمانؓ کی طرح ادا شناس تھی (حضورؐ کی باطنی خوبیوں سے آگاہ تھی) دیدار حضور اکرمؐ سے آپ کی پیاس کی شراب میں اور اضافہ ہوتا تھا۔ حضور اکرمؐ کے قرب مبارک میں آپ کے جذبۂ محبت میں مزید اضافہ ہوتا تھا۔

۲- آپ کو حضرت کلیمؑ کی طرح نظارے کا جنون تھا جبکہ حضرت اویسؓ دیدار کی طاقت کو ترستے تھے۔ (لغت دیکھیے) یعنی آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ہر وقت حضور اکرمؐ کے قدموں میں رہیں۔

۳- مدینہ آپ کی نگاہوں کا ایک طرح سے نور تھا اور آپ کے لیے یہ صحرا بھی گویا کوہ طور تھا۔ حضرت موسیٰ (کلیم اللہ) نے جس طرح طور پر خدا کے جلوے کا نظارہ کیا تھا اسی طرح آپ مدینہ شریف میں حضورؐ کے دیدار میں کھوئے رہتے تھے۔

۴- حضور اکرمؐ کے دیدار کے باوجود آپ کی نظر کو دیدار کی حسرت رہی۔ یہ انداز بے حد عشق و محبت کا ہے۔ وہ دل بڑا ہی مبارک اور خوش ہے جو (حضورؐ کے عشق میں) تڑپتا ہی رہا اور ایک پل بھی اس کی تڑپ نہ رکی۔

۵- آپ کی (جذبۂ عشق رسولؐ کی بنا پر) بیقرار جان پر وہ بجلی گری کہ آپ کی تاریکی (کالا رنگ) حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر خندہ زن ہے۔ بلالؓ حبشی ہونے کے ناطے سیاہ رنگ کے تھے جسے ظلمت کہا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ جب وہ

اپنا ہاتھ جیب سے نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا۔ بلال کا حضور اکرمؐ سے جو بے پناہ عشق تھا' اس حوالے سے اس قسم کی بات کی ہے۔

۶۔ قضا و قدر کے کارکنوں نے شعلے کی تپش لے کر تیرے دل میں بھر دی' بلکہ محبت کی بجلی نے تیرے وجود کو یکسر جلا کر خاک کر دیا۔ وہی بے پناہ عشق والی بات نئے استعارے میں۔

(۳)

۱۔ آپ کا حضور اکرمؐ کے دیدار کا انداز سراسر نیاز و عاجزی تھا۔ گویا یعنی حضور اکرم کو دیکھتے رہنا ہی آپ کی نماز تھی۔

۲۔ ازل ہی سے اذان آپ کے عشق کا ترانہ بنی اور نماز تو اسؐ کے (حضور اکرمؐ کے) چہرۂ اقدس پر لگاتار نظر کرنے کا بہانہ بنی۔

۳۔ وہ وقت بڑا ہی مبارک اور کیا خوب وقت تھا جب مدینہ منورہ حضور اکرم کا مقام تھا اور وہ دور بڑا ہی خوش بخت دور تھا جب وہاں (مدینے میں) حضور اکرمؐ کا دیدار عام تھا۔

سرگذشتِ آدم

۱۔ سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے — بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے
۲۔ لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں — پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے
۳۔ رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو — دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے
۴۔ ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا — کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے
۵۔ نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی — کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے
۶۔ کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا — چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے
۷۔ کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا — کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے
۸۔ کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں — دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
۹۔ سنایا ہند میں آ کر سرودِ ربانی — پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے
۱۰۔ دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی — بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے
۱۱۔ بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم — خلافِ معنیِ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے
۱۲۔ لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو — جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

۱۳- سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

۱۴- ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

۱۵- کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقلِ دور بیں میں نے

۱۶- کیا اسیر شعاعوں کو، برقِ مضطر کو
بنا دی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے

۱۷- مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہِ نگیں میں نے

۱۸- ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اُسے مکیں میں نے

(یہ نظم ماہ نامہ 'مخزن' لاہور کے شمارۂ ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لے کر حضور اکرمؐ اور حضور اکرمؐ کے بعد کے تمام اہم حالات کو نظم کیا گیا ہے اور اسی بنا پر اس میں خاصی تلمیحات آ گئی ہیں)

۱- مجھ سے کوئی میری مسافرت کی کہانی سنے کہ کس طرح میں نے اپنے پہلے ہی عہد کی داستان بھلا دی۔ میں نے شیطان کے بہکانے پر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور یوں مجھے جنت سے زمین کی طرف بھیج دیا گیا۔

۲- جب میں نے فہم و شعور کی تند و تیز شراب کا جام پی لیا تو میری طبیعت جنت کے باغ میں نہ لگی۔ گویا اگرچہ مذکورہ پھل کھانے سے مجھ میں شعور ضرور پیدا ہوا لیکن اس کے نتیجے میں میری طبیعت بیقرار و مضطرب رہنے لگی۔ یہ بیقراری میرا مقدر بن گئی۔

۳- زمین پر اتر کر اسے اپنا مستقل مقام بنا لیا اور یہاں مجھے کائنات کی حقیقت کی جستجو رہی۔ اس بات کا بے حد شوق رہا کہ میں یہ جانوں اس کائنات کی اصلیت اور اس کا راز کیا ہے۔ (یہ شوق قدرت نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا) اور یوں میرے (انسان کے) آسمان تک پہنچنے والے بلند تخیل نے اپنی بلند پروازی کا مظاہرہ کیا۔

۴- مجھے قدرت کی طرف سے کچھ ایسا تغیر پسند مزاج ملا کہ مجھے آسمان کے نیچے (دنیا میں) کہیں بھی قرار نہ آیا۔ اسی مزاج کی بنا پر میں ہمیشہ سفر میں رہا اور سفر کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام کو ہجرت کرتا رہا۔

۵- کبھی تو میں نے کعبے سے پتھر کی سورتوں / بتوں کو نکالا یعنی توڑا یعنی میں حضرت ابراہیمؑ کی صورت میں ظاہر ہوا اور میں نے کعبے میں رکھے ہوئے بت توڑ ڈالے اور کبھی بتوں کو میں نے حرم میں بٹھا دیا کبھی میں نے کافروں کی صورت اختیار کر کے کعبے میں بت سجا دیئے۔

۶۔ کبھی میں اس ذاتِ حق سے گفتگو کرنے کے ذوق شوق میں کوہ طور پر پہنچا۔ یعنی حضرت موسیٰ کی صورت میں خدا سے بات کرنے کے لیے طور پر پہنچا اور اسے ''رب ارنی'' کہا (اے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا) چنانچہ مجھے ''کلیم اللہ'' کہا گیا اور یوں میں نے اللہ تعالیٰ کا نور اپنی آستین میں چھپا لیا۔ حضرت موسیٰ کے اس معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا۔

۷۔ کبھی ایسی صورت حال ہوئی کہ اپنوں (دوسرے انسانوں) ہی نے مجھے سولی پر لٹکا دیا' چنانچہ میں نے زمین کو چھوڑ کر آسمان کا سفر کیا۔ حضرت عیسیٰ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچایا جس پر انہیں حاکم وقت نے سولی پر لٹکا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں چوتھے آسمان پر اٹھا لیا۔

۸۔ کبھی میں غارِ حرا میں برسوں چھپا رہا اور کبھی میں نے دنیا والوں کو آخری جام دیا۔ حضور اکرمؐ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جام آخری یعنی شرابِ معرفت جو اسلام کے روپ میں آئی' حضور اکرم کا دین۔

۹۔ کبھی میں نے ہند میں آ کر سرود ربانی سنایا (کرشن جی کی بانسری کا نغمہ یعنی کرشن نے ہند میں نغمۂ توحید سنایا' توحید کا پیغام سنایا) اور کبھی میں نے یونان کی سرزمین کو پسند کیا۔ افلاطون کے پیغام توحید کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰۔ جب اہل ہند نے میری صدا نہ سنی تو میں نے وہاں سے نکل کر چین اور جاپان کے ملکوں کو بسایا۔ بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ کی طرف اشارہ ہے۔ گوتم کی ولادت ہند میں ہوئی۔ بعد میں چین' جاپان چلے گئے۔ یہ دونوں ملک آج بھی بدھ مت / مذہب کے مرکز ہیں۔

۱۱۔ کبھی میں نے اہل دین کی تعلیم کے معنی / حقیقت کے برعکس ذروں کو ترکیب دے کر (مرکب کر کے) دنیا بنائی۔ قرآن کریم کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات تخلیق کرنا چاہی تو لفظ ''کن'' (ہو جا) فرمایا جبکہ سائنس دانوں کے نظریے کے مطابق خلاؤں میں ایک بڑا سیارہ گردش کر رہا تھا' وہ سورج سے ٹکرایا تو کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا جن سے چاند' ستارے اور زمین وجود میں آئے۔ پانی اور مٹی کے ملاپ سے نباتات کا وجود بنا اور نباتات نے حیوانوں اور انسانوں کی صورت اختیار کی۔ یہ سب اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔

۱۲- کبھی ایسا ہوا کہ انسان نے یورپ میں مذہب اور سائنس کا جھگڑا چھیڑ کر زمین پر فتنہ و فساد پیدا کیا اور قتل و غارت گری کی' جس سے زمین بے گناہوں کے خون سے سرخ ہوگئی۔ یوں انسان مختلف صورتوں میں محو سفر رہا۔

۱۳- جب میں ستاروں کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا تو اسی خیال میں میری راتیں گذرتی رہیں۔ یعنی اسی غور و فکر میں میں راتیں جاگتا رہا کہ یہ چاند ستارے کیا ہیں۔ کہاں سے ان کا طلوع اور کہاں ان کا غروب ہوتا ہے۔ تا آنکہ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ چاند اور ستاروں کا طلوع و غروب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔ اسی گردش کے نتیجے میں دن اور رات پیدا ہوتے ہیں' اور موسم بدلتے ہیں۔

۱۴- میرے اس نظریے کی بنا پر کہ زمین کی گردش سب کچھ ہے' مجھے کلیسا کے پادریوں نے تلواریں دکھائیں جن سے میں بالکل نہیں ڈرا۔ اشارہ ہے گلیلیو اور نیوٹن جیسے سائنس دانوں کی طرف جنہوں نے گردش زمین کا نظریہ پیش کیا جبکہ اہل مذہب کے مطابق زمین ساکن ہے' اور آسمان گردش کرتا ہے۔ میرے اس نظریے پر پادری میری جان کے دشمن ہو گئے لیکن میں ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوا۔

۱۵- میں نے اپنی دوربین عقل کا آئینہ لگا کر زمین کی کشش کا راز ظاہر کیا۔ اشارہ نیوٹن کی طرف جو پہلا سائنس دان تھا جس نے ''ثقل'' یعنی کشش زمین کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے اپنے تجربوں سے ثابت کیا کہ جو بھی چیز آسمان کی طرف اچھالی جائے' وہ نیچے زمین پر آ گرتی ہے۔ یہ نتیجہ تھا نیوٹن کے انتہائی غور و فکر کا۔

۱۶- پھر میں (انسان) نے ہوا میں موجود لہروں کو اپنے بس میں کیا۔ بجلی اور سورج کی شعاعوں پر قابو پا کر اس سرزمین کو جنت کے لیے قابل رشک بنا دیا۔ ان سائنس دانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اس قابو کی بنا پر ریڈیو اور وائرلیس (اور ہمارے دور میں ٹیلی ویژن) اور اس قسم کی دیگر ایجادات کیں۔ پھر پانی اور دیگر ذرائع سے بجلی پیدا کی جس سے زمین کے اندھیرے چھٹ گئے۔ اس طرح زمین گویا بقعۂ نور بن گئی اور میں (انسان) نے اپنی اس محنت کے طفیل بے حد ترقی کی۔

۱۷- افسوس کہ ان سب باتوں کے باوجود ہستی یعنی اس کائنات کا راز مجھ پر نہ کھلا' حالانکہ میں نے اپنی عقل و خرد سے اس دنیا کو تہ نگیں بنا لیا تھا۔

۱۸- بہر حال جب میری مظاہر پرست آنکھ کھلی تو میں نے اسے اپنے دل کے گھر میں مکیں

پایا۔ مطلب یہ کہ مجھے جس حقیقت کی تلاش تھی وہ تو میرے دل کی گہرائی میں موجود ہے اور وہ یہ کہ اس حقیقت کا راز وہ خالق کائنات یعنی ذاتِ خداوند کریم ہے۔ انسان اسے جنگلوں بیابانوں وغیرہ میں راہب / پادری بن کر تلاش کرتا رہا ہے' جبکہ خود اس کے ارشاد کے مطابق وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کے دل میں مکیں ہے۔

ترانۂ ہندی

۱۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا	ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
۲۔ غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں	سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
۳۔ پربت وہ سب سے اونچا' ہمسایہ آسماں کا	وہ سنتری ہمارا' وہ پاسباں ہمارا
۴۔ گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں	گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
۵۔ اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو	اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
۶۔ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا	ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
۷۔ یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے	اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
۸۔ کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری	صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
۹۔ اقبال! اپنا کوئی محرم نہیں جہاں میں	معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

(علامہ کی یہ نظم رسالہ "زمانہ" کانپور میں ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء کو شائع ہوئی۔ اس کا ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب علامہ جغرافیائی امتیاز کی بنا پر وطنیت کے قائل تھے' لیکن بعد میں جب انہیں ہندوؤں کی منافقت اور مسلم کشی کی صورت میں ان کی اسلام دشمنی کا صحیح اندازہ ہوا تو مسلمانوں کے علیحدہ وطن حاصل کرنے اور تقسیم ہند کے ذریعے پاکستان کی تحریک کے علمبردار ہو گئے۔ ہندو ذہنیت کے بارے میں مشہور ضرب المثل ہے: "منہ میں رام رام' بغل میں چھری")

۱۔ ہمارا ہندوستان ساری دنیا سے زیادہ اچھا اور خوبصورت ہے۔ ہم اس کی بلبلیں ہیں اور وہ ہمارا باغ ہے۔ بلبلیں باغ میں چہکتی اور خوش رہتی ہیں۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ ہم یہاں بے حد خوش ہیں۔

۲- اگر ہم کبھی سفر یا پردیس میں ہوں تو دلی طور پر ہم وطن ہی میں ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے تم ہمیں بھی وہیں سمجھو جہاں ہمارا دل ہو۔ ہندوستان سے بڑی محبت کا اظہار ہے۔

۳- اس کا پہاڑ یعنی کوہ ہمالیہ سب پہاڑوں سے زیادہ اونچا اور اس کی بلندی آسمان تک ہے۔ وہ ہمارا سنتری اور ہمارا پاسبان ہے۔ اپنی نظم "ہمالہ" میں علامہ نے یوں کہا ہے: "پاسباں اپنا ہے تو دیوار ہندوستاں ہے تو" گویا دشمن قوم اس پر سے ہو کر حملہ آور نہیں ہو سکتی۔

۴- اس کی گودی میں ہزاروں ندیاں کھیلتی ہیں' یعنی اس میں رواں ہیں' جن (ندیوں) کی وجہ سے ہمارا باغ جنت کے لیے باعث رشک ہے۔ باغ پانی ہی سے شگفتہ و تر و تازہ رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ندیاں بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

۵- اے دریائے گنگا! کیا تجھے وہ دن یاد ہیں جب ہمارا (مسلمانوں کا) قافلہ تیرے کنارے اترا تھا۔ (لغت.....)

۶- مذہب انسانوں کو آپس میں دشمنی رکھنا نہیں سکھاتا۔ ہم ہندی یعنی اہل ہند ہیں اور ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ ہم سب مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ وطن ہے' اس لحاظ سے ہمیں آپس میں پیار اور محبت سے رہنا چاہیے۔

۷- یونان اور مصر اور روما سب دنیا سے مٹ گئے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ وہاں انقلاب آئے اور ان کے پہلے والے حالات نہ رہے' جبکہ ہمارا یعنی ہندوستان کا نام و نشان ابھی تک باقی ہے۔

۸- کوئی ایسی بات ضرور ہے کہ ہمارا وجود نہیں مٹ رہا' ہمارا یا ہمارے وطن کا وجود برقرار ہے' حالانکہ زمانے کی گردش صدیوں ہماری دشمن رہی ہے۔ ان حملوں اور خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ ہے جو قدیم زمانے سے ہوتی رہیں۔

۹- اے اقبال! دنیا میں اپنا کوئی واقف حال نہیں ہے' اس لیے کسی کو ہمارے درد دل کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ غالباً ہندو مسلم چپقلش اور مسلم کشی کی طرف اشارہ ہے۔

جگنو

(پہلا بند)

۱- جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں؟

۲۔ آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ / یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں؟
۳۔ یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا؟ / غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں؟
۴۔ تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا / ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں؟
۵۔ حسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی / لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
۶۔ چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی / نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں
۷۔ پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا / وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

(دوسرا بند)

۱۔ ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی / پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
۲۔ رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے زباں کو / گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی
۳۔ نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی / چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی
۴۔ رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت / پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
۵۔ سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو / پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی
۶۔ یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری / جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

(تیسرا بند)

۱۔ حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے / انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے
۲۔ یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا / واں چاندنی ہے جو کچھ، یاں درد کی کسک ہے
۳۔ اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ / نغمہ ہے بوئے بلبل، بو پھول کی چہک ہے
۴۔ کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی / جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے
۵۔ یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو؟ / ہر شے میں جبکہ پنہاں خاموشی ازل ہو

(اس نظم کا، جیسے کہ ملاحظہ ہوگا، مرکزی خیال یہ ہے کہ اس کائنات کے ذرے ذرے میں اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ کارفرما ہے یا چھپا ہوا ہے، لیکن ظاہری آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی۔ غور کرنے پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اس ذاتِ حق کے سوا اور کسی کا وجود اصلی اور حقیقی نہیں ہے اور یہ کائنات اسی خالقِ کائنات کے نور کا مظہر ہے۔)

(پہلا بند)

۱۔ یہ چمن کے محل میں جگنو کی روشنی ہے یا پھولوں کی انجمن میں کوئی شمع جل رہی ہے۔ رونق اور دل کشی کے باعث چمن کو محل سے تشبیہ دی ہے۔ جگنو رات کو جب اڑتا ہے تو اس طرح چمکتا ہے کہ چمکا' پھر تاریک ہو گیا' چمکا پھر تاریک ہو گیا۔ اسے کرمکِ شب تاب اسی لیے کہا جاتا ہے۔

۲-۳: یوں لگتا جیسے یہ جگنو نہیں بلکہ آسمان سے کوئی ستارہ اڑ کر آیا ہے یا پھر چاند کی کرن میں جان پڑ گئی ہے۔ یا پھر رات کی سلطنت میں دن کا کوئی سفیر آیا ہے جو اپنے وطن میں تو گمنام تھا پردیس میں آ کر چمکا ہے۔ وطن مراد دن اور پردیس مراد رات۔

۴۔ یا یوں لگتا ہے کہ (یہ جگنو نہیں بلکہ) چاند کی قبا کا کوئی تکمہ گر گیا ہے' یا پھر یہ ایک ذرہ ہے جو سورج کے لباس میں نمایاں ہے۔

۵۔ یہ (جگنو در حقیقت) اس حسن قدیم/ نور مطلق کی ایک پوشیدہ جھلک تھی' جسے قدرت تنہائی سے انجمن میں لے آئی۔ اس قسم کے استعاروں کے بعد علامہ اصل موضوع کی طرف آئیں گے۔

۶۔ یہ جگنو گویا ایک چھوٹا سا چاند ہے جس میں تاریکی بھی ہے اور روشنی بھی۔ کبھی یہ گہن سے نکلا اور کبھی گہن میں آ گیا۔ یعنی کبھی چمکتا اور کبھی تاریک ہوتا رہتا ہے۔

۷۔ پروانہ بھی ایک پتنگا ہے اور جگنو بھی ایک پتنگا ہے۔ پروانہ روشنی کا طالب ہے جبکہ جگنو پورے طور پر روشنی ہے۔ پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا ہے جبکہ جگنو میں اپنے اندر روشنی ہوتی ہے۔

(دوسرا بند)

۱۔ قدرت نے کائنات میں ہر شے کو' کسی نہ کسی صورت میں' دل کشی سے نوازا ہے۔ چنانچہ پروانے کو سوز و تپش (شمع سے محبت) اور جگنو کو روشنی عطا فرمائی ہے۔

۲۔ پرندے' جن کی انسانوں جیسی زبان نہیں ہے' رنگین نوائی (دل کش چہچہاہٹ) سے نوازے گئے ہیں' جبکہ پھول کو زبان دے کر اسے خاموشی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھول کی پتی کو زبان سے تشبیہ دی ہے' اسی لیے "تعلیم خامشی" کہا ہے۔

۳۔ شفق کے نظارے کا حسن زوال کا شکار ہو رہا تھا' اس لیے قدرت نے اس پری کو چمکا کر تھوڑی سی زندگی عطا فرمائی۔ شام کے قریب سورج غروب ہوتے وقت آسمان پر ہلکی سی سرخی نمودار ہوتی ہے۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سرخی ذرا تیز ہو جاتی اور پھر چاند ستارے طلوع ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی حوالے سے ''پری'' اور ''تھوڑی سی زندگی'' کی بات کی ہے۔

۴۔ صبح کو لال جوڑا پہنا کر اور شبنم کی آرسی دے کر ایک حسین و دلربا اور خوش ادا دلہن کی طرح رنگین/حسین بنایا۔ صبح سورج طلوع ہونے پر حسین منظر سامنے آتے ہیں جنہیں لال/سرخ لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شبنم کے قطروں کو' ان کی چمک کی وجہ سے' آرسی کہا ہے۔ صبح کو دلہن سے تشبیہ دے کر اس سے متعلق لباس وغیرہ کی بات ہے۔

۵۔ قدرت نے درخت/درختوں کو سائے سے نوازا اور ہوا کو فضا میں اڑنے/چلنے کی قوت دی۔ پانی میں روانی پیدا کی۔ (سمندروں اور دریاؤں میں پانی مسلسل بہتا رہتا ہے) اور لہروں میں بیقراری پیدا کی۔ لہر کا اٹھنا گویا بیقراری ہے اور یہی اس کی زندگی ہے ورنہ وہ نہیں رہتی۔ علامہ نے ایک جگہ موج کی زبانی کہا ہے کہ:

ع ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

(میں چلتی ہی رہوں تو زندہ رہتی ہوں' اگر نہ چلوں تو میرا وجود نہیں رہتا)

۶۔ یہ جو مختلف چیزوں میں فرق کی بات کی گئی ہے تو یہ محض ایک بات ہے' ورنہ جو ہماری رات ہے' وہی جگنو کا دن ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر شے میں قدرت ہی کا جلوہ نمایاں ہے۔

(تیسرا بند)

۱۔ ہر چیز میں حسن ازل ہی کی جھلک ہے' یعنی ہر شے میں اسی محبوب حقیقی کا جلوہ نمایاں ہے یا کارفرما ہے اور وہ اس طرح کہ انسان میں تو وہ قوت گویائی (بولنے کی طاقت) کی صورت میں ہے اور گل میں چمک کی صورت میں۔ ان چیزوں پر غور کر کے انسان پر حیرانی طاری ہوتی ہے جس کے نتیجے میں اسے ان میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔

۲۔ آسمان کا یہ چاند ایک طرح سے شاعر کا دل ہے۔ اس میں جو بھی چاندنی/روشنی ہے۔ وہ شاعر کے دل کی کسک ہے۔ شاعر سے مراد محبوب حقیقی کا عاشق جو اس سے عشق کی بنا پر ہلکے ہلکے درد سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح' جس طرح

چاند کی روشنی سے انسان لطف اٹھاتا ہے۔

۳۔ یہ جو مختلف مخلوقات کے انداز ہائے گفتگو ہیں' ان سے دھوکا ہوتا ہے' یعنی یہ ایک جیسے نہیں ہیں' ورنہ بلبل کا نغمہ / چہچہانا اس کی خوشبو ہے اور پھول کی خوشبو اس کی سریلی آواز ہے۔ ان استعاروں سے یہی مراد ہے کہ جو بھی انداز ہیں سب اس محبوب ہی کے جلوے سے سرفراز ہیں' سب میں اسی کا جلوہ ہے۔

۴۔ مخلوقات مختلف کی کثرت ہی میں اس محبوب کی وحدت کا راز پوشیدہ ہے۔ چنانچہ جگنو میں جو چمک ہے وہی پھول میں خوشبو کی صورت میں ہے۔ نئے استعارے میں وہی بات کر کے وحدت الوجود کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

۵۔ جب یہ صورت حال ہے کہ ہر شے میں ازل کی خاموشی پنہاں ہے (جلوے کی صورت میں) تو پھر یہ جو ظاہری طور پر ہر شے کا مختلف ہونا ہے وہ ہنگاموں کا مقام کیوں بنے؟ یعنی جب ہر شے میں ایک ہی جلوہ کارفرما ہے تو پھر انسان کیوں باہمی اختلافات پیدا کر کے باہم برسرِ پیکار رہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

صبح کا ستارہ

(پہلا بند)

۱۔ لطفِ ہمسایگیِ شمس و قمر کو چھوڑوں　　اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
۲۔ میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی　　اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی
۳۔ آسماں کیا عدم آباد وطن ہے میرا　　صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا
۴۔ میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا　　ساقیِ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا
۵۔ نہ یہ خدمت' نہ یہ عزت' نہ یہ رفعت اچھی　　اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی
۶۔ میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا　　قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

(دوسرا بند)

۱۔ واں کی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا　　چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

۲۔ ہے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر | زینت تاج سر بانوئے قیصر بن کر
۳۔ ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبہ جاگا | خاتم دستِ سلیمانؑ کا نگیں بن کے رہا
۴۔ ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست | ہے گہرہائے گراں مایہ کا انجام شکست
۵۔ زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل | کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل
۶۔ ہے یہ انجام اگر زینت عالم ہو کر | کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر

(تیسرا بند)

۱۔ کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں | کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں
۲۔ اشک بن کر سر مژگاں سے اٹک جاؤں میں | کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں
۳۔ جس کا شوہر ہو رواں، ہو کے زرہ میں مستور | سوئے میدانِ وغا، حب وطن سے مجبور
۴۔ یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو | جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو
۵۔ جس کو شوہر کی رضا تاب شکیبائی دے | اور نگاہوں کو حیا طاقتِ گویائی دے
۶۔ زرد، رخصت کی گھڑی عارض گلگوں ہو جائے | کشش حسن غم ہجر سے افزوں ہو جائے
۷۔ لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں | ساغر دیدۂ پرنم سے چھلک ہی جاؤں
۸۔ خاک میں مل کے حیات ابدی پا جاؤں | عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

(یہ نظم رسالہ مخزن لاہور شمارہ فروری ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں علامہ نے صبح کے ستارے کی زبان سے، جو صبح صادق کو طلوع اور سب ستاروں سے زیادہ روشن ہوتا ہے، یہ کہنا چاہا ہے کہ جو بھی انسان حیات دوام پانے کا خواہشمند ہو، اسے چاہیے کہ وہ اپنے دل میں عشق حقیقی کا سوز پیدا کرے۔)

(پہلا بند)

۱۔ مجھے جو سورج اور چاند کی ہمسائیگی کا لطف آتا ہے میں اسے چھوڑنا چاہتا ہوں اور صبح کے طلوع ہونے کا جو پیغام دینے کی خدمت کرتا ہوں، اسے بھی چھوڑ دوں۔ صبح صادق کے وقت ابھی چاند کی روشنی ہوتی ہے، پھر سورج نکل آتا ہے تو یہ ستارہ غروب ہو جاتا ہے۔ اس کا طلوع ہونا گویا صبح کے طلوع ہونے کا پیغام ہے۔ وہ کیوں یہ کچھ چھوڑنا چاہتا ہے۔ اس کا جواب اگلے شعروں میں ہے۔

۲۔ میرے لیے تو تاروں کی بستی (آسمان) اچھی نہیں ہے اس لیے کہ ادھر طلوع ہوا ادھر تھوڑی ہی دیر میں غروب ہو گیا۔ اس حوالے سے تو میرے لیے آسمان کی بلندی کی بجائے زمین والوں کی پستی ہی اچھی ہے کہ وہ جلد ختم تو نہیں ہوتی۔ پستی کے لحاظ سے بالواسطہ انسانوں کے رویے پر طنز ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ آسمان تو نہیں البتہ فنا کی دنیا میرا وطن ہے اور صبح کا سو جگہ سے پھٹا ہوا دامن میرا کفن ہے۔ صبح طلوع ہونے پر بے شمار منظر سامنے آجاتے ہیں اور یہ ستارہ غروب ہو جاتا ہے جسے دامن صد چاک اور کفن سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ میرے مقدر میں یہ لکھا ہوا ہے کہ میں ہر روز جیتا اور مرتا رہوں اور موت کے ساقی کے ہاتھوں صبح کی شراب پیتا رہوں یعنی ادھر طلوع ہوا اور جلد ہی غروب ہو گیا۔

۵۔ نہ تو یہ خدمت اچھی ہے نہ یہ عزت ہی اچھی ہے اور نہ اس بلندی پر ہونا ہی میرے لیے اچھا ہے۔ اس تھوڑی سی دیر کے لیے چمکنے سے تو میرے لیے تاریکی ہی اچھی ہے۔ خدمت سے مراد وہی صبح کا پیغام۔ آسمان پر ہونے کی بنا پر بلندی کی بات کی ہے۔

۶۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی ستارہ نہ بنتا بلکہ سمندر کی تہ میں ایک چمکتا ہوا موتی بنتا۔ اس لیے کہ اسے کچھ تو جیتا ہے۔

(دوسرا بند)

۱۔ سمندر کی لہروں کی کھینچا تانی سے اگر میرا (ستارے کا موتی بننے کی صورت میں) دل گھبراتا تو میں سمندر چھوڑ کر کسی کے گلے کی زینت بن جاتا۔ کوئی حسینہ مجھے اپنے گلے میں لٹکا لیتی اور اس طرح میں اس کی دلکشی میں اضافے کا باعث بنتا۔

۲۔ حسن کا زیور بن کر چمکنے اور کسی ملکہ کے تاج کی زینت بننے میں بڑا ہی لطف و سرور ہے۔

۳۔ جب ایک پتھر کے ٹکڑے (لعل) کا مقدر جاگا تو وہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ کی انگوٹھی کا نگینہ بن گیا۔ (لغت ......)

۴۔ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) زمانے میں اس قسم کی چیزیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں کا انجام بھی ٹوٹ پھوٹ ہی ہے۔ گویا وہ بھی عارضی و فانی ہیں انہیں کوئی بقا حاصل نہیں۔

۵۔ اصل اور حقیقی زندگی تو وہ ہے جو موت سے نا آشنا ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے جس کا

تقاضا / انجام ہی موت ہو۔ جسمانی طور پر تو ہر کوئی مر جاتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ انسان عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار ہو کر جہد و عمل میں لگا رہے اور یوں کائنات کی تسخیر میں کامیابی حاصل کرے' بصورت دیگر اس جذبے سے عاری انسان محض ایک چلتی پھرتی لاش ہی ہوگا۔

۶۔ اگر دنیا کی زینت بن کر (موتی کی صورت میں کسی کے تاج وغیرہ کی زینت) اسی انجام سے دوچار ہوتا ہے تو کیا پھر میرے لیے یہ بہتر نہ ہوگا کہ شبنم بن کر کسی پھول پر ہی ٹپک پڑوں۔ کم از کم میری وجہ سے پھول تو کھل کر اپنے ماحول کو خوشبودار کر دے گا۔

(تیسرا بند)

۱۔ یا میں کسی حسینہ کی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں یا پھر کسی مظلوم کی آہوں کے آنسو بن کر کسی کی پلکوں سے بہتے بہتے رک / اٹک جاؤں)

۲۔۳: یا کیوں نہ ایسی بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں جس کا شوہر وطن کی محبت سے مجبور ہو کر (سرشار ہو کر) زرہ بکتر پہنے میدان جنگ کی طرف رواں ہو رہا ہو۔ بیوی کی یہ کیفیت اس کی اپنے شوہر سے بے حد محبت کی علامت ہے (ایسی بیوی سے متعلق اگلے شعروں میں بھی بات ہوئی ہے)

۴۔ ایسی بیوی جس میں مایوسی اور امید دونوں صورتیں دکھائی دیتی ہوں اور جس کی خاموشی سے گفتگو بھی شرماتی ہو۔ مایوسی اس بات کی کہ شاید میرا شوہر زندہ واپس نہیں آئے گا اور امید اس بات کی کہ شاید وہ غازی بن کر لوٹے۔ اس کی خاموشی کچھ اس انداز کی ہو کہ دیکھنے والے کو اس کے درد دل کا صاف پتا چل جائے جبکہ الفاظ اس کیفیت کو بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

۵۔ جس (بیوی) کو اپنے شوہر کی رضا پر راضی رہنے کے باعث صبر و شکیبائی کی قوت حاصل ہو اور اس کی حیا اس کی نگاہوں کو بولنے کی طاقت دے' وہ سراپا "سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے" کی عملی تعبیر ہو اور حیا کی وجہ سے اس کی نگاہوں ہی سے اس کی دلی حالت کا پتا چل جائے۔

۶۔ جب اس کا شوہر میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے لگے تو اس کا سرخ چہرہ غم کے باعث پیلا پڑ جائے اور اس کے حسن میں جو دل کشی ہے' اس میں شوہر کے ہجر کی وجہ

سے اور بھی اضافہ ہو جائے۔

۷۔ وہ (بیوی) لاکھ ضبط کرنے کی کوشش کرے لیکن میں (صبح کا ستارہ جو آنسو بننے کا خواہش مند ہے) اس کی آنکھوں سے ٹپک ہی جاؤں اور اس کے آنسوؤں سے بھرے ہوئے ساغر سے چھلک ہی جاؤں۔

۸۔ یوں میں (مذکورہ آنسو چھلکنے کے بعد) خاک میں مل کر حیاتِ ابدی پاؤں اور اس طرح زمانے کو (اہل زمانہ کو) سوزِ عشق دکھاتا جاؤں۔ گویا عشق کا جذبہ ہی حیاتِ ابدی کا باعث بنتا ہے۔

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

(۱)

۱۔ چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

۲۔ تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

(۲)

۱۔ یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

۲۔ مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۳)

۱۔ ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے

۲۔ وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۴)

۱۔ بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا — نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا

۲۔ رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا — جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(یہ نظم 'مخزن' شمارہ فروری ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ وہی دور ہے جب علامہ برصغیر میں ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے۔ نوٹ کے لیے ملاحظہ ہو "ترانۂ ہندی")

(۱)

= جس سرزمین یعنی ملک میں حضرت معین الدین چشتی نے لوگوں تک خدا کی توحید کا پیغام پہنچایا' جس چمن (ملک) میں گورونانک جی نے وحدت کا گیت گایا یعنی توحید ایزدی کی تبلیغ کی' اور جس ملک کو مغل بادشاہوں نے اپنا وطن بنایا اور جس نے حجازیوں سے دشت/ ملک عرب چھڑایا' میرا وطن (ہندوستان) وہی ہے' میرا وطن وہی ہے۔ (نیز لغت......)

(۲)

= جس ملک نے اپنے عظیم فلسفہ کی بنا پر یونانی فلسفیوں کو بھی حیران کر دیا تھا' جس نے ساری دنیا کو علم و ہنر دیا تھا (یہاں کا علم و ہنر دوسرے ملکوں کی نسبت عظیم تھا' اس لیے دوسرے ملک یہاں کے علم و ہنر سے بہرہ ور ہوئے) جس کی مٹی کو قدرت نے بے حد زرخیز بنایا اور جس نے ترکوں (مغلوں) کی جھولی ہیروں سے بھر دی تھی۔ مغل بادشاہ یہاں آ کر بے پناہ دولت کے مالک بن گئے۔ میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے۔

(۳)

= فارس/ ایران کے آسمان سے جو ستارے ٹوٹے تھے' جنہیں جس ملک نے چمک دے کر کہکشاں کی طرح چمکا دیا' جس مقام سے دنیا نے وحدت (توحید الٰہی) کا نغمہ سنا تھا اور حضور اکرم کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آئی تھی' میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے۔ (نیز لغت......) بہت سے ایرانی علماء و شعراء و حکماء مغلیہ دور میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پہلے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے شعر میں حضور اکرم کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے ٹھنڈی ہوا کا ذکر کیا ہے۔ آپؐ نے یہی فرمایا تھا کہ مجھے ہندوستان سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے' یعنی توحید کی آواز آ رہی ہے۔

(۴)

= جہاں کے لوگ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی سی شخصیت کے مالک ہیں کہ اللہ سے باتیں کرتے ہیں' جہاں کے پہاڑ طور سینا کی مانند ہیں کہ ان پر خدا کا جلوہ نمایاں ہے۔ جہاں حضرت نوح کا سفینہ آ کر ٹھہرا تھا' جس ملک کی بلندی آسمان کی چھت کی سیڑھی ہے اور

جس کی فضا میں جینا ایک طرح سے جنت میں زندگی بسر کرنا ہے۔ میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت نوحؑ کی کشتی کوہ ہمالیہ کے قریب رکی تھی' جبکہ جدید تحقیق کے مطابق ان کی کشتی ترکی کے کوہ یورال کے قریب رکی تھی۔

نیا شوالہ

(پہلا بند)

۱- سچ کہہ دوں اے برہمن! اگر تو برا نہ مانے ۔۔۔ تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
۲- اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا ۔۔۔ جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
۳- تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا ۔۔۔ واعظ کا وعظ چھوڑا' چھوڑے ترے فسانے
۴- پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے ۔۔۔ خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

(دوسرا بند)

۱- آ! غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں ۔۔۔ بچھڑوں کو پھر ملا دیں' نقش دوئی مٹا دیں
۲- سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی ۔۔۔ آ' اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
۳- دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ ۔۔۔ دامان آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
۴- ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے ۔۔۔ سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
۵- شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے ۔۔۔ دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(یہ نظم رسالہ مخزن' شمارہ مارچ ۱۹۰۵ء میں چھپی تھی۔ اگرچہ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک و تبلیغ کے لحاظ سے اپنی دیگر نظموں سے زیادہ موثر ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہ لیا گیا' جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہندو اپنی مسلم دشمن فطرت کی بنا پر اس قسم کی تبلیغ و تحریک کا معمولی سا بھی اثر لینے کو تیار نہ تھے۔)

(پہلا بند)

۱- اے برہمن! اگر تو برا نہ مانے تو میں تجھ سے یہ سچی بات کہہ دوں کہ تیرے بت

خانوں (مندروں) کے بت اب پرانے ہو چکے ہیں یعنی بت پرستی کا دور اب لد چکا ہے ختم ہو چکا ہے۔

۲- تو نے اپنوں (بالخصوص مسلمانوں) سے دشمنی رکھنا اپنے بتوں سے سیکھا۔ دوسری طرف واعظ (مسلمان مذہبی رہنما) کو خدا نے جنگ و جدل سکھایا۔ نام نہاد ملاؤں نے فرقہ پرستی کو ہوا دے کر ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

۳- اس قسم کی صورتحال سے تنگ آ کر میں نے مندر اور مسجد سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ یعنی واعظ کا وعظ سننا چھوڑ دیا اور تیری (برہمن کی) داستانیں سننا چھوڑ دیں۔ دونوں قوموں کے مذہبی رہنماؤں کی تنگ نظری اور باہمی دشمنی کے باعث میں مذہب سے ہٹ گیا اور صرف وطن اور انسان دوستی پر توجہ دی۔

۴- تو یہ سمجھتا ہے کہ پتھر کے ان بتوں میں خدا سمایا ہوا ہے اور اسی لیے تو اُن کی پوجا کرتا رہتا ہے جبکہ میرے لیے وطن کی خاک کا ہر ہر ذرہ دیوتا ہے۔ میرے لیے وطن اور تمام اہل وطن ہی سب کچھ ہیں۔ میں وطن سے محبت کرنے کی وجہ سے یہاں کے اہل وطن سے بھی' بلا تفریق مذہب و ملت' محبت کرتا ہوں اور میرے لیے یہی عبادت ہے۔

(دوسرا بند)

۱- اے برہمن! آ کہ ہم مل کر پھر غیریت کے پردے اٹھا دیں۔ ایک دوسرے سے بچھڑے ہوؤں کو پھر ملا دیں اور یوں جو دو قومی نظریہ ہے اس کا نقش مٹا دیں۔ ہندو مسلم باہم اتحاد و اتفاق اور محبت سے رہیں۔

۲- ایک مدت سے اپنے دل کی بستی ویران / سونی پڑی ہے۔ تو (برہمن) آ کہ ہم اس ملک میں ایک نیا شوالہ بنا دیں یعنی ایسی جگہ جہاں کوئی مذہب و ملت کی تفریق نہ ہو' سب لوگ باہم مل جل کر اور محبت سے رہیں۔

۳- ہمارا تیرتھ دنیا کے تیرتھوں سے زیادہ اونچا ہو۔ ہم اس کا کلس آسمان کے دامن سے ملا دیں۔ نئے استعارے میں ہندو مسلم اتحاد کی بات کی ہے۔

۴- ہر صبح اٹھ کر ہم ایسے دل کش و پر تاثیر منتر گائیں کہ وہ پجاریوں کے لیے سراسر پیار محبت کی شراب بن جائیں۔ ہندو مسلم باہمی اتحاد و محبت کے جذبے سے سرشار ہو جائیں۔

۵- بھگتوں کے گیت میں شکتی اور شانتی ہی ہے۔ جو صحیح معنوں میں متقی انسان ہیں۔ وہ

امن و امان اور محبت و دوستی ہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) وطن کے باشندوں کی نجات اسی محبت و اتفاق میں ہے۔

داغ

(۱)

۱- عظمتِ غالبؔ ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں — مہدیٔ مجروحؔ ہے شہرِ خموشاں کا مکیں
۲- توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیرؔ — چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر
۳- آج لیکن ہمنوا! سارا چمن ماتم میں ہے — شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے
۴- بلبلِ دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں — ہمنوا ہیں سب عنادل باغِ ہستی کے جہاں
۵- چل بسا داغؔ آہ! میت اس کی زیبِ دوش ہے — آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

(۲)

۱- اب کہاں وہ بانکپن، وہ شوخیِ طرزِ بیاں — آگ تھی کافورِ پیری میں جوانی کی نہاں
۲- تھی زبانِ داغؔ پر جو آرزو ہر دل میں ہے — لیلیِ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے
۳- اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز — کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز؟
۴- تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں — آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

(۳)

۱- اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں — اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں؟
۲- تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے — یا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے؟
۳- اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی — سیکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی
۴- اٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے — مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
۵- لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت — ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت
۶- ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟ — اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون

(۴)

۱- اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں — تو بھی رو اے خاکِ دلی! داغؔ کو روتا ہوں میں
۲- اے جہاں آباد! اے سرمایۂ بزمِ سخن! — ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن

۳- وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بُو ہوا　　آہ! خالی داغؔ سے کاشانۂ اردو ہوا

۴- تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں　　وہ مہِ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں

۵- اٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا　　یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالیؔ رہ گیا

(علامہ نے مشہور شاعر اردو داغؔ کی وفات پر یہ نظم کہی جو مخزن' اپریل ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ علامہ نے شاعری میں داغؔ کی شاگردی بھی کی تھی اسی لیے یہ مرثیہ کہا ہے۔)

(پہلا بند)

۱- ایک مدت سے غالبؔ جیسے عظیم شاعر کی عظمت زمین میں دفن ہے۔ غالب فوت ہو چکے ہیں اور مہدی مجروحؔ نے بھی قبرستان میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ وہ بھی فوت ہو چکے اور دفن ہیں۔

۲- موت نے امیر مینائی کی صراحی پردیس میں توڑ ڈالی' لیکن محفل کی آنکھوں میں اب تک امیر مینائی کی شراب کا سرور و نشہ ہے۔ یعنی ان کی اردو شاعری آج بھی لوگوں کی توجہ و مطالعہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

۳- لیکن اے ہمنوا/ ساتھی! آج سارا چمن ماتم کر رہا ہے' اس لیے کہ ایک روشن شمع بجھ گئی ہے اور شاعری کی محفل ماتم میں مبتلا ہے' ماتم کر رہی ہے۔ داغ مرحوم کی وفات اور ان کی بلند پایہ شاعری کے حوالے سے یہ کہا ہے۔

۴- دلی کی بلبل نے اس چمن میں اپنا آشیانہ بنایا جہاں باغ ہستی کی سب بلبلیں ہم نوا ہیں۔ یعنی وہ ہندوستان کے شہر دہلی/ دلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کی فصیح و بلیغ اور دلکش شاعری عروج کو پہنچی۔ ہند میں اور بھی اردو کے کئی شاعر تھے۔

۵- بڑے دکھ کی بات ہے کہ داغؔ اس دنیا سے چل بسے۔ آج ان کی میت کندھوں کی زینت بن گئی ہے۔ جن جن لوگوں نے ان کا جنازہ اٹھایا' ان کے لیے یہ بات قابل فخر تھی۔ اب جہان آباد/ دہلی کا آخری شاعر خاموش ہے۔ داغؔ دہلی کے آخری شاعر اس لحاظ سے کہ ان کے بعد کوئی بھی شاعر شاعری میں ان جیسا مقام حاصل نہ کر سکا۔ ان کی شاعری داغؔ کی شاعری سے کمتر درجے کی تھی۔

(دوسرا بند)

۱- اب (داغؔ کی وفات کے بعد) شاعروں کی شاعری میں داغؔ کی شاعری کا سا حسن

اور طرز بیان کی شوخی کہاں' یعنی ان شاعروں کا کلام ان خوبیوں سے محروم ہے۔
ان (داغ) کے بڑھاپے کی سفیدی میں بھی جوانی کی آگ پوشیدہ تھی۔ یعنی بڑھاپے میں بھی ان کے شاعرانہ جذبے جوانوں کے سے تھے۔

۲۔ داغ کی زبان پر جو آرزو تھی وہ میرے دل میں ہے۔ گویا مضمون کی لیلیٰ ان کے کلام میں بے پردہ تھی' جبکہ میرے یہاں وہ محمل / کجاوے میں ہے۔ اس استعارے سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ داغ نے واردات عشق کو سلیس اور شیریں زبان میں اور دلکش و دل دوز طرز بیان کے ساتھ پیش کیا جبکہ میرا (علامہ کا) معاملہ شاعری میں ابھی اس حد تک نہیں پہنچا۔

۳-۲: اب صبح کی ہوا سے پھول کے سکوت کا راز کون پوچھے گا اور کون ہے جو چمن میں نالۂ بلبل کا راز سمجھے گا؟ فکر کی پرواز یعنی بلند فکری میں بھی داغ نے حقیقت سے غفلت نہیں برتی۔ ایسے مضامین شعروں میں نہیں باندھے جو بے سروپا یا غیر حقیقی ہوں۔ ان کا یہ انداز ایسا تھا جیسے پرواز کے دوران بھی ایک پرندے کی نظر / توجہ اپنے آشیانے پر ہی رہتی ہے۔

(تیسرا بند)

۱-۳: کیا دوسرے شعرا بھی ہمیں داغ کی سی مضمون / تخیل کی باریکیاں / لطافتیں اور اپنے گہرائی تک پہنچنے والے تخیل کی فلک پیمائیاں یعنی بلند پروازیاں دکھلائیں گے اور کیا وہ زمانے کی تنگی (مصیبتوں وغیرہ) کے نقشے کھینچ کر (شعر میں بیان کر کے) ہمیں رلوائیں گے' یا وہ تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے؟ یہ گویا سوال کی صورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس قسم کی عظیم شاعری آج کے دوسرے شاعروں کے بس کی بات نہیں ہے۔

۲-۳: اس چمن میں اور بھی بلبل شیراز پیدا ہوں گے (اس ملک میں فارسی کے شاعر بھی پیدا ہوں گے) سینکڑوں جادوگر اور صاحب اعجاز (معجز بیان شعرا) بھی ہوں گے' شاعری کے بت خانے سے ہزاروں بت تراش اٹھیں گے (اپنے اپنے انداز میں ہلکی پھلکی شاعری کریں گے) اور نئے ساقی نئے پیمانے سے شراب پلائیں گے (شاعری کے مختلف اسالیب کے حوالے سے یہ کہا ہے)

۵-۶: دل کی کتاب کی بہت سی تفسیریں لکھی جائیں گی' اور اے جوانی کے خواب تیری بہت سی تعبیریں کی جائیں گی (عشقیہ جذبوں کے حامل اشعار لکھے جائیں گے) لیکن دیکھنا یہ ہے کہ (داغؔ کی طرح) عشق کی ہو بہو تصویر کون کھینچے گا؟ تیر چلانے والا (داغؔ) تو اس دنیا سے اٹھ گیا' اب دل پر کون تیر مارے گا؟ یعنی داغ کی عشقیہ جذبوں کی حامل شاعری دل پر بڑا اثر کرتی ہے۔ پڑھنے والا مست ہو ہو جاتا ہے۔ حالات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب داغؔ جیسا عظیم شاعر شاید ہی وجود میں آئے۔

(چوتھا بند)

۱- میں داغؔ کی وفات پر آنسوؤں کے بیج شاعری کی زمین میں بو رہا ہوں۔ (شعروں میں صدمے کا اظہار کر رہا ہوں) اے دہلی کی سرزمین میں داغ کی وفات پر رو رہا ہوں تو بھی اپنے اس عظیم شاعر کے اٹھ جانے پر رو کیونکہ داغ کا اصل تعلق تو تجھ سے تھا۔

۲- اے جہاں آباد دہلی تو کہ شعر و شاعری کی محفل کا سرمایہ ہے (تجھ میں بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے ہیں) آج تیرا چمن پھر خزاں کے ہاتھوں روندا گیا ہے۔ داغؔ کی وفات سے تیری عظمت میں فرق آ گیا ہے۔

۳- داغؔ ایک طرح سے رنگین پھول تھا جو خوشبو کی طرح رخصت ہو گیا۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج اردو کا گل داغؔ سے خالی ہو گیا ہے۔ داغؔ کو اردو زبان پر جو بے حد عبور تھا' اس کا ذکر خود انہوں نے بھی کیا ہے:

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

۴- معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وطن (دہلی) میں (ان کے لیے) کوئی خاص کشش نہ تھی' اسی لیے وہ چودھویں کا چاند دکن کی زمین میں چھپ گیا۔ داغ دکن میں فوت اور وہیں دفن ہوئے تھے۔

۵- جو ساقی تھے (بڑے شاعر تھے) وہ تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے' چنانچہ میخانہ (ملک) خالی رہ گیا۔ اب دہلی کی بزم شعر کی یادگار صرف ایک حالیؔ رہ گئے ہیں۔ (لغت دیکھیے)

ابر

۱- اٹھی پھر آج وہ پورب سے کالی کالی گھٹا — سیاہ پوش ہوا پھر پہاڑ سربن کا
۲- نہاں ہوا جو رخِ مہر زیرِ دامنِ ابر — ہوائے سرد بھی آئی سوارِ توسنِ ابر
۳- گرج کا شور نہیں ہے، خموش ہے یہ گھٹا — عجیب مے کدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا
۴- چمن میں حکمِ نشاطِ مدام لائی ہے — قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو آئی ہے
۵- جو پھول مہر کی گرمی سے سو چلے تھے، اٹھے — زمیں کی گود میں جو پڑ کے سو رہے تھے، اٹھے
۶- ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل — اٹھی وہ اور گھٹا، لو! برس پڑا بادل
۷- عجیب خیمہ ہے کہسار کے نہالوں کا — یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

(۱۹۰۴ء میں علامہ سیر و تفریح کی خاطر ایبٹ آباد تشریف لے گئے تھے۔ یہ نظم انہوں نے اس جگہ بیٹھ کر کہی تھی جہاں اب میونسپل کمیٹی کا باغ ہے اور سربن کی چوٹی اس باغ کے بالکل مقابل نظر آتی ہے۔)

۱- مشرق کی طرف سے آج پھر کالے کالے بادل چلے ہیں، جن کی وجہ سے سربن کا پہاڑ پھر سیاہ پوش ہو گیا ہے۔ کالی گھٹاؤں کی وجہ سے اس پہاڑ کی چوٹی کالی کالی نظر آنے لگی ہے۔

۲- جب سورج کا چہرہ بادل کے دامن کے نیچے چھپ گیا تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی بادل کے گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئی۔ سیاہ بادلوں میں سورج چھپنے پر ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور یہ بڑا دلکش منظر تھا۔

۳- ان کالے بادلوں میں گرج کا شور نہیں ہے، یہ خاموش ہیں، خاموشی سے چل رہے ہیں۔ یہ گھٹا شور کے بغیر کیسا عجیب شراب خانہ بنی ہوئی ہے۔ شراب خانے میں میخواروں کا شور ہوتا ہے لیکن یہ گھٹا (یہ حسین منظر) جو شراب کی طرح دیکھنے والوں کو مست و مخمور کر رہی ہے، خاموش چلی آ رہی ہے۔

۴- یہ گھٹا باغ میں دائمی مسرت و امنگ لائی ہے (اس کا باعث بنی ہے) اور پھول کی قبا میں موتی ٹانکنے کو آئی ہے۔ یعنی پھول کو مزید خوبصورت و دلکش بنانے آئی ہے۔ اس کی وجہ سے پھول کھلتے اور زیادہ دلکش نظر آتے ہیں۔

۵- جو پھول سورج کی گرمی سے سو چلے تھے یعنی کس قدر مرجھا کر جھک گئے تھے وہ اب

بیدار ہو گئے ہیں۔ پوری طرح سے کھل اٹھے ہیں اور جو زمین کی گود میں پڑے سو رہے تھے' وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بیج پھوٹ کر باہر نکلنے لگے ہیں۔

٦- ہوا کے زور کی وجہ سے بادل ابھرا' پھر آگے بڑھا اور اُڑا یعنی وہ آگے نکل گیا' اب ایک اور گھٹا اُٹھی ہے' تو اب یہ بادل تو برسنے بھی لگا ہے۔ بارش ہونے لگی ہے اور منظر اَور بھی دلکش ہو گیا ہے۔

٧- یہاں کے درختوں کا خیمہ بھی عجیب ہے' وادی میں پھرنے والوں کا یہیں قیام ہوتا ہے۔ پہاڑ پر بارش ہو تو وہاں پھرنے والے درختوں کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ بھیگنے سے بچیں۔ اس صورتِ حال کو خیمہ اور قیام سے تشبیہ دی ہے۔

ایک پرندہ اور جگنو

١- سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا — کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا
٢- چمکتی چیز اک دیکھی زمیں پر — اُڑا طائر اسے جگنو سمجھ کر
٣- کہا جگنو نے "او مرغِ نوا ریز! — نہ کر بے کس پہ منقارِ ہوس تیز
٤- تجھے جس نے چہک' گل کو مہک دی — اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
٥- لباسِ نور میں مستور ہوں میں — پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
٦- چہک تیری بہشتِ گوش اگر ہے — چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
٧- پروں کو میرے قدرت نے ضیا دی — تجھے اس نے صدائے دل رُبا دی
٨- تری منقار کو گانا سکھایا — مجھے گلزار کی مشعل بنایا
٩- چمک بخشی مجھے' آواز تجھ کو — دیا ہے سوز مجھ کو' ساز تجھ کو
١٠- مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز — جہاں میں ساز کا ہے ہمنشیں سوز
١١- قیامِ بزمِ ہستی ہے انھی سے — ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے
١٢- ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی — اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

(اس نظم میں علامہ نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ انسانی زندگی اسی وقت دلکشی و جاذبیت کی حامل بنتی ہے جب اس میں سوز اور ساز' جو عشقِ حقیقی کی علامت ہیں' دونوں پائے جائیں)

۱- ایک نغمہ الاپنے/گانے والا (چہچہانے والا) پرندہ شام کے وقت کسی درخت کی ٹہنی پر بیٹھا گا رہا تھا۔
۲- اس نے زمین پر چمکتی ہوئی ایک چیز دیکھی' چنانچہ وہ (پرندہ) اسے جگنو سمجھ کر ٹہنی سے اڑا۔
۳- جگنو کے قریب پہنچا تو جگنو نے اس سے کہا کہ اے گانے والے پرندے! تو مجھ بیکس پر اپنی حرص کی چونچ تیز نہ کر' مجھے نہ پکڑ۔
۴- جس اللہ نے تجھے چہچہانے کی قوت اور پھول کو خوشبو سے نوازا' اسی نے مجھے یہ چمک عطا کی ہے۔
۵- میں نور کے لباس میں ملبوس ہوں (مجھ میں چمک/روشنی ہے) اسی بنا پر میں پتنگوں کی دنیا کا طور ہوں۔ کوہ طور پر اس محبوب حقیقی کے جلوہ کے حوالے سے بات کی ہے جو حضرت موسیٰ نے دیکھا تھا۔ گویا میری روشنی میں اسی ذات کا جلوہ کارفرما ہے۔
۶- اگر تیری یہ چہک کانوں کیلئے جنت کی طرح خوشگوار ہے تو میری چمک بھی فردوسِ نظر ہے۔
۷- میرے پروں کو اگر قدرت نے روشنی عطا کی ہے تو تجھے اس نے دل کش ولربا آواز دی ہے۔
۸- قدرت نے اگر تیری چونچ کو گانا سکھایا ہے تو مجھے گلزار/باغ کی مشعل بنا دیا ہے۔ باغ میں اڑتے وقت جگنو کسی وقت چمکتا ہے اور کسی وقت نہیں چمکتا۔ چمکنے کی بنا پر مشعل کہا ہے۔
۹- مجھے اگر قدرت نے چمک بخشی ہے تو تجھے سریلی آواز عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے اس نے مجھے تو سوز (تپش) عطا کیا ہے اور تجھے ساز سے نوازا ہے۔
۱۰- (یاد رکھ کہ) سوز' ساز کا مخالف نہیں ہوتا۔ دنیا میں سوز' ساز کا ہمنشین ہے یعنی حقیقی زندگی عشق حقیقی کے جذبے سے سرشاری کا نام ہے۔ سچے عاشق میں سوز و درد اور بیقراری (ساز) کا ہونا ضروری ہے۔
۱۱- وجود کی محفل انہی دو کیفیتوں/حالتوں سے قائم ہوتی ہے اور زندگی کی بلندی اور پستی انہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو زندگی ان جذبوں سے سرشار نہیں ہے' وہ پستی کا شکار ہے' جبکہ ان جذبوں سے سرشار زندگی عظمت و بلندی اور حیات دوام کی مالک ہوتی ہے۔
۱۲- اس دنیا کی محفل ان دونوں ہی کی ہم آہنگی سے برقرار رہتی ہے اور باغ کی بہار اسی ہم آہنگی کی بنا پر ہے۔ وہی بات کہ حقیقی زندگی اور کائنات کی دل کشی وغیرہ انہی دو کے طفیل ہے۔ یہ نہ ہوں' انسان میں یہ نہ ہوں تو اس کی زندگی بے مقصد اور بیکار ہو کے رہ جاتی ہے۔

بچہ اور شمع

(۱)

۱۔ کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلکِ پروانہ خو! — شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تو
۲۔ یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنبش ہے کیا — روشنی سے کیا بغل گیری ہے تیرا مدّعا؟
۳۔ اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے — یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے

(۲)

۱۔ شمع اک شعلہ ہے لیکن تو سراپا نور ہے — آہ! اس محفل میں یہ عریاں ہے تو مستور ہے
۲۔ دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عریاں کیا — تجھ کو خاکِ تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا
۳۔ نور تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ آگہی — ہے غبارِ دیدۂ بینا حجابِ آگہی
۴۔ زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ — خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بیہوشی ہے یہ

(۳)

۱۔ محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن — آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن
۲۔ حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے — مہر کی ضو گستری، شب کی سیہ پوشی میں ہے
۳۔ آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ — شام کی ظلمت، شفق کی گل فروشی میں ہے یہ
۴۔ عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں — طفلکِ نا آشنا کی کوششِ گفتار میں
۵۔ ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے — ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
۶۔ چشمۂ کہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن — شہر میں، صحرا میں، ویرانے میں، آبادی میں حسن
۷۔ روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس — ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس؟
۸۔ حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بیتاب ہے — زندگی اس کی مثالِ ماہیِ بے آب ہے

(اس نظم میں علامہ نے بچہ اور شمع کے حوالے سے یا استعارے میں یہ کہنا چاہا ہے کہ روحِ انسانی حسنِ مطلق اور نورِ حقیقی کی تلاش اور اس کے حصول میں بڑی بیقراری اور حیرانی کے ساتھ مصروف رہتی ہے۔ اس کی یہ بیقراری و سرگردانی ایک فطری امر ہے۔)

۱۔ اے پروانے کی سی خُو خصلت رکھنے والے معصوم بچے! تو یہ کیسی حیرانی میں ڈوبا ہوا ہے کہ شمع (چراغ، موم بتی) کے شعلوں کو بڑی بڑی دیر تک دیکھتا رہتا ہے۔ پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔ بچے کا شعلوں کو حیرانی سے دیکھنا ایک طرح سے پروانے والا انداز ہے۔

۲۔ میری گود میں بیٹھے ہوئے تو یہ کیا ہل جل کر رہا ہے، کیا تو روشنی سے بغلگیر ہونا چاہتا ہے؟

۳۔ شمع کے اس نظارے سے تیرا ننھا سا دل حیران ہو رہا ہے۔ تیرا یہ انداز بتا رہا ہے کہ یہ یقیناً تیری کسی دیکھی ہوئی شے کی پہچان ہے۔ تو نے اس شے کو یقیناً پہچان لیا ہے۔

(۲)

۱۔ شمع تو محض ایک شعلہ ہے جبکہ تو (بچہ) پورے طور پر نور ہے۔ افسوس کہ اس محفل (دنیا) میں یہ تو نمایاں طور پر ظاہر ہے جبکہ تو (کہ سراپا نور ہے) چھپا ہوا ہے۔ تجھ میں اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ پوشیدہ ہے جسے دیکھنے کیلئے ظاہری آنکھ نہیں، بصیرت کی ضرورت ہے۔

۲۔ اللہ ہی جانے کہ قدرت کے ہاتھوں نے اسے (شمع کو) کیوں یا کس لیے یوں نمایاں/ظاہر کیا، جبکہ تجھے تاریک مٹی سے تخلیق شدہ فانوس جسم) میں چھپایا۔ وہی سراپا نور کے حوالے والی بات کہ وہ انسان میں موجود ہے جسے صرف بصیرت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۳۔ تیرا نور تو آگہی (معرفت خداوندی) کے پردے کے نیچے چھپ گیا ہے اور یہ آگہی/آگاہی کا پردہ دیدۂ بینا (دیکھنے والی یا ظاہری آنکھ) کیلئے غبار کی طرح ہے۔ ظاہری آنکھ پردے میں چھپی ہوئی شے کو، خواہ وہ نور ہی کیوں نہ ہو، نہیں دیکھ سکتی۔ معرفت خداوندی کے حصول کیلئے گہری بصیرت درکار ہے۔

۴۔ جس شے کو زندگی کا نام دیا جاتا ہے یعنی یہ جو عام زندگی ہے، یہ تو محض فراموشی ہے، خواب ہے، غفلت اور سرمستی و بیہوشی ہے۔ گویا جو انسان بصیرت اور عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار نہیں ہے وہ محض ایک چلتی پھرتی لاش ہے اور وہ نورِ مطلق کو قطعاً نہیں دیکھ سکتا۔

(۳)

۱۔ قدرت یا محبوب حقیقی کی محفل، حسن کا ایک ناپیدا کنار (لامحدود) سمندر ہے۔ اگر

آنکھ یعنی انسانی بصیرت دیکھے تو اس سمندر کے ہر ہر قطرے میں حسن کا طوفان برپا ہے۔ اس موضوع پر اکثر شعرا نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ مثلاً:

سعدی — برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(سبز درختوں کا ایک ایک پتا ایک صاحب فہم و بصیرت کے لیے اس کردگار کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔ یہ دراصل سورۂ یونس آیہ ۶ کے ایک حصے کا آزاد ترجمہ ہے۔)

بوعلی قلندر — گر چشمِ دل کشادہ شود اے شرف ترا — ہر ذرۂ جہاں شود آئینہ دارِ دوست

(اے شرف! اگر تیرے دل کی آنکھ کھلی ہو تو تجھے دنیا کے ہر ہر ذرے میں اس محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آئے گا۔)

فیضی — ہر گیاہے کہ از زمیں روید — "وحدہ لا شریک لہ" گوید

(زمین سے جو بھی گھاس اگتی ہے وہ اس خالق کی توحید کا نعرہ لگاتی ہے۔)

فغانی — مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست — اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

(یہ بات کہ ہر ذرہ سراسر وہی ذات ہے ایک مشکل حکایت ہے لیکن اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا یعنی صاحبانِ بصیرت ہی دیکھ سکتے ہیں۔ ذروں میں اس کو یا اس ذات کے جلوے کو دیکھنا ظاہری آنکھ کے بس کی بات نہیں ہے۔)

جامی — بے نشان است کز و نام و نشاں چیزے نیست — بہ خدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست

(وہ ذات ایک ایسی بے نشان ذات ہے، پردے میں ہے، کہ اس کے بارے میں نام و نشان کی بات کرنا کوئی چیز نہیں۔ خدا کی قسم! دونوں جہانوں میں خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔)

جدید دور کے مشہور شاعر احمد ندیم قاسمی:

جس راز سے انساں کو کئی فلسفے سوجھے
دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

۲-۳: مذکورہ حسن کوہستان / پہاڑ کی ہیبت ناک خاموشی میں سمایا ہوا ہے، نیز سورج کے روشنی پھیلانے اور رات کی تاریکی میں موجود ہے۔ یہ صبح کے وقت (جب آسمان پر سورج چمکتا ہے تو) اس کی آئینہ پوشی سراد روشنی میں موجود ہے۔ پھر سورج غروب ہونے پر جب تاریکی پھیلنے لگتی ہے تو یہ حسن اس میں ہوتا ہے، اسی طرح شفق کی گل فروشی یعنی سرخی میں موجود ہے۔ پہلے سے چھٹے شعر تک مختلف مثالوں اور مناظر کے حوالے سے

اس حسن کی بات کی ہے اور یہ کہ صرف صاحبانِ بصیرت ہی اسے دیکھ سکتے ہیں۔)

۴- یہ حسن عظمت دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں بھی ہے اور ایک ناواقف حال معصوم بچے کی اس کوشش میں بھی ہے جو وہ بولنے کے لیے کرتا ہے۔

۵- یہ حسن باغ کے صحن میں رہنے والے پرندوں کے مل کر چہچہانے میں ہے اور چھوٹے چھوٹے پرندوں (چڑیوں وغیرہ) کے آشیاں بنانے کے انداز میں ہے۔

۶- یہ حسن پہاڑوں میں بہنے والے چشموں اور سمندر کے کسی روک رکاوٹ کے بغیر رواں دواں رہنے میں ہے۔ یہ شہروں میں صحراؤں میں ویرانوں اور آبادیوں میں بھی سمایا ہوا ہے۔

۷- لیکن روح کو کسی گم شدہ شے کی ہوس ہے ورنہ یہ اس صحرا (دنیا) میں گھنٹی کی طرح کیوں نالاں/فریادی ہے؟ ''کسی'' سے مراد محبوب حقیقی ہے جو سامنے نظر نہیں آتا اور روح اسے دیکھنے کی بے حد آرزومند ہے۔

۸- یہ (روح) حسن حقیقی کے اس عام جلوے میں بھی بیقراری کا شکار ہے۔ اس کی زندگی تو ماہی بے آب کی سی ہے۔ اس محبوب حقیقی کے جلوے تو ہر ہر شے میں ہیں لیکن اس کے باوجود روح اسے بالمشافہ دیکھنے کے لیے بیقرار ہے۔

کنارِ راوی

(۱)

۱- سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی	نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
۲- پیام سجدہ کا یہ زیر و بم ہوا مجھ کو	جہاں تمام سوادِ حرم ہوا مجھ کو
۳- سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں	خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

(۲)

۱- شرابِ سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام	لیے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
۲- عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا	شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا

۳۔ کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی | منار خواب گہ شہسوار چغتائی
۴۔ فسانۂ ستم انقلاب ہے یہ محل | کوئی زمان سلف کی کتاب ہے یہ محل
۵۔ مقام کیا ہے، سرود خموش ہے گویا | شجر؟ یہ انجمنِ بے خروش ہے گویا

(۳)

۱۔ رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینۂ تیز | ہوا ہے موج سے ملاح جس کا گرم ستیز
۲۔ سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی | نکل کے حلقۂ حد نظر سے دور گئی
۳۔ جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہی | ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی
۴۔ شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں | نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

(اس نظم میں علامہ نے دریا کے منظر کی تصویر کشی کی اور یہ اخلاقی سبق دیا ہے کہ انسان ایک لازوال اور لافانی حقیقتِ ابدی ہے۔ اگرچہ ظاہری موت سے وہ دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے لیکن وہ فنا نہیں ہوتا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری فنا سے مایوس نہ ہو۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو ابدی ہے۔)

(۱)

۱۔ رات کی خاموشی میں دریائے راوی نغمہ الاپنے میں مصروف و محو ہے۔ خاموشی میں لہروں کے اٹھنے اور پانی کے شور کو "محوِ سرود" کے استعارے میں بیان کیا ہے۔ اس دلکش منظر کو دیکھ کر میرے دل پر جو گزرتی ہے، وہ ناقابلِ بیان ہے۔ گویا اس میں قدرت کی تخلیقی قوت کا جو اشارہ پایا جاتا ہے، صاحبِ بصیرت اس میں کھو کھو جاتا ہے، محو ہو جاتا ہے۔

۲۔ پانی کے نیچے اونچے سُروں سے مجھے سجدے کا پیام ملا اور اس منظر سے میرے لیے یہ تمام جہاں سوادِ حرم ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے خالقِ کائنات کے وجود کا احساس ہو گیا اور وہیں میں سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

۳۔ اگرچہ اس وقت میں راوی کے بہتے ہوئے پانی کے کنارے (دریا کے کنارے) کھڑا ہوں لیکن اس ذاتِ ایزدی کے جلوہ میں (جو اس منظر میں نمایاں ہے) اس قدر محو ہو چکا ہوں کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔

(۲)

۱- شام کا دامن سرخ شراب (شفق) سے رنگین ہو گیا ہے۔ آسمان پر شفق نمایاں ہو گئی ہے' چنانچہ آسمان کا بوڑھا اپنے رعشہ دار ہاتھ میں جام لیے کھڑا ہے۔ بوڑھا یعنی قدیم آسمان۔ رعشہ دار ہاتھ یعنی سورج جو غروب ہوتے وقت کانپتا سا نظر آتا ہے۔

۲- اب (شام کے وقت) دن کا قافلہ بڑی تیز رفتاری سے چلنے لگا ہے یعنی دن غروب ہو رہا ہے۔ یہ شفق نہیں ہے۔ یہ ایک طرح سے سورج کے پھول ہیں۔ شفق کی سرخی کو پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔ گویا سورج جاتے جاتے یہ پھول پھینک رہا ہے۔

۳- اس کنارے سے دور شہسوار چغتائی کی خواب گاہ کے' تنہائی کی عظمت میں اضافہ کرنے والے' مینار کھڑے ہیں۔ راوی کے کنارے سے مغلیہ بادشاہ جہانگیر کے مقبرے کے مینار نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ایک حسین منظر پیش کرتے ہیں۔

۴- یہ جگہ (مقبرۂ جہانگیر) انقلاب کے ظلم و ستم کی ایک داستان ہے۔ یہ جگہ ایک طرح سے زمانۂ ماضی کی ایک کتاب ہے۔ گویا مغل بادشاہوں نے برصغیر پر کوئی دو صدیاں حکومت کی' پھر ظالم اور خبیث انگریزوں نے ہندوؤں کو ساتھ ملا کر مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور خود حکمران بن بیٹھے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اس مقبرے سے مغلوں کی شان و عظمت کا بھی پتا چلتا ہے۔

۵- یہ جگہ ایک طرح سے خاموش ترانہ/نغمہ ہے اور اس (مقبرۂ جہانگیر) میں درخت کیا ہیں؟ وہ تو ایک طرح سے خاموش انجمن ہیں۔ مقبرہ میں بے شمار بڑے بڑے درخت ہیں۔ یہ قدرتی منظر بھی بڑا حسین ہے اور صاحب بصیرت اس منظر میں بھی محو ہو جاتا ہے۔

(۳)

۱- دریائے راوی میں تیز کشتی چل رہی ہے' اس کا ملاح دریا کی موجوں کا مقابلہ کرنے میں مشغول ہے۔

۲- یہ کشتی اپنی سبک روی میں نگاہ کی مانند ہے' چنانچہ وہ نظر کی حدوں سے نکل کر دور چلی گئی ہے۔ جس طرح نگاہ ابھی زمین پر ہوتی ہے' ابھی آسمان پر پہنچ جاتی ہے۔ کشتی کے اس استعارے سے جو اصل بات کرنا ہے' وہ اگلے شعروں میں ہے۔

۳۔ انسانی زندگی کا جہاز بھی کچھ اسی طرح رواں ہے (اسی طرح یعنی مذکورہ کشتی کی طرح) اسی طرح وہ ابد کے سمندر میں ظاہر ہوتا ہے (جس طرح کشتی نظر آتی ہے) اور اسی طرح اس بحر میں وہ چھپ جاتا ہے۔ (جس طرح کشتی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔)

۴۔ انسانی زندگی کا یہ جہاز (بڑی کشتی) ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوتا' اگرچہ وہ نظروں سے چھپ جاتا یا دور ہو جاتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا۔ (نوٹ ملاحظہ ہو)

التجائے مسافر

(بہ درگاہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ دہلی)

(۱)

۱۔ فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا — بڑی جناب تری' فیض عام ہے تیرا
۲۔ ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم — نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
۳۔ تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
۴۔ نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی — بڑی ہے شان' بڑا احترام ہے تیرا
۵۔ اگر سیاہ دلم' داغِ لالہ زارِ توام — وگر کشادہ جبینم' گلِ بہارِ توام

(۲)

۱۔ چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل — ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
۲۔ چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے — شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
۳۔ نظر ہے ابرِ کرم پر' درختِ صحرا ہوں — کیا خدا نے نہ محتاجِ باغباں مجھ کو
۴۔ فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں — تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
۵۔ مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے — کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
۶۔ مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے — کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
۷۔ دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر — تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
۸۔ بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے — چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

۹- پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کا رازداں مجھ کو

۱۰- وہ شمع بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

۱۱- نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

۱۲- دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

۱۳- وہ میرا یوسفِ ثانی' وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرارِ جاں مجھ کو

۱۴- جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
ہوائے عیش میں پالا' کیا جواں مجھ کو

۱۵- ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ جاں مجھ کو

۱۶- شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

(یہ نظم علامہ نے حصول علوم کی خاطر انگلستان جاتے وقت کہی تھی۔ یہ مخزن' اکتوبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی اور اس میں سولہ اشعار زیادہ تھے جو بعد میں "باقیات اقبال" میں شامل کیے گئے۔ نظم کے نزول کے بارے میں علامہ کے دوست مولانا غلام بھیک نیرنگ نے کسی قدر طویل انداز میں دلچسپ باتیں لکھی ہیں۔ ان کے مطابق:

۲ ستمبر' ۱۹۰۵ء ہمارے خاص احباب کی تاریخ محبت میں ایک قابل یادگار دن ہے۔ صبح کا سہانا سماں ہے' بمبئی میل دہلی کے ریلوے سٹیشن پر پہنچی ہے' خواجہ سید حسن نظامی دہلوی اور منشی نذر محمد بی اے اسٹیشن پر استقبال کو آئے ہیں۔ استقبال کس کا ہے؟ جدید شاعری کے روح رواں اقبال با اقبال اور ان کے ہمراہیوں کا۔ وہ کیسے؟ اقبال بغرض تعلیم علوم وفنون انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں۔ نیرنگ اور اکرام اپنے پیارے دوست کو رخصت کرنے کے لیے دہلی تک ساتھ گئے ہیں۔ ریل سے اتر کر اول منشی نذر محمد صاحب کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ بعد میں سب دوست مل کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہ کی درگاہ وآسماں پایہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے کی زیارت اور سیر کی' درگاہ میں پہنچ کر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اول اقبال نے عالم تنہائی میں مزار مبارک کے سامنے بیٹھ کر ذیل کی نظم پڑھی اور ان کی درخواست پر سب احباب باہر صحن میں ٹھہرے

رہے۔ بعد میں دوستوں کے اصرار پر اقبال نے اس نظم کو درگاہ کے صحن میں بیٹھ کر، مزار مبارک کی طرف منہ کر کے، دوبارہ ایک نہایت دردانگیز اور دل نشیں لہجے میں پڑھا۔ سب احباب اور دیگر سامعین نہایت متاثر ہوئے اور بے تحاشا ان کی زبان سے موقع بہ موقع کلمات تحسین و آفرین نکلتے تھے۔ ایک محویت کا عالم تھا کہ جس کی تصویر حاضرین کے تصور ہی کھینچ سکتے ہیں۔ درگاہ سے واپس ہو کر خواجہ حسن نظامی صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ ولایت نامی ایک نوعمر قوال خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا، نوتعلیم تھا مگر خوش گلو اور باطبیعت۔ وہ کچھ گاتا رہا اور وقت نہایت مزے اور کیفیت سے گذرا۔ اس کے بعد شہر کو واپس ہوئے۔ واپسی پر خاتم الشعرا میرزا اسد اللہ خان غالب کی تربت پر حاضر ہوئے۔ بندہ نیرنگ مرزا صاحب کی تربت کے سرہانے لوح تربت پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوا تھا۔ میری دائیں جانب اقبال عالم محویت میں بیٹھے تھے اور تربت کے گرداگرد تمام پارٹی حلقہ باندھے ہوئے تھی۔ دو بجے دن کا وقت اور دن بھی ستمبر کا۔ دھوپ تیز اور ہوا گھٹس، مگر اسی قبر کی زیارت کا اثر تھا کہ کسی کو گرمی کا خیال تک نہ تھا۔ قوال زادے کو عجیب وقت کی سوجھی۔ بولا حضور! میرزا غالب کی ایک غزل یاد آئی ہے، اگر اجازت ہو تو سنا دوں؟ سرود بمستاں یاد دہانیدن [جو خود ہی مست ہوں انہیں گانا یاد دلا دینا، یعنی جذبات و احساسات کو شہ دینا] یہاں کس کو عذر تھا۔ چنانچہ نے اس نے یہ غزل گائی:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

ذیل کے دو شعروں پر عجیب کیفیت رہی:

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں — بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں — اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

اقبال نے جوشِ محویت میں مرزا صاحب کے مزار کو بوسہ دیا اور سب شہر کو روانہ

ہو جے۔'' اچھا اقبال:

بہ سفر رفتنت مبارکباد
بسلامت روی و باز آئی

(تیرا سفر کو روانہ ہونا مبارک ہو۔تو سلامتی سے جائے اور سلامتی سے واپس آئے۔)
زندہ رہیں گے تو تین سال بعد تیرے کلام کو تیری زبان سے پھر سنیں گے۔''
(ملاحظہ ہو باقیات اقبال صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۶)

(۱)

۱۔ فرشتے جس نام کا ورد کرتے ہیں یا پڑھتے ہیں وہ آپ (حضرت محبوبؒ الٰہی) ہی کا نام مبارک ہے۔ آپ کی درگاہ بڑی عظمت والی اور آپ کا فیض عام ہے' یعنی کسی خاص طبقے یا گروہ کی بجائے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

۲۔ آپ ہی کی کشش / جذبے کے طفیل عشق کے ستارے قائم ہیں۔ آپ عشق حقیقی اور انسان دوستی کے جذبے سے سرشار ہیں۔ آپ کا نظام سورج کے سے نظام کا ہے۔ سورج بلا تفریق مذہب وملت سب پر یکساں روشنی ڈالتا ہے۔ آپ بھی تمام انسانوں سے بلا امتیاز محبت و دلداری سے پیش آتے ہیں۔ چونکہ حضرت کو نظام الدین کہا جاتا ہے' اس لیے علامہ نے خاص طور پر لفظ نظام استعمال کیا ہے۔

۳۔ آپ کے مزار کی زیارت دل کی زندگی کا باعث بنتی ہے۔ یعنی انسان میں جہد و عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح اور حضرت خضرؑ سے آپ کا مقام بلند تر ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح اپنے معجزے سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ''زندگی دل کی'' کے حوالے سے ان کا نام لیا ہے' یعنی آپ مردہ دلوں کو زندہ و بیدار کرتے تھے۔ خضر کسی نہ کسی شکل میں بھولے بھٹکے انسان کی رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ انھیں حیات جاوید حاصل ہے' اسی لیے ان کا نام بھی لیا ہے۔

۴۔ آپ کی محبت میں رنگ محبوبی پوشیدہ ہے۔ اس قرآنی آیت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (رسول اکرمؐ کی) پیروی کرو تو اللہ تمھیں اپنا محبوب بنائے گا۔ (ملاحظہ ہو سورہ آل عمران' آیت ۳۱) آپ کی بڑی شان / عظمت ہے اور آپ کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔

۵- اگر میں (علامہ) سیاہ دل یعنی گنہگار ہوں' پھر بھی آپ ہی کے لالہ زار کا داغ دار پھول ہوں اور اگر میں کشادہ پیشانی والا یعنی نیک اعمال کی بنا پر بشاش ہوں' پھر بھی آپ ہی کی بہار کا پھول ہوں۔ یعنی برا ہوں یا بھلا ہوں ہر صورت میں آپ سے نسبت غلامی رکھتا ہوں۔

(۲)

۱- میں پھول کی خوشبو کی طرح چمن کو چھوڑ کر نکلا ہوں۔ مجھے اپنے صبر کی آزمائش کرنا منظور ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وطن چھوڑ کر انگلستان جانے کی طرف اشارہ ہے۔ صبر یہ کہ پردیس میں وطن اور والدین کی جدائی مجھے برداشت کرنا پڑے گی یا کرتا ہو گی۔

۲- شراب علم کی لذت مجھے وطن کے نگار خانے سے کشاں کشاں لے کے چلی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بے حد شوق کی طرف اشارہ ہے۔

۳- میں ایک درخت صحرا ہوں' میری نظریں ابر کرم پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے باغباں کا محتاج نہیں کیا۔ میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے' اس کے باوجود میں کسی سرپرستی کرنے والے کا احسان مند نہیں ہوں۔

۴- آپ کی دعا سے مجھے ایسی سیڑھی عطا ہو جائے جس میں زمانے میں سورج کی طرح آسمان پر جا بیٹھوں یعنی مجھے عظمت و وقار حاصل ہو جائے۔

۵- اپنے ہم سفروں میں میرا مقام اس قدر آگے ہو کہ قافلہ مجھے اپنی منزل مقصود (اصل مراد) سمجھ لے۔ ہم سفر یعنی زندگی کی راہ میں اکٹھے چلنے والے' دوست احباب' ان میں میرا مقام و مرتبہ بلند تر ہو۔

۶- میرے قلم کی زبان سے کسی کا دل نہ دکھے اور دنیا میں مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہ ہو۔ یعنی میں ایسی بات یا شعر نہ لکھوں جس سے کسی کو کوئی دکھ پہنچے اور نہ میں اپنے بارے میں کسی کی بات پر شکوہ شکایت کرنے لگوں۔ میں سراپا انسان دوست بنوں' ہر کسی سے بلا امتیاز محبت کروں۔

۷- مجھے آپ کی درگاہ سے ایسی آہ و فغاں عطا ہو کہ جو کنگھی کی طرح دلوں کو چاک کرے۔ میں ایسے اشعار کہوں جن کی تاثیر سے دلوں میں عشق حقیقی کا جذبہ اور بیداری پیدا ہو۔

۸- وہ آشیاں جو میں نے کانٹے تنکے چن چن کر بنایا تھا' وہ پھر چمن میں مجھے نظر آ جائے۔

خاروخس سے مراد ہے گھر بنانے کا معمولی سامان اور چمن یعنی وطن/ لاہور۔ اپنے سادہ سے گھر کی طرف اشارہ ہے۔

۹- میں پھر (آپ کی دعا سے) بخیریت واپس آ کر اپنے محترم ماں باپ کے قدموں پر سر رکھوں جنھوں نے مجھے محبت کا رازداں بنادیا۔ یعنی ان کی تربیت کی بدولت میں ہر انسان سے محبت کرنے والا بن گیا۔

۱۰-۱۲: وہ حضرت علیؓ کے خاندان کے دربار کی شمع' جن کا آستانہ میرے لیے حرم/ کعبہ کی مانند انتہائی احترام کے قابل ہوگا' جن کی تعلیم و تربیت کی بدولت میری آرزو کی کلی کھل گئی' یعنی اعلیٰ تعلیم کے حصول کی آرزو آج پوری ہوگئی اور جن کی مروت نے مجھے نکتہ داں بنادیا یعنی مجھے گہری/ باریک باتوں کو جاننے سمجھنے والا (شاعر) بنادیا' آپ (حضرت محبوب الٰہی) دعا فرمایئے کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک مولا کریم مجھے پھر ان استاد مکرم کی زیارت سے شادمان و مفتخر فرمائے۔ (لغت دیکھیے)

۱۳-۱۵: وہ میرا یوسف ثانی' وہ بزم عشق کی شمع (بہت پیار محبت کرنے والا) جن کے' میرا بڑا بھائی ہونے کے ناطے' میری جان سکون و قرار سے مالا مال ہے' جن کی محبت نے ''میں اور تو'' کی کتاب جلا کر مجھے عیش و مسرت کی فضا میں پالا اور جوان کیا' یعنی بلا امتیاز بڑے ہی پیار محبت سے میری پرورش اور تعلیم و تربیت پر توجہ دی (آپ دعا فرمایئے کہ) وہ دنیا کے باغ میں پھول کی طرح کھلے رہیں' یعنی سدا خوش و خرم رہیں' اس لیے کہ وہ جان جاں مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ (لغت دیکھیے)

۱۶- آپ کی بارگاہ میں مجھ مسافر کی یہ التجا (دعا کرنے کی گزارش) قبول ہو جائے' تا کہ میرے دل کی کلی کھل کر پھول بن جائے۔ یعنی میرا دل سکون و قرار اور مسرت و شادمانی سے لبریز ہو جائے۔

غزلیات

(۱)

۱- گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

۲۔ آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ — دم دے نہ جائے ہستیِ ناپائدار دیکھ

۳۔ مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں — تو میرا شوق دیکھ، مرا انتظار دیکھ

۴۔ کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر — ہر رہگذر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

۱۔ اس کائنات کے چمن یعنی کائنات کو سرسری طور پر نہ دیکھ۔ یہ دیکھنے کی چیز ہے اسے بار بار دیکھ یعنی اس کائنات اور اس کی ہر شے میں اس خالق کائنات کا جلوہ نمایاں ہیں۔ ضروری ہے کہ اسے دیکھنے کے لیے بصیرت سے کام لیا جائے، پورا پورا غور کیا جائے۔ اس مضمون سے ملتے جلتے دوسرے شعرا کے اشعار کے لیے ملاحظہ ہو نظم "بچہ اور شمع"۔

۲۔ تو اس دنیا میں چنگاری کی طرح آیا ہے۔ دیکھ یا محتاط رہ یہ ناپائدار ہستی/ فانی زندگی تجھے کہیں دھوکا نہ دے جائے۔ چنگاری ادھر جلی اُدھر بجھ گئی۔ کچھ یہی حال انسان کا ہے کہ اس کی زندگی فانی ہے، کوئی پتا نہیں وہ کس وقت جواب دے جائے یا فنا کا شکار ہو جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی بقا کے لیے جذبہ عشق حقیقی خود میں پیدا کرلے اور مسلسل جہد و عمل سے اپنی بقا کا سامان کرلے۔

۳۔ (اے محبوبِ حقیقی!) اگرچہ میں خود کو تیرے دیدار کے لائق نہیں سمجھتا لیکن تو یہ دیکھ کہ میں کس قدر تیرے عشق سے سرشار ہوں اور کس بے تابی سے اس دیدار کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ محبوبِ مجازی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ اس سے کسی قدر فرق کے ساتھ ملتے جلتے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ کلیمِ کاشی:

در فراقِ تو چہا اے بتِ محبوب کنم
صبرِ ایوبؑ کنم، گریۂ یعقوبؑ کنم

(اے پیارے محبوب! میں تیرے ہجر میں کیا کچھ کروں یا کرتا ہوں، حضرت ایوبؑ جیسا صبر اور حضرت یعقوبؑ جیسی گریہ کرتا ہوں) اس شعر کا منظوم ترجمہ از ممنون:

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا
صبرِ ایوبؑ کیا، گریۂ یعقوب کیا

۴۔ اگر ذوقِ دیدار نے تیری آنکھیں کھولی ہیں تو ہر راہگذر میں دوست کے تلووں کے نقش دیکھ۔ وہی پہلے شعر والی بات کہ اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ کائنات کی ہر ہر شے میں نمایاں ہے جسے دیکھنے کے لیے بصیرت اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(۲)

۱۔ نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی — مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

۲۔ تمھارے پیامی نے سب راز کھولا — خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

۳۔ بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا — تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی

۴۔ تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد — مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی

۵۔ کھنچے خود بخود جانبِ طور موسیٰ — کشش تیری اے ذوقِ دیدار کیا تھی

۶۔ کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا — فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی

۱۔ اگر محبوب نہ آتا تو ہمیں اس سلسلے میں کوئی بحث و تکرار کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن اسے وعدہ (وعدۂ ملاقات) کرنے میں شرم کیوں محسوس ہوئی یا وعدہ کرنے میں کیا عیب نظر آیا۔ عاشق کے لیے محبوب کا وعدہ بھی بڑا اہم ہے۔ اس وعدے پر وہ جس طرح انتظار کی لذت محسوس کرتا ہے، وہ بھی اس کے لیے بہت کچھ ہے۔ اسی لیے یہ کہا کہ تم نہ آتے وعدہ تو کر لیتے تاکہ دل سکون و لذت حاصل کرتا۔

۲۔ اے محبوب! تیرے نامہ بر ہی نے سارا راز افشا کر دیا ہے، اس میں اس بندے / عاشق کی کیا خطا تھی۔ گویا نامہ بر نے آ کر عاشق کو سب کے سامنے محبوب کا پیغام دیا (پیغام ملاقات ہی ہو سکتا ہے) جس پر سب کو دونوں کی محبت کا علم ہو گیا۔ اسی سے ملتے جلتے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

امیر النساء بیگم غریبؔ: کھلتا نہ تا بہ مرگ مرا یہ معاملہ — رسوائے شہر مجھ کو دلِ زار نے کیا

غالبؔ: کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ — شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

پروین شاکر: کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی — اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

۳۔ (اے محبوب!) تو نے بھری بزم میں (جس میں تجھ سے عشق کا دعویٰ کرنے والے موجود تھے) اپنے سچے عاشق کو تاڑ لیا۔ تیری آنکھوں کے کیا کہنے ہیں جو مستی میں بھی ہوشیار ہیں۔ محبوب میں ایک تو سچے عاشق کو پہچاننے کی اہلیت کی بات کی ہے، دوسرے اس کی آنکھوں کی دلکشی کو بھی مستی کے حوالے سے ظاہر کیا ہے۔ دوسرے شعرا نے بھی محبوب کی ایسی آنکھوں پر شعر کہے ہیں:

ناظم رامپوری: بیخود ہے یہ اس چشمِ سیہ مست کا مارا — ہر چند قیامت ہوئی برپا، نہیں اٹھا

نظام: گردشِ چشمِ یار کے آگے — گردشِ روزگار کیا شے ہے

میر ممنون: غلط کہ صرف خرابی ہے گردشِ شب و روز — کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

۴- اے نامہ بر! انہیں (محبوب کو میری طرف) آنے میں تامل تو تھا لیکن یہ بتا کہ ان کے انکار کا انداز کیا تھا۔ یعنی بظاہر محبوب انکار کر رہا ہو لیکن دلی طور پر آنے کا خواہش مند ہو۔ اس کے انکار کے انداز سے اس حقیقت کا پتا چل سکتا ہے۔

۵- اے ذوقِ دیدار! تیری کشش کے کیا کہنے ہیں کہ حضرت موسیٰ اس (دیدارِ ایزدی) کی خاطر خود بخود طور کی جانب کھنچے چلے گئے۔ "کھنچے" اور "کشش" میں خوبصورت مماثلت ہے۔ حضرت موسیٰ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔

۶- اے اقبال! کہیں تیرا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ تیری گفتار تھی یا کوئی جادو تھا۔ کہیں سے مراد محبوب کی محفل اور گفتار سے مراد شاعری ہے۔ گویا علامہ کی شاعری ایسی ہے کہ محبوب کی محفل میں اس کا اکثر تذکرہ رہتا ہے۔

(۳)

۱- عجب واعظ کی دیں داری ہے یا رب! — عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
۲- کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں — کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے؟
۳- وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے — چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے
۴- ہم اپنی دردمندی کا فسانہ — سنا کرتے ہیں اپنے رازداں سے
۵- بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں — لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

۱- یارب! واعظ کی یہ کیسی دینداری ہے کہ اسے دنیا بھر سے دشمنی ہے۔ نام نہاد ملاؤں نے اپنے دشمنانہ رویے سے ملت میں تفریق پیدا کر رکھی ہے۔ ملتِ اسلامیہ جیسی عظیم ملت آج انہی کے اس رویے سے بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے جو بڑے دکھ کی بات ہے۔ ۷۲ فرقوں سے متعلق حضور اکرمؐ کی حدیث مبارکہ کا ذکر غزل ۳' شعر ۳ میں ملاحظہ ہو۔ راقم یزدانی کا قطعہ ملاحظہ ہو۔

واعظ تجھے مبارک تیری پانچ وقتی ورزش — یہ زباں بھی ہو مبارک جو چھری سے کم نہیں ہے
تجھے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم انس و الفت — تیرا دل ہے پُر خشونت تیری آنکھ نم نہیں ہے

۲- کوئی بھی انسان آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ انسان جب اپنی ذات پر غور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں کچھ اسی قسم کے خیال آتے

ہیں کہ وہ کیا ہے، کہاں سے آیا اور کہاں اسے جانا ہے۔ ویسے تو ظاہر ہے کہ مر کر اسے عالمِ آخرت میں جانا ہے، اس سے پہلے وہ عالمِ ارواح سے دنیا میں وارد ہوا ہے، لیکن یہ سب کیا ہے، یہ اس کی سمجھ سے بالا ہے۔

۳۔ رات کو جو تاریکی ملی ہے تو یہ اسی مقام سے ملی ہے جہاں سے ستاروں کو چمک ملی ہے یعنی یہ سب نظامِ قدرت ہے۔ قدرت ہی ساری کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ ظلمت اور چمک میں صنعتِ تضاد ہے۔

۴۔ ہم اپنے دکھ درد کی داستان اپنے راز داں ہی سے سنا کرتے ہیں۔ مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ عشق میں ہم پر جو گزر رہی ہے، اس کا اظہار نہیں کرتے لیکن جو ہمارے بھیدوں سے آگاہ ہے وہی ہمیں بتاتا رہتا ہے کہ تمہارے چہرے کے آثار سے تمہاری اس دردمندی کا پتا چل رہا ہے۔

۵۔ واعظ کی چالیں بڑی گہری ہیں۔ وہ اذان کی آواز پر کانپ جاتا ہے یعنی اپنی دین داری یا دین سے محبت کا اظہار دوسروں کے سامنے جس انداز میں کرتا ہے، اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ سب کچھ دکھاوا ہی ہے، ورنہ عملاً وہ کچھ اور ہی شے ہے۔ پہلے شعر والی بات دوسرے انداز میں کہی ہے۔

(۴)

۱۔ لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے	بجلیاں بیتاب ہوں جن کو جلانے کے لیے
۲۔ وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے	میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کے لیے
۳۔ آنکھ مل جاتی ہے ہفتاد و دو ملت سے تری	ایک پیمانہ ترا سارے زمانے کے لیے
۴۔ دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں	لوٹ جائے آسماں میرے مٹانے کے لیے
۵۔ جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چن کے تو	آ ہی نکلے گی کوئی بجلی جلانے کے لیے
۶۔ پاس تھا ناکامیِ صیاد کا اے ہم صفیر!	ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے؟
۷۔ اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزادی کا گیت	آہ! یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لیے

۱۔ میں کہیں سے ایسے تنکے آشیانے کے لیے لاؤں جنہیں جلانے کے لیے بجلیاں بے قرار ہوں۔ تنکوں سے مراد عشق کے جذبات، آشیانے سے مراد عشقِ حقیقی کا محل (دل) اور بجلیوں سے مراد ایسی آزمائشیں جو عشق میں پیش آتی ہیں۔ یعنی مجھ میں عشقِ حقیقی کے

جذبے پیدا ہو جائیں اور میں مذکورہ آزمائشوں پر بخوشی پورا اترتا رہوں۔

۲۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں نے اپنے آشیانے کے لیے جس ڈالی پر نظر رکھی، آسمان نے اسے تاک کر توڑ ڈالا۔ گویا مختلف امور میں اپنی ناکامیابی یا خواہشات کے یا کسی بھی خواہش کے پورا نہ ہونے کی بات کی ہے۔

۳۔ تیری آنکھیں بہتر ملتوں سے چار ہو جاتی ہیں۔ سارے زمانے کے لیے تیرا ایک ہی پیمانہ ہے۔ گویا تمام مذاہب کے لیے تیرا ایک ہی اصول و مسلک ہے۔ تو سب کو یکساں نظر سے دیکھتا ہے۔ اس میں فاعل خود علامہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اپنی انسان دوستی کی بناپر، اور خدا تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے جو تمام مذاہب میں فرق نہیں کرتا (واللہ اعلم)

۴۔ خدا کرے مرے دل میں کوئی ایسی آرزو پیدا ہو جائے کہ آسمان بھی مجھے منانے کے لیے لوٹ پوٹ / بیقرار ہو جائے۔ یعنی میری آرزو اتنی بلند اور قابل رشک ہو کہ آسمان کو بھی اس پر رشک آ جائے۔

۵۔ تو پہلے دانہ دانہ چن کر کوئی کھلیان تو تیار کر، یہ تیار ہو جائے گا تو کوئی بجلی اسے جلانے کے لیے آ ہی نکلے گی یعنی تو پہلے آہستہ آہستہ کمالات حاصل کر نے پھر کوئی نہ کوئی حاسد یا مخالف یا دشمن، تیرے ان کمالات کے حسد وغیرہ کے نتیجے میں، تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ غالباً یہی مراد ہے۔

۶۔ اے میرے ہم صفیر! مجھے تو شکاری کی ناکامی کا احساس و لحاظ تھا ورنہ کیا میں ایک دانے کی خاطر اڑ کر آتا اور اس کے جال میں گرفتار ہو جاتا؟ یعنی مجھے تو یہ احساس تھا کہ اگر میں جال کی طرف نہ جاؤں تو شکاری مایوس و ناکام لوٹ جائے گا، اس لیے میں اڑ آیا۔

۷۔ اس چمن میں دل کا پرندہ آزادی کا گیت نہ گائے۔ آہ! افسوس کہ یہ گلشن ایسے ترانے کے لیے نہیں ہے۔ چمن سے مراد ہندوستان ہے جس پر ظالم انگریزوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور یہاں کے عوام یا لیڈروں میں ایسی جرأت نہ تھی کہ وہ آزادی کے لیے جدوجہد کریں اور انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اسی حوالے سے استعارہ میں بات کی ہے۔

(۵)

۱۔ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا　　اور اسیر حلقۂ دام ہوا کیونکر ہوا

2- جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں — مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
3- کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر — کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیونکر ہوا؟
4- ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا — مرغ دل دام تمنا سے رہا کیونکر ہوا
5- دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے — پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزما کیونکر ہوا
6- حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب — وہ جو تھا پردوں میں پنہاں خود نما کیونکر ہوا
7- موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درد فراق! — چارہ گر دیوانہ ہے میں لا دوا کیونکر ہوا
8- تو نے دیکھا ہے کبھی اے دیدۂ عبرت کہ گل — ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا
9- پرسش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری — ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا' کیونکر ہوا
10- میرے مٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی — کیا بتاؤں ان کا میرا سامنا کیونکر ہوا

1- میں یہ کیونکر بیان کروں کہ کن اسباب کی بنا پر یا کن حالات میں اپنے چمن سے جدا ہوا اور دام ہوا کے حلقے میں کیونکر اسیر ہوا۔ اپنی خواہشات' خواہ وہ حصول علم اعلیٰ ہی سے متعلق تھیں' پوری کرنے کے لیے وطن سے دوری کا اظہار ہے۔ اس دوری سے دل کو جو دکھ پہنچا اس کا اظہار ہے۔

2- مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ میں سارے زمانے کا برا ہوں' مجھے شرافت کا یہ خلعت کس لیے عطا کیا گیا۔ طنزاً یہ کہا ہے کہ عاشقوں میں میں سب سے برا ہوں' پھر یہ شرافت کا خطاب مجھے کیوں دیا گیا ہے۔ "سب سے برا" گویا شرافت کا خطاب ہے۔

3- طور پر کچھ دکھانے دیکھنے کا تقاضا تھا' اے دل تجھے کچھ خبر ہے کہ اس امر (دکھانے دیکھنے) کا فیصلہ کیسے ہوا؟ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنا جلوہ دکھانے کی آرزو کی تھی (اس موضوع پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے) یہ معاملہ ایسا ہے کہ عام دل شاید نہ سمجھ سکے۔ غالباً یہی مراد ہے۔

4- کسی قسم کی خواہش اور غرض سے بے نیاز ہونے کی آرزو کرنا بھی ایک مدعا و مقصد ہے' یہ بھی تو ایک آرزو ہے۔ اس صورت میں دل کا پرندہ تمنا کے جال سے کیونکر رہا ہوا۔ یعنی دل کسی بھی طرح تمنا و آرزو سے خالی نہیں ہو سکتا' خواہ وہ یہ خواہش کرے کہ اس کی کوئی خواہش نہ ہو۔

5- (اے محبوب حقیقی) دیکھنے والے تو یہاں دنیا میں بھی تجھ کو دیکھ لیتے ہیں' پھر حشر کے روز کا وعدہ صبر آزما کیوں ہوا ہے۔ یعنی اہل بصیرت کو تو کائنات کی ہر ہر شے میں تیرا

جلوہ نظر آتا ہے۔ پھر تیرا یہ وعدہ کہ حشر کے روز تیرا دیدار ہوگا' کس لیے ہے؟

۶۔ کہیں حسن کامل ہی اس بے حجابی کا یہ باعث نہ بنا ہو۔ وہ جو پردوں میں پوشیدہ تھا' وہ خود نما کیونکر ہو گیا۔ یعنی اس محبوب حقیقی کا حسن ہر لحاظ سے کامل ہے' اس لیے وہ اہل بصیرت و نظر کو بے پردہ نظر آتا ہے یعنی کائنات کی ہر ہر شے میں اس کا جلوہ نمایاں ہے۔ عام انسان یا ظاہری آنکھوں سے وہ نظر نہیں آ سکتا۔

۷۔ اے ہجر و فراق کے دکھ! امرض موت کا نسخہ تو ابھی باقی ہے' یہ طبیب / معالج دیوانہ ہے جس نے مجھے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ جب مجھے ابھی ہجر کے مزید دکھ سہنا ہیں تو میں لاعلاج کیونکر ہو سکتا ہوں' میرا علاج وصل کی صورت میں بھی تو ہو سکتا ہے۔

۸۔ اے دیدۂ عبرت! کیا تو نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ پھول / گلاب کا پھول مٹی سے پیدا ہو کر رنگ برنگا اور شوخ لباس پہننے والا کیسے بن گیا؟ یعنی اگر غور کیا جائے تو یہ کیفیت (مٹی سے پیدا ہونا لیکن رنگین قبا ہو جانا' خوبصورت رنگ والا ہونا) سامنے آتی ہے کہ یہ سب قدرت الٰہی کا نظام ہے۔ جس طرح چاہے کسی شے کو بنا دے۔

۹۔ قیامت کے روز میرے اعمال کا حساب کتاب دراصل مجھے رسوا کرنے کی خاطر تھا۔ ورنہ قدرت پر تو یہ واضح تھا یا خدا کو سب کچھ معلوم تھا کہ میرے عمل دنیا میں کیسے تھے' کس طرح کے تھے' اچھے رہے یا برے رہے۔ ''میری'' سے مراد انسانوں کی بھی ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ میرے فنا و برباد ہونے کا منظر دیکھنے کے لائق تھا۔ اب میں کیونکر بتاؤں یا میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ میرا اور اس محبوب کے روبرو ہونے یا اس کے دیدار کا واقعہ کیسا ہوا۔ گویا محبوب کو دیکھتے ہی عاشق پر عجب کیفیت گذری اور اسے اپنا کوئی ہوش نہ رہا' یہ گویا اس کے فنا ہونے کا منظر تھا۔

ذوقی اصفہانی: از یک نگاہ ہستی من بُرد از میان ماننڈ آفتاب کہ بر شبنم او فتد

(۶)

۱۔ انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں — یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
۲۔ علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتا ہوں — جو تھے چھالوں میں کانٹے نوک سوزن سے نکالے ہیں
۳۔ پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا — جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں
۴۔ رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی — نرالا عشق ہے میرا نرالے میرے نالے ہیں

۵- نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی | نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں
۶- نہیں بیگانگی اچھی رفیقِ راہِ منزل سے | ٹھہر جا اے شرر! ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں
۷- امیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو | یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں
۸- مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو | مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

۱- یا رب! یہ عاشق کس بستی/جگہ کے رہنے والے ہیں کہ ان کی چال ڈھال' ان کے طور طریقے بھی دوسرے لوگوں سے الگ ہیں۔ یہی مراد ہے کہ عشق میں ان کی محویت و مستی نے عام لوگوں اور ان میں بڑا امتیاز پیدا کر رکھا ہے۔

۲- میں درد کے علاج میں بھی درد کی لذت کا شیدائی ہوں' چنانچہ میرے چھالوں میں جو کانٹے تھے' وہ میں نے سوئی کی نوک سے نکالے ہیں۔ بظاہر یہ ان کانٹوں کا علاج ہے لیکن سوئی کی نوک سے نکالتے وقت مزید تکلیف ہوتی ہے جس میں شاعر لذت محسوس کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انتہائی مشکل پسندی کی بات کی ہے۔ غالب نے یوں بات کی ہے:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

۳- یاالٰہی! میری امیدوں کا چمن سرسبز و شاداب رہے/آباد رہے۔ میں نے اپنے جگر کا خون دے دے کر ان بوٹوں/پودوں کی پرورش کی یعنی انہیں سرسبز کیا ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ میں نے ناامیدی اور مایوسیوں سے خود کو بچائے رکھا اور ہر معاملے میں پرامید رہا ہوں' اس کے لیے مجھے اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑی ہے' لہٰذا اے خدا! تو میری اس فطرت کو برقرار رکھ۔

۴- رات کے وقت ستاروں کو خاموش دیکھ کر مجھے رونا آنے لگتا ہے۔ میرا عشق بھی انوکھا ہے اور میرے نالے بھی انوکھے ہیں۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ عاشق تنہائی کا شکار ہے۔ رات کے وقت وہ محبوب کی یاد میں کھویا ہوا ہے۔ ستاروں کی طرف دیکھتا ہے تو وہ بولتے نہیں' ورنہ شاید ان کے بولنے سے عاشق کو کسی قدر تسلی ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے عاشق گریہ و زاری کرنے لگتا ہے۔

۵- مجھ سے خانماں برباد رہنے کی لذت نہ پوچھو' یعنی مجھے خانماں برباد رہنے میں بڑی لذت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے سیکڑوں ٹھکانے/آشیانے بنا کر پھونک/جلا

ڈالے ہیں۔ گویا مسلسل چلتے رہنا بہت بڑی خوبی ہے' عظمت ہے کہ اسی سے انسان اپنے اعلیٰ مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ ایک ہی جگہ ٹکے رہنا جمود کی علامت ہے اور جمود انسان کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

۶- اے چنگاری! ذرا رُک جا' راہِ منزل کے ساتھی سے یہ غیریت دیگانگی اچھی نہیں ہے' آخر ہم بھی تو تیری طرح مٹنے والے ہیں۔ چنگاری اِدھر چمکی اُدھر ختم' اسے بقا نہیں ہے۔ یہی صورت حال انسان کی ہے کہ وہ بھی فنا کا شکار ہے' فانی ہے۔

۷- حور کی امید نے واعظ کو سب کچھ سکھا رکھا ہے۔ یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے اور بھولے بھالے ہیں۔ واعظ کی ساری عبادت' حور و جنت کی خاطر ہے۔ بظاہر معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی یہ عبادت اسی خاطر ہے' یعنی شکل و صورت سے وہ مسکین سا اور صاف طبیعت کا نظر آتا ہے' لیکن باطنی طور پر وہ عبادت کی وجہ سے' حور کے ملنے سے متعلق پر امید ہے۔

۸- اے اقبالؔ! میرے اشعار مجھے کیوں پیارے نہ ہوں' کیوں اچھے نہ لگیں' اس لیے کہ یہ میرے ٹوٹے ہوئے دل کے درد بھرے نالے ہیں۔ میر تقی میرؔ نے یوں کہا ہے:

ہم کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب ہم نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

فیضی — ہر قلم گوہریں کہ بہ یادِ تو گفتہ ام — دل رخنہ کردہ و جگرِ خویش سفتہ ام
حالیؔ — خشک سیروں تنِ شاعر میں لہو ہوتا ہے — تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت
نظامؔ — اس تازہ غزل کی مجھے داد ان سے ملے گی — جو یار بھی رخنہ سوزن سے ہوئے ہیں

(۷)

۱- ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی — ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی
۲- منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت — اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
۳- ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر — ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
۴- میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن — دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
۵- عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست — محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی
۶- چھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق ہم نشیں! — پھر اور کس طرح انہیں دیکھا کرے کوئی

۷- اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم — طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
۸- نظارے کو یہ جنبش مژگاں بھی بار ہے — نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
۹- کھل جائیں، کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں — دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

۱- (اس محبوب حقیقی کو) اگر دیکھنا مقصود ہو تو اس کے لیے چشم بصیرت کھولنی چاہیے، ظاہری آنکھ سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اہل بصیرت کو اس ذات کا جلوہ ہر شے میں نظر آتا ہے جسے عام انسان ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔

۲- منصور کے بولتے ہوئے ہونٹ ان کی موت کا پیغام بن گئے، یعنی ان کے نعرہ "انا الحق" پر انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ جب یہ صورت حال ہے کہ اس ذات اقدس سے عشق کی سزا پھانسی ہے تو پھر کوئی اس ذات سے عشق کا کیا دعویٰ کرے۔ ملا لوگ "انا الحق" کے نعرے کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور منصور کو انہوں نے مروا دیا۔

۳- اگر تجھے اس محبوب کو دیکھنے کا شوق ہے تو اپنی آنکھیں بند کر لے۔ دیکھنا یہی ہے کہ کوئی دیکھا نہ کرے۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اس محبوب کو دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھیں کام نہیں آتیں۔ اس کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے۔ نہ دیکھنا یہی ہے۔

۴- (اے محبوب حقیقی!) میں تیرے عشق میں انتہا کو پہنچ چکا ہوں جبکہ تیرا حسن انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اب تو ہی بتا کہ اس صورت حال میں کوئی مجھے دیکھے یا تیرا یا تیرے حسن کا نظارہ کرے۔

۵- محبوب کا حسن جرم محبت کا عذر آفریں ہے۔ اب محشر میں کوئی نیا عذر پیش نہ کرے۔ (لغت دیکھیے)

۶- اے ہم نشین! یہ نگاہ شوق چھپتی نہیں ہے پھر انہیں (محبوب کو) کوئی کس طرح دیکھا کرے۔ عاشق کی نظروں کے انداز ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ اس محبوب کے عشق میں گرفتار ہے۔ اس صورت میں کوئی یہ بتائے یا ہم نشین بتائے کہ محبوب کو دیکھنے کا کون سا انداز اپنایا جائے جس سے دوسرے آگاہ نہ ہو سکیں۔

۷- حضرت موسیٰ کلیم اللہ طور پر کس بنا پر یا کیا سمجھ کر محبوب حقیقی کے دیدار پر اصرار کرنے لگے۔ جب دیدار کی قوت ہی نہ ہو تو پھر کوئی اس کا تقاضا کیوں کرے۔ حضرت موسیٰ کے اصرار پر جب خدا کا جلوہ ظاہر ہوا تو وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ اسی طرف اشارہ ہے اور یہ قرآنی تلمیح ہے۔

۸- دیکھنے کے لیے پلکوں کی حرکت (یا ہلنا) بھی عاشق کے لیے بوجھ ہے۔ اس لیے

ضروری ہے کہ تجھے عاشق نرگس کی آنکھ سے دیکھا کرے۔ نرگس پھول کو آنکھ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسی حوالے سے یہ کہا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق تجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کا آرزومند رہتا ہے۔

۹۔ دیدار کے اشتیاق/شوق سے بھری ہوئی آرزو میں کیا مزے ہیں جو کوئی دو چار دن میری آرزو کرے وہ میرے ساتھ کھل جائے گا، ہم میں بے تکلفی اور باہمی محبت پیدا ہو جائے گی۔

(۸)

۱۔ کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے | مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے
۲۔ وہ میکش ہوں فروغِ مے سے خود گلزار بن جاؤں | ہوائے گل فراقِ ساقیِ نامہرباں تک ہے
۳۔ چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوائی تک | رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آشیاں تک ہے
۴۔ وہ مشتِ خاک ہوں، فیضِ پریشانی سے صحرا ہوں | نہ پوچھو میری وسعت کی، زمیں سے آسماں تک ہے
۵۔ جرس ہوں، نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر رگ و پے میں | یہ خاموشی میری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے
۶۔ سکونِ دل سے سامانِ کشودِ کار پیدا کر | کہ عقدہ خاطرِ گرداب کا آبِ رواں تک ہے
۷۔ چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل | یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغاں تک ہے
۸۔ جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی، لطفِ تمنا بھی | ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے
۹۔ زمانے بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی | سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے رازداں تک ہے

۱۔ میں کیا بتاؤں کہ مجھ میں عاشقی کی تمنا کس حد تک ہے، کتنی زیادہ ہے۔ میرے بازار کی رونق ہی گھاٹے کے سودے میں ہے۔ یعنی میرے لیے دل دے کر عاشقی کی سوت قیمت میں لینا ہی میرے لیے عشق میں میری کامیابی ہے۔

۲۔ میں وہ میخوار ہوں یا میں ایسا میخوار ہوں کہ فروغِ مے سے خود گلزار بن جاؤں۔ پھول کی خواہش نامہربان ساقی کے ہجر تک ہی ہے۔ یعنی محبوب کا وصل میسر آ جائے تو خود میری کیفیت گلزار کی سی ہو جائے گی، میں چہک اٹھوں گا۔ اس کے ہجر میں مجھے پھول کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔

۳۔ میری نغمہ سرائی (حق گوئی) ہی کی بدولت شکاری چمن کو زینت بخشنے والا ہے۔ اگر میں چمن میں نہ چہچہاؤں، نغمہ نہ الاپوں تو شکاری کیونکر میری طرف متوجہ ہوگا، اب رہا بجلی

کی بیقراری کا معاملہ تو وہ صرف میرے آشیاں تک ہی ہے۔ میری وجہ سے صیاد کو مذکورہ مقام حاصل ہے جبکہ مذکورہ بے قراری کا سوائے میرے اور کوئی نشانہ نہیں ہے۔

۴۔ میں مٹی کی ایک ایسی مٹھی ہوں جو بکھرنے کی بنا پر یا بکھرنے کے طفیل صحرا بن گئی ہے۔ میری وسعت کے بارے میں مت پوچھو (ناقابل بیان یا بہت زیادہ ہے) یہ زمین سے آسمان تک ہے، اگر انسان کے حوالے سے بات کی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے لیکن اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے وہ پوری کائنات پر چھایا ہوا ہے۔

۵۔ میں ایک گھنٹی ہوں، میرے ہر رگ و پے میں نالہ پوشیدہ ہے۔ میری یہ خاموشی قافلے کے کوچ کے وقت تک ہے۔ قافلہ آرام کر رہا ہوتا ہے۔ گھنٹی بجتی ہے تو وہ چلنے کی تیاری کرتا ہے یا چل پڑتا ہے۔ غالباً یہ کہنا چاہا ہے کہ میرے دل میں قوم کی بیداری سے متعلق بڑے جذبے ہیں جن کا میں ابھی اظہار نہیں کر رہا، قوم میں ذرا سی بھی بیداری نظر آئی تو میں ان کا اظہار کروں گا۔ (واللہ اعلم)

۶۔ (اے مخاطب!) تو اپنے دل کو سکون میں رکھ کر یا سکون دل سے اپنے معاملہ/ معاملات و مشکلات کے حل کا سامان کر، اس لیے کہ بھنور کے درمیانی حصے کا چکر بہتے ہوئے پانی ہی سے وجود میں آتا۔ پہلے مصرعے کی وضاحت اس استعارے میں کی ہے۔ پانی بہتا رہے تو بھنور کا چکر موجود رہتا ہے جو گویا مشکلات کی علامت ہے۔ اسی سے بھنور کا وجود برقرار رہتا ہے۔ گویا جب انسان سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے تو اسے اپنی مشکلات حل کرنے میں کوئی دقت و پریشانی نہ ہوگی۔

۷۔ اے بلبل! محبت کے چمن میں خاموش رہنا ایک طرح سے موت کی علامت ہے۔ چمن کی زندگی تو آہ و فغاں کی رسم پابندی کے ساتھ ادا کرنے ہی سے برقرار رہتی ہے۔ بلبل پھول کی عاشق ہے۔ اس کا چہچہانا گویا اپنی آہ و فغاں سے اس محبت کا اظہار کرنا ہے۔ ایک سچا عاشق محبت میں مطمئن نہیں رہتا وہ اس محبت کی بنا پر یا محبوب کی یاد میں آہ و فغاں کرتا رہتا ہے۔

۸۔ اگر جوانی ہے تو محبوب کے دیدار کا ذوق بھی رہتا ہے اور اس خواہش کا لطف بھی آتا ہے۔ ہمارے گھر کی آبادی (یا گھر کا آباد رہنا) مہمان کے قیام تک ہے۔ مہمان مستقل نہیں رہتا، تھوڑی دیر رہ کر چلا جاتا ہے۔ یہاں مہمان استعارہ ہے جوانی کا۔

سارے مذکورہ لطف وغیرہ جوانی ہی کے طفیل ہیں۔ ادھر جوانی ڈھلی ادھر یہ لطف ختم۔

۹۔ میں (اپنے عشق کی وجہ سے) زمانے بھر میں رسوا ہو رہا ہوں، لیکن افسوس ہے مجھے اپنی نادانی پر کہ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ میرا عشق میرے رازداں تک ہی ہے (یعنی صرف میرا رازداں ہی میرے عشق سے آگاہ ہے) یہ غلط ہے کیونکہ میرے عشق کی تو اچھی خاصی تشہیر ہو چکی ہے اور مجھے طعنے سننے پڑ رہے ہیں۔ غالب سے پہلے کی ایک شاعرہ امیر النساء بیگم غریب کے بقول:

کھلتا نہ تا بہ مرگ میرا یہ معاملہ رسوائے شہر مجھ کو دلِ زار نے کیا
غالب: کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
پروین شاکر: کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

(۹)

۱۔ جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

۲۔ حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب ہوئی اپنی
مکاں نکلا ہمارے خانۂ دل کے مکینوں میں

۳۔ اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ جبہ سائی سے
تو سنگِ آستانِ کعبہ جا ملتا جبینوں میں

۴۔ کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

۵۔ مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

۶۔ مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

۷۔ چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

۸۔ جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

۹۔ تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

۱۰۔ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

۱۱۔ ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں

۱۲۔ کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

۱۳۔ محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

۱۴۔ سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں؟

۱۵۔ پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے "ما عرفنا" پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

۱۶۔ نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں

۱۷۔ خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

۱۸۔ برا سمجھوں انہیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

۱۔ میں جنہیں آسمانوں اور زمینوں میں تلاش کر رہا تھا وہ تو میرے دل کے تاریک گھر کے مکین/رہائشی نکلے۔ اشارہ ہے محبوب حقیقی کی طرف جسے دیکھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے یا علامہ ہی کے لفظوں میں۔

ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

بقول احمد ندیم قاسمی

جس راز سے انساں کو کئی فلسفے سوجھے
دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

خود ارشاد خداوندی ہے کہ "میں تمہاری شہ رگ کے بھی قریب ہوں"۔

۲۔ جب حقیقت اپنی آنکھوں پر ظاہر ہوئی تو مکاں ہمارے خانہ دل کے رہائشیوں/مکینوں میں سے نکلا۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ آدمی اگر غور و فکر سے کام لے تو یہ کائنات خود اس میں سمائی ہوئی ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس حوالے سے وہ کائنات پر خدا کی خلافت کا نمائندہ ہے۔ (واللہ اعلم)

۳۔ اگر کعبہ کے آستانے کا پتھر سجدہ کرنے کے ذوق سے آشنا ہوتا تو وہ سجدہ کرنے والوں کی صف میں جا ملتا۔ کعبہ کا سنگِ آستاں بظاہر مقدس پتھر ہے لیکن سجدہ کے قابل نہ ہونے کے باعث اس کی وہ حیثیت نہیں ہے جو وہاں سجدہ کرنے والوں کی ہے۔

۴۔ اے مجنوں! ابھی تو نے اپنا نظارہ بھی کیا ہے، خود پر بھی غور کیا ہے کہ تو خود بھی لیلیٰ کی طرح محمل نشینوں میں سے ہے۔ یعنی تیری اپنی ذات میں اس محبوب حقیقی کا جلوہ سمایا ہوا ہے۔

۵۔ وصل کے مہینے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں، یعنی بڑی جلد ختم ہو جاتے ہیں، لیکن جدائی کی گھڑیاں مہینوں میں گزرتی ہیں۔ وصل میں عاشق محبوب کی ذات میں محو ہوتا ہے اس لیے اسے وقت کا پتا نہیں چلتا جبکہ ہجر میں ایک ایک پل اس کے لیے بے حد گراں ہوتا ہے۔

بقول امیر مینائی:۔

وصل کی شب اور اتنی مختصر؟
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے؟

جدید ایرانی شاعر محمد حسین شہریار نے

شبے کہ آن ماہ با من بودی گفتم کلید صبح
بہ چاہ افگندہ ایم امشب در بندست ماہ اینجا

عالمے گفتم کہ ہم از نیمہ شب تازد بروں خورشید   کہ نگذارد ز غیرت ماہ را تا صبح گاہ اینجا

(جس رات وہ محبوب میرے پاس تھا میں یہ کہہ رہا تھا یا دل میں کہہ رہا تھا کہ آج رات ہم نے صبح کی چابی کنوئیں میں پھینک دی ہے اور چاند کو یہاں بند کر رکھا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آدھی رات ہی کو سورج باہر آ دھمکے گا اور غیرت کے باعث چاند کو صبح تک یہاں نہ رہنے دے گا)۔

۶- اے ملاح! کیا تو مجھے ڈوبنے سے بچالے گا یعنی نہیں بچا سکے گا، اس لیے کہ جن کے مقدر میں ڈوبنا لکھا ہو وہ تو کشتیوں ہی میں ڈوب جاتے ہیں، فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں۔

۷- وہ ذات جس نے اپنے حسن کو حضرت موسیٰ سے چھپایا وہی ناز آفریں نازنینوں میں جلوہ گر ہے (لغت دیکھیے) اس موضوع سے متعلق بعض دوسرے شعرا کے بھی اشعار پہلے دیے جا چکے ہیں۔ مثلاً بوعلی قلندر:

گر چشم دل کشادہ شود اے شرف ترا   ہر ذرۂ جہاں شود آئینہ دار دوست

۸- الٰہی اہل دل حضرات (مرشدانِ کامل) کی سانسوں کی لہر میں کیا چھپا ہوتا ہے کہ وہ بجھی ہوئی شمع کو جلا سکتی ہے۔ سانس یا ہوا سے شمع بجھ جاتی ہے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ گویا اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ ان کی توجہ سے ایک مردہ دل انسان بھی دل زندہ والا بن جاتا ہے۔

۹- اگر تجھے درد دل یعنی عشق الٰہی کی تمنا ہے تو اللہ والوں کی خدمت کر، اس لیے کہ یہ ایک گوہر ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتا۔ گوہر یعنی عشق الٰہی۔

۱۰- تو مجھ سے ان خرقہ پوشوں یعنی اللہ والوں کے بارے میں مت پوچھ یا کیا پوچھتا ہے یہ سمجھ لے کہ اگر ان سے عقیدت ہو تو تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ وہ (حضرت موسیٰ کی طرح) اپنی آستینوں میں ید بیضا لیے بیٹھے ہیں۔ یہ اللہ والے بڑی کراماتوں والے ہیں۔

۱۱- جس ذات کے نظارے کو یعنی دیکھنے کے لیے نگاہ ترستی ہے، وہ ذات انہی خدا مستوں کی انجمن کی رونق ہے۔ دسویں شعر میں جن خرقہ پوشوں کی بات ہوئی ہے، انہی کے حوالے سے یہ کہا ہے۔ یعنی محبوب حقیقی ان حضرات کی محفل کی رونق ہے، یا یہ کہ مادہ پرست نگاہیں جس رونق کو ترستی ہیں وہ انہی اللہ والوں کی محفل میں ہوتی ہے۔

۱۲- (اے مخاطب!) تو اپنے دل کے کھلیان کو کسی ایسے شرر سے جلا ڈال کہ قیامت کا سورج بھی تیرے خوشہ چینوں میں سے ہو جائے یعنی خود میں عشق حقیقی کا بہت سوز و گداز پیدا کر۔ (قیامت کے روز سورج سوا نیزے کی بلندی پر ہونے کے باعث ہے

حد حدت وتپش والا ہوگا)۔

۱۳۔ تو محبت کے لیے کوئی ایسا دل ڈھونڈ جو حسنِ کامل کی ذرا سی شعاع کا بھی اثر قبول کر لے۔ یہ (محبت) ایسی شراب ہے جسے نازک جاموں میں رکھتے ہیں۔ کوئی ایسا دل یعنی تیرا اپنا دل محبت کے جذبے سے بے حد سرشار ہوتا کہ اس میں سوز و گداز پیدا ہو جائے۔

۱۴۔ اے دل! حسینوں میں کوئی ایسا حسین بھی ہے جس کے حسن کا عاشق خود سراپا حسن بن جاتا ہے۔ یہ سوال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حسنِ کامل (محبوبِ حقیقی) کے عاشق میں اس محبوب کی تمام صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

۱۵۔ کوئی (یعنی علامہ خود) آپ کی "ما عرفنا" کی ادا پر پھڑک اٹھا ہے، حضور اکرمؐ! آپ کا رتبہ تمام انبیاء سے زیادہ بلند ہے۔ (لغت دیکھیے)

۱۶۔ حضورؐ! آپ کبھی ظاہر ہو کر ان باریک بینوں کو اپنا جمال دکھائیں، جن میں ایک مدت سے آپؐ کے چرچے ہیں۔ (لغت دیکھئے)

۱۷۔ اے دل خاموش ہو جا، بھری محفل میں یوں چلانا اچھا نہیں ہے۔ محبت کے طور طریقوں/سلیقوں میں ادب پہلا سلیقہ ہے۔ یعنی حضور کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے فلسفیوں وغیرہ سے بحث کرنا اچھی بات نہیں کہ وہ اس موقع پر کوئی بھی گستاخانہ بات کر سکتے ہیں جو ادب و احترام کے خلاف ہوگی۔

۱۸۔ میں ان نکتہ چینوں (فلسفیوں وغیرہ) کو برا سمجھوں؟ نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا اس لیے کہ میں (اقبال) خود بھی تو اپنا ایک نکتہ چین ہوں۔ یعنی دوسروں کو برا بھلا کہنے کی بجائے میں خود اپنا احتساب کرتا ہوں یا مجھے خود اپنا احتساب کرنا چاہیے۔

(۱۰)

۱۔ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

۲۔ ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

۳۔ یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

۴۔ ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی "لن ترانی" سنا چاہتا ہوں

۵۔ کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

۶۔ بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

۱- (اے محبوب! یا محبوب حقیقی!) میری نا سمجھی ملاحظہ ہو کہ میں تیرے عشق کی انتہا کا آرزومند ہوں۔ انتہا سے مراد کسی چیز یا جدوجہد کا اپنے کام کو پہنچ کر ختم ہو جانا ہے۔ پھر یہ کیسا عشق ہوگا جس کی یہ آرزو کی جا رہی ہے۔ عشق تو ختم نہیں ہوتا بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

۲- تیری طرف سے کوئی ستم ہو یا تو بے حجابی کا وعدہ کرے، کچھ بھی سہی، مجھے تو تیری طرف سے ایسی بات کی خواہش ہے جس سے میں اپنے صبر کی آزمائش کرسکوں۔ مجھے تو یہ جاننے کی خواہش ہے کہ تیرے عشق میں کس قدر صبر کرسکتا ہوں۔

۳- یہ جنت زاہدوں کو مبارک ہو مجھے تو آپ یعنی محبوب حقیقی کے سامنے کی یعنی دیدار کی خواہش ہے۔ زاہدوں کی ساری عبادت و اتقا صرف حور و جنت ہی کی خواہش کے باعث ہے جبکہ ایک حقیقی عاشق حور و جنت سے بے نیاز صرف اور صرف اس محبوب کے دیدار کا خواہش مند ہوتا ہے۔ مختلف شعرا نے اس مضمون کو اپنے اپنے رنگ میں ادا کیا ہے۔ مثلاً

غالب: طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ   دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

فانی بدیوانی:

تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ   اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

علامہ اقبال:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے   اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

۴- میں ایک چھوٹا سا تو دل ہوں لیکن اتنا بے باک و خوش ہوں کہ تجھ سے اے محبوب حقیقی! وہی "لن ترانی" سننا چاہتا ہوں جو تو نے طور پر حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا۔ (لغت دیکھیے)

۵- اے اہل محفل! میں چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ میری حالت یا میرا معاملہ صبح کے چراغ کی مانند ہے بس ابھی بجھا کہ بجھا۔ چراغ کو صبح سویرے بجھا دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان فانی ہے اور وہ کسی بھی وقت اس دنیا سے کوچ کرسکتا ہے۔

۶- میں نے بھری محفل (عشق کا دعویٰ کرنے والوں کی بزم) میں راز کی بات کہہ دی۔ یعنی یہ کہہ دیا کہ محبوب کے وصل کے دن قریب ہیں۔ میں بڑا بے ادب ہوں، گستاخ ہوں جو میں نے ایسا اظہار کر دیا۔ میری اس گستاخی پر اے محبوب! تو مجھے سزا دے۔

(11)

۱۔ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے — نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے
۲۔ بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ! — خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے
۳۔ مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی — جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے
۴۔ مدام گوش بہ دل رہ یہ ساز ہے ایسا — جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے
۵۔ کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے — جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے
۶۔ سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے — یہ چیز وہ ہے جو پتھر کو بھی گداز کرے
۷۔ تمیزِ لالہ و گل سے ہے نالۂ بلبل — جہاں میں وا نہ کوئی چشمِ امتیاز کرے
۸۔ غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو — کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے
۹۔ ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال — اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

۱۔ جب وہ بے نیاز یعنی خدائے کریم بخشش کا ہاتھ کھول دے، مہربانی و کرم پر آمادہ / مائل ہو تو نیاز مند (یہ بندۂ عاجز) کیوں نہ اپنی عاجزی پر ناز کرے۔ خدا تعالیٰ کو اپنے عجز و نیاز والے بندوں سے پیار ہے اور وہ ان پر کرم کرتا رہتا ہے۔

۲۔ اے واعظ! تو نے خدا تعالیٰ کو عرش پر بٹھا کے رکھا ہے وہ خدا کیسا ہے جو اپنے بندوں سے بچ بچ کر رہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کا جلوہ تو کائنات کی ہر ہر شے میں ہے اور انسانوں سے اس نے فرمایا ہے کہ "میں تمہاری شہ رگ کے بھی قریب ہوں" لیکن واعظ اس حقیقت سے بے خبر ہے وہ خدا کو صرف عرش پر ہی بیٹھا ہوا سمجھتا ہے۔

بقول عدم: زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر — یا وہ جگہ بتا کہ جہاں پر خدا نہ ہو

۳۔ اے ساقی! میری نظروں میں وہ رند (شراب عشق پینے والا عاشق) رند ہی نہیں ہے جو مستی اور ہوشیاری میں فرق کرے۔ سچا عاشق تو ہر وقت محبوب کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔

۴۔ تو ہر وقت دل کی آواز غور سے سننے کے لیے تیار رہ۔ یہ ساز (دل) ایک ایسا ساز ہے کہ اگر ٹوٹ جائے تو نوائے راز پیدا کرے۔ یعنی جب دل جذبۂ عشق سے سرشار ہو جائے تو عشق الٰہی کے راز اس میں پیدا ہو جاتے ہیں یا اس سے عشق الٰہی کے راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔

۵۔ کوئی واعظ سے یہ تو پوچھے کہ اگر وہ بے نیاز (خدا) کسی بے عمل پر بھی اپنی رحمت فرمائے تو اس (واعظ) کا کیا بگڑ جائے گا جب وہ خالق بے نیاز ہے تو وہ کسی پر بھی

رحمت فرما سکتا ہے۔ اس کے آگے واعظ کی طرح ظاہری عبادات کرنے والوں ہی کی اہمیت وحیثیت نہیں ہے۔ ویسے بھی ارشاد خداوندی ہے کہ تم عبادت میرے لیے نہیں اپنے لیے کرتے ہو۔

۶- بات چیت / شاعری میں خدا سے عشق کا جذبہ کہاں سے آتا ہے۔ یہ (جذبہ) ایک ایسی چیز ہے جو پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے۔ اس کے کرم سے اگر کسی دل میں اس کے عشق کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ کتنا ہی سنگ دل کیوں نہ رہا ہو، آخر موم بن جاتا ہے۔ انسان دوستی اس کا شیوہ بن جاتا ہے اور وہ ہر معاملے میں خدا ہی طرف متوجہ رہتا ہے۔

۷- لالہ اور گلاب کے پھولوں میں فرق کے باعث بلبل نالہ کرتی ہے۔ یعنی وہ لالہ کو دیکھ کر گلاب کو یاد کرتی اور اس کے فراق میں نالے کرتی ہے۔ ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرق و امتیاز کی آنکھ نہ کھولے۔ یعنی سب انسانوں کو برابر سمجھا جائے کہ یہی صحیح انسانیت ہے۔

۸- زہد و اتقا کے غرور نے واعظ (نام نہاد ملا) کو یہ سکھا دیا ہے کہ وہ خدا کے بندوں پر زبان درازکرے۔ واعظ اپنی عبادت و زہد کے غرور میں ہر کسی کو برا بھلا کہنے میں عار نہیں سمجھتا اور اس کا یہ رویہ اسلام کی تعلیم کے برعکس ہے۔ راقم یزدانیؒ کے بقول:

واعظ تجھے مبارک تیری پانچ وقتی ورزش   یہ زباں بھی ہو مبارک جو چھری سے کم نہیں ہے
تجھے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم انس و الفت   تیرا دل ہے پر خشونت، تیری آنکھ نم نہیں ہے

۹- اے اقبال! خدا کرے کوئی ہوا ایسی چلے جو مجھے ہندوستان سے اڑا کر حجاز کے راستے کا غبار بنا دے۔ گویا عشق رسول اکرم کی راہ میں مجھے غبار کی طرح چاروں طرف پھیلا کر دے۔ حضور اکرمؐ سے اپنے انتہائی عشق کی بات کی ہے۔

(۱۲)

۱- سختیاں کرتا ہوں دل پر، غیر سے غافل ہوں میں   ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
۲- میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی   جو نمودِ حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
۳- علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست   وائے محرومی! خزف چینِ لبِ ساحل ہوں میں
۴- ہے مری ذلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل   جس کی غفلت کو ملک روتے ہیں وہ غافل ہوں میں
۵- بزمِ ہستی! اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو   تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

۶۔ ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو — آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

۱۔ میں برائیوں سے بچنے کے لیے دل پر سختیاں کرتا ہوں اور تیرے (خدا کے) سوا جو کوئی ہے (یعنی ماسوا اللہ) اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ واہ! میرے مولا تو نے کیسی اچھی بات کہی ہے کہ میں (انسان) ظالم اور جاہل ہوں۔ (لغت دیکھئے)

۲۔ میں اسی وقت تک تھا (میرا وجود اسی وقت تک تھا) جب تک تیری (خدا کی) جلوہ گری ظاہر نہ تھی۔ میں (دراصل) ایک ایسا باطل ہوں جو نمود حق سے مٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کا وجود نہیں ہے، یہ سب تیری ہی جلوہ گری ہے۔ پوری کائنات میں تیرا ہی جلوہ نمایاں ہے۔

۳۔ علم کے دریا / سمندر میں غوطہ لگانے والے ہاتھوں میں موتی لے کر باہر نکلے۔ اس سلسلے میں مجھے اپنی محرومی کا بڑا دکھ ہے کہ میں سمندر کے کنارے پر سنگریزے چننے والا ہوں۔ اس استعارے میں یہ کہنا چاہا ہے کہ علم کی گہرائیوں تک پہنچنے یا علم میں صحیح طور پر محو ہونے والے عظمت پا گئے جبکہ میں (علامہ) ابھی تک اس حالت و کیفیت سے محروم ہوں۔

۴۔ میری ذلت ہی میری شرافت کی کسی حد تک دلیل ہے۔ میں ایک ایسا غافل ہوں جس کی غفلت کو فرشتے بھی روتے ہیں۔ (لغت دیکھئے)

۵۔ اے وجود کی محفل! تو اپنی سجاوٹ پر فخر و ناز نہ کر، اس لیے کہ تو تو محفل کی ایک تصویر ہے جبکہ محفل میں ہوں۔ کائنات گویا ایک محفل ہے جو مختلف مناظر سے آراستہ ہے۔ مطلب یہ کہ کائنات کا وجود انسان ہی کے وجود کے طفیل ہے جو (انسان) اشرف المخلوقات ہے۔

۶۔ اے اقبال! میں اپنے آپ کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔ بس یوں سمجھو کہ میں آپ ہی مسافر اور آپ ہی منزل ہوں۔ اشارہ ہے اس قول کی طرف جس نے خود اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ علامہ نے کچھ اسی قسم کی بات ایک اور جگہ کی ہے۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے — کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

maqbib.org

(۱۳)

۱۔ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے — نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

۲۔ واعظ! کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد — دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

۳- تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی — رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
۴- مانندِ خامہ تیری زباں پر ہے حرفِ غیر — بیگانہ شے پہ نازشِ بیجا بھی چھوڑ دے
۵- لطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق — بسمل نہیں ہے تُو، تو تڑپنا بھی چھوڑ دے
۶- شبنم کی طرح پھولوں پہ رو، اور چمن سے چل — اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے
۷- ہے عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا — بتخانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے
۸- سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے — اے بیخبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
۹- اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل — لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
۱۰- جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار — شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے
۱۱- شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم — شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے
۱۲- واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں — اقبالؔ کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

۱- مجنوں نے تو لیلیٰ کے عشق میں شہر چھوڑ کر صحرا کا رخ کیا تھا تو صحرا بھی چھوڑ دے، اگر تجھے نظارے کی ہوس ہے تو لیلیٰ پر توجہ بھی چھوڑ دے۔ یعنی اگر تجھے اس حسنِ کامل (محبوبِ حقیقی) کے دیدار کی آرزو ہے تو تُو ماسوا اللہ/غیر اور مادی حسن سے اپنی توجہ ہٹا لے۔

۲- اے واعظ! یہاں دنیا و مافیہا سے پوری طرح روگردانی ہی کی بدولت مراد حاصل ہوتی ہے، تو نے جب دنیا چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ کا خیال بھی چھوڑ دے۔ مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ واعظ کی ساری عبادت و ریاضت محض حور و جنت کی خاطر ہے جبکہ حقیقی عبادت صرف اس ذاتِ حق کے دیدار کی خاطر ہے۔

علامہ ہی کے بقول:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

فانی بدیوانی:

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ — اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

۳- دوسروں کی پیروی کرنے کے طور طریقے سے تو بہتر ہے کہ تو خودکشی کر لے۔ لہٰذا تو راستہ بھی تلاش کر اور خضر کا سہارا بھی چھوڑ دے۔ یعنی اپنی ہمت و اہلیت سے اور اپنے بھروسے پر کام کر۔

۴- قلم کی طرح تیری زبان پر دوسروں کی باتیں ہیں، تو غیر قوموں کے علوم و فنون کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ تیرا یہ عمل کسی غیر شے پر فخر کرنے کی بیجا صورت ہے۔ لہٰذا اس بیجا

فخر و ناز سے دور رہ ، اسے چھوڑ دے۔

۵۔ اگر دل میں عشق کا سوز و درد نہ ہو تو اس کے بغیر کی گئی شاعری میں کیا لطف ہو سکتا ہے (نہیں ہو سکتا)۔ اگر تو بسمل نہیں ہے یعنی اس درد سے متاثر نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے۔ یعنی لفظی صورت میں درد انگیز شعر کہنا چھوڑ دے۔

۶۔ تو شبنم کی طرح پھولوں پر رو اور چمن سے چل۔ اس باغ میں ٹھہرے رہنے کا جنون بھی چھوڑ دے۔ شبنم پھولوں پر گرتی اور سورج نکلنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ دنیا فانی ہے، تجھے بھی فنا ہے۔ اس لیے جو تھوڑی بہت زندگی ہے وہ تو عشق حقیقی میں بسر کر۔

۷۔ عاشق کا طور طریقہ سب سے الگ بیٹھنا ہے اس لیے تو بت خانہ، حرم اور کلیسا بھی چھوڑ دے۔ ایک حقیقی عاشق کے پیش نظر صرف اور صرف اس محبوب حقیقی کے دیدار کی خواہش ہونی چاہیے، وہ ظاہری عبادات حور و جنت کی خاطر نہیں کرتا۔ مختلف شعرا نے یہ مضمون اپنے اپنے انداز میں باندھا ہے۔ مثلاً

حافظ شیرازی:

در عشق خانقاہ و خرابات فرق نیست — ہر جا کہ ہست پرتو روئے حبیب ہست

(عشق میں خانقاہ اور خرابات میں کوئی فرق نہیں ہے جو بھی جگہ ہے وہاں اس محبوب کے چہرے کا پرتو ہے)۔

عرفی:

عاشق ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر — پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

عرفی:

عشق را با مومن و کافر نباشد احتیاج — ایں سخن بر مسجد و بت خانہ می باید نوشت

(یہ بات مسجد اور مندر پر لکھ دینی چاہیے کہ عشق مومن یا کافر کا محتاج نہیں ہے)

غالب:

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست — ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

(ہم عاشقوں کا دیر و حرم سے سوائے اس محبوب کے اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ ہم کہیں بھی سجدہ کریں وہ اس آستاں تک پہنچے گا)۔

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہ ما بود — رفتیم و صنم بر سر محراب شکستیم

(کعبہ اور مندر دونوں ہمارے راستے کے پتھر تھے، چنانچہ ہم نے بت لے جا کر محراب پر

اوپر توڑ ڈالا)۔

۸۔ اے بے خبر! یہ جو خدا کی عبادت کرتا ہے یہ سوداگری نہیں ہے۔ اس لیے جزا (حور و جنت) کی تمنا بھی چھوڑ دے۔ اسی غزل کے دوسرے شعر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

۹۔ یہ اچھی بات ہے کہ عقل کا پاسبان دل کے ساتھ رہے لیکن اسے کبھی کبھار اکیلا بھی چھوڑ دے۔ گویا غور و فکر میں محو رہنا اچھی بات ہے لیکن کبھی کبھار اس محویت سے آزاد بھی ہو جانا چاہیے۔

۱۰۔ وہ بھی کوئی زندگی ہے کہ دوسروں کے خیالات پر انحصار کیا جائے (ان کا سہارا لیا جائے) تو ظاہری شہرت کی زندگی پر بھروسا کرنا چھوڑ دے۔ یعنی اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اپنی بقا کا سامان کر۔ دوسروں کے بھروسے جینا ایک بیکار زندگی ہے۔

۱۱۔ اے حضرت موسیٰ! خدا سے جلوے کا بار بار تقاضا کرنا محض ایک طرح کی شوخی ہے۔ اس ذات کی رضا پر راضی رہنے کی یہ شرط ہے کہ آپ یہ تقاضا بھی چھوڑ دیں۔ "راضی بہ رضائے یار ہو جا" پر عمل ہی صحیح عشق کی علامت ہے۔

۱۲۔ اگر واعظ مے کے جائز اور حلال ہونے کا ثبوت لائے تو بھی اقبال کو یہ ضد ہے کہ شراب پینا بھی چھوڑ دے۔ واعظ شراب طہورا کی بات کرتا ہے جو جنت میں ملے گی، لیکن چونکہ واعظ صرف اسی کی خاطر عبادت کرتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کی گفتار اور کردار میں تضاد ہے جو ایک مومن کی شان نہیں ہے، اس لیے اگر وہ عام شراب کو جائز و حلال بھی قرار دے تو بھی اس کی مذکورہ فطرت کی بنا پر اقبال پینا بھی چھوڑ دے گا۔

حصہ دوم

1905ء سے 1908ء تک

(محبت)

۱۔ عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی نا آشنا خم سے
ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذت رم سے

۲۔ قمر اپنے لباس نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئین مسلم سے

۳۔ ابھی امکاں کے ظلمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
مذاق زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

۴۔ کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا — ہویدا تھی نگینے کی تمنا چشمِ خاتم سے
۵۔ سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا — صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے
۶۔ لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ — چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
۷۔ نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی — وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے
۸۔ بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب — تمنائے دلی آخر بر آئی سعیِ پیہم سے
۹۔ پھرایا فکرِ اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں — چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
۱۰۔ چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغِ جگر مانگا — اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
۱۱۔ تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی — حرارت لی نفس ہائے مسیحِ ابنِ مریم سے
۱۲۔ ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی — ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے
۱۳۔ پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں — مرکب نے "محبت" نام پایا عرشِ اعظم سے
۱۴۔ مہوس نے یہ پانی ہستیِ نوخیز پر چھڑکا — گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے
۱۵۔ ہوئی جنبش عیاں، ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا — گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
۱۶۔ خرامِ ناز پایا آفتابوں نے، ستاروں نے — چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

(علامہ نے یہ نظم 1904ء میں لکھی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کائنات کا وجود حرکت پر موقوف ہے اور یہ حرکت محبت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا اور مجھے اس بات سے محبت تھی کہ میری معرفت حاصل کی جائے، اس لیے میں نے کائنات پیدا کر دی۔ تصوف کی بنیادی تعلیم یہی ہے۔ اسی کو علامہ نے اپنی اس دور کی شاعری میں، جو "التجائے مسافر" کے بعد سے شروع ہوتی ہے، اپنا مرکزی زاویۂ نگاہ قرار دیا ہے)۔

۱۔ ابھی رات کی دلہن (یعنی رات) کی زلفیں خم سے ناواقف تھیں اور آسمان کے ستارے ابھی گردش کی لذت سے بے خبر تھے۔ یعنی کائنات ابھی وجود میں آ رہی تھی۔ چوتھے شعر تک مختلف استعاروں میں یہی بات کی ہے۔
۲۔ چاند اپنے نئے لباس (روشنی اور وجود) میں اجنبی سا لگتا تھا اور ابھی وہ گردش کے تسلیم شدہ اصول سے بھی ناواقف تھا۔
۳۔ ابھی وجود کے تاریک گھر سے دنیا باہر ابھری/نکلی ہی تھی اور زندگی کا ذوق کائنات کی وسعت سے پوشیدہ تھا۔
۴۔ وجود کی تنظیم کے مکمل ہونے کی گویا ابتدا تھی اور انگوٹھی کی نظروں سے نگینے کی آرزو

ظاہر تھی۔ انگوٹھی نگینے کے بغیر نامکمل ہوتی ہے اس حوالے سے کائنات کی ابتدائی تنظیم کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ سنا ہے عالم بالا میں کوئی کیمیا گر تھا جس کے پاؤں کی خاک ساغرِ جم سے بھی زیادہ صاف و شفاف تھی۔ (لغت دیکھئے)

۶۔ عرش کے پائے پر اکسیر کا ایک نسخہ لکھا تھا، جسے فرشتے روحِ آدم کی آنکھوں سے چھپاتے تھے۔ حضرت آدم کی روح وجود میں آ چکی تھی لیکن وہ کائنات کے سلسلے میں بے خبر تھی۔

۷۔ لیکن اس کیمیا گر کی نگاہیں تاک میں لگی رہتی تھیں کیونکہ وہ اس نسخے کو اسمِ اعظم سے بڑھ کر جانتا تھا۔ (لغت دیکھئے)

۸۔ وہ تسبیح پڑھنے کے بہانے عرش کی جانب بڑھا اور یوں آخرکار مسلسل کوشش سے دل کی تمنا پوری ہو ہی گئی۔

۹۔ اجزا کے فکر نے اسے امکاں کے میدان (عالمِ امکان) میں پھرایا گھمایا۔ بھلا جو بارگاہِ حق کا محرم ہے اس سے کوئی چیز کیونکر چھپ سکتی ہے (نہیں چھپ سکتی)۔

۱۰۔ اس نے تارے سے چمک مانگی اور چاند سے داغِ جگر مانگا اور رات کی بکھری ہوئی سیاہ زلفوں سے تھوڑی سی تاریکی اڑا لی (چرا لی)۔

۱۱۔ پھر بے قراری کی کیفیت بجلی سے اور پاکیزگی حور سے حاصل کی اور تپش اور حرارت مسیح ابنِ مریم کے سانسوں سے لی۔ حضرت عیسیٰ پھونک مار کر اور یہ کہہ کر اللہ کے حکم سے اٹھ جا، مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔

۱۲۔ پھر ربوبیت سے بے نیازی کی ذرا سی شان حاصل کی اور ملک / فرشتے سے عاجزی (عجز و نیاز) اور شبنم کی تقدیر سے افتادگی لے لی۔

۱۳۔ پھر ان اجزا کو (جن کا ذکر شعر ۱۰ تا ۱۲ میں ہے) آبِ حیات کے چشمے کے پانی میں گھولا۔ یہ سب چیزیں مرکب بن گئیں اور اس مرکب کو عرشِ اعظم سے "محبت" کا نام دیا گیا۔

۱۴۔ مہوس (کیمیا گر) نے یہ پانی تازہ تازہ وجود میں آنے والی کائنات پر چھڑکا اور یوں اس کے ہنر نے کائنات کی مشکلیں گویا حل کر دیں۔ کائنات مکمل طور پر وجود میں آ گئی اور اس میں ایک خاص نظم و نسق پیدا ہو گیا۔

۱۵۔ اب حرکت و جنبش ظاہر ہو گئی اور ذروں نے نیند کا مزہ چھوڑ دیا اور وہ اٹھ اٹھ کر اپنے اپنے ساتھیوں سے گلے ملنے لگے۔ ہوا چلتی ہے تو ذرے ہوا میں اڑنے لگتے ہیں، یہ

گویا ان کا باہم گلے ملنا ہے۔

۱۶- آفتابوں (سورج اور چاند) اور ستاروں نے خرام ناز پایا، کلیوں نے چٹک اور لالہ زاروں نے داغ پائے۔ صبح کلیاں کھلتی ہیں اور لالہ کے پھول میں سیاہ داغ ہوتا ہے۔ گویا نظام قدرت اس کائنات میں مختلف صورتوں میں جاری ہو گیا۔

حقیقتِ حُسن

۱- خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا — "جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا؟"
۲- ملا جواب کہ "تصویر خانہ ہے دنیا — شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا
۳- ہوئی ہے رنگ تغیر سے جب نمود اس کی — وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی"
۴- کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی — فلک پہ عام ہوئی، اختر سحر نے سنی
۵- سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو — فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
۶- بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے — کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
۷- چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا — شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

(علامہ نے اس نظم میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں جن میں حسن بھی شامل ہے، تغیر پذیر ہیں جس کے نتیجے میں یہ بھی حادث ہیں، یعنی مخلوق ہیں اور ممکنات میں شامل ہیں، چنانچہ حسن بھی حادث ہے، اس لیے اس میں بھی بقا و پائیداری نہیں ہے)۔

۱- ایک روز حسن نے خدا سے یہ سوال کیا کہ تو نے دنیا میں مجھے لازوال کیوں نہ کیا؟

۲- خدا کی طرف سے اسے یہ جواب ملا کہ یہ دنیا تصویر خانہ ہے اور عدم/نیستی کی طویل رات کا افسانہ ہے۔ جس طرح تصویر پائیدار نہیں ہوتی اور افسانے میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی، یہی صورت حال اس کائنات کی ہے۔ اسے بقا نہیں ہے۔

۳- جب رنگ تغیر سے اس کا ظہور ہوا ہے (وجود میں آئی ہے) تو حسین وہی ہے جس کی اصل و حقیقت زوال ہے۔ یعنی کسی بھی شے کو بقا نہیں ہے اور یہی زوال اور ادلنے بدلتے رہنا ہی اس کے حسن کا باعث ہے۔

۴- چاند کہیں قریب ہی تھا اس نے حسن اور خدا کے درمیان یہ گفتگو سن لی۔ پھر یہ آسمان پر پھیل گئی، چنانچہ صبح کے ستارے نے بھی یہ بات سن لی، چاند اور اختر سحر وغیرہ کے

طلوع و غروب ہونے کے حوالے سے یہ کہا ہے۔ یہ رنگِ تغیر ہے۔

۵۔ صبح نے یہ بات تارے سے سن کر شبنم کو سنائی اور یوں آسمان کی بات زمین کے محرم (شبنم) کو بتا دی۔ شبنم پھولوں پر گرتی ہے تو سورج نکلنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی رنگِ تغیر اور زوال ہے۔

۶۔ شبنم کا پیام سن کر پھول کے آنسو بھر آئے (شبنم کے قطروں کو آنسوؤں سے تشبیہ دی ہے) اور کلی کا ننھا سا دل غم سے خون ہو گیا۔ کلی کھل کر سرخ پھول بن جاتی ہے، یہ گویا غم سے دل کا خون ہوتا ہے۔ پھول کھلتا اور پھر مرجھا جاتا ہے۔

۷۔ موسم بہار چمن سے روتا ہوا گیا اور شباب (جوانی) سیر کو آیا تھا، غمگین ہو کر گیا۔ موسم بہار بھی اور شباب بھی یہ سب عارضی اور تغیر پذیر ہیں۔ بہار کے بعد خزاں اور شباب کے بعد بڑھاپا ایک قدرتی امر اور نظامِ قدرت ہے۔ وقتی وجودی حسن ہے۔

پیام

۱۔ عشق نے کر دیا تجھے ذوقِ تپش سے آشنا — بزم کو مثلِ شمعِ بزم حاصلِ سوز و ساز دے

۲۔ شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشائے کا — دیر و حرم کی قید کیا! جس کو وہ بے نیاز دے

۳۔ صورتِ شمع نور کی ملتی نہیں قبا اسے — جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جاں گداز دے

۴۔ تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہِ سحر میں وہ — چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

۵۔ عشق بلند بال ہے رسمِ رہ نیاز سے — حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جوابِ ناز دے

۶۔ پیرِ مغاں! فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر — اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے

۷۔ تجھ کو خبر نہیں ہے کیا بزم کہن بدل گئی — اب نہ خدا کے واسطے ان کو مےِ مجاز دے

(علامہ ۱۹۰۹ء میں یورپ گئے اس کے بعد ان کے فکر کے انداز میں جو تبدیلی آئی یہ نظم اس کی پہلی مثال ہے۔ اس میں انہوں نے ایک ناصح پیام بر کا لہجہ اختیار کیا ہے۔ اپنے ملک کے رہنماؤں سے ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ مجاز سے نکلیں اور حقیقت کی طرف آئیں اور ساری قوم کو حقیقت آشنا کریں)۔

۱۔ عشق نے تجھے (قومی رہنما کو) ذوقِ تپش سے آشنا کر دیا ہے اس لیے تو بزم (قوم) کو شمع کی مانند حاصلِ سوز و ساز دے۔ (لغت دیکھئے)

۲۔ مشکلیں حل کرنے والے عشق کا انحصار شانِ کرم پر ہے۔ اس سلسلے میں دیر و حرم کی

پابندی کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ تو اس ذات بے نیاز کا کرم ہے جسے وہ چاہے عشق حقیقی سے نواز دے۔

۳۔ جس انسان کو خدا تعالیٰ دنیا میں جان گداز گریہ وزاری سے نہ نواز دے، اسے شمع کی مانند نور اور روشنی کی قبا نہیں ملتی۔ جذبہ عشق حقیقی سے سرشار انسان ہی کا دل منور ہوتا ہے۔

۴۔ وہ ذات کریم ستاروں میں چاند (اور سورج) میں نیز صبح کی جلوہ گاہ میں سمائی ہوئی ہے۔ یعنی کائنات کی ہر ہر شے میں اس کا جلوہ کارفرما ہے اس لیے تو اپنی دیکھنے والی آنکھوں میں امتیاز کا سرمہ نہ ڈال۔ (لغت دیکھیے)

۵۔ عشق اپنے عجز و نیاز کے طور طریقوں کے باعث بلند حوصلہ ہے اگر حسن اپنے ناز میں مست ہے تو تو بھی جواب میں ناز سے کام لے یا اس ناز کا جواب دے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ تو ایسے جذبوں سے سرشار ہو جا کہ محبوب حقیقی خود بخود تیری طرف متوجہ فرمائے۔ (واللہ اعلم.....)

۶۔ اے پیر مغاں! فرنگ کی شراب میں فرحت و شادمانی (مادی ترقی) ہی کا اثر ہے۔ اس میں جس کیف غم کی ضرورت ہے وہ نہیں ہے اس لیے تو مجھے خانہ ساز شراب دے۔ (لغت دیکھیے)

۷۔ کیا تجھے (پیر مغاں کو) یہ خبر نہیں ہے کہ پرانی محفل بدل چکی ہے اس لیے خدا کے واسطے ان (قوم) کو یہ بے مجاز مت دے۔ (لغت دیکھیے)

سوامی رام تیرتھ

۱۔ ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو	پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہر نایاب تو
۲۔ آہ! کھولا کس ادا سے تو نے راز رنگ و بو	میں ابھی تک ہوں اسیر امتیاز رنگ و بو
۳۔ مٹ کے غوغا زندگی کا شورش محشر بنا	یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا
۴۔ نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا	"لا" کے دریا میں نہاں موتی ہے "الا اللہ" کا
۵۔ چشم نابینا سے مخفی معنی انجام ہے	تھم گئی جس دم تڑپ، سیماب سیم خام ہے
۶۔ توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق	ہوش کا دارو ہے گویا مستی تسنیم عشق

(لغت میں نوٹ دیکھیے)

۱۔ اے بے قرار قطرے تو دریا سے بغل گیر ہے پہلے تو ایک گوہر تھا اب نایاب گوہر بن گیا ہے۔ سوامی پہلے ایک عام انسان تھا پھر اپنے مراقبے وغیرہ کی بنا پر ایک عظیم انسان بن گیا۔ اس شعر میں سوامی کے دریائے گنگا کے کنارے بیٹھنے اور پھر ڈوبنے کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ واہ! تو نے کس ادا/انداز سے اس کائنات کا بھید کھولا جبکہ میں ابھی تک رنگ اور بو یا کائنات کی مختلف چیزوں میں فرق کرنے کا قیدی ہوں۔ یعنی تو تو محبت کا درس دیتا تھا، رام بھگتی میں محو تھا جبکہ میں (یا عام انسان) ہر شے اور دوسرے انسانوں میں امتیاز و فرق کرنے میں لگا ہوا ہوں۔

۳۔ زندگی کا ہنگامہ مستِ کرشمہ کا شور و ہنگامہ بن گیا۔ یہ چنگاری بجھ کر آذر کا آتش خانہ بن گئی (لوگ آگ کی پرستش کرنے والے بن گئے) یہ چنگاری یعنی زندگی۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ لوگ حقیقی زندگی سے (سب کے ساتھ محبت) ناآشنا ہونے کے سبب دنیا میں باہمی جنگ و جدال سے قیامت کا سا ہنگامہ کرنے لگے۔

۴۔ اپنے وجود کی نفی ایک دلِ آگاہ کا کرشمہ ہے۔ "لا" کے سمندر میں "الا اللہ" کا موتی پوشیدہ ہے یعنی جو دل/انسان کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہے جو علم و حکمت کی بنا پر حقائق و اسباب سے باخبر ہے اس کی کیفیت ایسی ہے یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ کائنات میں اسی کا جلوہ کارفرما ہے۔

۵۔ نہ دیکھنے والی (بصیرت سے عاری) آنکھ سے انجام کی حقیقت مخفی/پوشیدہ ہے جب پارہ کا ہلنا جلنا ختم ہو جائے تو وہ محض بجھی چاندی رہ جاتا ہے۔ صاحب بصیرت اس ذات کے جلووں سے آشنا ہونے کے باعث اس کے عشق میں محو ہو جاتا ہے۔ اگر انسان میں اس عشق کی تڑپ نہیں ہے تو وہ صحیح انسان نہیں بلکہ ایک چلتی پھرتی لاش ہی ہو سکتا ہے۔ (پارہ مسلسل ہلتا رہتا ہے، اگر اس میں یہ کیفیت نہ ہو تو وہ بیکار شے بن جاتا ہے)۔

۶۔ عشق کا ابراہیمؑ وجود کے بت کو توڑ ڈالتا ہے۔ تسنیمِ عشق کی مستی گویا ہوش کا دارو ہے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی طرح جنہوں نے تمام بت توڑ ڈالے تھے۔ عشق وجود کو فنا کر کے اس ذاتِ حق میں گم ہو جاتا یا فنا فی اللہ ہو جاتا ہے اور اصل زندگی کا مقصد یہی ہے۔ سوامی نے اسی انداز کو اپنایا اور اس ذات کے عشق میں ڈوب گیا۔

طلبہ علی گڑھ کے نام

۱- اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے — عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے

۲- طائر زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم — یہ بھی سنو کہ نالۂ طائر بام اور ہے

۳- آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکوں — کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے

۴- جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا — اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے

۵- موت ہے عیشِ جاوداں، ذوقِ طلب اگر نہ ہو — گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے

۶- شمع سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز — غم کدۂ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

۷- بادہ ہے نیم رس ابھی، شوق ہے نارسا ابھی — رہنے دو خم کے سر پہ تم خشت کلیسا ابھی

(علامہ نے یہ نظم ۱۹۰۹ء میں تخلیق کی تھی جب پورے برصغیر، بالخصوص بنگال میں سیاسی شورشیں برپا تھیں۔ اس پر آشوب دور میں یہاں کے مسلمانوں کا کوئی نصب العین نہ تھا۔ اس صورت حال میں علامہ نے اس نظم کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو عشق خدا و رسولؐ اور عملی جدوجہد کا پیغام دیا اور انہیں اس بات سے آگاہ کیا کہ ارباب سیاست کی عقل کے طوفان میں بہے چلے جانے کی بجائے عشق حقیقی کو پتوار بنائیں)۔

۱- دوسرے لوگوں کا پیام کچھ اور ڈھب کا ہے جبکہ جذبۂ عشق حقیقی سے سرشار اس درد مند کا پیغام بھی اور انداز کا اور طرز کلام بھی عام ڈگر سے ہٹ کر ہے۔

۲- جال میں پھنسے ہوئے پرندے کے نالے تو تم سن چکے ہو، ذرا اس طائر بام کا نالہ بھی سن لو جو عام انداز سے ہٹ کر ہے۔ (لغت دیکھئے)

۳- پہاڑ سے یہ آواز آ رہی تھی کہ آرام و سکوں (ایک جگہ ٹکے رہنا) زندگی کا راز ہے جبکہ کمزور چیونٹی کا کہنا تھا چلتے رہنے میں کچھ اور ہی لطف و مزہ ہے۔ پہاڑ ہل نہیں سکتا، یہ کوئی زندگی نہیں ہے جبکہ چیونٹی مسلسل چلتی رہتی ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ مسلسل جہد و عمل میں لگے رہنا ہی حقیقی زندگی ہے ورنہ اس کے بغیر یعنی جمود کا شکار زندگی محض چلتی پھرتی لاش ہی ہوگی۔

۴- جذبۂ اسلام سے سرشاری ہی سے ملت اسلامیہ کا فروغ و رونق ہے۔ اس کا مقام اور نظام دیگر مقامات اور نظاموں سے بالکل الگ ہے۔ یعنی اسلام کا مقام و نظام بلند ترین مقام و نظام ہے۔ کسی بھی دوسرے مذہب کو یہ شان مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

۵- اگر ذوق طلب نہ ہو تو موت ہمیشہ ہمیشہ کی راحت کی زندگی ہے۔ یعنی اسے بقا حاصل

نہیں ہوتی۔ انسان مر گیا تو بات ختم ہو گئی جبکہ آدمی کی گردش اور انداز کی اور جام کی گردش اور ڈھب کی ہے۔ یعنی عشق حقیقی سے سرشار انسان کی زندگی عام انسانوں کی زندگی سے عظیم تر اور بقا والی ہے۔

۶۔ صبح کی شمع یہ کہہ گئی کہ سوز / جلنا ہی زندگی کی کامیابی ہے۔ غم کدۂ نمود میں بقا و دوام کی شرط اور انداز کی ہے۔ شمع جلتی رہے تو ٹھیک ورنہ بجھ کر اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس استعارے سے حرارت و تپش کی اہمیت بیان کی ہے۔

۷۔ شراب ابھی کچی ہی ہے اور شوق / عشق نارسا ہے لہٰذا تم شراب کے مٹکے پر ابھی گرجے کی اینٹ رہنے دو۔ (لغت دیکھیے)

اخترِ صبح

(۱)

۱۔ ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا — ملی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ملی
۲۔ ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شے — اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ ملی
۳۔ بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی — نفس حباب کا تابندگی شرارے کی

(۲)

۱۔ کہا یہ میں نے کہ "اے زیورِ جبینِ سحر! — غم فنا ہے تجھے، گنبدِ فلک سے اتر
۲۔ ٹپک بلندیِ گردوں سے ہمرہِ شبنم — مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور
۳۔ میں باغباں ہوں، محبت بہار ہے اس کی — بنا مثالِ ابد پائدار ہے اس کی"

(صبح کا ستارہ ایک خاص ستارہ ہے جو صبح صادق کے وقت طلوع ہوتا ہے اور چونکہ بہت روشن ہوتا ہے اس لیے اس نظم میں اس کی روشنی کو نگاہ قرار دیا گیا ہے۔ سورج طلوع ہونے پر اس کی روشنی سورج کی روشنی میں گم ہو جاتی ہے، اسی لیے اس کی روشنی تھوڑے سے وقت کے لیے ہوتی ہے۔ مرکزی خیال اس نظم کا یہ ہے کہ اگر کوئی انسان صاحبِ بقا بننا چاہتا ہے تو اسے محبت کی راہ اختیار کرنی چاہیے)۔

(۱)

۱۔ صبح کا ستارہ روتا اور یہ کہتا تھا کہ اگرچہ مجھے نگاہ (روشنی) ملی ہے لیکن دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ یعنی میری روشنی بڑی جلد ختم ہو جاتی ہے یا سورج کی روشنی میں گم ہو جاتی ہے۔

۲۔ اگرچہ ہر شے آفتاب کی بدولت زندہ ہوئی ہے (سورج نکلنے پر ہر شے نظر آنے لگتی ہے) لیکن مجھے ہی صبح کے دامن کی تہ میں پناہ نہ ملی۔ وہی روشنی جلد گم ہو جانے کی بات۔
۳۔ اس صورت حال میں بھلا صبح کے ستارے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے کہ اس کا وجود یا سانس بلبلے جیسا ہے (جلد پھٹ جانے والا) اور اس کی چمک چنگاری کی سی ہے۔ ادھر ابھری ادھر ختم۔

(۲)

۱۔ میں نے اس کی یہ بات سن کر اس سے کہا اے صبح کی پیشانی کے زیور! اگر تجھے اپنے یوں فنا ہونے کا غم ہے تو گنبد آسمان سے نیچے اتر آ۔
۲۔ اور شبنم کے ساتھ مل کر آسمان کی بلندی سے نیچے ٹپک۔ میری شاعری کے باغ کی فضا بڑی جان پرور ہے۔
۳۔ میں باغباں ہوں اور میرے اس باغ کی بہار محبت ہے اور اس کی بنیاد ابد کی طرح پائندار ہے۔
ریاض سخن کے حوالے سے باغباں اور بہار کی بات کی ہے۔ مطلب یہ کہ میں اپنی شاعری میں محبت یا عشق حقیقی کا درس دیتا ہوں اور یہ محبت ایسی ہے جسے فنا نہیں ہے۔ جو یہ محبت اختیار کرتا ہے وہ صاحب بقا بن جاتا ہے۔

حسن و عشق

(۱)

۱۔ جس طرح ڈوبتی ہے کشتیِ سیمینِ قمر ۔۔۔ نورِ خورشید کے طوفان میں ہنگامِ سحر
۲۔ جیسے ہو جاتا ہے گم نور کا لے کر آنچل ۔۔۔ چاندنی رات میں مہتاب کا ہم رنگ کنول
۳۔ جلوۂ طور میں جیسے یدِ بیضائے کلیمؑ ۔۔۔ موجۂ نکہتِ گلزار میں غنچے کی شمیم
ہے ترے سیلِ محبت میں یونہی دل میرا

(۲)

۱۔ تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں ۔۔۔ حسن کی برق ہے تو، عشق کا حاصل ہوں میں
۲۔ تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری ۔۔۔ شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفق تو میری
۳۔ مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے ۔۔۔ تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حسن کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

(۳)

۱۔ ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو بادِ بہار — میرے بیتاب تخیل کو دیا تو نے قرار

۲۔ جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں — نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

۳۔ حسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریکِ کمال — تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال

قافلہ ہو گیا آسودۂ منزل میرا

(یہ نظم بظاہر رومانی جذبے کی حامل معلوم ہوتی ہے لیکن علامہ نے اس میں درحقیقت تصوف کے اس نظریے کی تبلیغ کی ہے کہ محبت ہی تخلیقِ عالم کی بنیادی علت اور اصلِ کائنات ہے۔ بعض مغربی ادیبوں کے بقول علامہ نے اس نظم میں محبت کی جو خصوصیات اور مضمرات بیان کی ہیں وہ شیلے اور کیٹس کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں)۔

(۱)

۱۔ جس طرح صبح کے وقت سورج کی روشنی کے طوفان (تیزی) میں چاند کی چاندی جیسی کشتی ڈوب جاتی ہے (چاند کی روشنی نہیں رہتی)؛

۲۔ جس طرح چاندنی رات میں چاند کے سے رنگ والا کنول کا پھول نورا روشنی کا دوپٹا لے کر گم ہو جاتا ہے؛

۳۔ جس طرح طور کے جلوہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا ید بیضا ہو (سفید ہاتھ۔ حضرت موسیٰؑ آستین سے ہاتھ نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا۔ اس معجزے کے حوالے سے بات کی ہے) جس طرح باغ کی پھیلی ہوئی خوشبو کی لہر کلی کی مہک سے ہوتی ہے (پورے باغ میں ایک کلی کی مہک معمولی یا بہت چھوٹی چیز ہے)؛ کچھ اسی طرح تیری محبت کے طوفان میں میرے دل کی کیفیت ہے۔ میرا دل تیری (محبوب یا محبوبِ حقیقی کی) محبت میں پوری طرح ڈوبا ہوا ہے۔

(۲)

۱۔ اے محبوب! اگر تو محفل ہے تو اس محفل کی رونق میں ہوں۔ اگر تو حسن کی بجلی ہے تو میں عشق کا کھلیان ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جب فصل پکنے پر اس کا کھلیان تیار کیا جاتا ہے تو آسمانی بجلی گر کر اسے جلا دیتی ہے۔ اسی حوالے سے یہ استعارہ استعمال کیا ہے۔

۲۔ اگر تو صبح ہے تو میرے آنسو تیری شبنم ہیں۔ اگر میں شامِ غربت ہوں تو تو میری شفق ہے۔

۳۔ میرے دل میں تیری زلفیں بکھری ہوئی ہیں اور تیری تصویر دیکھ دیکھ کر میں حیرانی میں ڈوب ڈوب جاتا ہوں۔ محبوب کے انتہائی حسن کے حوالے سے بات کی ہے۔ اگر تیرا حسن کامل ہے تو میرا عشق بھی کامل ہے۔ محبوب حقیقی مراد ہو تو پھر "اگر" استعمال نہیں ہوگا۔

(۳)

۱۔ میری شاعری کے لیے تو موسم بہار کی ہوا ہے۔ موسم بہار میں پھول بہت کھلتے ہیں۔ گویا محبوب سے محبت کے باعث میری شاعری کے پھول خوب کھلتے ہیں، نئے نئے افکار پیدا ہوتے ہیں۔ میرے بے قرار تخیل کو تیری محبت ہی کے طفیل قرار حاصل ہے۔ میرے خیالات کسی کے ذکر میں ادا کیے جانے کے لیے مضطرب تھے۔ اب جب تو مل گیا ہے تو میرا اضطراب جاتا رہا ہے۔

۲۔ جب سے تیرا عشق میرے سینے/دل میں آباد ہوا ہے (جب سے میں تیرے عشق میں مبتلا ہوا ہوں) میرے آئینے میں نئے جوہر/چمک پیدا ہوئے ہیں۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ میرے خیالات میں بڑی چمک پیدا ہوئی ہے یا میرے خیالات میں عظمت آ گئی ہے۔

۳۔ حسن ہی کی بدولت عشق کی فطرت کمال کے حصول میں آمادہ ہوتی ہے' چنانچہ (اے محبوب!) تجھ ہی سے یا تیرے حسن ہی کے طفیل میری امیدوں کے درخت سرسبز ہوئے ہیں۔ حسن نہ ہو تو عشق کا وجود کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب حسن ہو تو عشق بھی وجود میں آ جاتا اور محبوب تک رسائی کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے لگتا ہے۔ یہ گویا امیدوں کے درخت کا سرسبز ہونا ہے۔ تیرے حسن ہی کی بنا پر میرا قافلہ اپنے مقام پر پہنچنے کے باعث آسودہ و مطمئن ہو گیا ہے۔ تجھ سے عشق کی وجہ سے میری امیدیں پوری ہو گئی ہیں۔

...........کی گود میں بلی دیکھ کر

۱۔ تجھ کو دزدیدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے | رمز آغاز محبت کی سکھا دی کس نے
۲۔ ہر ادا سے تری پیدا ہے محبت کیسی | نیلی آنکھوں سے ٹپکتی ہے ذکاوت کیسی
۳۔ دیکھتی ہے کبھی ان کو، کبھی شرماتی ہے | کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے

۴- آنکھ تیری صفتِ آئینہ حیران ہے کیا
نورِ آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا

۵- مارتی ہے انھیں پونچوں سے، عجب ناز ہے یہ
چھیڑ ہے، غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ؟

۶- شوخ تو ہوگی تو گودی سے اتاریں گے تجھے
گر گیا پھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے

۷- کیا تجسس ہے تجھے، کس کی تمنائی ہے؟
آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے؟

۸- خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں
صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں مکیں

۹- شیشۂ دہر میں مانندِ مئے ناب ہے عشق
روحِ خورشید ہے، خونِ رگِ مہتاب ہے عشق

۱۰- دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
نور یہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

۱۱- کہیں سامانِ مسرت، کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے، کہیں اشک، کہیں شبنم ہے

(اس نظم میں علامہ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے جو نہ صرف ہر ذی روح میں بلکہ کائنات کے ہر ذرے میں پوشیدہ ہے۔ علامہ نے بلی کس کی گود میں دیکھی؟ اس کی تحقیق نہیں ہو سکی، کوئی حسینہ ہی ہو سکتی ہے)۔

۱- اے بلی! تجھے یہ دزدیدہ نگاہی کس نے سکھا دی ہے۔ یہ انداز تو محبت کے آغاز کا انداز ہے، تجھے یہ کس نے سکھا دیا ہے۔ بلی کے ادھر ادھر دیکھنے کو محبت کا انداز قرار دیا ہے۔

۲- تیری ہر ادا (تیرے ہر طور طریقے) سے کیسی محبت ظاہر ہو رہی ہے اور تیری نیلی آنکھوں سے کیسی ذکاوت ٹپک رہی ہے۔ دراصل بلی کے طور طریقوں کے حوالے سے محبت کے انداز کی نشاندہی کی ہے۔

۳- تو کبھی ان کو (جس کی گود میں وہ ہے) دیکھتی ہے اور کبھی شرما شرما جاتی ہے۔ کبھی تو اٹھتی ہے اور کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے۔

۴- تیری آنکھ آئینے کی مانند کیسی حیران ہے اور تیری پہچان (حسن یا شے کو پرکھنے کا مادہ) نورِ آگاہی سے کیسی روشن ہے۔ بہت حیران اور روشن ہے۔ انسان جب آئینے میں چہرہ دیکھتا ہے تو چونکہ آئینہ اسی طرح رہتا ہے اس لیے اسے اس کی حیرانی کہا جاتا ہے۔ بلی کا حسینہ کی گود میں بیٹھنا ایک طرح سے اس کی پہچان کا نورِ آگاہی سے بہت روشن ہوتا ہے۔

۵- تو انہیں (جس کی گود میں ہے) پونچوں (بلی کی اگلی ٹانگوں کے پنجوں سے نیچے کا حصہ) مار رہی ہے یہ تیرا کیسا ناز ہے، حیران کن ہے۔ تیرا یہ انداز تیری چھیڑ کا پتا دیتا ہے یا غصے کا؟ یا تیرے پیار کا انداز ہی کچھ اس قسم کا ہے؟

۶- اگر تو شوخ ہوگی تو وہ تجھے گودی سے اتار دیں گے اور اگر تیری شرارتوں سے ان کے

سینے پر سجا ہوا پھول گر گیا تو وہ تجھے چنیں گے۔

۷۔ تجھے کیا تجسس ہے اور کس بات / شے کی تو تمنائی ہے؟ اچھا! / واہ! کیا تو بھی اسی چیز یعنی حسن کی شیدائی ہے؟

۸۔ (حقیقت یہ ہے کہ) حسن کا احساس یا حسن کی طرف توجہ صرف انسان ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ یہ (حسن) تو دل کی مانند ہر شے کے اندر مکیں ہے۔ دل ہر ذی روح کے سینے میں ہوتا ہے۔ جس طرح دل کے بغیر زندگی نہیں ہے اسی طرح حسن کی طرف توجہ اور اس کا احساس ہر ذی روح سے مخصوص ہے یا کائنات کی ہر شے سے مخصوص ہے۔

۹۔ زمانے کے شیشۂ شراب میں عشق خالص شراب کی مانند ہے۔ عشق سورج کی روح اور چاند کی رگ کا خون ہے۔ زمانے کو شیشہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح روح اور رگوں کے خون کے بغیر زندگی نہیں ہے اسی طرح کائنات کی ہر شے کا وجود عشق ہی کی بدولت ہے۔

۱۰۔ کائنات کے ہر ذرے میں اس کی کسک پوشیدہ ہے اور یہ (عشق) ایک ایسا نور ہے جس کی جھلک کائنات کی ہر شے میں پائی جاتی ہے۔

۱۱۔ یہ (عشق) کہیں تو مسرت کا باعث بنتا ہے اور کہیں غم کا باعث۔ یہ کہیں گوہر ہے تو کہیں آنسو اور کہیں شبنم ہے۔ عشق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مختلف کیفیات کو ان استعاروں میں بیان کیا ہے۔

کلی

(۱)

۱۔ جب دکھاتی ہے سحر عارضِ رنگیں اپنا — کھول دیتی ہے کلی سینۂ زریں اپنا

۲۔ جلوہ آشام ہے یہ صبح کے میخانے میں — زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

۳۔ سامنے مہر کے دل چیر کے رکھ دیتی ہے — کس قدر سینہ شگافی کے مزے چکھتی ہے

(۲)

۱۔ مرے خورشید! کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب — بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بے تاب

۲۔ تیرے جلوہ کا نشیمن ہو مرے سینے میں — عکس آباد ہو تیرا مرے آئینے میں

۳- زندگی ہو ترا نظارہ مرے دل کے لیے　　روشنی ہو تری گہوارہ مرے دل کے لیے
۴- ذرہ ذرہ ہو مرا پھر طرب اندوزِ حیات　　ہو عیاں جوہر اندیشہ میں پھر سوزِ حیات
۵- اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں　　صفتِ غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں
۶- جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کردوں　　دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عریاں کردوں

(علامہ نے فطرت کی تصویر کشی کر کے تمثیل کی صورت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح کلی سورج کی شعاعوں کے عکس سے کھلتی ہے اسی طرح میرے دل کی کلی کا کھلنا اپنے محبوب حقیقی کی نگاہِ کرم پر موقوف ہے)۔

(۱)

۱- جب صبح اپنا رنگین یعنی روشن چہرہ دکھاتی ہے تو کلی اپنا سنہری سینہ کھول دیتی ہے۔ صبح طلوع ہونے پر کلی کھل جاتی ہے۔

۲- یہ (کلی) صبح کے مے خانے میں جلووں کی خواہشمند ہوتی ہے۔ اس کی زندگی سورج کے پیمانے/جام سے ہے۔ پہلے شعر والی بات دوسرے استعارے میں۔

۳- وہ سورج کے سامنے اپنا دل چیر کے رکھ دیتی ہے۔ یعنی کھل جاتی ہے وہ (کلی) سینہ شگافی کے کس قدر مزے لیتی ہے۔ پہلے والی بات ....

(۲)

۱- میرے خورشید! (محبوب حقیقی) تو بھی تو کبھی اپنا نقاب اٹھا دے، سامنے نظر آ جا۔ تیرے نظارے کے لیے میری بے قرار نگاہ تڑپ رہی ہے۔

۲- تیرے جلوے کا ٹھکانا میرے دل میں ہو (میرے دل میں تیرا جلوہ سما جائے) اور میرے آئینے/دل میں تیرا عکس آباد ہو۔ پہلے مصرعے والی بات دوسرے استعارے میں۔

۳- تیرا نظارہ میرے دل کی زندگی کا باعث بنے اور تیری روشنی میرے دل کے لیے ہنڈولا بن جائے۔ تیرے دیدار سے میرے دل کو بہت کچھ حاصل ہو۔

۴- (تیرے دیدار ہی کی بدولت) میرا ذرہ ذرہ حقیقی زندگی کی مسرتیں حاصل کرنے والا بن جائے اور پھر میرے جوہر اندیشہ میں زندگی/حقیقی زندگی کا سوز نمایاں ہو جائے۔ (لغت دیکھیے)۔

۵- میں اپنے خورشید (محبوب حقیقی) کا دور سے نظارہ کروں اور کلی کی مانند نور سے ہم آغوش رہوں۔

۶۔ (تیرے دیدار ہی بدولت) میں اپنی بے قرار جان کی حقیقت بیان کر دوں اور اپنے دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی ظاہر کر دوں۔ اپنی شاعری کے ذریعے تیرے عشق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دلی کیفیت کو دوسروں تک پہنچا دوں۔

چاند اور تارے

(۱)

۱۔ ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے — تارے کہنے لگے قمر سے
۲۔ "نظارے رہے وہی فلک پر — ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
۳۔ کام اپنا ہے صبح و شام چلنا — چلنا، چلنا، مدام چلنا
۴۔ بیتاب ہے اس جہاں کی ہر شے — کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے
۵۔ رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب — تارے، انساں، شجر، حجر سب
۶۔ ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا؟ — منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟"

(۲)

۱۔ کہنے لگا چاند "ہم نشینو! — اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!
۲۔ جنبش سے ہے زندگی جہاں کی — یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
۳۔ ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ — کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
۴۔ اس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے
۵۔ چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں
۶۔ انجام ہے اس خرام کا حسن — آغاز ہے عشق، انتہا حسن"

(علامہ نے اس نظم میں یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ زندگی محض سانس چلتی رہنے کا نام نہیں بلکہ اس سے پیہم عمل اور مسلسل سعی و کوشش مراد ہے۔ جو فرد یا قوم ان دونوں سے بیگانہ ہے وہ زندہ نہیں رہ سکتا)۔

(۱)

۱، ۲۔ صبح کے طلوع ہونے کے ڈر سے تارے چاند سے کہنے لگے کہ آسمان پر تو وہی نظارے (روشنی) رہے جبکہ ہم چمک چمک کر تھک بھی گئے ہیں۔

۳۔ ہمارا کام تو صبح و شام چلتے رہنا ہے، چلنا، چلنا اور مسلسل چلتے رہنا ہے۔ تاروں کی

گردش کے حوالے سے کہا ہے، جس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

۴۔ اس کائنات کی ہر شے بے قرار ہے جس چیز کو سکون کہتے ہیں وہ اس (کائنات) میں نہیں ہے۔ بے قرار مراد حرکت و گردش میں رہنا۔

۵۔ یہاں کی ہر شے / ہر مخلوق سفر / گردش و حرکت کے ستم اٹھاتی رہتی ہے۔ وہ خواہ تارے ہیں یا انسان ہے یا درخت اور پتھر ہیں، سبھی یہ ستم اٹھا رہے ہیں۔

۶۔ کیا کبھی یہ سفر ختم بھی ہوگا یا نہیں؟ کیا کبھی منزل بھی نظر آئے گی یا نہیں؟ یعنی کیا یہ گردش و حرکت کبھی ختم بھی ہوگی یا کائنات کا یہ سلسلہ یونہی رواں دواں رہے گا۔

(۲)

۱۔ (تاروں کے اس سوال کے جواب میں) چاند بولا کہ اے میرے ہم نشینو! اور اے رات کی کھیتی کے خوشہ چینوں (رات کو چمکنے والو)!

۲۔ حرکت و گردش ہی سے اس کائنات کی زندگی ہے اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے بلکہ یہ انداز اور طور طریقہ تو ازل سے چلا آ رہا ہے۔

۳۔ زمانے کا گھوڑا طلب / خواہش کا کوڑا کھا کر ہی دوڑتا ہے۔ گویا اعلیٰ مقصد اور اس کے حصول کے لیے مسلسل جدوعمل میں مصروف رہنا ہی حقیقی زندگی ہے، اس کے بغیر زندگی کی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں ہے۔

۴۔ اس راستے میں ٹھہرنے یا منزل / پڑاؤ کا سوچنا بھی ایک بے موقع بات ہے۔ اس لیے کہ قرار میں موت پوشیدہ ہے۔ جب کوئی انسان اپنی زندگی کو حقیقی اور بامقصد زندگی بنانے کے لیے جدوعمل نہیں کرتا اور جمود کا شکار رہتا ہے یا سکون و قرار ہی کو زندگی سمجھتا ہے وہ درحقیقت ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۵۔ مسلسل جدوعمل کرنے والے آگے بڑھ گئے ہیں، وہ صاحب بقا بن گئے ہیں، اس کے برعکس رکنے والے یعنی سعی و عمل سے بیگانہ انسان کچلے گئے ہیں۔ ان کا وجود بے حقیقت و حیثیت ہو کے رہ گیا ہے۔

۶۔ اس خرام (جدوعمل پیہم) کا انجام حسن ہے۔ اس کا آغاز تو عشق ہے اور انجام حسن ہے۔ گویا مسلسل جدوعمل کا جذبہ عشق کی صورت ہے اور حسن ایسا مقام ہے جہاں سعی و کوشش اور جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔

وصال

(۱)

۱۔ جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبیِ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

۲۔ خود تڑپتا تھا، چمن والوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا میں

۳۔ میرے پہلو میں دلِ مضطر نہ تھا، سیماب تھا
ارتکاب جرم الفت کے لیے بیتاب تھا

۴۔ نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آئنہ دارِ شبِ دیجور تھی

۵۔ از نفس در سینۂ خوں گشتہ نشتر داشتم
زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشر داشتم

(۲)

۱۔ اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گلشن پر گراں میری غزل خوانی نہیں

۲۔ عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

۳۔ غازۂ الفت سے یہ خاکِ سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدمِ دیرینہ ہے

۴۔ قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

۵۔ ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

۶۔ یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا وا سوختی

(علامہ نے یہ نظم ۱۹۰۸ء میں جرمنی کے شہر میونخ (MUNICH) میں کہی تھی جب وہ وہاں فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے گئے ہوئے تھے۔ اس نظم میں انہوں نے عشق کی واردات بیان کرتے ہوئے یہ جتایا ہے کہ دنیا والے جس کو "قید" سے تعبیر کرتے ہیں وہ عاشق کی نگاہ میں آزادی ہے اور جسے لوگ بربادی خیال کرتے ہیں وہ سراسر آبادی ہے)۔

(۱)

۱۔ اے بلبل! جس پھول کی تلاش و جستجو نے مجھے بہت بے قرار کر رکھا تھا آخر میری خوش بختی سے وہ پھول مجھے مل ہی گیا۔ بلبل سے مراد ہمدم اور عشق میں ہم مشرب اور پھول سے مراد محبوب ہے۔ اگلے شعروں میں اس سے پہلے جو کیفیت تھی اس کا ذکر ہے۔

۲۔ میں خود بھی تڑپتا تھا اور چمن والوں کو بھی تڑپاتا تھا اور جب تجھے میں رنگین نوا پاتا تو مجھے شرم آنے لگتی۔ بلبل پھول کی عاشق ہے اور وہ گویا اس عشق کی بدولت رنگین نوا ہے۔ اس حوالے سے یہی مقصود ہو سکتا ہے کہ جب تک مجھ میں عشق کا سچا اور پختہ

جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا میں ایک سچے عاشق کے سامنے خود کو کمتر سمجھتا تھا، اگرچہ میں خود بھی بے قرار رہتا اور اپنے ساتھیوں کو بھی بے قرار رکھتا۔

۳۔ میرے پہلو میں ایک بے قرار اور بے چین دل نہ تھا بلکہ وہ (دل) ایک طرح سے پارہ تھا یعنی وہ پارے کی طرح مسلسل بے قرار رہتا اور عشق کا جرم کرنے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتا۔ عشق حقیقی یا مجازی اختیار کرنے کی خاطر اس میں بے حد بے قراری تھی۔

۴۔ پھولوں یعنی دوستوں کی محفل میں میری ناکامی (وصال یا دیدار سے محرومی) مشہور تھی اور میری صبح گویا تاریک اور لمبی رات کی صورت اختیار کیے ہوئے تھی۔ یعنی میری آرزو پوری ہی نہیں ہو رہی تھی۔

۵۔ میرے زخمی دل پر ہر سانس نشتر کی طرح لگتی تھی، اس حالت میں اگرچہ میں صبر کی بنا پر اف تک نہ کرتا، بالکل خاموش رہتا لیکن دل میں قیامت کا سا ہنگامہ برپا رہتا۔

(۲)

۱۔ اب تاثر کے جہان میں وہ بے قراری و پریشانی نہیں رہی۔ اب اہل گلشن کے لیے میری غزل خوانی ناگوار نہیں ہے۔ یعنی مجھ میں جذبۂ عشق پیدا ہونے اور محبوب کے وصل کی بنا پر میں اپنی شاعری میں جو واردات عشق بیان کرتا ہوں وہ دوستوں یا اہل وطن کو ناگوار نہیں گزرتیں۔

۲۔ عشق کے سوز و گداز کے نتیجے میں میرے چھالے، شعلے بن گئے۔ اب میرے نالے آسمانی بجلیوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ ان میں بجلیوں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ میرا جذبۂ عشق سراپا سوز و گداز ہو گیا ہے۔

۳۔ (اب) غازۂ عشق و الفت کے نتیجے میں میرا جسم (یا میں) مادیت اور کثافت سے پاک ہو گیا ہے اور اب میرے آئینے/دل میں پرانے ہمدم یعنی محبوب کا عکس نظر آنے لگا ہے۔ میرا محبوب میرے دل میں سما گیا ہے۔

۴۔ جب میں قید میں آیا تو مجھے (صحیح معنوں میں) آزادی حاصل ہوئی۔ عشق کی پابندی میں مبتلا ہونے کے باعث میری زندگی ایک صحیح زندگی اور با مقصد زندگی بن گئی۔ گویا میرے دل کے لوٹے جانے کی وجہ سے میرا گھر آباد ہو گیا۔ مطلب یہ کہ عشق کے نتیجے میں میرے ہر قسم کے دنیاوی خیالات ختم ہو گئے اور میرا دل ہر دوسرے تصور و خیال سے خالی ہو گیا۔

۵- اس سورج / محبوب کی روشنی سے میرا ستارہ روشن ہو گیا ہے، یعنی میرے مقدر جاگ اٹھے۔ میرے ستارے کی اس روشنی کے غبارِ راہ سے بھی چاندنی شرمندہ ہے۔ یعنی چاندنی کی بھی اس روشنی کے آگے کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۶- (اے محبوب!) تو نے مجھ پر ایک نگاہ ڈال کر تمام آداب وفا مجھے سکھا دیے، یعنی محبت کے تمام آداب و رسوم سے باخبر کر دیا۔ وہ دن کس قدر مبارک اور خوشگوار تھا جب تو نے میرے جسم کو (محبت کی آگ میں) اس قدر جلا دیا جیسے آگ میں تنکا جل جاتا ہے۔

سلیمیٰ

۱- جس کی نمود دیکھی چشمِ ستارہ بیں نے — خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
۲- صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدہ میں پایا — شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانکپن میں
۳- جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا — شبنم کے موتیوں میں، پھولوں کے پیرہن میں
۴- صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر — ہنگامہ جس کے دم سے کاشانۂ چمن میں
۵- ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا — آنکھوں میں ہے سلیمیٰ! تیری کمال اس کا

(سلیمیٰ بظاہر کسی مفروضہ یا علامہ کی اصلی محبوبہ کا نام ہو سکتا ہے۔ یہ عرب کی مشہور حسینہ سلیمیٰ سے خطاب اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ پانچویں شعر کے دوسرے مصرعے میں اس کی آنکھوں کی کشش کی بات کی ہے۔ بہر حال اس نظم میں انہوں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ محبوبِ حقیقی کا حسن کائنات کی ہر شے میں جلوہ گر ہے اور انسانی جسم میں دلکشی اور حقیقی حسن کے لحاظ سے جو مرتبہ آنکھ کو حاصل ہے وہ کسی اور عضو کو حاصل نہیں)۔

۱- جس ذات (محبوبِ حقیقی) کی نمود ستارہ بیں (نجومی، جوتشی جو ستاروں کی گردش کے حساب سے حقیقتوں کا، جو در حقیقت گمان ہوتی ہیں، پتا چلانے والا) کی آنکھ نے سورج میں، چاند میں اور ستاروں کی محفل میں دیکھی، اسے ان سب میں محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔

۲- (اسی طرح) صوفی نے جسے (محبوبِ حقیقی کو) اپنے دل کے تاریک گھر (مراد دل) میں پایا اور شاعر نے جسے قدرت کے حسن میں دیکھا۔

۳- جس ذات کی چمک اور جس کی خوشبو شبنم کے قطروں اور پھولوں کے لباس میں ظاہر و نمایاں ہے، یعنی ان سب میں اسی کا جلوہ کارفرما ہے۔

۴- جس ذات نے سکوت / خاموشی بن کر صحرا کو آباد کیا ہے (صحرا میں مکمل خاموشی کے

حوالے سے یہ کہا ہے) اور جس ذات کے طفیل چمن کے کاشانہ/محل میں ہنگامہ ہے (چمن میں پرندے چہچہاتے رہتے ہیں، یہ گویا ہنگامہ ہے) گویا یہ خاموشی اور یہ ہنگامہ بھی صاحب بصیرت کے لیے اس کی ذات اور جلوے سے آگاہی کا باعث ہے۔

''سکوت'' اور ''ہنگامہ'' میں صنعتِ تضاد ہے۔

۵۔ یوں تو ہر شے میں اس کا حسن نمایاں ہے لیکن اے سلمیٰ! تیری آنکھوں میں جو دلکشی و جاذبیت اور کشش ہے وہ اس ذات کے حسن کامل کا پتا دیتی ہے۔ محبوب کی انتہائی دلکش اور حسین آنکھوں کو مبالغے کی صورت میں بیان کیا ہے۔ محبوب کی آنکھوں کی دلکشی کے بارے میں ہر شاعر نے اپنے اپنے انداز میں بات کی ہے۔ مثلاً

بقول حافظ شیرازی:

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ میکشد جانا! گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

(اے محبوب! تو اپنی آنکھوں سے پوچھ کہ ہمیں کون مارتا ہے، ہمارا مارا جانا قسمت کا گناہ اور ستارے کا جرم نہیں ہے)۔

بقول کلیم اصفہانی:

در دیارے کہ بود گردش آں چشم کلیم نسبتِ فتنہ بہ بد گردی اختر ندھند

(اے کلیم! جس جگہ اس محبوب کی آنکھیں گردش کرتی ہوں وہاں ستاروں کی بری گردش کے فتنے کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتے۔ یعنی اس کی آنکھیں عاشقوں کو تڑپاتی ہیں)۔

بقول موزوں:

بیجا کنند غمزدگان شکوۂ فلک موزوں چہ فتنہ ہاست کہ در چشم یار نیست

(اے موزوں! غم زدہ لوگ آسمان/مقدر کا بیجا شکوہ کرتے ہیں، حالانکہ کون کون سے فتنے ہیں جو اس محبوب کی آنکھوں میں نہیں ہیں)۔

نشاط اصفہانی:

روشنانِ فلکی را اثرے در ما نیست حذر از گردش چشم سیہے باید کرد

(آسمان کے ستاروں کا ہم میں کوئی اثر نہیں ہے۔ دراصل سیاہ آنکھوں کی گردش سے بچنا چاہیے)۔

کلیم:

کہ دل برجا تواند داشت پیش چشم شہلایش کشد ز آئینہ بیروں عکس را مژگان گیرایش

(محبوب کی گل شہلا جیسی آنکھوں کے سامنے کون اپنا دل قابو میں رکھ سکتا ہے اس لیے کہ اس

کی پکڑ کرنے والی پلکیں تو شیشے سے عکس باہر کھینچ لیتی ہیں)۔

تمام از گردشِ چشمِ تو شد کارِ من اے ساقی — ز دستِ من بگیر ایں جام را کز خویشتن رفتم

(اے ساقی/محبوب! تیری آنکھوں کی گردش سے میرا کام تمام ہو گیا ہے۔ تو میرے ہاتھوں سے یہ جام پکڑ لے کیونکہ میں اپنے آپ میں نہیں رہا)۔

سودا:

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

میر ممنون:

غلط کہ صرف خرابی ہے گردشِ شب و روز — کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے تباہ کیے

بقول نظام:

گردشِ چشمِ یار کے آگے — گردشِ روزگار کیا شے ہے

ناظم رامپوری:

بیخود ہے یہ اس چشم سیہ مست کا مارا — ہر چند قیامت ہوئی برپا، نہیں اٹھا

عاشقِ ہرجائی

(۱)

۱۔ ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبال! تو — رونقِ ہنگامۂ محفل بھی ہے، تنہا بھی ہے

۲۔ تیرے ہنگاموں سے اے دیوانۂ رنگیں نوا! — زینتِ گلشن بھی ہے، آرائشِ صحرا بھی ہے

۳۔ ہم نشیں تاروں کا ہے تو رفعتِ پرواز سے — اے زمیں فرسا قدم تیرا فلک پیما بھی ہے

۴۔ عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز — کچھ ترے مسلک میں رنگِ مشربِ مینا بھی ہے

۵۔ مثلِ بوئے گل لباسِ رنگ سے عریاں ہے تو — ہے تو حکمت آفریں، لیکن تجھے سودا بھی ہے

۶۔ جانبِ منزل رواں بے نقشِ پا مانندِ موج — اور پھر افتادہ مثلِ ساحلِ دریا بھی ہے

۷۔ حسنِ نسوانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے — پھر عجب یہ ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے

۸۔ تیری ہستی کا ہے آئینِ تفنن پر مدار — تو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟

۹۔ ہے حسینوں میں وفا نا آشنا تیرا خطاب — اے تلون کیش! تو مشہور بھی رسوا بھی ہے

۱۰۔ لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیماب تو — تیری بیتابی کے صدقے، ہے عجب بیتاب تو

(اس نظم میں علامہ نے قاری کی توجہ عشق حقیقی کی طرف مبذول کرانے کی خاطر مجازی عشق کے حوالے سے یہ عنوان رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ معشوق کو مٹھی میں بند کر کے اپنے دل میں بٹھالے۔ کچھ یہی کیفیت عشق حقیقی میں ایک سچے صوفی پر گزرتی ہے۔ وہ حسن حقیقی کی مسلسل جستجو سے اپنے محبوب حقیقی کے قریب ہونا چاہتا ہے۔ وہ ہر ہر ذرے وغیرہ میں اسے تلاش کرتا ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اس کا رنگ پیدا کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں حسن حقیقی کی غیر محدود تجلیاں اس کی ذات میں سما جاتی ہیں اور صوفی زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو جاتا ہے: چونکہ صوفی / عاشق کو یہ مقام ہر ذرے اور ہر جگہ محبوب کی تلاش کے بعد حاصل ہوتا ہے اس لیے عاشق کو "ہرجائی" کہا ہے)۔

(۱)

۱- اے اقبال! تو عجیب قسم کا مجموعۂ اضداد ہے کہ ایک طرف تو تو محفل کے لیے بڑی رونق کا باعث ہے اور دوسری طرف تنہا بھی ہے۔ یہ مجموعۂ اضداد کی پہلی صورت ہے۔ گویا جو بھی رونق محفل بنتا ہے وہ ظاہری طور پر تنہا یا اکیلا ہی ہوتا ہے۔

۲- اے رنگین نوا دیوانے (شاعر)! تیرے ہنگاموں سے گلشن کی زینت کا بھی سامان ہے اور صحرا کی آرائش کا بھی۔ بلبل پھول کا عاشق ہونے کے باعث خوب چہچہاتا ہے جو گویا گلشن کی زینت یا رونق کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح شاعر اپنی اعلیٰ شاعری (جو مجازی عشق سے متعلق مضامین کی حامل ہوتی ہے) سے ملک کی زینت بنتا ہے اور وہی عاشق شاعر صحرا کی طرف بھی نکل جاتا ہے جس طرح مجنوں جایا کرتا تھا۔

۳- تو اپنی قوتِ تخیل کی بلند پروازی کے باعث ستاروں کا ہم نشین بھی ہے اور اے زمین پر چلنے والے تیرا قدم فلک پیما بھی ہے۔ تو اعلیٰ مضمون شعروں میں باندھتا ہے۔

۴- (مجموعۂ اضداد کی ایک اور کیفیت) تو ایک تو شراب نوشی میں خوب محو ہوتا ہے اور ساتھ ہی خدا کی بارگاہ میں سجدے بھی کرنے لگتا ہے۔ گویا تیرے مسلک میں مشرب پینا کا بھی انداز ہے۔ صراحی میں شراب پڑی رہتی ہے اور اس کا اوپر کا حصہ ایسا ہوتا ہے جیسے گردن جھکی ہوئی ہو۔ پہلے مصرعے کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔

۵- پھول کی خوشبو کی طرح تو رنگ کے لباس سے عریاں ہے (خوشبو میں رنگ نہیں ہوتا) تو فلسفی بھی ہے اور تجھے جنون بھی ہے، یعنی تو اس محبوب حقیقی کے عشق کے جذبے سے بھی سرشار ہے۔

۶۔ تو موج/لہر کی طرح پاؤں کے نشان کے بغیر منزل کی طرف گامزن بھی ہے اور دریا/سمندر کے ساحل/کنارے کی طرح تو ایک ہی جگہ پڑا ہوا بھی ہے۔ موج چلتی رہتی ہے اگر رک جائے تو اس کا وجود نہیں رہتا، اس کے چلتے وقت کوئی نشان پیچھے نہیں ہوتا، جبکہ ساحل ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا ہے۔ یہ دو کیفیات (چلنا اور پڑے رہنا) تضاد کی علامت ہیں۔

۷۔ ایک طرف تو حسیناؤں کا حسن تیری فطرت وطبیعت کے لیے بجلی کی کیفیت رکھتا ہے یعنی جہاں کہیں تو کوئی حسینہ دیکھ لیتا ہے وہیں تیرا دل بھڑک اٹھتا ہے جبکہ دوسری طرف یہ عجیب بات ہے کہ ان حسیناؤں سے عشق کے معاملے میں تو بے پروا/بے نیاز بھی ہے۔ تو ان سے عشق کے چکر میں نہیں پڑتا۔

۸۔ تیرے وجود کا دارومدار/انحصار آئینِ تفنن پر ہے۔ کیا تو نے کبھی صرف ایک ہی آستانے پر جبیں فرسائی بھی کی ہے؟ یعنی صرف ایک ہی ذات سے محبت میں محو رہا ہے؟

۹۔ حسینوں/حسیناؤں میں تو وفا ناآشنا/بے وفا کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اے ہرجائی انسان! تو اپنے متضاد کردار کے باعث جہاں مشہور بھی ہے وہاں رسوائی بھی تیرا مقدر ہے۔ تو رسوا بھی ہے۔

۱۰۔ تو دنیا میں پارے کی سی عادت لے کر آیا ہے (تجھے ایک جگہ قرار نہیں رہتا، پارہ ہر وقت ہلتا جلتا رہتا ہے یہ گویا بے قراری کی علامت ہے)۔ تیری اس بے قراری و بیتابی کے قربان جاؤں تو تو ایک عجیب طرح کا بے قرار و بیتاب ہے۔ تجھ میں یا تیری فطرت میں تضاد ہے۔ تجھ میں قرار اور بے قراری دونوں ہیں۔

(۴)

۱۔ عشق کی آشفتگی نے کر دیا صحرا جسے — مشتِ خاک ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
۲۔ ہیں ہزاروں اس کے پہلو، رنگ ہر پہلو کا اور — سینے میں ہیرا کوئی ترشا ہوا رکھتا ہوں میں
۳۔ دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیز — کیا خبر تجھ کو، درونِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
۴۔ آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے — مضطرب ہوں، دل سکوں ناآشنا رکھتا ہوں میں
۵۔ گو حسینِ تازہ ہے ہر لحظہ مقصودِ نظر — حسن سے مضبوط پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
۶۔ بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیاز — سوز و سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
۷۔ موجبِ تسکیں تماشائے شرارِ جستہؔ — ہو نہیں سکتا' کہ دل برق آشنا رکھتا ہوں میں

۸۔ ہر تقاضا عشق کی فطرت کا ہو جس سے خموش
آہ! وہ کامل تجلی مدعا رکھتا ہوں میں

۹۔ جستجوئے کل لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
حسن بے پایاں ہے، درد لا دوا رکھتا ہوں میں

۱۰۔ زندگی الفت کی درد انجامیوں سے ہے مری
عشق کو آزاد دستور وفا رکھتا ہوں میں

۱۱۔ سچ اگر پوچھے تو افلاس تخیل ہے وفا
دل میں ہر دم اک نیا محشر بپا رکھتا ہوں میں

۱۲۔ فیض ساقی شبنم آسا، ظرف دل دریا طلب
تشنۂ دائم ہوں، آتش زیر پا رکھتا ہوں میں

۱۳۔ مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں، اپنے مصور سے گلا رکھتا ہوں میں

۱۴۔ محفل ہستی میں جب ایسا تنک جلوہ تھا حسن
پھر تخیل کس لیے لا انتہا رکھتا ہوں میں

۱۵۔ در بیابان طلب پیوستہ می کوشیم ما
موج بحریم و شکست خویش بردوشیم ما

(۲)

۱۔ میرے لباس کے نیچے ایک ایسا جسم پوشیدہ ہے جسے عشق کی آشفتگی نے صحرا کر رکھا ہے۔ یعنی اس میں لامحدود وسعت پیدا ہو چکی ہے۔ یعنی عشق کے انتشار کے باعث میرا دل بہت وسیع ہو گیا ہے۔

۲۔ میرے سینے میں کوئی ترشا ہوا ہیرا ہے جس کے ہزاروں پہلو ہیں اور ہر پہلو کا ایک الگ رنگ ہے۔ دل کو ترشے ہوئے ہیرے سے تشبیہ دی ہے جو کٹ چھٹ کر خوبصورت اور پہلو دار بن جاتا ہے اور اس کا ہر پہلو ایک نیا رنگ ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح شاعر کے دل میں بھی مختلف قسم کی کیفیات ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

۳۔ (حقیقت یہ ہے کہ) شاعر کا دل ایک عام دل نہیں ہے بلکہ کیفیتوں کی ایک قیامت ہے۔ اس کے دل میں نت نئی کیفیتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ تجھے (اے مخاطب/قاری) کیا خبر کہ میرے سینے/دل میں کیا کچھ ہے۔ یعنی وہی مختلف کیفیتوں کی کثرت والی بات۔

۴۔ میری ہر کیفیت میں ایک نئے یا نت نئے جلوے کی آرزو ہے۔ میں بیقرار ہوں یا بے قرار رہتا ہوں اور میرا دل سکون سے نا آشنا ہے۔ یعنی میں اس نت نئے جلوے کی آرزو کے باعث ہر وقت بے قرار رہتا ہوں اور میرے دل کو چین نہیں آتا۔

۵۔ اگرچہ ہر لمحہ ایک نیا حسین میری نظروں کا مقصد ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود حسن سے میرا پیمان وفا بڑا مضبوط ہے۔ کوئی بھی حسین، حسن ہی کی وجہ سے ہے۔ گویا بنیادی خوبی حسن ہے اس لیے شاعر حسن سے وفا کرتا ہے۔ یہاں مراد حسن حقیقی ہو سکتا ہے

جس کا حسن وجلوہ ہر شے میں اور حسینوں میں موجود ہے۔

۶۔ میری بے نیازی سے میری فطرت کا نیاز نمایاں ہے۔ مجھ میں صبا کی طرح جستجو وتلاش کا سوز وگداز ہے۔ صبح کی ہوا چلنے سے پھول کھلتے ہیں۔ وہ بے نیازی سے چلتی ہے اور پھولوں کا اس کے باعث کھلنا اس کے لیے باعث ساز/ فخر ہے۔ شاعر کی بے نیازی عشق حقیقی کی وجہ سے ہو سکتی ہے کیونکہ وہ مادیت پرستی اور زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہے اور یہی بات اس کے لیے باعث افتخار ہے۔

۷۔ اچھلنے والی چنگاری کا نظارہ میرے سکون اور راحت کا باعث نہیں بن سکتا اس لیے کہ میرا دل تو برق آشنا (بجلی سے واقف) ہے۔ یعنی اسے چنگاری (حسن فانی) سے ذرا بھی رغبت ودلچسپی نہیں ہے وہ تو بجلی یعنی حسن مطلق سے شناسائی یا رغبت رکھنے والا ہے۔

۸۔ آہ! مجھے ایک ایسی کامل تجلی (حسن حقیقی کا جلوہ) کی تمنا ہے جس سے عشق کی فطرت کی ہر خواہش خاموش ہو جائے۔ یعنی میں سراپا عشق بن کر اس حسن کامل میں محو رہوں اور مجھ میں اور کوئی خواہش نہ ہو۔

۹۔ مجھے اس کل (خالق کائنات) کی جستجو/ تلاش اجزا میں لیے پھرتی ہے۔ (میں کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا جلوہ دیکھتا اور اس کی ذات میں فنا ہونے کا آرزو مند ہوں) لیکن وہ حسن مطلق بے پایاں ہے، لا انتہا ہے، اس صورت میں میرا یہ درد لا دوا ہے۔ نظم ''پچھا اور شمع'' میں یوں کہا ہے: محفل قدرت ہے اک دریائے بے پایاں حسن

۱۰۔ میری زندگی الفت ومحبت/ عشق حقیقی کی درد انجامیوں کے طفیل ہے، میں نے عشق کو وفا کے دستور سے آزاد رکھا ہوا ہے۔ میں سراپا عشق ہوں اور وفا وغیرہ کی سوچ اور فکر سے آزاد ہوں۔

۱۱۔ اگر تو سچ پوچھے تو ''وفا'' محض ایک افلاس تخیل ہے۔ میری تو یہ حالت ہے کہ میں دل میں ہر لمحہ ایک نیا محشر برپا رکھتا ہوں' عشق کے جذبوں میں نت نیا جوش پیدا کرتا رہتا ہوں۔

۱۲۔ ساقی (حسن کی شراب عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ) کا فیض شبنم کی مانند (تھوڑا یا محدود) ہے جبکہ میرے دل کا ظرف دریا/ سمندر کا طلب گار ہے۔ میں تو ایک مستقل پیاسا ہوں اور میرے پاؤں کے نیچے آگ رہتی ہے۔ یعنی میں اس حسن کامل کو روبرو دیکھنے کے لیے ہر وقت بے قرار رہتا ہوں، اگرچہ اس کا جلوہ کائنات کے ہر ذرے میں ہے۔ ایک جگہ یوں کہا ہے: ۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم   بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

۱۳۔ اس ذاتِ خالق نے مجھے پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کر لیا۔ میں ایک ایسا نقش ہوں جسے اپنے مصور سے گلہ ہے۔ نکتہ چینی / حرف گیری اس لحاظ سے کہ وہ محبوب پردے میں رہتا ہے اپنے عاشق کو اپنے دیدار سے کیوں محروم رکھتا ہے۔

۱۴۔ جب اس محفلِ ہستی / جہان میں حسن یعنی حسن ظاہر اس قدر رنگ جلوہ تھا (اس کا جلوہ صرف چند روزہ تھا) تو پھر میرا تخیل کیوں اس قدر رلا اٹھا ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ میں اس فانی حسن کے بارے میں اپنے اشعار میں کیوں نت نئے مضمون پیدا کرتا رہتا ہوں۔

۱۵۔ ہم جستجو و تلاش کے صحرا میں ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں اور دریا / سمندر کی موج ہیں (ہم موج کی مانند ہیں) جو مسلسل بڑھتی ہے اور ہر بار ساحل سے سر ٹکرا کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی ہر وقت اپنی شکست اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہیں۔

کوششِ ناتمام

۱۔ فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح   چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لیے

۲۔ رہتی ہے قیسِ روز کو لیلیٰ شام کی ہوس   اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لیے

۳۔ کہتا تھا قطبِ آسماں قافلۂ نجوم سے   ہمرہو! میں ترس گیا لطفِ خرام کے لیے

۴۔ سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق   موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لیے

۵۔ حسنِ ازل کہ پردۂ لالہ و گل میں ہے نہاں   کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

۶۔ رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے   زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

(نظم کے عنوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے علامہ نے ناکامی کا کوئی مضمون باندھا ہو گا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسلسل سعی و کوشش اور جدوجہد کو جو ہر وقت جاری رہتی ہے، یہ عنوان دیا ہے۔ ان کے مطابق یہ زندگی مسلسل اور لگاتار کوشش و حرکت کا نام ہے۔ اگر یہ حرکت ختم ہو جائے گی تو سانس چلتی پھرتی لاش رہ جائے گا)۔

۱۔ صبح، سورج کی جدائی میں پیچ و تاب کھا رہی ہے، بیقرار ہو رہی ہے جبکہ شفق کی آنکھ شام کے ستارے کے لیے خون بہا رہی ہے۔ شام کے منظر کی عکاسی ہے۔ سورج غروب ہو رہا ہے یہ گویا صبح یا دن کے لیے اس کی جدائی کا وقت ہے۔ شفق شام کے وقت آسمان پر

پھیلنے والی سرخی ہے۔ یہ گویا شام کو طلوع ہونے والے ستارے یا ستاروں کے لیے اس کا آنکھوں سے خون بہانا ہے۔ اس شعر میں صنعتِ حسن تعلیل ہے۔

۲۔ دن کے مجنوں کو شام کی لیلیٰ کی بڑی خواہش و تمنا رہتی ہے، جبکہ صبح کا ستارہ مسلسل روشن رہنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ لیلیٰ مجنوں کی محبوبہ تھی اور اس کا رنگ گندمی اور سیاہ تھا، چونکہ شام کو تاریکی پھیلنے لگتی ہے اس لیے اسے لیلیٰ سے اور روشن دن کو مجنوں سے تشبیہ دی ہے۔ صبح کا ستارہ بہت جلد غروب ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے تابِ دوام کے لیے مضطرب کہا ہے۔ (صنعت حسن تعلیل)

۳۔ آسمان کا قطب ستاروں کے قافلے سے کہہ رہا تھا کہ اے میرے ہمراہیو! میں لطفِ خرام (گردش کرنے کے لطف) کے لیے ترس گیا ہوں۔ قطب ستارہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا۔ (صنعت حسن تعلیل)

۴۔ سوتوں کو اس بات کا شوق رہتا ہے کہ وہ ندیوں میں شامل ہو جائیں اور ندیاں سمندر میں شامل ہونے کے عشق میں مبتلا رہتی ہیں، جبکہ سمندر کی لہریں ماہ کامل / چودھویں کے لیے تڑپتی اور بے قرار رہتی ہیں۔ (صنعتِ حسن تعلیل) سوتے ندیوں میں اور ندیاں سمندر میں شامل ہو جاتی ہیں۔ چودھویں کے چاند کی وجہ سے سمندر میں مدوجزر / جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے۔ لہروں کے چلتے رہنے کو تڑپ کہا ہے۔ یہ سب قدرت کا نظام ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔

۵۔ حسن ازل (محبوب حقیقی کا حسن / جلوہ جو کائنات کی ہر شے میں ہے) جو لالہ اور گلاب کے پھولوں کے پردے میں پوشیدہ ہے، سنا ہے یا کہتے ہیں کہ وہ اپنے جلوۂ عام کے لیے بے قرار ہے۔ مذکورہ پھولوں میں بھی اس کا جلوہ ہے۔

۶۔ زندگی کا راز تو خضرِ خجستہ گام سے پوچھ لے، اور وہ راز یہ ہے کہ ہر چیز ناکمل کوشش یعنی لگاتار کوشش اور جہد و عمل ہی سے زندہ و پائندہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نے آبِ حیات پیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتے لیکن ہر وقت معروفِ سفر رہتے ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں بھولے بھٹکے انسان کی رہنمائی ان کا کام ہے۔

نوائے غم (غم کا نغمہ)

(۱)

۱- زندگانی ہے مری مثلِ ربابِ خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش

۲- بربطِ کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار

۳- محشرستانِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشِ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

۴- آہ! امیدِ محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

(۲)

۱- مگر آتی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ گردوں سے ہوائے نفسِ حور کبھی

۲- چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے رہا روحِ گرفتارِ حیات

۳- نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اٹھتی ہے

۴- جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

(اس نظم میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ "غم" کو انسان کی زندگی میں "خوشی" سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جو دل درد وغم سے آشنا ہوتا ہے وہی دوسرے انسانوں سے ہمدردی وغم خواری کرتا ہے۔ اگر کسی میں ہمدردی وغم خواری کا یہ جذبہ نہیں ہے تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ یہ جذبہ انسانیت کا معیار ہے۔ ایسے جذبے کا حامل انسان بلند فطرت کا مالک ہوتا ہے۔)

(۱)

۱-۲ میری زندگی ایک خاموش سارنگی کی مانند ہے جس کی گود ہر طرح کے نغموں سے بھری پڑی ہے۔ یعنی مجھ میں نغمگی کی صلاحیت تو ہے (یا مجھ میں مختلف صلاحیتیں ہیں یا بہت سے تخیلات ہیں) لیکن اسے (انہیں) عمل میں نہیں لاتا۔ سارنگی کو جب تک نہ بجایا جائے اس میں سر تال پیدا نہیں ہوتا / ہوتے۔ جس (زندگی) کی خاموشی پر کائنات کا باجا بھی قربان ہے۔

۳- جس کا سکوت (خاموشی) شور وغل کے قیامت خیز ہنگامے کا امین (دیانت دار) ہے اور جس کا سکوت ہنگامے کا احسان اٹھانے والا نہیں ہے۔ وہی بات نئے انداز میں۔

۴- افسوس کہ محبت کی امید کبھی پوری نہ ہوئی اور میرے اس ساز (زندگی) نے کبھی مضراب کی چوٹ نہ کھائی۔ یعنی محبت کی امید پوری ہو جاتی تو میری زندگی کی ساری

اور ہر طرح کی صلاحیتیں ظاہر ہو جاتیں۔

(۴)

۱-۲ لیکن کبھی تو طور سینا کے چمن کی بادِ نسیم آتی ہے اور کبھی آسمان کی طرف سے حور کی سانس کی ہوا/خوشبو آتی ہے۔ یہ (نسیم چمن اور ہوائے نفسِ حور) آہستہ سے میری زندگی کے تارا ساز کو چھیڑ دیتی ہے جس سے زندگی میں گرفتار روح رہا/آزاد ہو جاتی ہے۔ میری روح تعینات کی قید سے باہر ہو جاتی ہے۔

۳۔ یاس کے نغمہ کی لَے سے آواز اٹھتی ہے اور آنسوؤں کے قافلہ کی روانگی کے لیے بانگِ درا بلند ہوتی ہے۔ گویا یاس و نا امیدی غم کا باعث بنتی ہے اور اس حالت میں آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

۴۔ جس طرح چلنے کے ذوق کے باعث شبنم کو بلندی حاصل ہے اسی طرح میری فطرت کی بلندی نوائے غم سے ہے (شروع کا نوٹ ملاحظہ ہو)۔ غم سے متعلق یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں:

غالب:

شادی سے گذر کہ غم نہ ہو وے   اردی جو نہیں تو دے نہیں ہے

شادی: خوشی   اُردی: موسم بہار   دے: خزاں

فانی بدیوانی:

غم بھی گذشتنی ہے خوشی بھی گذشتنی   کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

(گذشتنی: گزرنے والا)

حافظ:

چہ شکر گویمت اے خیل غم عفاک اللہ   کہ روز بیکسی آخر نمی روی ز سرم

داغ:

گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے   اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقانِ عدم نکلے

عشرتِ امروز

۱۔ نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیام عیش و سرور   نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور

۲۔ فراقِ حور میں ہو غم سے ہم کنار نہ تو — پری کو شیشۂ الفاظ میں اتار نہ تو
۳۔ مجھے فریفتۂ ساقیِ جمیل نہ کر — بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سلسبیل نہ کر
۴۔ مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں — شباب کے لیے موزوں ترا پیام نہیں
۵۔ شباب آہ! کہاں تک امیدوار رہے — وہ عیش، عیش نہیں، جس کا انتظار رہے
۶۔ وہ حسن کیا کہ جو محتاجِ چشمِ بینا ہو — نمود کے لیے منت پذیرِ فردا ہو
۷۔ عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا — عقیدہ ''عشرتِ امروز'' ہے جوانی کا

(یہ نظم قوتِ عمل کو حرکت میں لانے کی ایک بالواسطہ تحریک ہے۔ علامہ کے مطابق جوان انسان ''کل'' کی امید پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ''آج'' اپنی قوتِ بازو سے سامانِ عشرت فراہم کرے)۔

۱۔ تو (مخاطب!) مجھ سے یہ بات نہ کہہ کہ موت آئندہ عیش و سرور کا پیام ہے اور نہ تو میرے سامنے شرابِ طہوری کا کوئی نقشہ کھینچ۔ مرنے کے بعد نیک اعمال لوگ جنت میں جائیں گے جہاں حور و غلماں اور شرابِ طہور سے انھیں نوازا جائے گا جس سے گویا عیش و سرور کا سامان ہوگا۔

۲۔ (یہاں دنیا میں) تو حور کے فراق میں غمگین و افسردہ نہ ہو اور پری کو الفاظ کے شیشے میں نہ اتار۔ حور سے وصال مرنے کے بعد ہوگا' لہٰذا تو حور وغیرہ کے زبانی وعدے سے دل کو تسکین دینے کے چکر میں نہ پڑ۔

۳۔ تو مجھے حسین ساقی (جو جنت میں اہلِ جنت کو شرابِ طہور پلائے گا) کا ذکر کر کے یا اس کے حسن و جمال کا نقشہ کھینچ کھینچ کر مجھے اس کا شیدائی بنانے کی کوشش نہ کر اور نہ میرے سامنے حوروں اور سلسبیل ہی کا کوئی تذکرہ کر۔ آخرت میں کیا کچھ نصیب ہوگا اس کا کسی کو علم نہیں اس لیے یونہی ان کے حوالے سے خود کو خوش رکھنا بیکار سی بات ہے۔

۴۔ میں یہ مانتا ہوں (اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں) کہ جنت بلاشبہ ایک امن کا مقام ہے لیکن یہ پیام جو تو دے رہا ہے جوانی کے لیے موزوں/ مناسب نہیں ہے۔ یعنی جوان ''کل'' (یا مستقبل) کے چکر میں نہیں پڑتا وہ تو ''آج'' ہی کو اہمیت دیتا اور اسے سنوارنے میں لگا رہتا ہے۔

۵۔ آہ! شباب کب تک اور کہاں تک کسی شے (حور و شرابِ طہور وغیرہ) کی امید لیے بیٹھا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عیش، عیش نہیں ہو سکتا جس کا انتظار رہے۔ عربی ضرب

المثل ہے: "الانتظار اشد من الموت" (انتظار موت سے بھی زیادہ سخت ہے) لہٰذا جوان کیوں اس عیش کی امید لگائے رکھے۔

۶۔ وہ حسن بھی بھلا کوئی حسن ہے جو دیکھنے والی آنکھ کا محتاج ہو اور اپنے اظہار کے لیے آنے والے کل (قیامت کے بعد) کا احسان مند ہو۔ حسن تو وہ ہے جو آج ہی سامنے ہو۔

۷۔ زندگی کا احساس (زندگی کیونکر اور کس عمدہ ڈھب میں گزاری جائے) بھی بڑی عجیب بات ہے۔ جوانی کا عقیدہ "عشرت امروز" (وہ خوشی و مسرت جو آج میسر آئے اور مستقبل سے بے نیاز ہو) ہے۔ ویسے بھی محض جنت اور حور و طہور کی خاطر عبادت کرنا غیر مخلصانہ بات ہے۔ بقول غالب:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

(۱)

۱۔ انسان کو راز جو بنایا — راز اس کی نگاہ سے چھپایا
۲۔ بیتاب ہے ذوق آگہی کا — کھلتا نہیں بھید زندگی کا
۳۔ حیرت آغاز و انتہا ہے — آئینے کے گھر میں اور کیا ہے؟

(۲)

۱۔ ہے گرم خرام موج دریا — دریا سوئے بحر جادہ پیما
۲۔ بادل کو ہوا اڑا رہی ہے — شانوں پہ اٹھائے لا رہی ہے
۳۔ تارے مست شراب تقدیر — زندان فلک میں پا بہ زنجیر
۴۔ خورشید، وہ عابد سحر خیز — لانے والا پیام "بر خیز"
۵۔ مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر — پیتا ہے مے شفق کا ساغر
۶۔ لذت گیر وجود ہر شے — سر مست مے نمود ہر شے
۷۔ کوئی نہیں غم گسار انساں! — کیا تلخ ہے روزگار انساں!

(اس عنوان سے علامہ نے دو نظمیں کہی ہیں۔ یہ پہلی نظم ہے جس میں انہوں نے یہ نکتہ واضح

کیا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ہر وقت اپنی نمود میں مشغول/ مصروف ہے۔ صرف ایک انسان ہے جو ذاتی نمود کو پس پشت ڈال کر اسرار کائنات کے تفحص میں سرگرداں ہے اور مخلوقات میں کوئی ایک بھی اس کام میں اس کا رفیق کار نہیں)۔

(ا)

۱۔۳ قدرت کا یہ عجیب ستم ہے کہ ایک طرف تو اس نے انسان کی فطرت میں اپنے (قدرت کے) راز اور حقیقتیں تلاش کرنے کا ذوق وشوق پیدا کیا اور دوسری طرف راز کو اس کی نگاہوں سے چھپا دیا؛ جبکہ انسان کا ذوق آگاہی اس راز کو پا لینے کے لیے بے قرار و بے تاب رہتا ہے اور اس پر یہ واضح نہیں ہو رہا کہ زندگی کا بھید کیا ہے۔ اس کے لیے تو زندگی کے آغاز اور انتہا/ اختتام دونوں حیرت و تعجب کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اس کی کیفیت بالکل آئینے کی سی ہے جسے دیکھ کر انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ یعنی کائنات کے مظاہر جو قدرت کے آئینہ دار ہیں انسان کو حیرت میں ڈالے رکھتے ہیں۔ علامہ نے تو زندگی سے متعلق بڑے وسیع معنوں میں بات کی ہے لیکن پنڈت چکبست نرائن نے مختصراً اور ظاہری طور پر زندگی کی حقیقت یوں بیان کی ہے:

زندگی کیا ہے، عناصر کا ظہور ترتیب موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشاں ہونا

(عناصر: عناصر اربعہ، پانی، آگ، ہوا اور مٹی)

(۲)

۱۔ (اب قدرت کے مختلف مظاہر کی عکاسی کی گئی ہے جنہیں دیکھ دیکھ کر ایک صاحب بصیرت حیرانی و تعجب سے دو چار ہوتا ہے)۔ دریا کی موجیں چلنے میں مصروف ہیں جبکہ دریا سمندر کی طرف رواں ہے۔ دریا/ سمندر میں موجوں کا اٹھنا اور دریا کا قدرتی طور پر سمندر کی طرف بڑھنا بڑا حیران کن منظر ہے)۔

۲۔ ہوا بادل/ بادلوں کو اڑا رہی اور اپنے کندھوں پر انہیں اٹھا کر لا رہی ہے۔ خود بادل حیرانی کا باعث ہیں اس پر ہوا کا انہیں مختلف اطراف میں اڑائے پھرنا اور بھی تعجب کا باعث ہے۔

۳۔ ستارے تقدیر کی شراب سے مست اور آسمان کی قید میں پابہ زنجیر (جن کے پاؤں میں بیڑی پڑی ہو) ہیں۔ یعنی وہ گویا آسمان کے قیدی ہیں جو اپنے مقرر راستے سے نہیں ہٹ سکتے۔ ان کی گردش کا راستہ مقرر ہے اور یہ منظر بھی حیرت کا باعث ہے۔

۵۔۴ سورج جو صبح سویرے اٹھنے والا عبادت گزار اور ''برخیز'' کا پیام لانے والا ہے (صبح

طلوع ہوتے ہی انسان بیدار ہو جاتے ہیں)، مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر شفق کی شراب کا جام پیتا ہے۔ سورج شام کو مغرب میں غروب ہو جاتا ہے اور آسمان پر شفق کی سرخی چھا جاتی ہے۔ اس سرخی کو شراب سے تشبیہ دی ہے۔ قدرت کے یہ کیسے مظاہر ہے جنھیں دیکھ کر انسان پر حیرت چھا جاتی ہے۔

۶۔ گویا کائنات کی ہر شے وجود کی لذت سے سرشار ہے اور ہر شے اپنی نمود (اپنے وجود کے اظہار) میں سرمست ہے۔

۷۔ (اس کے برعکس) انسان کا کوئی بھی غم گسار نہیں ہے۔ اس صورت حال میں انسان کی زندگی کیسی اور کتنی تلخ / ناگوار ہے۔ (نوٹ ملاحظہ ہو)

جلوۂ حسن

۱۔ جلوۂ حسن کہ ہے جس سے تمنا بیتاب ۔۔۔ پالتا ہے جسے آغوشِ تخیّل میں شباب
۲۔ ابدی بنتا ہے یہ عالمِ فانی جس سے ۔۔۔ ایک افسانۂ رنگیں ہے جوانی جس سے
۳۔ جو سکھاتا ہے ہمیں سر بہ گریباں ہونا ۔۔۔ منظرِ عالمِ حاضر سے گریزاں ہونا
۴۔ دور ہو جاتی ہے ادراک کی خامی جس سے ۔۔۔ عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے
۵۔ آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں؟ ۔۔۔ خاتمِ دہر میں یا رب وہ نگیں ہے کہ نہیں؟

(اس نظم کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر نوجوان بہتر سے بہتر حسن کو محبت کی آغوش میں لینا چاہتا ہے لیکن جسے وہ انتخاب کرتا ہے حقیقت میں اس سے بھی بہتر حسن کے پائے جانے کا امکان ہے۔ افسوس کہ وہ حسن مطلق جسے ہر حسن پر فوقیت حاصل ہو دنیا میں کہیں نہیں ملتا)۔

۱۔ حسن کا وہ جلوہ (یا ایسے حسن کا جلوہ) جسے دیکھ کر تمنا بے قرار ہو جاتی ہے، جسے جوانی اپنے تخیل کی آغوش میں پالتی ہے، یعنی ایک نوجوان بے حد دل کش حسن کو دیکھنے کے لیے بے قرار رہتا ہے، (یا بے قرار ہو جائے)۔

۲۔ ایسا حسن جس سے یہ فانی دنیا ابدی بن جاتی ہے، جس سے جوانی ایک دل کش داستان بن جاتی ہے، ایسے حسن کو دیکھنے سے نوجوان کو اپنی جوانی بڑی دل کش نظر آنے لگتی ہے!

۳۔ ایسا حسین جو ہمیں سوچنے اور تصور و خیال میں محو رکھتا ہے اور موجودہ دنیا کے منظر سے ہمیں دور رکھتا ہے (ہمیں دور رکھے)۔ ہماری تمام تر توجہ صرف اس حسن کی طرف ہو!

۴۔ جس سے فہم و شعور کی خامی دور ہو جاتی ہے یا ہو جاتی ہو، یعنی جس سے جوان کے فہم و شعور میں صحیح صلاحیت پیدا ہو اور جس سے عقل تاثر کی غلامی کرتی ہے یعنی عقل بھی جذبۂ عشق سے سرشار ہونے لگتی ہے:

۵۔ افسوس کہ معلوم نہیں ایسا عظیم حسن یا حسنِ مطلق اس دنیا میں کہیں پایا بھی جاتا ہے یا نہیں؟ یارب! کیا دنیا کی انگوٹھی میں ایسا کوئی نگینہ ہے بھی یا نہیں؟ یعنی ایسا حسنِ مطلق دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

ایک شام

(دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر)

۱۔ خاموش ہے چاندنی قمر کی — شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
۲۔ وادی کے نوا فروش خاموش — کہسار کے سبز پوش خاموش
۳۔ فطرت بیہوش ہو گئی ہے — آغوش میں شب کے سو گئی ہے
۴۔ کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے — نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
۵۔ تاروں کا خموش کارواں ہے — یہ قافلہ بے درا رواں ہے
۶۔ خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا — قدرت ہے مراقبے میں گویا
۷۔ اے دل! تو بھی خموش ہو جا — آغوش میں غم کو لے کے سو جا

(علامہ نے یہ نظم ۱۹۰۷ء میں کہی تھی جب وہ جرمنی کے شہر میونخ سے ہائیڈل برگ گئے تھے تاکہ وہ (پی ایچ ڈی کے سلسلے میں) وہاں کی یونیورسٹی لائبریری سے مزید استفادہ کر سکیں۔ یہ شہر دریائے نیکر کے بائیں کنارے آباد ہے۔ ایک دن علامہ اس دریا کے کنارے گئے اور وہاں ان پر جو کیفیت طاری ہوئی یہ نظم اس کی عکاس ہے۔ مغربی ادب کے علما کا خیال ہے کہ اس نظم میں انگریزی شاعر ورڈز ورتھ کے تخیل کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس وقت مذکورہ لائبریری میں پانچ لاکھ کتب موجود تھیں)۔

۱۔ شام کا وقت ہے اور منظر کچھ اس قسم کا ہے کہ چاند کی چاندنی خاموش ہے اور ہر درخت کی شاخیں خاموش ہیں۔ شام کی وجہ سے ہر طرف سکوت و خاموشی چھائی ہوئی ہے۔

۲۔ اس وادی کے چہچہانے والے پرندے خاموش ہیں اور پہاڑ / پہاڑوں کے درخت اور پودے بھی خاموش ہیں۔ ہر طرف سکوت ہی سکوت ہے۔

۳- یوں لگتا ہے جیسے فطرت / قدرت بیہوش ہو کر رات کی آغوش میں سو گئی ہے۔ خاموشی و سکوت کو قدرت کی بے ہوشی اور سو جانے سے تعبیر کیا ہے۔

۴- سکوت کا کچھ ایسا جادو جاری ہے کہ دریائے نیکر کا چلنا / روانی بھی سکون و سکوت کی صورت میں ہے۔

۵- ستاروں کا قافلہ خاموشی میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ قافلہ کوچ کی گھنٹی کے بغیر ہی چل رہا ہے۔ ستاروں کی گردش کے حوالے سے یہ کہا ہے جس میں معمولی سی بھی آواز نہیں ہوتی۔

۶- سب پہاڑ اور دشت و دریا / سمندر خاموش ہیں۔ اس منظر سے یوں لگتا ہے جیسے قدرت مراقبے میں مستغرق ہو۔

۷- (اس صورت حال میں) اے دل تو بھی خاموش ہو جا اور غم کو گود میں لے کر سو جا۔ قدرت کے ان مناظر پر توجہ کر اور ہر طرح کے غم سے خود کو آزاد و بے نیاز کر لے۔

تنہائی

۱- تنہائی شب میں ہے حزیں کیا؟ انجم نہیں تیرے ہم نشیں کیا؟
۲- یہ رفعتِ آسمانِ خاموش خوابیدہ زمیں، جہانِ خاموش
۳- یہ چاند، یہ دشت و در، یہ کہسار فطرت ہے تمام نسترن زار
۴- موتی خوش رنگ پیارے پیارے یعنی، ترے آنسوؤں کے تارے
۵- کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل! قدرت تری ہم نفس ہے اے دل!

(اس نظم میں علامہ نے غیر شعوری طور پر اس آیت کے مفہوم کی ترجمانی کی ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ کی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ "یونس" آیت نمبر ۶)۔

۱- تو (یعنی دلِ شاعر) رات کی تنہائی میں غمگین و آزردہ کیوں ہے، کیا ستارے تیرے ساتھی نہیں ہیں؟ یعنی تو ان پر توجہ دے، غور و فکر کر قدرت کے اس حسین منظر پر۔

پروین شاکر نے شب تنہائی سے متعلق یوں کہا ہے:۔

تجھ پہ گذرے نہ قیامت شب تنہائی کی تیرا پہلو تیرے دل کی طرح آباد رہے

۲- (ذرا یہ منظر دیکھ کہ کس طرح) آسمان کی بلندی خاموشی میں ڈوبی ہوئی ہے اور زمین سوئی ہوئی ہے جبکہ جہان خاموش ہے۔ ان مناظر کو دیکھ کر ان سب میں اس ذات کا

جلوہ نمایاں ہے۔

۳۔ یہ دیکھ کہ یہ چاند، یہ جنگل اور بیابان بھی قدرت کے نسترن زار بنے ہوئے ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے اور چاند کی چاندنی کے باعث دنیا پر اسی طرح سفیدی / روشنی چھائی ہوئی ہے جیسے سیوتی کے پھولوں کا تختہ ہو۔

۴۔ (اے دل) تو ذرا اپنے ان بڑے پیارے اور شاندار موتیوں یعنی اپنے آنسوؤں کے تاروں کو دیکھ (آنسوؤں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے)۔

۵۔ اس صورت حال میں اے دل! تجھے مزید کس چیز کی ہوس ہے۔ تجھے جذبۂ عشق سے قدرت نے سرشار کر رکھا ہے۔ ذرا دیکھ کہ قدرت تیری ساتھی ہے۔ رات کی تنہائی کو محسوس کر کے غمگین نہ ہو بلکہ قدرت کے ان مناظر کو دیکھ کر اس محبوبِ حقیقی کے جلوہ کا نظارہ کر۔

پیامِ عشق

۱۔ سن اے طلبگار درد پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومنات دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہو جا

۲۔ نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

۳۔ غرض ہے پیکار زندگی سے کمال پائے ہلال تیرا
جہاں کا فرض قدیم ہے تو، ادا مثال نماز ہو جا

۴۔ نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

۵۔ گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے صحرانوردیوں کا
جہاں میں مانند شمع سوزاں میان محفل گداز ہو جا

۶۔ وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہو جا

۷۔ یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہو جا

(اس نظم میں اہل وطن سے خطاب ہے جس میں واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کا ہندوؤں سے نباہ ممکن نہیں، اس لیے انہیں "بتوں سے دامن بچا کر" اور ہند کے فرقہ پرستوں کی بت تراشی سے گریز کر کے عشق رسول اکرمؐ کے جذبے سے سرشاری کی ضرورت ہے)۔

۱۔ (عشق کہہ رہا ہے کہ) اے عشق یا جذبۂ عشق کے آرزومند! میں (عشق) ناز ہوں تو نیاز (عاجزی کرنے والا، عاشق) ہو جا / بن جا۔ میں سومنات دل کا غزنوی ہوں تو پورے طور پر ایاز ہو جا۔ محمود غزنوی کے غلام (جس سے غزنوی کو بہت محبت تھی) کی طرح تو میرا پوری طرح مطیع ہو جا اور میرے کہنے پر چل۔

۲- زمین پر یا دنیا میں شانِ سکندری سے انسان کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کمال کا یا اس کے حصول کا تمام سامان تیرے دل میں ہے لہٰذا تو بھی آئینہ ساز ہو جا۔ یعنی تیرے دل میں محبت و ہمدردی کا جذبہ پوری طرح سمایا ہوا ہے۔ اس جذبے کو عمل میں لا اور صاحبِ کمال بن جا۔

۳- زندگی کی پکار/ جنگ یعنی جدوجہد سے یہ مقصود ہے کہ تیرا ہلال پورا چاند بن جائے۔ یعنی تیری نامکمل/ ناقص شخصیت صاحبِ کمال بن جائے۔ تو دنیا کا فرضِ قدیم (یعنی ذمہ دار) ہے اس لیے نماز کی طرح ادا ہو جا۔ جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح اشرفِ مخلوقات ہونے کے ناطے، تیرے لیے ضروری ہے کہ تو جدوجہد سے کمال حاصل کرے۔

۴- اے گلچیں! تو قناعت شعار نہ بن۔ تیری عظمت و شان اسی عمل سے قائم ہے کہ اگر چمن میں پھولوں کی کثرت ہے تو تو چند پھولوں پر قناعت کرنے کی بجائے اپنی جھولی پھیلا لے اور زیادہ سے زیادہ پھول حاصل کر لے۔ یعنی مسلسل جدوجہد میں مصروف رہ کر زیادہ سے زیادہ عظمت و کمال حاصل کر۔

۵- وہ دور ختم ہو گیا اور وہ دن گئے جب عاشق صحرا نوردی میں مگن رہتا تھا/ یعنی آدمی جدوعمل سے بیگانہ رہتا تھا۔ لہٰذا تو (مخاطب، عاشق!) محفل میں جلتی ہوئی شمع/ موم بتی کی طرح گداز ہو جا۔ جس طرح محفل میں جلتی ہوئی شمع سے روشنی پھیلتی ہے اسی طرح تو بھی اپنے سچے جذبوں اور عمل سے ملت کی عظمت کا باعث بن۔

۶- افراد کا وجود بے حقیقت ہے جبکہ قوم/ ملت کا وجود سراسر حقیقت ہے لہٰذا تو ملت پر قربان ہو جا اور مجاز کے جادو کو آگ لگا کر ختم کر دے۔ یعنی تیرے پیشِ نظر ذاتی مفادات کی بجائے ملت کے مفادات ہونے چاہئیں اور انہی کے حصول کے لیے تجھے تگ و دو کرنی چاہیے۔

۷- اے اقبال! یہ ہند کے فرقہ پرست (ہندو) گویا آزری کر رہے ہیں۔ تو اپنا دامن بتوں سے بچا کر راہِ حجاز کا غبار بن جا۔ یعنی تو ان فرقہ پرست ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے اپنا دامن بچا اور عشقِ رسولِ اکرمؐ کے جذبے سے سرشار ہو جا۔

فراق

(۱)

۱- تلاشِ گوشۂ عزلت میں پھر رہا ہوں میں یہاں پہاڑ کے دامن میں آ چھپا ہوں میں

۲۔ شگفتہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال ۔۔۔ دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال
۳۔ ہے تختِ لعل شفق پر جلوسِ اخترِ شام ۔۔۔ بہشتِ دیدۂ بینا ہے حسنِ منظرِ شام
۴۔ سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے ۔۔۔ کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے

(۲)

۱۔ یہ کیفیت ہے مری جانِ ناشکیبا کی ۔۔۔ مری مثال ہے طفلِ صغیرِ تنہا کی
۲۔ اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرود آغاز ۔۔۔ صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیر کی آواز
۳۔ یونہی میں دل کو پیامِ شکیب دیتا ہوں ۔۔۔ شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

(اس نظم میں ایک عاشق صادق پر شب ہجر میں جو کیفیات گزرتی ہیں ان کی تصور کشی کی گئی ہے۔ "طفلک صغیر" کی مثال سے انہوں نے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے جسے اردو کے مشہور شاعر مومن خان مومن دہلوی نے اس شعر میں بیان کیا ہے:۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ۔۔۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(۱)

۱۔ میں (کہ ایک عاشق ہوں) گوشۂ تنہائی کی تلاش میں پھر رہا ہوں، چنانچہ اسی تلاش کے نتیجے میں میں یہاں پہاڑ کے دامن میں آ چھپا ہوں۔ پہاڑ سے ملی ہوئی زمین ایک طرح سے تنہائی کا اچھا گوشہ ہے۔

۲۔ چشموں کے شگفتہ گیت میں کمال کی / بہت دلبری و دلکشی ہے' بالکل اسی طرح جس طرح کسی طفلک گفتار آزما کی دعا اس کے پاس بیٹھے ہوؤں کے دل موہ لیتی ہے۔

۳۔ شفق کے تختِ لعل پر شام کا ستارہ تشریف رکھے ہوئے ہے۔ (یعنی شام کا ستارہ طلوع ہو رہا ہے اور شام کا منظر کچھ ایسا حسین و دلکش ہے کہ دیکھنے والی آنکھ کے لیے گویا بہشت ہے۔ صاحبانِ بصیرت کے لیے یہ حسین منظر بہشت کے منظر جیسا ہے)۔

۴۔ ہجر و فراق کی شام کا سکوت میرے لیے ایک ایسا بہانہ بنا کہ کسی (یعنی محبوب) کی یاد نے مجھے نغمہ الاپنا سکھا دیا۔ میں اپنے محبوب کی یاد میں گیت گا گا کر اپنے دل کو بہلاتا ہوں۔

(۲)

۱۔ میری بیقرار جان کی حالت و کیفیت ایک ننھے منے بچے کی سی ہے جو تنہا بیٹھا ہو۔ اس بچے پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ کبھی وہ رونے لگتا ہے اور کبھی خود ہی خاموش ہو جاتا یا مسکرانے لگتا ہے۔ اگلے شعر میں "طفل صغیر تنہا" کی حالت کی وضاحت ہے۔

۲۔ وہ (ننھا بچہ) اندھیری رات میں گیت کا آغاز کرتا ہے یعنی اپنی پیاری زبان سے بولنے لگتا ہے اور اپنی آواز کو اپنی آواز سمجھنے کی بجائے کسی دوسرے کی آواز/ بولنا سمجھتا ہے۔

۳۔ میں بھی اس ننھے بچے کی طرح اپنے دل کو صبر و قرار کا پیام دیتا ہوں۔ یعنی اپنے دل کو اس حالت فراق میں صبر و قرار میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور یوں گویا شب فراق کو فریب دیتا ہوں۔ گویا عاشق اور شب ہجر میں صبر و قرار سے رہے؟ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا دل کو مذکورہ پیام دینا شب فراق کو فریب دینے کی مانند ہے۔

عبدالقادر کے نام

۱۔ اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں

۲۔ ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں

۳۔ اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق
سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں

۴۔ جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر ان کو
تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کر دیں

۵۔ اس چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر
قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں

۶۔ رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اٹھا لیں اپنا
سب کو محوِ رخِ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں

۷۔ دیکھ! یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں

۸۔ بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز
جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں

۹۔ گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ
چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں

۱۰۔ شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

۱۱۔ "ہر چہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع"

(یہ نظم علامہ نے ۱۹۰۸ء میں سر شیخ عبدالقادر کے نام گویا ایک منظوم خط کی صورت میں لکھی تھی۔ شیخ مرحوم کے بارے میں لغت ملاحظہ ہو۔ اس نظم میں علامہ نے شیخ مرحوم کو اپنے ان ارادوں سے آگاہ کیا جو مستقبل کے لیے ان کے ذہن میں تھے اور جنہیں وہ اپنے آخری وقت تک جامۂ عمل پہناتے رہے۔ یہی وہ مختصر خاکہ ہے جس کی تفصیل "خضر راہ" اور "طلوع اسلام" نظموں میں نظر آتی ہے)۔

۱۔ (اے عبدالقادر!) اٹھیے کہ مشرقی افق پر تاریکی ظاہر ہو رہی ہے۔ اس صورت حال میں محفل میں ہم اپنی شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں۔ (لغت دیکھیے)

۲۔ اپنی / ہماری حیثیت ہرل کے دانے کی طرح ایک فریاد ہے۔ یعنی ہم اس صورت حال کے خلاف آواز ہی بلند کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ آواز بلند کر کے محفل کو تہ و بالا کر دیں' یعنی مسلمانانِ برصغیر میں انقلاب برپا کر دیں تاکہ وہ متحد ہو کر ان مخالف و ناگوار حالات کا سخت مقابلہ کریں۔

۳۔ ہم اہلِ محفل (ملتِ اسلامیہ، مسلمانوں) کو دکھا دیں کہ صیقلِ عشق میں کس قدر تاثیر ہے۔ اس طرح آج کے پتھر کو آنے والے کل (مستقبل) کا آئینہ بنا دیں۔ ملت میں عشقِ رسولِ اکرمؐ کا جذبہ پیدا کر کے اس کے دل کو جو آج گویا پتھر ہے روشن کر دیں اور یوں وہ اپنا مستقبل سنوارنے میں لگ جائے۔

۴۔ مسلمانوں کو یوسفِ گم گشتہ کا جلوہ دکھا کر زلیخا کی رگوں کے خون سے بھی زیادہ بے قرار اور مضطرب کر دیں۔ انھیں اپنے عظیم اسلاف کے عظیم کارناموں سے آگاہ کر کے عظیم کارنامے انجام دینے پر آمادہ کر دیں۔

۵۔ اس چمن یعنی برصغیر کو جدوجہد سے اپنے عظیم مقاصد حاصل کرنے کا درس دے کر حقیر شبنم کے قطرے کو دریا / سمندر بنا دیں۔ یہاں کے مسلمانوں کو جو حقیر و پست زندگی گزار رہے ہیں جہد و عمل پر آمادہ کر کے ان کی عظمت کا سامان کر دیں۔

۶۔ ہم اپنی جان / روح کا سامان چین کے بت خانے سے اٹھا لیں اور سب (مسلمانوں) کو سعدی و سلمٰی کے چہرے میں مست و محو کر دیں۔ یعنی اپنے دل و جان کو چینی تہذیب و تمدن وغیرہ (لغت دیکھیے) سے آزاد کر کے ان میں عربی / اسلامی تہذیب و تمدن کی صفات پیدا کر دیں۔

۷۔ آپ (عبدالقادر!) اب یہ دیکھیے کہ مدینہ منورہ میں ناقۂ لیلیٰ بیکار ہو گئی ہے۔ اب ہم مجنوں کو نئی آرزو و خواہش سے آشنا کر دیں (لغت دیکھیے)۔ گویا خدا اور رسولِ اکرمؐ کے عاشقوں میں عظمت و بقا اور عظیم مستقبل کی تمنا و خواہش پیدا کر دیں۔ ان میں مذکورہ رجحانات پیدا کر دیں۔

۸۔ شراب پرانی ہو اور ایسی گرم ہو کر شیشہ، دیمانہ اور صراحی کو پگھلا کر رکھ دے۔ ''بادہ دیرینہ ہو'' استعارہ ہے اسلامی تعلیمات اور اسلاف کے کارناموں کا۔ مسلمانوں کے دل پوری طرح ان سے سرشار اور روبہ عمل ہو جائیں۔

۹۔ جو داغ (عشقِ رسولِ اکرمؐ) ہمیں سردیِ مغرب میں بھی گرم رکھتا تھا، اسے (داغ

کو) چیر کر ہم وقف تماشا کر دیں۔ (لغت دیکھیے)

۱۰۔ ہم (مسلمان) دنیا کی محفل میں شمع کی سی روشن زندگی بسر کریں اور خود جل کر غیروں (دوسری قوموں) کی آنکھوں کو دیکھنے والی بنا دیں۔ ہم اتحاد اور مسلسل جہد و عمل سے پہلے کی سی عظیم قوم بن جائیں جو دوسری قوموں کے لیے باعثِ رشک بن جائے۔

۱۱۔ شمع کے دل میں جو بات آتی ہے وہ اسے صاف صاف کہہ ڈالتی ہے۔ گویا جلنا کوئی ایسا خیال نہیں ہے جسے شمع دل میں چھپائے رکھے اسے تو جلنا ہے لہٰذا وہ اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے اور اس کے ظاہر اور باطن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم عاشقانِ رسول اکرم کو بھی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ (یہ شعر میرزا عبد القادر بیدل کا ہے)۔

صقلیہ
(جزیرہ سسلی)

(۱)

۱۔ رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

۲۔ تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

۳۔ زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

۴۔ اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور

۵۔ مردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیرِ توہم سے ہوا

۶۔ غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

(۲)

۱۔ آہ! اے سسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو

۲۔ زیب تیرے خال سے رخسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے

۳۔ ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

۴۔ تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حسنِ عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا

(۳)

۱۔ نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

۲- آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی — ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی
۳- غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا — چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا

(۴)

۱- ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں؟ — تیرے ساحل کی خموشی میں ہے انداز بیاں
۲- درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں — جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں
۳- رنگ تصویر کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے — قصۂ ایام سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے
۴- میں ترا تحفہ سوئے ہندوستاں لے جاؤں گا — خود یہاں روتا ہوں اوروں کو وہاں رلواؤں گا

(یہ نظم علامہ نے ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپسی کے بعد کہی اور اگست ۱۹۰۸ء کے رسالہ مخزن میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یورپ کے قیام کا ان کی شاعری پر کیا اثر پڑا تھا)۔

۱- اے میری خالص خون کے آنسو بہانے والی آنکھو! تم اب خوب رو لو، وہ دیکھو سامنے تہذیب حجازی کا مزار نظر آ رہا ہے۔ یعنی صقلیہ کبھی اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم کا ایک بڑا مرکز تھا جو بدقسمتی سے اب نہیں رہا۔

۲- کبھی اس شہر میں ان عربوں کا ہنگامہ رہتا تھا (ان کی وجہ سے یہاں بڑی رونق تھی)، جن کی کشتیوں کے لیے سمندر محض کھیل کا ایک میدان تھا۔ وہ کشتیوں میں آتے جاتے اور سمندر کے ہر طرح کے خطروں سے بے خوف رہتے۔

۳- جن (عربوں) کی قوت و عظمت کے خوف سے بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور جن کی تلواروں میں بجلی کی سی چمک تھی۔ بڑی تیز دھار تلواریں ہوتی تھیں جو بڑے بڑے دشمنوں کی گردنیں کاٹ کے رکھ دیتی تھیں۔

۴- جن کا وجود ایک نئی تہذیب و ثقافت یعنی اسلام کا پیغام تھا اور جن کی بیقرار تلوار نے اسلام سے پہلے کے دور جاہلیت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

۵- جن کے ولولہ انگیز نعروں اور بے حد خود اعتمادی کے رجز نے مردہ اور بے حس، ولولوں اور جذبوں سے عاری قوم کو زندہ کر دیا۔ لوگوں میں جذبے پیدا کر دیئے اور انسان توہم پرستی کی زنجیر سے آزاد ہو گیا۔

۶- کیا وہ تکبیر (اللہ اکبر، اذان) جس کی گونج سے کان ابھی تک لذت اٹھا رہے ہیں اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی ہے؟ اب یہاں اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے؟

(۲)

۱۔ آہ! اے سسلی! سمندر کی آبرو تجھ ہی سے ہے اور پانی کے اس صحرا (سمندر) میں تیرا وجود ایک رہنما کے وجود کی مانند ہے۔ سمندر کے پانی کو وسعت اور فراخی کی بنا پر صحرا سے تشبیہ دی ہے۔ نیز اس میں رہنمائی کی ضرورت ہونے کی وجہ سے بھی اسے صحرا کہا ہے کیونکہ صحراؤں میں رہنما درکار ہوتا ہے۔

۲۔ تیرے خال سے سمندر کے چہرے کو زیب و آرائش رہے (چہرہ خوبصورت رہے) اور تیری شمعوں سے سمندری سفر کرنے والوں کو تسلی رہے۔ جزیرہ سسلی گویا جو سمندر کے کنارے واقع ہے' سمندر کی زینت کا باعث ہے اور رات کو وہاں شمعوں/بجلیوں کی روشنی سمندری مسافروں کے لیے سکون کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ تیرا منظر مسافر/مسافروں کی آنکھوں کے لیے ہمیشہ دل کشی کا باعث رہے اور تیرے کنارے/ساحل کی چٹانوں پر لہریں ہمیشہ رقص کرتی رہیں۔ یعنی اللہ کرے کہ یہ منظر ہمیشہ برقرار رہیں۔

۴۔ تو (اے سسلی/صقلیہ!) بھی اس قوم (عربوں) کی تہذیب کا گہوارہ تھا جس کا حسن عالم سوز بھی نظروں کو چکا چوند کر دیا کرتا تھا۔

(۳)

۱۔ بغداد پر جو گذری' یعنی اس کے زوال پر سعدی جیسے عظیم شاعر نے مرثیہ کہا اور اپنے درد و غم کا اظہار کیا۔ مرثیہ کا پہلا شعر:۔

آسماں راحق بود گر خون ببارد بر زمین بر زوال ملک مستعصم امیرالمومنین

ادھر برصغیر میں دہلی یعنی مغلیہ حکومت کے زوال پر (جسے خبیث انگریزوں نے ختم کیا) داغ دہلوی نے خون کے آنسو بہائے۔ اس زوال پر دلی رنج و غم کے ساتھ بعنوان ''شہر آشوب'' مرثیہ کہا۔

دو شعر:۔

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی
جواب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلی مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی

۲۔ جب آسمان نے غرناطہ کی سلطنت تباہ کی تو ابن بدروں کے غمگین دل نے مرثیے کی صورت میں فریاد کی۔ (لغت دیکھیے)

۳۔ اب اس غم نصیب اقبال کو تیرا ماتم بخشا گیا ہے۔ گویا تقدیر نے اس سلسلے میں وہ دل چن لیا جو تیرا واقف حال تھا۔ علامہ نے صقلیہ پر یہ جو نظم کہی ہے اس کا آخری بند ایک طرح سے ان کا اظہار غم ہے۔

(۴)

۱۔ اے صقلیہ! تیرے آثار میں کس کی داستان پوشیدہ ہے؟ تیرے ساحل کی خاموشی ہی گویا یہ داستان بیان کر رہی ہے۔ تیرے ساحل ہی سے یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ کبھی یہاں مسلمانوں کی عظیم حکومت تھی۔

۲۔ تو مجھ سے اپنا دکھڑا بیان کر، اس لیے کہ میں بھی (یہاں کی یا تیری موجودہ صورت حال دیکھ کر) سراپا درد بن گیا ہوں۔ مجھے تیرے زوال پر بے حد غم ہے۔ جس قافلے کی تو منزل تھا میں اس قافلے کی گرد ہوں۔ یعنی میں انہی بزرگوں اعظیم شخصیتوں کا نام لیوا اور صدق دل سے ان کی عظمت کا قائل ہوں جو تیرے فتح کرنے والے قافلے میں شریک تھے۔

۳۔ تو مجھے پرانی تصویر میں رنگ بھر کے دکھلا دے اور اسلاف (عرب فاتحین و حکمران) کے دور کا قصہ سنا کر مجھے تڑپا دے۔ اس دور کے عظیم حالات اور پھر زوال کے حالات سے آگاہ کر دے۔ اس زوال کے حالات کا جو مجھ پر صدمہ گزرے گا اس سے میں تڑپ اٹھوں گا۔

۴۔ میں تیرا تحفہ ہندوستان لے جاؤں گا۔ آج یہاں تیرے کنارے کھڑے ہو کر تیرے زوال پر غم کے آنسو بہا رہا ہوں تو کل واپس وطن پہنچ کر تیری موجودہ حالت سے دوسروں (مسلمانوں) کو آگاہ کر کے ان پر بھی یہی کیفیت طاری کروں گا۔ وہ بھی خوب روئیں گے اور ماتم کریں گے۔ پردیس سے آدمی کوئی نہ کوئی تحفہ وطن لے کر جاتا ہے۔ گویا صقلیہ کی موجودہ صورت حال جو انتہائی افسوسناک اور دردناک ہے دوسروں سے بیان کرنا ایک تحفہ ہوگا۔

غزلیات

(۱)

۱۔ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں — دم ہوا کی موج ہے رم کے سوا کچھ بھی نہیں

۲۔ گل، تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو، مگر
شمع بولی، گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

۳۔ رازِ ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

۴۔ زائرانِ کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں؟

(۱)

۱۔ انسان کی زندگی ایک سانس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ عارضی و فانی ہے اور یہ دم یعنی سانس ایک طرح سے ہوا کی لہر ہے اور چلنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہوا چلتی رہے تو ہوا ہے' اچانک بند ہو جائے تو اس کا گویا وجود ختم ہو گیا۔ یہی حالت انسان کے سانس کی ہے۔ آ رہا ہے تو انسان زندہ ہے ورنہ کوئی پتا نہیں کس وقت اچانک بند ہو جائے اور انسان دوسری دنیا کو سدھار جائے۔

۲۔ پھول کہہ رہا تھا کہ زندگی مسکرانے کا نام ہے۔ پھول کا کھلنا گویا اس کا مسکرانا ہے۔ مرجھا گیا تو اس کا وجود ختم ہو گیا۔ (اس کے برعکس) شمع بولی کہ زندگی تو گریۂ غم کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ شمع / موم بتی جلتی ہے تو اس کے قطرے نیچے گرنے لگتے ہیں جنہیں گریۂ غم سے تشبیہ دی ہے۔ شمع بجھ گئی تو اس کی اہمیت ختم ہو گئی۔ گویا ہر شے کی زندگی کا انداز الگ لیکن عارضی و فانی ہے۔

۳۔ زندگی کا راز اسی وقت تک راز رہتا ہے جب تک کوئی راز داں نہ ہو اور جب یہ راز ظاہر ہو گیا تو وہ راز داں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ زندگی کی حقیقت کیا ہے یا حقیقی زندگی کیا ہے' جب کوئی اس حقیقت کو پا لیتا ہے تو وہ خود زندگی بن جاتا ہے۔ جہد و عمل مسلسل سے وہ اپنی بقا کا سامان کر لیتا ہے۔

۴۔ اے اقبال! کعبہ کی زیارت کرنے والوں (حاجیوں) سے کوئی یہ تو پوچھے کہ کیا حرم کا تحفہ آبِ زمزم کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے؟ اکثر حاجی واپسی پر کعبہ سے آبِ زم زم سے بھری ہوئی شیشیاں بطور تحفہ لا کر اپنے عزیزوں دوستوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ علامہ کا مطلب یہ ہے کہ حج کا جو عظیم مقصد ہے (یعنی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق) یہ حاجی حضرات اس مقصد کو پورا کیوں نہیں کرتے' بس آبِ زمزم کے تحفے ہی کو وہ سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ حج کے اصل مقصد سے بہت دور ہے۔

(۲)

۱۔ ابھی اعتبار محبت پہ کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے
اسے ہے سودائے بخیہ کاری مجھے سرِ پیرہن نہیں ہے

۲- ملا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے روز ازل فرشتے — مثال شمع مزار ہے تو، تری کوئی انجمن نہیں ہے
۳- یہاں کہاں ہم نفس میسر، یہ دیس ناآشنا ہے اے دل! — وہ چیز تو مانگتا ہے مجھ سے کہ زیر چرخ کہن نہیں ہے
۴- نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا — بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے
۵- کہاں کا آنا، کہاں کا جانا، فریب ہے امتیاز عقبیٰ — نمود ہر شے میں ہے ہماری، کہیں ہمارا وطن نہیں ہے
۶- مدیر مخزن سے کوئی اقبال جا کے میرا پیام کہہ دے — جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، انہیں مذاق سخن نہیں ہے

(۲)

۱- یا الٰہی! مبارک قدموں والی عقل کو ذرا سی عشق کی مستی و محویت بھی سکھا دے، اسے تو بس بخیہ کاری کا جنون ہے، جبکہ مجھے لباس ہی کی فکر و پروا نہیں ہے۔ یعنی میں دنیاوی معاملات ہی میں کھوئے رہنے کو اچھا نہیں سمجھتا، حقیقی زندگی عشق حقیقی ہی میں مست و محو رہتا ہے۔ لہٰذا یا الٰہی! عقل کو بھی اس جذبے سے سرشار کر دے۔

۲- روز ازل جب مجھے عشق و محبت کے سوز و گداز سے نوازا گیا تو فرشتے بولے کہ تو مزار کی شمع کی مانند ہے۔ تیری کوئی محفل نہیں ہے۔ مزار پر شمع کا جلنا گویا اس کا تنہائی میں جلنا ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ عشق حقیقی کے سوز و گداز سے انسان کا صرف اپنا سینہ/ دل ہی روشن ہوتا ہے اور اگر "مجھ کو" سے مراد خود علامہ ہیں تو مطلب ہو گا کہ تیری قوم تیرے اس جذبے اور سوز و گداز سے استفادہ نہیں کر رہی۔

۳- اے دل! یہاں کوئی ساتھی کہاں میسر ہے (میسر نہیں ہے) جبکہ تو مجھ سے اس چیز کا تقاضا کر رہا ہے جو اس آسمان کے نیچے (دنیا میں) کہیں بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آج کہیں بھی کوئی مخلص اور سچا دوست اور رفیق نظر نہیں آ رہا۔ اکثر شعرا نے اپنے اپنے انداز میں یہ مضمون باندھا ہے۔ مثلاً سعدی:

وفا خود نبود در عالم — یا مگر کس در ایں زمانہ نکرد
کس نیاموخت علم تیر از من — کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

غالب:

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب — بدی کی اس نے جس سے کی تھی ہم نے بارہا نیکی

حفیظ جالندھری:

دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف — اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی
جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں — جب بولنے لگے تو ہمیں پہ برس پڑے

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

۴- عرب کے معمار (حضور اکرمؐ) نے ہماری ملت کے قلعہ (امت) کو سارے جہاں سے نرالا بنایا، اس لیے کہ اس کی بنیاد وطن کا اتحاد نہیں ہے۔ (لغت دیکھیے)

۵- کہاں کا آنا اور کہاں کا جانا، امتیاز حقیقی تو محض فریب ہے، اس لیے کہ ہماری نمود تو ہر شے میں ہے اور ہمارا (خاص) وطن نہیں ہے۔ یعنی اس دنیا کو آخرت یا روز حساب سے الگ کرنا اور یہ کہنا کہ ہمارا اصلی وطن آخرت ہے سراسر ایک غلط فہمی ہے۔ یہ فرق محض اعتباری فرق ہے، ورنہ جہاں سے ہم آئے ہیں وہ بھی اور جہاں جائیں گے وہ بھی ہمارے وطن ہیں اور ہر جگہ ہماری ہے کیونکہ ہم اشرف المخلوقات ہیں۔

۶- اے اقبال! میری طرف سے کوئی مدیر "مخزن" کو یہ پیغام دے کہ جو قومیں کام کر رہی ہیں، اپنے جہد وعمل سے کارنامے انجام دے رہی ہیں انہیں شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بعد میں علامہ نے شاعری ترک کرنا چاہی لیکن شیخ عبدالقادر کے کہنے پر پھر شروع کر دی تھی۔

(۳)

۱- زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرف آرزو کا

۲- جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ بولا صدف نشیں ہے مجھ سے سامان آبرو کا

۳- نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

۴- کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی! تیرا جہان کیا ہے! نگار خانہ ہے آرزو کا

۵- کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خاکی غبار تھا کوئے آرزو کا

۶- اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں؟
نگہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

۷- چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا اتنا بیدرد کیوں ہے انساں؟
تری نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سبو کا

۸- ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

۹- تمام مضموں مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

۱۰- سپاس شرط ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا ہے وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

۱۱- کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چھیڑے
یقیں ہے مجھ کو گرے رگ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

۱۲- گیا ہے تقلید کا زمانہ، مجاز رخت سفر اٹھائے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا؟

۱۳- جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثال گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا

(۳)

۱۔ وہ وقت آنے والا ہے جب زمانہ دیکھے گا کہ میرے دل سے اشعار (یا میری شاعری) قیامت کے ہنگامے کی طرح اٹھیں گے اور ہلچل مچا دیں گے۔ میں جو آج خاموش ہوں تو یہ میری خاموشی نہیں ہے' یہ میری آرزو کے الفاظ کا مزار ہے۔ قیامت کے روز مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اس حوالے سے یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وقت آنے والا ہے جب میری یہ آرزو کہ میں اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو جذبوں اور ولولوں سے سرشار کر دوں، عملی صورت اختیار کرے گی۔ واقعی علامہ کے بعد کی شاعری ایسی ہی ہے۔

۲۔ جب دریا یا سمندر کی لہر یہ کہنے لگی کہ سفر (چلتے رہنے) ہی سے میری شان قائم رہتی ہے تو اس پر موتی بولا کہ صدف نشینی ہی میں میری آبرو ہے۔ لہر اٹھتی چلتی ہی رہے تو وہ لہر ہے ورنہ اس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح موتی جو شروع میں پانی کا قطرہ ہوتا ہے سیپی ہی میں کچھ عرصہ رہے تو اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ جن کی طبیعت ہی میں سنورنے اور کچھ بننے کی اہلیت نہ ہو، ان کی کیسی بھی تربیت کیوں نہ کی جائے وہ بالکل ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ اس کی مثال ندی کے کنارے پر اگے ہوئے سرو کے عکس کی سی ہے جو ہر وقت پانی میں پڑنے کے باوجود سرسبز نہیں ہوتا۔

۴۔ مجھے تو ایسا کوئی دل نظر نہیں آیا جس میں کوئی نہ کوئی تمنا و آرزو نہ موجود ہو۔ (ہر انسان کی کوئی نہ کوئی آرزو ضرور ہوتی ہے)۔ یا الٰہی! تیرا یہ جہان تو ایک طرح سے آرزو کا نگارخانہ ہے۔ پہلے مصرعے والی بات۔

۵۔ مرنے کے بعد ہم پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ اپنی / ہماری زندگی سراسر حرص و ہوس کا جادو تھی۔ جسے ہم اپنا مٹی سے تشکیل شدہ جسم سمجھتے تھے وہ تو درحقیقت آرزو کے کوچے کا غبار تھا۔ گویا حرص و ہوس ہی کے باعث انسان کے دل میں نت نئی خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔

۶۔ اگر کوئی شے (وجود) چھپی ہوئی نہیں ہے تو پھر میں مکمل طور پر تلاش کیوں بنا ہوا ہوں؟ میری نگاہ کو نظارے / دیکھنے کی تمنا ہے جبکہ میرے دل کو تلاش و جستجو کا جنون ہے۔ کوئی شے سے مراد ذات حق ہی ہو سکتی ہے جو خود تو پردے میں یا عرش پر ہے اور اس کا جلوہ ہر شے میں نمایاں ہے۔ شاعر کی نگاہیں اس ذات کو دیکھنے کی ہر وقت آرزومند رہتی ہیں۔

۷۔ باغ میں غنچہ پھول توڑنے / چننے والے سے یہ کہہ رہا تھا کہ انسان آخر اتنا سنگدل

کیوں ہے؟ تیری نگاہوں میں میرے پیالے کا ٹوٹنا گویا میرا مسکرانا ہے۔ کلی کے کھلنے اور پھول بننے کو سبو کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی ہے۔ پھول کھلتا ہے تو لوگ اسے توڑ لیتے ہیں۔ پھول کے کھلنے کو تبسم سے تشبیہ دی ہے۔

۸- وجودِ کائنات کے باغ کے ذرے ذرے سے محبت کا جلوہ نمایاں ہے، اگر تو پھول کی حقیقت کو سمجھ لے تو تجھ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ بھی رنگ اور خوشبو کا باہم ملنے کا قول وقرار ہے۔ یعنی دنیا کی ہر شے میں کسی نہ کسی صورت میں محبت کا جذبہ ہے۔ محبوبِ حقیقی کو جب اپنی ذات سے محبت ہوئی تو اس نے خود کو دیکھنے کے لیے یہ کائنات پیدا کر دی۔

۹- میں اپنے اشعار میں جو مضمون باندھتا یا لاتا ہوں وہ سب پرانے ہوتے ہیں اور میری شاعری پورے طور پر غلطیوں کی حامل ہے۔ اس صورت میں بھی' کہ جب میں خود اس کا اعتراف کرتا ہوں' اگر کوئی میرے کلام میں فنی خوبیاں تلاش کرتا ہے جو نہیں ہیں تو یہ دراصل خامیاں تلاش کرنے والے کا عیب ہے۔

۱۰- اے خالق! شکر گزاری ادب واحترام کی شرط ہے (ادب اجازت نہیں دیتا کہ تیری شکایت کی جائے ورنہ تیرا کرم تو ستم سے بھی بڑھ کر ہے' (زیادہ تکلیف دہ یا اذیت ناک ہے) اس لیے کہ تو نے ایک ذرا سا دل دیا ہے وہ بھی آرزو کے فریب کا مارا ہوا ہے۔ دل میں نت نئی خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اسی حوالے سے یہ کہا ہے۔

۱۱- کمالِ وحدت کچھ اس حد تک ظاہر اور واضح ہے کہ اگر تو رگِ گل پر نشتر چلائے تو مجھے پورا پورا یقین ہے کہ اس سے انسان کے خون کا قطرہ گرے گا۔ اس استعارے سے فلسفۂ وحدت الوجود کی عکاسی کی ہے۔

۱۲- اب تقلید کا دور گزر چکا ہے، لہٰذا مجاز (حقیقت کو سمجھانے کے لیے استعاروں اور کنایوں میں بات کرنا) اب اپنا سامانِ سفر اٹھالے۔ یہ انداز اب ختم ہونا چاہیے۔ جب حقیقت واضح اور ظاہر ہو چکی ہے تو پھر کس میں یہ طاقت ہے کہ وہ گفتگو کرے، مجاز کا انداز اختیار کرے؟

۱۳- اے اقبال! میں اگر اپنے گھر (وطن) سے دور ہوں تو میری اس دوری کی وجہ سے میرے عزیز واقارب غمگین وافسردہ نہ ہوں اس لیے کہ وطن سے میری یہ دوری/ فرقت موتی کی طرح میری آرزو کا حاصل ہوتا ہے۔ موتی کو جب سیپی سے نکالا جاتا ہے تو اس کی قدر وقیمت بڑھ جاتی ہے۔

نے اس استعارے سے یورپ میں جا کر پی ایچ ڈی کرنے کی اپنی آرزو پوری ہونے کی بات کی ہے کہ اس سے ان کی عزت وقدر میں اضافہ ہوگا۔

(۴)

۱- چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں

۲- بلندی آسمانوں میں، زمینوں میں تیری پستی
روانی بحر میں، افتادگی تیری کنارے میں

۳- شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

۴- جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں، ستارے میں

۵- مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

۶- نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
وہ سوداگر ہوں، میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں

۷- سکوں نا آشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یارب چھپ کے آ بیٹھی ہے پارے میں

۸- صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

۱- تیری (محبوب حقیقی کی) چمک آسمانی بجلی میں، آگ اور چنگاری میں ظاہر ونمایاں ہے، اسی طرح تیری جھلک (روشنی کا پرتو، چمک دمک) چاند، سورج اور ستاروں میں ظاہر ہے۔ محبوب حقیقی کا جلوہ کائنات کی ہر شے میں نمایاں ہے (اسے دیکھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے)۔ یہ مضمون اکثر شعرا کے یہاں مختلف انداز میں نظر آتا ہے۔ مثلاً سعدی نے سورۂ یونس، آیت ۶ کے ایک حصے کا یوں ترجمہ کیا ہے:۔

برگ درختان سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(سبز درختوں کا ہر پتا اس خالق کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے)

بوعلی قلندر:۔

گر چشم دل کشادہ شود اے شرف ترا
ہر ذرۂ جہاں شود آئینہ دار دوست

(اے شرف! اگر تیرے دل کی آنکھ کھل جائے تو تو دیکھے گا کہ کائنات کا ہر ذرہ اس محبوب کا آئینہ دار ہے)۔

فیضی:۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
"وحدہٗ لاشریک لہٗ" گوید

(زمین سے جو بھی گھاس وغیرہ اگتی ہے وہ کہتی ہے کہ اللہ واحد ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں ہے)۔

فغانی:۔

مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست
اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

(یہ بات کہ ہر ذرہ وہی ذات ہے ایک مشکل بات ہے لیکن اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا)۔

جامی:۔

بے نشان است کز و نام ونشاں چیزے نیست　　　　بہ خدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

(وہ ذات ایک ایسی بے نشان ہے جس سے اکا نام ونشان کوئی چیز نہیں ہے، خدا کی قسم دونوں جہانوں میں خدا کے سوا کچھ بھی نہیں ہے)۔

احمد ندیم قاسمی:۔

جس راز سے انسان کو کئی فلسفے سوجھے　　　　دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

۲۔ آسمانوں میں جو بلندی ہے وہ تیری ہی بلندی ہے اور زمین/زمینوں میں موجود پستی کا بھی تجھ ہی سے تعلق ہے۔ سمندر کی روانی اور ساحل کی افتادگی میں بھی تو ہی سمایا ہوا ہے۔

۳۔ شریعت بھلا ذوق تکلم کی کیونکر گریباں گیر ہو سکتی ہے، اس لیے کہ میں تو اپنے دل کی بات استعارے میں چھپا جاتا ہوں۔

۴۔ جو انسان میں پورے شعور اور احساس کے ساتھ نمایاں ہے وہ درخت میں، پھول میں، حیوان میں، پتھر میں اور ستارے میں گہری نیند سوتا ہے۔ چونکہ ان چیزوں یا کائنات کی تمام مخلوق میں انسان کی سی حس نہیں ہے اس لیے ایسا کہا ہے۔ پہلے شعر والی بات دوسرے استعارے میں۔

۵۔ مجھے محبت کے آنسو کے سوز تپش نے پھونک ڈالا ہے۔ دیکھنے میں یہ پانی کا ایک چھوٹا سا شرارہ تھا لیکن اس میں غضب کی آگ تھی۔ محبت میں جن اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کی بات کی ہے۔

۶۔ مجھے آخرت کے ثواب کے سودے کی کوئی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں ایسا سوداگر ہوں جس نے نقصان ہی میں اپنا نفع دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ میری عبادت ثواب کی خاطر نہیں ہے۔ میں اس سے بے نیاز ہو کر عبادت کرتا ہوں۔ علامہ ہی کے بقول:۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے　　　　اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

غالب:۔

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ　　　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

فانی:۔

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ　　　　اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

۷۔ پارے کے لیے سکون سے بے خبر رہنا ہی اس کی زندگی/وجود ہے۔ یا الٰہی! یہ کس دل کی تڑپ اس میں چھپ کے آ بیٹھی ہے۔ گویا پارے کی تڑپ کسی عشق کے مارے ہوئے دل کی تڑپ کی مانند ہے۔

۸۔ اے اقبال! میں "لن ترانی" کی آواز سن کر چپ ہو گیا ہوں۔ میں کہ اس محبوب کی فرقت کا مارا ہوا ہوں، مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں حضرت موسیٰ کی طرح اس کے حضور جلوہ دکھانے کا بار بار تقاضا کروں۔

(۵)

۱۔ یوں تو اے بزم جہاں! دلکش تھے ہنگامے ترے — اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی
۲۔ پا گئی آسودگی کوئے محبت میں وہ خاک — مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی
۳۔ کس قدر اے مے! تجھے رسم حجاب آئی پسند — پردۂ انگور سے نکلی تو میناؤں میں تھی
۴۔ حسن کی تاثیر پہ غالب نہ آ سکتا تھا علم — اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں تھی
۵۔ میں نے اے اقبال! یورپ میں اسے ڈھونڈا عبث — بات جو ہندوستاں کے ماہ سیماؤں میں تھی

۱۔ اے دنیا کی محفل! اگرچہ تیری رونق اور چہل پہل میں بڑی دلکشی تھی لیکن تیرے نظاروں میں کسی قدر افسردگی تھی۔ یہی مطلب ہے کہ یہ دنیا غموں اور دکھوں کا گھر ہے، اگرچہ بظاہر اس کی رونقوں میں بڑی دلکشی ہے۔ بقول غالب:

غم اگرچہ جاں گسل ہے، پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غم عشق اگر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا

تاج الدین باخرزی:

جز غم عاشقی و تنہائی — صد ہزاراں غم دگر دارم

(عاشقی و تنہائی کے غم کے علاوہ میں اور بھی ہزاروں/لاکھوں غموں کا مارا ہوا ہوں)۔

داغ:

گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے — اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقانِ عدم نکلے

۲۔ وہ انسان جو کبھی حکمت و فلسفہ کے صحراؤں میں مدتوں آوارہ رہا، محبت کے کوچے میں پہنچ کر آسودگی پا گیا۔ ممکن ہے علامہ نے اپنے حوالے سے یہ کہا ہو کیونکہ وہ ایک مدت تک حکمت و فلسفہ ہی کے مطالعہ میں مگن رہے جس سے کچھ حاصل نہ ہوا، جذبہ عشق یا عشق حقیقی پیدا ہونے سے ان میں ایک انقلاب آ گیا جو ان کے سکون کا باعث بنا۔

۳۔ اے شراب! تجھے پردے/حجاب کی رسم/طور طریقہ کس قدر پسند آئی/آیا ہے کہ تو

ادھر انگور کے پردے سے نکلی ادھر تو میناؤں / صراحیوں (کے پردے) میں آ گئی۔
شعر واضح ہے۔ شراب انگور سے حاصل کی جاتی ہے اور پھر صراحی میں رکھی جاتی ہے۔
ان دونوں حالتوں کو پردہ کے استعارہ میں بیان کیا ہے۔

۴۔ حسن میں جو تاثیر و دلکشی ہے علم اس پر غالب نہ آ سکتا تھا' اس پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ دنیا بھر کے داناؤں / عقل مندوں کا یہ سمجھنا کہ وہ علم کے زور پر حسن کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں' ان کی لاعلمی اور نا سمجھی کی بات تھی۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ علم یا فلسفہ اس محبوب حقیقی کے حسن و جلوہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ (واللہ اعلم......)

۵۔ اے اقبال! میں نے جو بات یا دلکشی برصغیر کے ماہ سیماؤں میں دیکھی وہ مجھے یورپ (یورپ کے ماہ سیماؤں) میں بہت تلاش کے باوجود نظر نہیں آئی۔ یورپ کی حسیناؤں میں شرم و حیا کا تصور نہیں ہے' ورنہ یہ شرم و حیا اور ناز و ادا ہی کسی حسینہ کی دل کشی کا باعث بنتی ہے۔ بقول نظیری:۔

ز پائے تا بہ سرش ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(میں محبوب کے پاؤں سے سر تک جہاں بھی دیکھتا ہوں' اس کا ناز و ادا میرا دل کھینچتا ہے کہ ادھر ٹھکانا یا جگہ ہے)۔

کلیم اصفہانی:۔

ہر سر موے ترا جلوۂ ناز دگر است   نگہے سوے خود انداز کہ دیدن داری

(تیرے ہر ہر بال / عضو پر ایک نیا ہی جلوۂ ناز ہے۔ تو ذرا خود پر نگاہ ڈال کہ تو دیکھنے کے لائق ہے)۔

میر تقی میر:۔

جس جا کہ سراپا پہ نظر جائے ہے اس کے   آتا ہے یہی جی میں کہ یاں عمر بسر ہو

(یہ نظیری کے شعر کا ترجمہ ہے)۔

طالب آملی:۔

باصد کرشمہ آں بت مست می رود   خود می کند خرام و خود از دست می رود

(وہ بتِ مست صد ناز و ادا کے ساتھ چل رہا ہے۔ خود ہی وہ ٹہل رہا ہے اور خود ہی ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے)۔

(۶)

۱۔ مثال پرتو مے، طوف جام کرتے ہیں   یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

۲- خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیمؑ! تری
شجر، حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

۳- نیا جہاں کوئی اے شمع! ڈھونڈیے کہ یہاں
ستم کش تپشِ ناتمام کرتے ہیں

۴- بھلی ہے ہم نفسو! اس چمن میں خاموشی
کہ خوشنواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

۵- غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

۶- بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ!
کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

۷- الٰہی! سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

۸- میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

۹- ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو!
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

۱۰- جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبالؔ
بلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

۱- ہم شراب کے عکس کی طرح جام کے گرد گھومتے ہیں اور صبح و شام یہی نماز ادا کرتے ہیں۔ شراب کا عکس جام میں پڑتا رہتا ہے۔ اگر استعارے میں بات ہوئی ہے تو "مے" سے مراد معرفتِ حق اور "جام" سے مراد حق ہے جیسا کہ صوفیہ کے ہاں مستعمل ہے۔ گویا ہم (شاعر) صبح و شام اپنی توجہ اس محبوبِ حقیقی کی طرف مبذول کرتے رہتے ہیں۔

۲- اے کلیم اللہ! (حضرت موسیٰ) آپ کا خدا سے (طور پر) کلام کرنا صرف آپ ہی کی خصوصیت نہیں ہے اس لیے کہ درخت اور پتھر تک بھی اللہ سے کلام کرتے ہیں۔ اللہ کی ہر مخلوق کسی نہ کسی صورت میں اپنے خالق سے ہم کلام رہتی ہے۔

۳- اے شمع! کوئی نیا جہان تلاش کرنا چاہیے اس لیے کہ یہاں نامکمل تپش سے تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہاں ایسی کوششیں کی جاتی ہیں جن کا کوئی نتیجہ ہی برآمد نہیں ہوتا اور یوں کوشش کرنے والا اذیت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴- اے ساتھیو! اس باغ میں خاموش رہنے ہی میں بھلائی / بہتری ہے کیونکہ یہاں جو بھی خوشنوا (سریلی آواز والا پرندہ) ہوتا ہے، اسے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔ مراد یہ کہ ہمارے یہاں حق گوئی اور سچی بات کرنے والے کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

۵- شراب نوشی سے جن کی غرض و خواہش محض عیش و نشاط ہے وہ گویا حلال شے کو حرام کرتے ہیں۔ غالباً علامہ نے غالب کے اس شعر کے حوالے سے شراب کو حلال کیا ہے:

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

بعض دوسرے شعرا نے بھی کچھ اسی قسم کی بات کی ہے۔

سرخوش:۔

مے برائے لذت مستی نمی خوریم ... از بادہ شست شوے درون از ریا کنیم

(ہم شراب مستی کی لذت کی خاطر نہیں پیتے ہم تو شراب سے اپنے باطن کی ریا کو دھوتے ہیں)

خیام:۔

مے خوردن من نہ از برائے طرب است ... نے بہر فساد و ترک دین و ادب است

خواہم کہ بہ بیخودی بر آرم نفسے ... مے خوردن و مست بودنم زیں سبب است

(میں کسی نشاط اور طرب کی خاطر شراب نہیں پیتا، نہ میرا مقصد اس سے کوئی فساد پھیلانا یا دین وادب کو ترک کرنا ہے۔ میں تو بادہ نوشی سے صرف کچھ دیر کے لیے بیخود رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میری شراب نوشی اور میرے مست ہونے کا یہی باعث ہے۔

حافظ شیرازی:۔

شراب تلخ می خواہم کہ مرد افگن بود زورش ... کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

(میں تو ایسی تیز شراب چاہتا ہوں جس میں اتنی تیزی ہو کہ وہ دلیروں کو بھی گرا دے تاکہ میں اس دنیا اور اس کے شور وشر سے کچھ دیر کے لیے بچا رہوں)۔

فیضی:۔

غرض از ہر دو کون بے خبری است ... بادہ خوردن بہانہ افتاد است

(میرا مقصد دونوں جہانوں سے بے خبری ہے اس کے لیے بادہ نوشی بہانہ بن گیا ہے)۔

بقول شاعر:۔

مے نہ از برائے طرب نوش می کنیم ... خود را بہ ایں بہانہ فراموش می کنیم

(ہم کسی عیش وطرب کی خاطر شراب نہیں پیتے ہم تو اس بہانے خود کو بھول جاتے ہیں)۔

۶۔ اے واعظ! (فرقہ پرست ملا) تیرا اور ہمارا نبھاؤ کیونکر ہو سکتا ہے اس لیے کہ تو ملت میں اپنی فرقہ پرستی سے فساد پھیلاتا ہے جبکہ ہم محبت اور انسان دوستی کی رسم عام کرتے ہیں۔ علامہ ہی کے بقول:۔

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

۷۔ یا الٰہی! ان خرقہ پوش پیروں اور درویشوں میں کیا جادو ہے کہ وہ اپنی ایک ہی نظر سے جوانوں کو اپنا مطیع بنا لیتے ہیں۔ پیر بوڑھے کو بھی کہتے ہیں اور درویش کو بھی۔

۸۔ میں ایسے لوگوں کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں جو گھر کی دولت کو لٹا کر دنیا میں

اپنا نام پیدا کرتے ہیں۔ یعنی جو کوئی خاص کارنامے انجام دینے کی بجائے اپنی دولت کے بل بوتے پر ظاہری شہرت حاصل کرتے ہیں۔

۹۔ اے مازنی کے وطن کے میدانو! خدا تمہیں سرسبز و شاداب رکھے ہم جہاز میں ادھر سے گزرتے ہوئے تمہیں سلام کرتے ہیں (تمہاری عزت کرتے ہیں)۔

۱۰۔ اے اقبال! جب کوئی بے نماز، نماز پڑھنے لگتے ہیں تو وہ مجھے دیر سے بلا کر اپنا امام بناتے ہیں۔ دیر کے مجازی معنی شراب خانے کے بھی ہیں۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ علامہ نے اس حوالے سے اپنے باقاعدہ بانماز نہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

مارچ ۱۹۰۷ء

(۷)

۱۔ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

۲۔ گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

۳۔ کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا خارزار ہوگا

۴۔ سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

۵۔ نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

۶۔ کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا

۷۔ دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا

۸۔ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

۹۔ سفینۂ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

۱۰۔ چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

۱۱۔ جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

۱۲۔ کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پا بہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے، ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا

۱۳۔ خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

۱۴۔ یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا

۱۵۔ میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا

۱۶۔ نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا — تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثال شرار ہوگا

۱۷۔ نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی — کہیں سر رہ گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

(یہ بظاہر ایک غزل ہے لیکن دراصل مسلسل نظم ہے۔ اس میں علامہ نے قوم کو اپنی شاعری کے مستقبل سے آگاہ کیا ہے۔ ان اشعار سے اس صالح انقلاب کا بھی پتا چلتا ہے جو یورپ کے قیام سے ان کی ذہنیت میں پیدا ہوا۔ یہ اشعار ان کی شاعری کے دوسرے دور کا سنگ میل ہیں، جن کے بعد ان کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو پورے طور پر اسلامی افکار پر مبنی ہے۔ یہی وہ دور ہے جس کے بعد قوم نے انہیں "حکیم الامت" کے خطاب سے موسوم کیا اور ان کے اشعار کو قومی ارتقا کے راستے میں مشعل راہ بنایا)۔

۱۔ اب بے حجابی کا دور آیا ہے اس لیے محبوب کا دیدار عام ہوگا اور جس راز کا سکوت پردہ دار تھا (چھپائے ہوئے تھا) وہ راز اب ظاہر ہو جائے گا۔ بے حجابی سے مراد دل کی بات صاف صاف اور بلا خوف وخطر کہنا ہے، آزادانہ اپنے خیالات کا اظہار کر دینا۔ ۱۹۰۶ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر میں اظہار خیال کی آزادی کا قانون نافذ کیا تھا۔ لہٰذا علامہ نے یورپ سے واپسی پر کھلم کھلا تبلیغ اسلام شروع کی۔ "عام دیدار یار" سے مراد ہے اصول اسلام کو جو اس وقت تک چھپ چھپ اور دب دب کر بیان کیے جاتے تھے وہ اب علی الاعلان بیان کیے جائیں گے۔ (یار استعارہ ہے اسلام کا)۔

۲۔ اے ساقی! وہ دور اب ختم ہو گیا جب بادہ نوش چھپ چھپ کر پیتے تھے۔ اب تو سارا جہان میخانہ بنے گا اور ہر کوئی بادہ نوش ہوگا۔ ساقی سے مراد علما و مصلحین ہیں جو اس وقت تک چھپ چھپ کر شراب اسلام پلاتے یعنی اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ علامہ نے آئندہ کے لیے انہیں آزادی کا احساس دلا کر علانیہ تبلیغ کی ترغیب دلائی ہے۔ ان کے مطابق وہ وقت آنے والا ہے جب پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور ہر کوئی اس کی طرف رغبت کرے گا۔

۳۔ وہ جو کبھی آوارۂ جنوں تھے وہ پھر بستیوں میں آکر آباد ہو جائیں گے۔ برہنہ پائی تو وہی رہے گی لیکن خار زار نیا ہوگا۔ (لغت دیکھیے)

۴۔ آخر کار حجاز کی خاموشی نے انتظار کرنے والے کانوں کو وہ عہد سنا ہی دیا جو صحرا نشینوں سے باندھا گیا تھا اور اب جو (عہد) محکم ومضبوط ہوگا۔ (لغت دیکھیے)

۵۔ جس شیر نے صحرا سے نکل کر روما کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تھا، میں نے فرشتوں سے

سنا ہے کہ وہ (شیر) اب پھر ہوشیار ہوگا۔ شیر بہادر مجاہد کا استعارہ ہے۔ مراد عرب کے دلیر و مجاہد مسلمان پھر بیدار ہو کر باطل قوتوں کو مٹا دیں گے۔

۶- ساقی نے بادہ نوشوں کی محفل میں جب میرا تذکرہ کیا تو پیر میخانہ نے سن کر یہ کہا کہ وہ (اقبال) تو منہ پھٹ ہے، خوار ہوگا۔ جو کھری کھری باتیں کرے لوگ اسے برداشت نہیں کرتے اور اس کی توہین و تذلیل کرنے لگتے ہیں۔

۷- اے اہل یورپ! خدا کی بستی یعنی یہ دنیا کوئی دکان نہیں ہے۔ آج جسے تم خالص سمجھ رہے ہو، وہ وقت آنے والا ہے جب وہ زر کم عیار ثابت ہوگا۔ یعنی آج تمہیں اپنی جس تہذیب و ثقافت اور تمدن پر بڑا ناز ہے مستقبل میں اس کا گھٹیا پن ثابت ہو جائے گا۔

۸- چنانچہ تمہاری تہذیب و ثقافت اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی۔ ظاہر ہے جو بھی آشیانہ/گھونسلا کمزور شاخ پر بنے گا وہ جلد گر جائے گا۔ شعر والی بات نئے استعارے میں۔ یعنی حالات تمہیں اپنی اس گھٹیا تہذیب و تمدن سے خود ہی متنفر کر دیں گے۔

۹- (مستقبل میں) کمزور چیونٹیوں کا قافلہ پھول کی پتی کو اپنی کشتی بنا لے گا۔ اگرچہ موجوں کی بے پناہ کھینچا تانی ہو، پھر بھی یہ قافلہ دریا سے پار اتر جائے گا۔ یعنی حالات کتنے ہی سخت اور ناقابل برداشت کیوں نہ ہوں، کمزور مسلمان اپنی بیداری اور قوت جہد و عمل سے اپنا مستقبل عظیم و شاندار بنا لیں گے۔

۱۰- باغ میں لالہ کا پھول ہر کلی کو اپنا داغ دکھاتا پھر رہا ہے کیونکہ اسے یہ علم ہے کہ اس دکھاوے سے اس کا شمار دل جلوں میں ہوگا۔ (لغت دیکھیے)

۱۱- اے ملا! جو ایک تھا وہ تو نے ہمیں ہزار کر کے دکھائے ہیں۔ اگر تیری یہی صورت حال ہے یا یہی صورت حال رہی تو پھر کون ہم پر اعتبار کرے گا۔ مطلب یہ کہ اسلام ایک مذہب ہے جس کے بدقسمتی سے ہمارے مفاد پرست اور نام نہاد ملاؤں نے بہت سے فرقے بنا دیے ہیں۔ اس صورت میں اسلام کی طرف کون رغبت کرے گا۔

۱۲- ایک دن جب میں نے قمری سے یہ کہا کہ یہاں جو بظاہر آزاد ہیں، وہ در حقیقت پابگل ہیں، تو غنچوں نے میری یہ بات سن کر کہا کہ یہ شخص ہمارے چمن کا رازداں ہوگا۔ یعنی یہاں کے مسلمان انگریز حکومت کے غلام ہیں اگرچہ دیکھنے میں وہ آزاد نظر آتے ہیں، یہ شخص یعنی خود علامہ اقبال جو صحیح آزادی سے آگاہ اور اس کے خواہشمند تھے۔

۱۳- اگرچہ خدا کے عاشق تو ہزاروں ہیں جو بیابانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں لیکن

میں اس عاشق کا غلام و خادم ہوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہو گا۔ جو اسلام کی صحیح تعلیم پر عمل پیرا ہو کر بہت بڑا انسان دوست ہو گا۔ بقول صوفی شاعر:۔

یار دی گل وے تنے ہنیتے نال لاندا جائیں

اور بقول میر تقی میر:۔

جلیے اس شخص سے جو آدم ہووے   ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرم سخن تو گرد آوے یک خلق   خاموش رہے تو ایک عالم ہووے

امیر:۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر   سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

میر صیدی تہرانی:۔

دلم بہ دوستی عالمے گرفتار است   بہ کار ہر کہ شکستے رسد، بہ کار من است

(میرا دل دنیا والوں کی دوستی و محبت میں گرفتار ہے۔ جس کسی کو بھی تکلیف پہنچتی ہے میں اسے اپنی تکلیف سمجھتا ہوں)۔

سعدی شیرازی:۔

چو عضوے بہ درد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

(جب زمانے کے حالات سے کسی عضو / انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرے اعضا / انسان بیقرار ہو جاتے ہیں۔ سچا انسان دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے)۔

فصاحت خان رازی:۔

بسانِ چشم کہ گرید ز درد ہر عضوے   غمے بہ ہر کہ رسد، می کند ملول مرا

(جس طرح آنکھ کسی بھی عضو کی تکلیف کی وجہ سے رونے لگتی ہے، یہی حال میرا ہے کہ کسی بھی انسان کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے میں ملول ہو جاتا ہوں)۔

۱۴۔ اے دل! یہ اس فانی دنیا کی رسم ہے، اس لیے یہاں جنبش نظر بھی گناہ ہے۔ سو اگر تو یہاں بیقرار ہو گا تو تیری اس حالت سے ہماری کیا آبرو رہ جائے گی۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ انسان کو صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے کہ اس سے زندگی فانی صحیح طور پر گزر سکتی ہے، ورنہ ہر ہر بات پر بے صبری و بے قراری کا اظہار کرنا اچھی بات نہیں۔

۱۵۔ میں رات کی تاریکی میں اپنے درماندہ قافلے کو لے کر نکلوں گا۔ میری آہ چنگاریاں اڑانے والی ہو گی اور میرا سانس شعلہ بار ہو گا۔ (لغت دیکھیے) درماندہ کارواں

استعارہ ہے دورِ حاضر کے مسلمانوں کا جو بہت پسماندہ ہیں۔

۱۶۔ اگر تیری زندگی کا مقصد نمود کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے تو پھر تو ایک ہی سانس میں (بہت جلد) چنگاری کی طرح اس دنیا سے مٹ جائے گا۔ حقیقی زندگی کا مقصد جد و عمل مسلسل سے اپنی بقا کا سامان کرتا ہے۔ اگر تجھ میں یہ ولولہ و جذبہ نہیں ہے تو تیری زندگی بیکار گزرے گی اور تو جلد فنا ہو جائے گا۔

۱۷۔ تو اقبال کے ٹھکانے کے بارے میں مت پوچھ، ابھی اس کی بے خودی و محویت کی وہی حالت ہے۔ وہ کہیں لوگوں کے راستے میں بیٹھا انتظار کا ستم اٹھا رہا ہوگا۔ عربی کی ایک ضرب المثل ہے "الانتظار اشدّ من الموت"، انتظار موت سے بھی زیادہ شدید ہے۔ کچھ یہی حالت علامہ نے اپنی بتائی ہے۔

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے............)

بسم الرحمٰن الرحیم

(بلادِ اسلامیہ)

(۱)

۱۔ سرزمیں دلی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے ذرے ذرے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
۲۔ پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں
۳۔ سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار
۴۔ دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

(۲)

۱۔ ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہاں آباد بھی اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
۲۔ یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز
۳۔ خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبرؐ کے قدم

۴۔ جس کے غنچے تھے چمن ساماں، وہ گلشن ہے یہی — کانپتا تھا جن سے روما، ان کا مدفن ہے یہی

(۳)

۱۔ ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور — ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور

۲۔ بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی — اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی

۳۔ قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے — جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

(۴)

۱۔ خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار — مہدیِ امت کی سطوت کا نشانِ پایدار

۲۔ صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے — آستانِ مسند آرائے شہِ لولاکؐ ہے

۳۔ نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا — تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا

۴۔ اے مسلماں! ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر — سیکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر

(۵)

۱۔ وہ زمیں ہے تو، مگر اے خوابگاہِ مصطفیؐ! — دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا

۲۔ خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں — اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

۳۔ تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی — جسؐ کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی

۴۔ نام لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے — جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے

۵۔ ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام — ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے، نہ شام

۶۔ آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو، ماویٰ ہے تو — نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

۷۔ جب تلک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں — صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

(یہ نظم علامہ نے ۱۹۰۹ء میں لکھی اور اسی سال اپریل کے رسالہ مخزن میں چھپی۔ اس میں انہوں نے دنیا بھر کے پانچ مشہور اسلامی شہروں اور ماضی میں ان کے ارتقائی حالات کا ذکر کیا ہے۔ گویا علامہ نے قوم کو بیدار کرنے اور نوجوان نسل کی قوت عزم و عمل کو ابھارنے کی خاطر اپنے اسلاف کے کارنامے موثر الفاظ میں یاد دلائے ہیں)۔

(۱)

۱۔ دلی / دہلی کی سرزمین (میرے) غم کے مارے دل کی معبود ہے۔ اس کے ذرے ذرے میں ہمارے اسلاف کا خون سمایا ہوا ہے۔ (لغت دیکھئے)

۲۔ بھلا اس اجڑے باغ کی زمین کیونکر پاک نہ ہو؟ اس لیے کہ یہ سرزمین (دلی) عظمت

اسلام کی خانقاہ ہے۔ یہی دلی میں حضرت نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگوں وغیرہ کی مسندیں تھیں۔ پھر صدیوں یہاں مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔

۳۔ اس سرزمین میں خیر الانام کے تاجدار سوئے ہوئے/دفن ہیں جن کی حکومت کا دارومدار دنیا کی تنظیم و اصلاح پر تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے انسانوں کی فلاح کے لیے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

۴۔ محفل کی رونق اب تک دل کو تڑپاتی ہے۔ کھلیان تو جل چکا ہے لیکن اس کی یاد ابھی تک محفوظ ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ اگرچہ دلی میں ہماری دیرینہ عظمت نہیں رہی لیکن اس کی یاد اب تک دل میں ہے اور دل کو تڑپاتی ہے۔

(۲)

۱۔ اگرچہ جہان آباد/دلی بھی مسلمانوں کے لیے ایک زیارت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن بغداد بھی اس کرامت کا حقدار ہے۔ یعنی بغداد بھی کبھی مسلمانوں کی عظمت کا شہر تھا۔

۲۔ یہ (بغداد) وہ چمن ہے جس کے لیے لالۂ صحرا بھی فخر و ناز کا باعث تھا۔ یعنی یہ شہر بھی تہذیب حجاز (اسلامی تہذیب و تمدن) کا بڑا مرکز تھا۔

۳۔ بھلا اس شہر کی مٹی بہشت کی ہمسر (برابر) کیوں کر نہ ہو (یعنی ہمسر ہے) اس لیے کہ اس خاک/سرزمین نے حضور اکرمؐ کے جانشین دیکھے ہیں۔ (لغت دیکھئے)

۴۔ جس (بغداد) کے غنچے بھی باغ کی طرح پر بہار تھے وہ گلشن یہی ہے۔ اور جن عظیم مسلمان حکمرانوں کی ہیبت سے روما کانپتا تھا ان کا یہی مدفن ہے۔ روم کی مشرقی سلطنت کے فرماں روا خاص طور پر خلیفہ ہارون، مامون اور متوکل کی عظمت و شوکت سے لرزتے تھے۔

(۳)

۱۔ قرطبہ کی سرزمین بھی مسلمانوں کی آنکھوں کا نور/روشنی ہے۔ یہ سرزمین بھی یورپ کے تاریک دور (DARK AGES) میں شمع طور کی مانند روشن تھی۔ یعنی اس وقت تک یورپ جہالت و بے علمی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بعد میں یعنی شعور پیدا ہونے پر اہل یورپ نے مسلمانوں ہی کے علوم و فنون سے استفادہ کیا اور ان کی کتب وہاں سے اٹھا لے گئے۔ علامہ ہی کے بقول:۔

وہ موتی علم کے، یعنی کتابیں اپنے آبا کی　　جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

۲۔ یہ شمع بجھ کر ملت کو منتشر کر گئی اور یوں تہذیب حاضر کا دیا روشن کر گئی۔ مسلمانوں کی حکومت ختم ہو گئی اور عیسائیوں نے ملک فتح کر کے وہاں اپنے تہذیب و تمدن کو رواج دیا۔

(نیز علامہ کی نظم "مسجد قرطبہ" بھی ملاحظہ ہو)۔

۳۔ یہ پاک سرزمین اس تہذیب (اسلامی تہذیب) کی قبر ہے جس سے گلشن یورپ کی تاک کی شاخ تروتازہ ہے! (لغت دیکھیے)

(۴)

۱۔ قسطنطنیہ کا خطہ (سرزمین) جو قیصر کا دیار اور ملت اسلامیہ/امت کے مہدی کی عظمت وسطوت کا بڑا پختہ پائیدار نشان ہے۔ (لغت دیکھیے)

۲۔ یہ سرزمین بھی خاک حرم کی طرح پاک اور شاہ لولاکؐ کے تخت کو زینت دینے والا آستانہ ہے۔ یعنی مسلمان حکمران نے اسے فتح کر کے اسلامی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا۔ (نیز لغت دیکھیے)

۳۔۴ اس (قسطنطنیہ) کی ہوا/فضا پھول کی خوشبو کی طرح بڑی پاکیزہ ہے۔ یہاں ایوب انصاریؓ کے مزار سے یہ صدا آرہی ہے کہ اے مسلمان (مسلمانو)! یہ شہر ملت اسلامیہ کا دل اور کئی صدیوں سے کشت وخون کا حاصل ہے۔ (لغت دیکھیے)

(۵)

۱۔ (مذکورہ شہروں کے ذکر کے بعد اب مدینہ منورہ کی عظمت پر اظہار خیال ہے) لیکن اے خوابگاہ مصطفیؐ (روضہ رسول اکرمؐ) کی سرزمین! تو ایک ایسی سرزمین ہے جس کی دید (جسے دیکھنا) کعبہ کے لیے بھی حج اکبر سے بڑھ کر ہے۔

۲۔ وجود/کائنات کی انگوٹھی میں تو (مدینہ) نگینے کی طرح چمک رہا ہے۔ تیری سرزمین مسلمانوں کی شان وعظمت کی جائے ولادت تھی۔ دنیا میں مسلمانوں کی شان وعظمت کا آغاز یہاں سے ہوا۔

۳۔ تجھ میں (مدینہ میں) اس عظیم شہنشاہؐ (حضور اکرمؐ) کو راحت ملی جنؐ کے دامن میں دنیا کی قوموں کو پناہ ملی۔ حضور اکرمؐ نے عملاً انسان دوستی کا اظہار کر کے بلا تفریق مذہب وملت سب کے سروں پر دست شفقت رکھا۔

۴۔ جس عظیم ہستیؐ (حضور اکرمؐ) کے نام لیوا دنیا کے شاہنشاہ اور قیصر کے جانشین جمشید کے تخت کے وارث ہوئے۔ مسلمانوں نے بہت سے ملکوں میں حکمرانی کی۔

۵۔ اگر اسلام کی قومیت (مسلمان ہونے کی بنا پر ایک قوم ہونے کی صورت حال) کسی مقام/وطن کی پابند ہے تو اس کی بنیاد ہندوستان ہی ہے، ایران اور شام نہیں ہیں۔

ہندی میں وطن کی بنیاد پر قومیت کا سلسلہ ہے۔

۶۔ آہ! اے یثرب! تو ملت اسلامیہ/مسلمانوں کا دیس ہے اور تو ہی ان کا ماویٰ ہے اور تو تاثر کی شعاعوں کا نقطۂ جاذب ہے۔ (لغت دیکھیے)

۷۔ جب تک تو (یثرب/مدینہ) قائم و باقی ہے دنیا میں ہم بھی باقی رہیں گے۔ دوسرے لفظوں میں تیرے روضہ رسول اکرمؐ ہونے کے باعث ہم مسلمان بھی قیامت تک رہیں گے۔ مذہب اسلام قیامت تک قائم رہے گا۔ اگر صبح ہے تو اس چمن میں شبنم کے موتی بھی ہیں۔ صبح استعارہ ہے مدینہ منورہ کا اور شبنم کے موتی مسلمانوں کا۔ پہلے مصرعے والی بات اس استعارے میں کہی ہے۔

ستارہ

(۱)

۱۔ قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو ـــ مآلِ حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو؟
۲۔ متاعِ نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو؟ ـــ ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھ کو؟
۳۔ زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو ـــ مثالِ ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو
۴۔ غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے ـــ تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

(۲)

۱۔ چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے ـــ جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
۲۔ اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر ـــ فنا کی نیند مے زندگی کی مستی ہے
۳۔ وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل ـــ عدم عدم ہے، کہ آئینہ دارِ ہستی ہے
۴۔ سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ـــ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

(اس نظم میں اس امر کا اظہار خیال ہے کہ دنیا میں سکون ممکن نہیں، اس کے خمیر میں انقلاب اور تغیر شامل ہے اور یہ ایسا فطری قانون ہے جس سے بچا نہیں جا سکتا، اس لیے ہمیں بھی اس قانون کی پابندی سے نہیں گھبرانا چاہیے)۔

(۱)

۱۔ اے ستارے! تجھے چاند کا خوف ہے یا صبح سے تجھے خطرہ ہے۔ کیا تجھے یہ پتا چل گیا

ہے کہ حسن کا انجام آخر کار کیا ہے؟ چاند کی روشنی میں ستارے کی چمک دھیمی پڑ جاتی ہے اور صبح کو ستارہ غروب ہو جاتا ہے۔ گویا یہ تغیر و تبدیلی ایک فطری امر ہے جسے مآل حسن کہا گیا ہے۔

۲۔ کیا تجھے اپنی چمک / روشنی کے لٹ جانے کا ڈر ہے؟ اور کیا تجھے چنگاری کی طرح فنا ہونے کا ڈر خوف ہے؟ چنگاری ادھر ابھری ادھر ختم۔ ستارہ بھی رات کو طلوع ہوا اور صبح کو غروب ہو گیا۔ وہی تغیر والی بات۔

۳۔۴ آسمان نے تجھے زمین سے بہت بلندی پر ٹھکانا دیا اور چاندی کی طرح تجھے سنہری لباس پہنایا: غضب کی بات ہے کہ اتنا کچھ ملنے کے باوجود تیری ننھی سی جان ڈر کا شکار رہتی ہے اور تیری تمام رات کانپتے گزرتی ہے۔ ستارے کے چمکنے اور گردش کرنے کو کانپنے سے تشبیہ دی ہے۔ (اس نظم میں صنعت تجسیم (PERSONIFICATION) اور حسن تعلیل سے بھی کام لیا گیا ہے)۔

(۲)

۱۔ اے چمکنے والے مسافر یعنی گردش کرنے والے ستارے! یہ کائنات / جہان بھی ایک حیران کن بستی ہے۔ یہاں ایک / کسی کی جو بلندی ہے وہ دوسرے کی پستی / تنزل ہے۔ جیسے صبح ہوئی تو چاند ستارے غروب ہو گئے۔ یہ ان کی پستی ہے۔ سورج طلوع ہو گیا تو یہ اس کی بلندی / اوج ہے۔ شام ہوئی تو سورج غروب ہو گیا۔ یہ اس کی پستی اور اس وقت چاند ستاروں کا طلوع ہونا ان کا اوج / بلندی ہے۔ گویا کائنات کا سارا نظام اسی انداز سے چل رہا ہے۔

۲۔ ایک سورج کا پیدا / طلوع ہونا لاکھوں ستاروں کی موت ہے (ان کا غروب ہو جانا ہے)۔ اسی طرح زندگی کی شراب کی مستی فنا کی نیند سو جاتا ہے۔ جو انسان پیدا ہوا ہے اسے آخر مر بھی جانا ہے۔ وہی اوج اور پستی والی بات۔ علامہ کے بقول: ۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

۳۔ کلی کے رخصت ہو جانے میں پھول کی پیدائش کا راز ہے۔ کلی کھل کر پھول بنتی ہے تو اس کا اپنا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ عدم / نیستی عدم ہی ہے جو وجود کا آئینہ دار ہے۔ عدم اسی صورت میں عدم کہلا سکتا ہے جب کوئی وجود ہوا اور وہ بکھر فنا ہو جائے عدم کا شکار ہو جائے۔ صورت دیگر عدم خود کچھ نہیں ہے۔

۴۔ (ان سب باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ) قدرت کے کارخانے (مراد مخلوقات وموجودات جن میں ہر ایک سے اس خالقِ کائنات کی کاریگری ظاہر ہوتی ہے) میں سکون (ایک ہی جگہ قائم و برقرار رہنا) ممکن نہیں یا مشکل ہے۔ جہان میں اگر کسی شے کو ثبات ہے تو وہ تغیر و انقلاب ہے۔ یعنی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دو ستارے

(۱)

۱۔ آئے جو قِراں میں دو ستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے
۲۔ "یہ وصل مدام ہو تو کیا خوب انجامِ خرام ہو تو کیا خوب
۳۔ تھوڑا سا جو مہرباں فلک ہو ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو"

(۲)

۱۔ لیکن یہ وصال کی تمنّا پیغامِ فراق تھی سراپا
۲۔ گردش تاروں کا ہے مقدر ہر ایک کی راہ ہے مقرر
۳۔ ہے خواب ثباتِ آشنائی آئینِ جہاں کا ہے جدائی

(اس نظم میں دو ستاروں کے ایک برج میں رہنے کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک شے دوسری شے کے ساتھ ہمیشہ وابستہ نہیں رہ سکتی۔ اگر دو انسان ایک جگہ جمع ہو جائیں تو آخر انجام جدائی ہے جس سے مفر نہیں)۔

(۱)

۱-۲ جب دو ستارے ایک ہی برج میں آئے تو ایک ستارہ دوسرے ستارے سے کہنے لگا کہ اگر ہمارا میل ملاپ ہمیشہ کے لیے ہو تو کتنی اچھی بات ہوگی اور ہمارا چلنا (گردش کرنا اور طلوع و غروب ہو جانا) ختم ہو جائے (اور ہم یونہی یک جا رہیں) تو کتنی اچھی بات ہوگی۔

۳۔ اگر آسمان یا مقدر ہم پر تھوڑا سا مہربان ہو جائے تو ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو جائے۔ (یہ ہمیشہ یکجا رہنے والی بات ہے)۔

(۲)

۱-۲ لیکن ان کی یہ ہمیشہ وصال کی تمنا، پورے طور پر جدائی کا پیغام تھی، اس لیے کہ گردش تو

ستاروں کا مقدر ہے۔ اس کے بغیر ان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ ان کی تو ہر ایک کی راہ مقرر ہے۔ ہر ایک کی راہ مقرر ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ہٹ کر یا دور رہ کر گردش کرتے ہیں۔

۳۔ آشنائی یا مستقل وصل ایک خواب ہے (جس کا کوئی وجود نہیں ہے) اس لیے کہ اس کائنات کا آئین ہی جدائی ہے۔ وقتی و عارضی ملاپ یا آشنائی تو ہے لیکن اسے دوام نہیں ہے۔

گورستانِ شاہی

(۱)

۱۔ آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے — کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے

۲۔ چاندنی پھیکی ہے اس نظارۂ خاموش میں — صبحِ صادق سو رہی ہے رات کی آغوش میں

۳۔ کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خامشی — بربطِ قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

۴۔ باطنِ ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے — اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے

(۲)

۱۔ آہ! جولاں گاہِ عالم گیر یعنی وہ حصار — دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار

۲۔ زندگی سے تھا کبھی معمور، اب سنسان ہے — یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

۳۔ اپنے سکانِ کہن کی خاک کا دل دادہ ہے — کوہ کے سر پر مثالِ پاسباں استادہ ہے

(۳)

۱۔ ابر کے روزن سے وہ بالائے بامِ آسماں — ناظرِ عالم ہے نجمِ سبز فامِ آسماں

۲۔ خاک بازی وسعتِ دنیا کا ہے منظر اسے — داستاں ناکامیِ انساں کی ہے ازبر اسے

۳۔ ہے ازل سے یہ مسافر سوئے منزل جا رہا — آسماں سے انقلابوں کا تماشا دیکھتا

۴۔ گو سکوں ممکن نہیں عالم میں اختر کے لیے — فاتحہ خوانی کو یہ ٹھہرا ہے دم بھر کے لیے

۵۔ رنگ و آبِ زندگی سے گل بدامن ہے زمیں — سیکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں

(۴)

۱۔ خواب گہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا — دیدۂ عبرت! خراجِ اشک گلگوں کر ادا

۲۔ ہے تو گورستاں، مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے — آہ! اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے

۳۔ مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر — جنبش مژگاں سے ہے چشم تماشا کو حذر

۴۔ کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں — جو اتر سکتی نہیں آئینۂ تحریر میں

(۵)

۱۔ سوتے ہیں خاموش، آبادی کے ہنگاموں سے دور — مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور

۲۔ قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک — جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک

۳۔ کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل — جن کی تدبیر جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال

۴۔ رعب فغفوری ہو دنیا میں، کہ شان قیصری — ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی

۵۔ بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور — جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

(۶)

۱۔ شورش بزم طرب کیا، عود کی تقریر کیا — دردمندان جہاں کا نالۂ شبگیر کیا!

۲۔ عرصۂ پیکار میں ہنگامۂ شمشیر کیا — خون کو گرمانے والا نعرۂ تکبیر کیا!

۳۔ اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں — سینۂ ویراں میں جان رفتہ آسکتی نہیں

(۷)

۱۔ روح مشت خاک میں زحمت کش بیداد ہے — کوچہ گرد نے ہوا جس دم نفس فریاد ہے

۲۔ زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوش نوا — شاخ پر بیٹھا، کوئی دم چہچہایا، اڑ گیا

۳۔ آہ! کیا آئے ریاض دہر میں ہم، کیا گئے — زندگی کی شاخ سے پھوٹے، کھلے، مرجھا گئے

۴۔ موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے — اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

(۸)

۱۔ سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار — اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مزار

۲۔ اے ہوس! خوں رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار — یہ شرارے کا تبسم، یہ خس آتش سوار

۳۔ چاند جو صورت گر ہستی کا اک اعجاز ہے — پہنے سیمابی قبا محو خرام ناز ہے

۴۔ چرخ بے انجم کی دہشت ناک وسعت میں مگر — بیکسی اس کی کوئی دیکھے ذرا وقت سحر

۵۔ اک ذرا سا ابر کا ٹکڑا ہے، جو مہتاب تھا — آخری آنسو ٹپک جانے میں ہو جس کی فنا

(۹)

۱۔ زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار — رنگہائے رفتہ کی تصویر ہے ان کی بہار

۲۔ اس زیاں خانے میں کوئی ملت گردوں وقار — رہ نہیں سکتی ابد تک بار دوش روزگار

۳۔ اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خوگر جہاں
دیکھتا بے اعتنائی سے ہے یہ منظر جہاں

۴۔ ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

۵۔ ہے نگینِ دہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو
مادرِ گیتی رہی آبستنِ اقوامِ نو

(۱۰)

۱۔ ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور

۲۔ مصر و بابل مٹ گئے باقی نشاں تک بھی نہیں
دفترِ ہستی میں ان کی داستاں تک بھی نہیں

۳۔ آ دبایا مہرِ ایراں کو اجل کی شام نے
عظمتِ یونان و روما لوٹ لی ایام نے

۴۔ آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابرِ آذاری اٹھا، برسا، گیا

(۱۱)

۱۔ ہے رگِ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی

۲۔ سینۂ دریا شعاعوں کے لیے گہوارہ ہے
کس قدر پیارا لبِ جو مہر کا نظارہ ہے

۳۔ محوِ زینت ہے صنوبر، جوئبار آئینہ ہے
غنچۂ گل کے لیے بادِ بہار آئینہ ہے

۴۔ نعرہ زن رہتی ہے کوئل باغ کے کاشانہ میں
چشمِ انساں سے نہاں، پتوں کے عزلت خانہ میں

ق

۵۔ اور بلبل، مطربِ رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں

۶۔ عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خامۂ قدرت کی کیسی شوخ یہ تحریر ہے

۷۔ باغ میں خاموش جلسے گلستاں زادوں کے ہیں
وادیِ کہسار میں نعرے شباں زادوں کے ہیں

۸۔ زندگی سے یہ پرانا خاکداں معمور ہے
موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

۹۔ پتیاں پھولوں کی گرتی ہیں خزاں میں اس طرح
دستِ طفلِ خفتہ سے رنگیں کھلونے جس طرح

۱۰۔ اس نشاط آباد میں گو عیش بے اندازہ ہے
ایک غم، یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

(۱۲)

۱۔ دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

۲۔ اشک باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در
گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشمِ تر

۳۔ دہر کو دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم
آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفاں کے ہم

۴۔ ہیں ابھی صدہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں

۵۔ وادیِ گل خاکِ صحرا کو بنا سکتا ہے یہ
خواب سے امیدِ دہقاں کو جگا سکتا ہے یہ

۶۔ ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

(علامہ کی یہ نظم جون ۱۹۱۰ء کے رسالہ مخزن میں شائع ہوئی تھی۔ علامہ نے اس کے ساتھ اپنے نوٹ میں یہ لکھا تھا کہ "حیدر آباد کے مختصر قیام کے دنوں میں میرے عنایت فرما جناب نذر علی حیدری، معتمد محکمہ فنانس، مجھے ایک شب ان شاندار مگر حسرتناک قبروں کی زیارت کے لیے لے گئے جن میں سلاطین قطب شاہی سو رہے ہیں: رات کی خاموشی اور بادلوں میں سے چھن چھن کے آتی ہوئی چاندنی نے اس پُرحسرت منظر کے ساتھ مل کر میرے دل پر ایسا اثر کیا کہ جو کبھی فراموش نہ ہوگا۔ ذیل کی نظم انہی بے شمار تاثرات کا اظہار ہے۔" علامہ کی یہ نظم فلسفہ اور شاعری کے ایک نہایت خوشگوار امتزاج کا نمونہ ہے جس میں انہوں نے زندگی کی بے ثباتی کو بڑے موثر انداز میں واضح کیا ہے)۔

(۱)

۱۔ آسماں نے بادل کی پرانی گدڑی پہن رکھی ہے (کالے بادل ہیں) جس کی وجہ سے چاند کے آئینے کی پیشانی مکدر ہے۔ کالے بادلوں کی وجہ سے چاندنی بڑی ہلکی یا پھیکی ہے۔

۲۔ اس خاموش نظارے میں چاندنی ہلکی ہے۔ اس کی روشنی پوری نہیں نظر آ رہی۔ جبکہ صبح صادق رات کی گود میں سو رہی ہے۔ یعنی ابھی صبح طلوع ہونے میں دیر ہے۔

۳۔ یہاں درختوں کی خاموشی کس قدر حیرت بڑھانے والی ہے۔ یہ خاموشی ایک طرح سے قدرت کے باجے کی ایک دھیمی لے / سر ہے۔ رات کا وقت اور قبرستان دونوں خاموشی کا باعث ہیں۔

۴۔ کائنات کے ہر ذرے کا باطن پورے طور پر درد ہے، جبکہ خاموشی وجود کے ہونٹوں پر ایک طرح سے سرد آہ ہے۔ ہر شے کے فانی ہونے کے حوالے سے یہ کہا ہے (آہ سرد یعنی ٹھنڈی گہری سانس جو حسرت اور مایوسی کے احساس کا نتیجہ ہے)۔

(۲)

۱-۲ افسوس! وہ اورنگزیب عالمگیر کی جولانگاہ یعنی گولکنڈہ کا قلعہ جو اپنے کندھوں پر سیکڑوں صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے (وہ ایک مدت سے حالات و واقعات کا نشانہ بن رہا ہے)۔ جو کبھی زندگی سے معمور تھا اور اب سنسان پڑا ہے۔ یہ خاموشی (جو یہاں چھائی ہوئی ہے) اب اس کے ہنگاموں کا قبرستان ہے۔ کبھی یہاں حکمرانوں اور ان کی فوجوں وغیرہ کا دور دورہ تھا جو اب ختم ہو چکا ہے۔

۳۔ (یہ قلعہ) اپنے پرانے باشندوں کی خاک کا فریفتہ ہے اور وہ پہاڑ کے سر پر چوٹی پر پاسبان / چوکیدار کی طرح کھڑا ہے۔ چونکہ قلعہ پہاڑ پر ہے اس لیے پاسبان کہا ہے۔

(۳)

۱- آسمان کا سبز فام ستارہ، آسمان کی بلندی پر سے، بادل کے روزن سے دنیا کا نظارہ کر رہا ہے۔ بادل کے باعث دھیمی روشنی والے ستاروں کو ناظرِ عالم کہا ہے۔

۲- دنیا کی وسعت کا منظر اس (ستارے) کے لیے ایک معمولی/حقیر سی بات ہے اور اسے انسانوں کی ناکامی کی داستان پوری طرح یاد ہے۔ اس دنیا میں انسان کتنے ہی بلند مرتبہ کا کیوں نہ ہو، آخر کار اسے موت کا شکار ہو جاتا اور زمین میں دفن ہو جاتا ہے اور یہ امر اس کی ناکامی کا مظہر ہے۔

۳- یہ مسافر (ستارہ) ازل سے اپنی منزل کی طرف رواں ہے اور وہ اس صورت میں کہ وہ آسمان سے دنیا میں آئے دن واقع ہونے والے انقلابات کا نظارہ کرتا رہتا ہے۔

۴- اگرچہ کائنات میں ستارے کے لیے رکنا یا کہیں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے' تاہم وہ یہاں (گورستان شاہی) فاتحہ خوانی کی خاطر کچھ دیر کے لیے رک گیا ہے۔ چونکہ ستارہ چلتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اس لیے گورستان کے حوالے سے اس کے رکنے کی بات کی ہے۔

۵- یہ زمین زندگی کے رنگ و آب/رونق سے اپنے دامن میں پھول رکھے ہوئے ہے' یعنی آباد ہے۔ اس زمین میں سینکڑوں خوں گشتہ تہذیبیں دفن ہیں۔ دنیا میں کئی تہذیبوں نے جنم لیا یا وجود میں آئیں اور پھر کچھ مدت کے بعد ختم ہو گئیں۔ دنیا کا نظام اسی طرح سے چل رہا ہے۔

(۴)

۱- یہ حسرت بڑھانے والی منزل (گورستان شاہی) بادشاہوں کی خواب گاہ ہے، یعنی وہ یہاں دفن ہیں۔ اے عبرت کی نگاہ (دنیا کے تغیرات و انقلابات سے نصیحت حاصل کرنے والی نگاہ)! تو یہاں اپنے سرخ رنگ کے (خون کے) آنسو خراج کے طور پر ادا کر (بہا)۔ کبھی دنیا میں ان لوگوں کا کیا مقام و مرتبہ تھا اور آج یہ زمین میں دفن ہیں۔

۲- اگرچہ بظاہر یہ قبرستان ہے لیکن اس کا مرتبہ آسمان کی سی بلندی والا یعنی بہت بلند ہے (یہاں عظیم بادشاہ دفن ہیں)۔ افسوس کہ ایک بدقسمتی قوم کا سرمایہ ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہی قوم جو کبھی حکمران تھی آج وہ غلامی کا شکار ہے۔

۳- یہاں بادشاہوں کے مقبروں کی شان اس قدر حیرت کا باعث بنتی ہے کہ دیکھنے والی آنکھ کو پلکیں ہلانا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ یعنی وہ مسلسل دیکھتی رہتی ہے۔ آدمی بے حد

حیرانی کا شکار ہو کر انہیں مسلسل دیکھتا رہتا اور آنکھ تک جھپکنا پسند نہیں کرتا۔

۴۔ اس تصویر میں (مراد شاہی مقبرے) ناکامی کی ایسی صورت حال ہے جو آئینہ تحریر میں نہیں اتر سکتی۔ ناقابلِ بیان ہے، اس لیے کہ کبھی وہ عظیم شان و مرتبہ اور اب زمین میں دفن ہیں۔

(۵)

۱۔ وہ عظیم لوگ جنہیں کبھی ناصبور آرزو (فتوحات یا رعایا کے آرام و فلاح کی تمنا) بے قرار رکھتی تھی، آج وہ (شہنشاہ) آبادی کے ہنگاموں سے دور یہاں خاموش سوئے ہوئے ہیں، دفن ہیں۔

۲۔ ان آفتابوں (شہنشاہوں) کی چمک قبر کی تاریکی میں برقرار ہے، جن کے آستانوں پر کبھی آسمان پیشانی رکھا کرتا تھا۔ ان شہنشاہوں کی بے حد عظمت تھی۔

۳۔ کیا ان شہنشاہوں کی عظمت کا یہی انجام ہے جن کی جہاں بانی کی تدبیر سے کبھی زوال بھی ڈرا کرتا تھا۔ وہ بڑی عظمت والے تھے اور ان کی زندگی میں یہی معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی مذکورہ تدبیر کبھی زوال کا شکار نہ ہوگی، لیکن یہ سرائے فانی (دنیا) ہے۔ یہاں جو آیا ہے اسے بہر صورت جانا ہے۔

بقول شوق لکھنوی:

جائے عبرت سرائے فانی ہے — موردِ مرگِ ناگہانی ہے

اونچے اونچے مکان ہیں جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

(مثنوی زہرِ عشق)

۴۔ خواہ فغفوری رعب و دبدبہ ہو خواہ قیصر کی سی شان، ہر صورت میں دشمن موت کا حامی نہیں سکتا۔

میرزا شوق ہی کے بقول:

موت سے کس کو رستگاری ہے — آج وہ، کل ہماری باری

بقول انشاء:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں — بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

علامہ ہی کے بقول:

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی — کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

۵۔ (حقیقت یہ ہے کہ) بادشاہوں کی بھی عمر کی کھیتی کا حاصل/ ثمرہ قبر ہے (آخر ایک دن مر کر انہیں بھی زمین میں دفن ہونا ہے)۔ بس یوں سمجھ لو کہ عظمت کے راستے کی آخری منزل قبر ہی ہے۔

(۶)

۱-۳ چاہے مسرت و شادمانی کی محفل کی رونق ہو، چاہے باجے کی سرتال، خواہ دنیا کے درد مندوں کا نالۂ شبگیر ہو، خواہ میدانِ جنگ میں شمشیر/ تلوار کا ہنگامہ ہو (دو فوجوں میں شمشیر زنی یا تلواروں سے لڑائی)، خواہ خون میں جوش و ولولہ پیدا کرنے والا نعرۂ تکبیر ہو، (یہ سب کچھ آنی و فانی ہیں اور انجام موت ہے) اب کوئی بھی آواز سوئے ہوؤں/ مردوں کو نہیں جگا سکتی اور غیر آباد سینے میں گئی ہوئی جان نہیں آسکتی، جو مر گیا سو مر گیا، وہ پھر کبھی زندہ نہیں ہوگا۔

(۷)

۱۔ انسانی روح اس کے جسم میں ظلم کی تکلیف اٹھانے والی ہے، جس لَے بھی سانس بانسری میں کوچہ گرد ہوا، وہ فریاد بن گیا۔ بانسری پھونک سے بجائی جاتی ہے، یہ گویا انسانی سانس کا بانسری کے کوچے میں گھومتا پھرتا ہے اور بانسری سے جب لے/ سُر نکلتی ہے تو یہ گویا فریاد ہے۔

۲۔ انسان کی زندگی ایک خوش نوا پرندے کی سی ہے جو شاخ پر بیٹھ کر کچھ دیر چہچہا کر اڑ جاتا ہے۔ یعنی زندگی آنی و فانی ہے۔

۳۔ آہ/ افسوس کہ ہم انسان دنیا کے باغ میں کتنے تھوڑے وقت کے لیے آئے اور جلد ہی چلے گئے یا ذرا سی دیر ہی میں چلے گئے۔ ہماری حالت تو پھول کی سی ہے کہ ہم زندگی کی شاخ سے پھوٹے (وجود میں آئے) کھلے (بڑھے پھولے) اور مرجھا گئے (مر گئے)۔ بقول شاعر:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

۴۔ موت ہر بادشاہ اور گداگر (بڑے اور چھوٹے لوگ) کے خواب کی تعبیر ہے۔ اس ستمگر (موت) کا ستم انصاف کی تصویر ہے۔ یعنی موت بظاہر ستمگر ہے کہ آدمی کی زندگی ختم کر دیتی ہے، لیکن اس سلسلے میں وہ کسی چھوٹے بڑے کا خیال نہیں کرتی، ہر طرح کے انسان کو جکڑ لیتی ہے اور یہ گویا اس کا انصاف ہے۔

(۸)

۱۔ ہستی / وجود کا سلسلہ گویا ایک بے حد وسیع سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا اور مزار اس بے پایاں (جس کی حد کو کوئی نہ پا سکے) سمندر کی موجیں ہیں۔ یہ وہی پہلے والی بات نئے استعارے میں۔

۲۔ اے ہوس! (ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش) تو خون کے آنسو بہا، اس لیے کہ اس زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے، پتا نہیں کس وقت اچانک آ جائے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ اس زندگی کی کیفیت تو چنگاری کے مسکرانے اور آگ پر رکھے تنکے کی سی ہے۔ چنگاری ابھری اور فوراً ختم، اسی طرح آگ پر رکھا تنکا فوراً جل جاتا ہے۔

۳-۵ چاند، جو اس خالقِ کائنات و وجود کا ایک اعجاز ہے' جورات کو سفید قبا پہنے گردش میں مست ہے، لیکن صبح کے وقت، جب دہشت ناک حد تک وسیع آسمان پر کوئی ستارہ نہیں ہوتا اس (چاند) کی بے کسی پر تو کوئی نظر ڈالے، وہی چاند جو رات کو خوب چمک رہا تھا، اب (صبح کے وقت) وہ یوں لگتا ہے جیسے وہ بادل کا چھوٹا سے ٹکڑا ہو اور جس کی فنا آخری آنسو ٹپک جانے میں ہو۔ گویا بارش کا آخری قطرہ ٹپک جانے پر بادل ختم ہو جاتا ہے، کچھ یہی کیفیت چاند کی ہے کہ ادھر سورج مکمل طور پر طلوع ہوا، ادھر چاند غائب۔ آنی و فانی والی بات ہے۔

(۹)

۱۔ افراد کی زندگی کی طرح قوموں کی زندگی بھی بے اعتبار ہے۔ ان کی بہار گزرے ہوئے رنگوں کی تصویر ہے، ان حالتوں یا چیزوں کی تصویر ہے جو فنا ہو چکی ہیں۔ ایک قوم وجود میں آئی اور کچھ عرصہ اپنا عظیم دور گزار کر ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔

۲۔ اس زیاں خانے میں کوئی بھی قوم / ملت، خواہ وہ کتنی ہی گردوں وقار کیوں نہ ہو، ابد تک زمانے کے کندھے کا بوجھ نہیں رہ سکتی۔ (لغت دیکھیے)

۳۔ یہ جہان قوموں کی فنا / بربادی کا اس حد تک عادی ہے کہ وہ (جہان) بربادی کا یہ منظر بڑی بے توجہی سے دیکھتا ہے، اس لیے کہ یہ معمول تو ازل سے چلا آ رہا ہے، اگر کوئی نئی بات ہو تو توجہ سے دیکھے۔

۴۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اس دنیا میں کسی بھی شے کو ایک صورت پر قرار نہیں رہتا۔ گویا

زمانے کے مزاج کو جدت ذوق سے ترکیب دیا گیا ہے۔ اس کی تشکیل اس ذوق سے ہوئی ہے۔ نئے استعارے میں وہی بات جو پہلے آ چکی ہے۔

۵۔ ہمیشہ سے نیا نام زمانے کے نگینے کی زینت ہے۔ زمانے کی ماں نئی نئی قوموں سے حاملہ ہو رہی ہے۔ وہی تغیرات کی بات۔ آج ایک قوم کا وجود ہے تو کل کوئی دوسری قوم وجود میں آ جاتی ہے۔ اسے مادر گیتی کے استعارے میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰)

۱۔ یہ راستہ (دنیا) ہزاروں قافلوں سے آشنا ہے؛ چنانچہ کوہ نور کی آنکھوں نے کتنے ہی تاجدار/بادشاہ و حکمران دیکھے ہیں۔ کوہ نور برصغیر کے مسلمان حکمرانوں کی ملکیت تھا جسے 1849ء میں انگریز برطانیہ لے گئے۔

۲۔ مصر اور بابل مٹ گئے۔ اب ان کا نشان تک بھی نہیں رہا۔ اس حد تک کہ زندگی یا وجود کی کتاب میں ان کی داستان/ذکر تک بھی نہیں ہے۔ (لغت دیکھیے) مصر افریقہ کے شمال مشرق میں ایک ملک جو قدیم زمانے میں بہت ترقی پر تھا اور جہاں ایک مدت تک فرعونوں کی حکومت رہی۔

۳۔ موت کی شام نے ایران کے سورج کو آ دبایا جبکہ یونان اور روما/اٹلی کی عظمت زمانے نے لوٹ لی۔ ایران سے مراد ایرانی قوم جو قدیم دور میں بڑے عروج پر تھی۔ یہ قوم سورج کی پوجا کرتی تھی، اسی لیے "مہر ایران" کہا ہے جو شاعرانہ لطافت ہے۔ عظمت کی یہی حالت یونان اور روما کی قدیم قوموں کی تھی لیکن پھر ان کا نام و نشان تک بھی نہ رہا۔

۴۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہو گیا۔ گویا آسمان سے بہار کا بادل اٹھا اور برس کر چلا گیا۔ مسلمان بھی کبھی دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ اکثر ممالک میں ان کی حکومت تھی، خود برصغیر میں مسلمانوں نے صدیوں حکمرانی کی اور عظمت و سربلندی کی زندگی بسر کی، لیکن اب ان میں وہ پہلے والی بات ہی نہیں رہی۔

(۱۱)

۱۔ پھول کی رگ صبح کے آنسوؤں سے موتی کی لڑی بنی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے سورج کی کوئی کرن شبنم میں پھنسی ہوئی ہے۔ صبح شبنم کے قطرے پھولوں پر پڑتے ہیں جنہیں موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور چونکہ ان قطروں میں چمک ہوتی ہے اس لیے یہ کہا کہ سورج کی کوئی کرن شبنم میں الجھی ہوئی ہے۔

۲۔ سمندر/دریا کا سینہ شعاعوں کے لیے گویا گہوارہ ہے۔ ندی کے کنارے سورج کا منظر

کس قدر دلکش ہے۔ سمندر میں موجوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے سورج کی کرنوں میں بھی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے گہوارے سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں بچے کو بٹھا کر جھلایا جاتا ہے۔

۳۔ صنوبر کا درخت اپنی آرائش و زیبائش میں مصروف ہے اور ندی سے وہ آئینے کا کام لے رہا ہے۔ یہ درخت ندی کے کنارے اُگا ہوا ہے اور اس کا عکس ندی کے پانی میں پڑ رہا ہے' جبکہ پھول کی کلی کے لیے موسم بہار کی ہوا آئینہ ہے۔ اس ہوا سے پھول خوب کھلنے لگتے ہیں، جسے کلیوں کے لیے آئینہ کہا گیا ہے۔

۴۔ کوئل باغ کے کاشانہ میں نعرے لگاتی رہتی ہے، یعنی چہچہاتی رہتی ہے اور اس کا یہ عمل انسان کی آنکھوں سے پنہاں پتوں کے خلوت خانے میں ہوتا ہے۔ وہ درخت کے اوپر پتوں کے درمیان بیٹھی چہچہاتی ہے اور انسان کو کم نظر آتی ہے۔ یہ گویا اس کا گوشۂ تنہائی ہے۔

۵-۶ اور بلبل جو باغ کی رنگین نوا (دلکش نغمے الاپنے والی، چہچہانے والی) گلوکارہ ہے، جس کی بدولت باغ کی فضا گویا زندہ ہے، یعنی یہ فضا خوشگوار ہے، عشق کے ہنگاموں کی ایک اڑتی ہوئی تصویر ہے! واہ! قدرت کے قلم کی یہ کیسی دلکش تحریر ہے۔ بلبل کو پھول کا عاشق کہا جاتا ہے اور اس کا چہچہانا گویا اس عشق کا اظہار ہے، چونکہ وہ ایک پرندہ ہے اس لیے اسے مذکورہ تصویر کہا ہے۔

۷۔ باغ میں گلستان زادوں (پودوں، درختوں) کے خاموش جلسے ہیں، جبکہ پہاڑ کی وادی میں چرواہوں کے بیٹوں کے نعرے ہیں۔ درختوں کی کثرت کو خاموش جلسے اور چرواہوں کے بھیڑ بکریوں وغیرہ کے ہانکنے کو ان کے نعروں سے تشبیہ دی ہے۔

۸۔ یہ پرانا خاکدان (یعنی دنیا) زندگی سے آباد ہے، اس میں رونق اور چہل پہل رہتی ہے اور موت میں بھی زندگی کی بے چین آرزو پوشیدہ ہے۔ اگرچہ موت نظر تو نہیں آتی، اس کا مادی وجود نہیں ہے لیکن اس کا سلسلہ جاری ہے جسے زندگانی کی تڑپ کہا گیا ہے۔

۹۔ موسم خزاں میں پھولوں کی پتیاں کچھ اس طرح جھڑتی اگرتی ہیں جس طرح کسی سوئے ہوئے بچے کے ہاتھ سے رنگین کھلونے گرتے ہوں۔ پتیاں رنگدار ہوتی ہیں، اس لیے انہیں رنگین کھلونوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (ان تمام اشعار میں قدرتی مناظر کی دلکش عکاسی کی گئی ہے)۔

۱۰۔ اس نشاط آباد (دنیا) میں اگرچہ عیش و مسرت بے اندازہ و بکثرت ہیں لیکن اس میں ایک غم یعنی ملت کا غم ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ ملت اسلامیہ جو کبھی بڑے عروج پر تھی آج وہ اپنی عظمت و سربلندی سے محروم ہو چکی ہے جس کا غم مٹ نہیں سکتا۔

(۱۲)

۱۔ (اب گورستان شاہی کے حوالے سے بات ہے) ہمارے دل گزرے ہوئے (عظیم) دور کی یاد سے خالی نہیں ہیں۔ یہ امت (مسلمان) اپنے بادشاہوں کو بھولنے والی نہیں ہے۔ مسلمان جب اپنے عظیم ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو انہیں اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ ماضی میں ہم کیا تھا، کتنے سربلند تھے اور آج کس قدر پستی کا شکار ہیں۔

۲۔ یہ بام و در (عمارت کے سب حصے) آنسو بہانے کا ایک بہانہ ہیں اور ہماری گیلی آنکھیں (آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں) مسلسل گریہ و زاری سے بصیرت والی بنتی ہیں۔ گورستان شاہی میں مقبروں کو دیکھ کر ایک صاحب بصیرت پر بڑا دکھ طاری ہوتا ہے اور وہ اپنے شاندار ماضی اور موجودہ حالت کا موازنہ کر کے عبرت حاصل کرتا ہے۔

۳۔ ہم زمانے کو روتی ہوئی آنکھوں کے موتی دیتے ہیں۔ ہم گویا ایک گزرے ہوئے طوفان کے آخری بادل ہیں۔ اپنے ماضی اور حال کی صورت حال کو استعارے میں بیان کیا ہے۔

۴۔ ابھی اس بادل کی آغوش میں سینکڑوں موتی موجود ہیں اور اس کے خاموش سینے میں بجلی ابھی باقی ہے۔ بادل ملت کا اور موتی باہمت مسلمانوں کا استعارہ ہے۔ (نیز لغت دیکھیے)

۵۔ یہ (باہمت مسلمان) صحرا کی مٹی کو پھولوں کی وادی بنا سکتا ہے اور کسان کی امید کو نیند سے بیدار کر سکتا ہے۔ یعنی وہ قوم کے باغ کی آبیاری کرنے والا باہمت اور باعمل فرد ہے۔

۶۔ اگرچہ قوم کی جلالی شان کا ظہور ہو چکا ہے، یعنی مسلمان فاتحین نے ماضی میں اپنی قوت بازو سے طاقت و قوت دکھانے کے ایسے اقدام کئے جو دوسروں پر رعب و دبدبہ بٹھانے والے تھے، وہ دور اب لد چکا ہے لیکن ابھی جمالی شان دکھانے کا وقت ہے۔ یعنی ایسے اقدامات کرنے کا وقت ہے جن کا حسن اخلاق اور دلوں پر اثر کرنے والے تدبر سے تعلق ہے اور جدید دور میں یہی اقدامات فتح مندی کا نہایت کامیاب ہتھیار ہیں۔

نمودِ صبح

۱۔ ہو رہی ہے زیرِ دامانِ افق سے آشکار / صبح، یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار
۲۔ پا چکا فرصت درودِ فصلِ انجم سے سپہر / کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار
۳۔ آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر / محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار
۴۔ شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے / بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار
۵۔ ہے رواں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے / سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار
۶۔ کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی / کھینچتا ہو میاں کی ظلمت سے تیغِ آبدار
۷۔ مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح / جیسے خلوت گاہِ مینا میں شرابِ خوشگوار
۸۔ ہے تہِ دامانِ باد اختلاط انگیزِ صبح / شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہم کنار
۹۔ جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج / ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار

(علامہ نے اس نظم میں انتہائی دلکش استعاروں میں صبح کے طلوع ہونے کی تصویر کشی کی ہے جو بلاشبہ بے مثل ہے۔ علامہ نے یہ نظم 1911ء کے آخر میں کہی تھی)۔

۱۔ افق (آسمان کا کنارہ جو چاروں طرف زمین سے ملا ہوا نظر آتا ہے اور جس میں صبح و شام شفق کی سرخی نظر آتی ہے) کے دامن کے نیچے سے صبح، یعنی لیل و نہار کی دختر دوشیزہ نمودار ہو رہی ہے۔ صبح طلوع ہو رہی ہے۔

۲۔ آسمان ستاروں کی فصل کاٹنے سے فارغ ہو چکا ہے (ستارے غروب ہو گئے ہیں)۔ اب مشرق کی کھیتی میں سورج آئینہ کار ہو گیا ہے۔ سورج مشرق سے طلوع ہو کر چمکنے لگا ہے۔

۳۔ آسماں نے خورشید/سورج کی آمد کی خبر پا کر رات کی پرواز کا محمل غبار کے کندھے پر باندھ دیا۔ یعنی سورج طلوع ہونے پر رات کا دھندلکا ختم ہو گیا۔

۴۔ آسمان کے کسان (آسمان) نے ستاروں کے جو چنگارے بوئے تھے، سورج کا شعلہ گویا اس کھیت کا حاصل ہے۔ ستاروں کو چنگاروں کا بیج اس لیے کہا ہے کہ ان کی روشنی تھوڑی ہوتی ہے۔ ستارے غروب ہو گئے اور سورج طلوع ہو کر چمکنے لگا۔

۵۔ صبح کا ستارہ کچھ اس طرح چل رہا ہے جیسے عبادت خانے سے کوئی شب زندہ دار عابد سب سے پیچھے جائے۔ چونکہ وہ دوسرے ستاروں کے برعکس صبح کے قریب طلوع ہوتا

ہے اور جلد غروب ہو جاتا ہے۔اس لیے یہ استعارہ استعمال کیا ہے۔

۶- صبح کا یہ منظر کیسا دلکش ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی آہستہ آہستہ نیام کی تاریکی سے چمکتی ہوئی تلوار نکال رہا ہو۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ صبح سورج کی چمک/روشنی زیادہ نہیں ہوتی جو بعد میں بڑھتی چلی جاتی ہے۔

۷- سورج کے مطلع میں صبح کا مضمون کچھ اس طرح پوشیدہ ہے جیسے صراحی کی خلوت گاہ میں مزے دار شراب ہو۔ سورج کے طلوع ہونے کے آغاز کو جب اس کی ہلکی ہلکی چمک بہت دلکش ہوتی ہے اس استعارے میں بیان کیا ہے۔

۸- صبح کی اختلاط انگیز ہوا کے دامن کے نیچے ناقوس کی شورش/اونچی آواز اور اذان کی آواز ہم کنار ہیں۔ یعنی صبح سویرے بت خانوں میں سنکھ بجائے جاتے ہیں اور مسجدوں میں اذان کی آوازیں گونجتی ہیں۔ تقریباً ایک ہی وقت میں دونوں آوازیں بلند ہوتی ہیں اس لیے "ہم کنار" کہا۔

۹- (یہ تو انسانوں کے اعلانِ صبح کا انداز تھا، اب پرندوں کی طرف توجہ کی ہے)۔ صبح سویرے نغمے الاپنے یعنی چہچہانے والے پرندے بلبل کی اذاں (چہچہاہٹ) سے بیدار ہو گئے۔ چنانچہ صبح کے باجے کا ہر ہر تار نغمے بکھیر رہا ہے۔ صبح کے مذکورہ مناظر کو باجے کے تار سے تشبیہ دی ہے جس سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔

تضمین بر شعرِ انیسی شاملو

۱- ہمیشہ صورتِ بادِ سحر آوارہ رہتا ہوں
محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی

۲- دلِ بیتاب جا پہنچا دیارِ پیرِ سنجرؒ میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

۳- ابھی نا آشنائے لب تھا حرفِ آرزو میرا
زباں ہونے کو تھی منت پذیرِ تابِ گویائی

۴- یہ مرقد سے صدا آئی "حرم کے رہنے والوں کو
شکایت تجھ سے ہے اے تارکِ آئینِ آبائی

۵- ترا اے قیس! کیونکر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا؟
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی اندازِ لیلائی

۶- نہ تخمِ لا الٰہ تیری زمینِ شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی

۷- تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے؟
کنشتی ساز، معمورِ نواہائے کلیسائی

۸- ہوئی ہے تربیت آغوشِ بیت اللہ میں تیری
دلِ شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی

۹۔ "وفا آموختی از ما بکار دیگراں کردی   ربودی گوہرے از ما نثار دیگراں کردی"

(انیس کے اس شعر کو تضمین کرنے سے علامہ کا مقصد مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ ان کی ذلت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت ترک کر دی ہے۔ انہوں نے یہ پیغام خواجہ غریب نوازؒ کی زبان سے ادا کیا جس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ خواجہ مرحوم اپنے دور میں اسلام کے بڑے مبلغ رہے ہیں۔ ان کے اس ذکر سے سننے والے کی نگاہ میں وہ سب کارنامے پھرنے لگتے ہیں جو انہوں نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں انجام دیئے اور یہ امر ان کی قدر و منزلت کا باعث بنتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نظم میں سرزنش کا پہلو بھی ہے جس کا حق کسی ایسی شخصیت کو حاصل ہوتا ہے جو خود اس بات پر عمل کر چکی ہو جس کے ترک کرنے پر تارک کو سرزنش کرنا پڑی)۔

۱۔۲ میں ہمیشہ صبح کی ہوا کی طرح آوارہ رہتا ہوں (مسلسل چلتا رہتا ہوں) اس لیے کہ محبت میں جادہ پیمائی، منزل / پڑاؤ سے کہیں زیادہ اچھی ہے؛ چنانچہ اسی سلسلے میں میرا دل پیر سنجرؒ کے علاقے (مزار پر) جا پہنچا اور یہ علاقہ / مزار ایک ایسا مقام ہے جہاں بے قراری کے دکھ کا علاج پایا جاتا ہے۔ آدمی وہاں پہنچ کر بڑا سکون پاتا ہے۔

۳۔۴ ابھی میری آرزو کے الفاظ ہونٹوں سے نا آشنا تھے (میں نے ابھی اپنی آرزو کا اظہار نہیں کیا تھا) اور میری زبان ابھی گفتگو / بولنے کی قوت کی احسان مند ہونے والی ہی تھی کہ پیرؒ کے مزار سے یہ آواز آئی کہ اے آبائی قانون کو ترک کرنے والے! اہل حرم کو تجھ سے شکایت ہے۔ یعنی تیرے (یا مسلمانوں کے) اسلاف اسلام کی راہ پر گامزن تھے لیکن تو نے یہ راستہ ہی چھوڑ دیا ہے۔ اسلام سے دور ہو رہا ہے اور اسلام کو تجھ سے اسی بات کی شکایت ہے۔

۵۔ اے مجنوں! تیرا باطنی سوز و گداز (جذبۂ عشق) کیوں ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ حالانکہ لیلیٰ میں تو وہی لیلائی انداز برقرار ہیں۔ گویا مسلمان جو کبھی اسلام کا عاشق تھا، عملی طور پر اس کا پیروکار تھا، اب وہ اس جذبے سے محروم ہو گیا ہے حالانکہ اسلام کی عظمت و دل کشی اسی طرح قائم و برقرار ہے۔

۶۔ تیری بنجر زمین سے توحید ایزدی ("لا الٰہ") کا بیج نہ پھوٹا، چنانچہ ساری دنیا میں تیری فطرت کا بانجھ پن ذلیل و رسوا ہے۔ تیرا (آج کے مسلمان کا) دل انتہائے حس اور جوش و جذبے سے عاری ہو چکا ہے کہ وہ ہر طرح کی اہلیت کھو بیٹھا ہے جس کی وجہ سے وہ ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہے۔

۷- اے آج کے غافل مسلمان! کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ تیری زندگی کیا ہے؟ تیری زندگی تو اسلام سے دور اور کشتی ساز ہے جو کلیسائی سروں سے پُر ہے۔ (لغت دیکھیے)

۸- تیری تربیت تو بیت اللہ (اللہ کا گھر، کعبہ، مراد اسلامی ماحول) کی گود میں ہوئی ہے۔ یعنی تیری پرورش و تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی ہے لیکن تیرا دیوانہ دل تو صنم خانے (غیر اسلامی تہذیب و تمدن) کا شیدائی ہے، بالخصوص مغربی تہذیب و ثقافت کی پیروی نے تجھے اسلامی تعلیمات پر عمل سے دور کر رکھا ہے۔

۹- تو نے وفاداری تو ہم سے سیکھی لیکن اسے دوسروں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کے لیے صرف کیا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے تو نے ہم سے ایک موتی لیا اور غیروں پر نچھاور کر دیا۔ ایمی شاملو کا یہ شعر مجاز کا شعر ہے لیکن علامہ نے اسے استعارے کی صورت میں استعمال کیا ہے۔ مطلب شعر آٹھ والا ہے۔

فلسفۂ غم

(میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور کے نام)

۱- گو سراپا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی — اشک بھی رکھتا ہے دامن میں سحابِ زندگی
۲- موجِ غم پر رقص کرتا ہے حبابِ زندگی — ہے "الم" کا سورہ بھی جزوِ کتابِ زندگی
۳- ایک بھی پتی اگر کم ہو تو وہ گل ہی نہیں — جو خزاں نادیدہ ہو بلبل، وہ بلبل ہی نہیں

(۲)

۱- آرزو کے خون سے رنگیں ہے دل کی داستاں — نغمۂ انسانیت کامل نہیں غیر از فغاں
۲- دیدۂ بینا میں داغِ غم چراغِ سینہ ہے — روح کو سامانِ زینت آہ کا آئینہ ہے
۳- حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال — غازہ ہے آئینۂ دل کے لیے گردِ ملال
۴- غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے — ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
۵- طائرِ دل کے لیے غم شہپرِ پرواز ہے — راز ہے انسان کا دل، غم انکشافِ راز ہے
۶- غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے — جو سرودِ بربطِ ہستی سے ہم آغوش ہے

(۳)

۱- شام جس کی آشنائے نالۂ "یارب" نہیں — جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں

۲- جس کا جامِ دل شکستِ غم سے ہے ناآشنا
جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا

۳- ہاتھ جس گلچیں کا ہے محفوظ نوکِ خار سے
عشق جس کا بے خبر ہے ہجر کے آزار سے

۴- کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

۵- اے کہ نظمِ دہر کا ادراک ہے حاصل تجھے
کیوں نہ آساں ہو غم و اندوہ کی منزل تجھے

(۴)

۱- ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقلِ انسانی ہے فانی، زندۂ جاوید عشق

۲- عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوزِ زندگی ہے، تا ابد پائندہ ہے

۳- رخصتِ محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر
جوشِ الفت بھی دلِ عاشق سے کر جاتا سفر

۴- عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

۵- ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے عدم نا آشنا محبوب کی

(۵)

۱- آتی ہے ندی جبینِ کوہ سے گاتی ہوئی
آسماں کے طائروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی

۲- آئنہ روشن ہے اس کا صورتِ رخسارِ حور
گر کے وادی کی چٹانوں پر یہ ہو جاتا ہے چور

۳- نہر جو تھی اس کے گوہر پیارے پیارے بن گئے
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے

۴- جوئے سیماب رواں پھٹ کر پریشاں ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی

۵- ہجر ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
دو قدم پر پھر وہی جو مثلِ تارِ سیم ہے

۶- ایک اصلیت میں ہے نہرِ روانِ زندگی
گر کے رفعت سے ہجومِ نوعِ انساں بن گئی

۷- پستیِ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

(۶)

۱- مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

۲- عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو
یا جوانی کی اندھیری رات میں مستور ہو

۳- دامنِ دل بن گیا ہو رزم گاہِ خیر و شر
راہ کی ظلمت سے ہو مشکل سوئے منزل سفر

۴- خضرِ ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر
فکر جب عاجز ہو اور خاموش آوازِ ضمیر

۵- وادیِ ہستی میں کوئی ہم سفر تک بھی نہ ہو
جادہ دکھلانے کو جگنو کا شرر تک بھی نہ ہو

۶- مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

(یہ نظم رسالہ مخزن، جولائی 1910ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے شروع میں علامہ نے درج

ذیل نوٹ لکھا تھا جو بانگ درا میں شائع نہیں ہوا: "ذیل کے اشعار میں نے اپنے دوست اور ہم جماعت میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور کی خدمت میں، ان کے والد بزرگوار کی ناگہانی رحلت کے موقع پر بطور تسلی نامہ کے لکھے تھے، اگرچہ میری تحریر پرائیویٹ تھی اور اس کی اشاعت کچھ ضروری نہ تھی؛ تاہم میں چاہتا ہوں کہ یہ اشعار میاں صاحب موصوف کے احبا اور معرفین تک بھی پہنچیں جنھوں نے اس موقع پر میاں صاحب کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے۔")

(۱)

۱۔ اگرچہ زندگی کی شراب سراسر کیف عشرت ہے، تاہم زندگی کے بادل کے دامن میں آنسو بھی ہیں۔ یعنی زندگی میں اگرچہ خوشیاں اور مسرتیں بھی ہیں لیکن غم واندوہ بھی انسان پر گزرتے رہتے ہیں۔ بعض شعرا نے اس ضمن میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

حافظ:

چہ شکر گویمت اے خیل غم عفاک اللہ — کہ روز بیکسی آخر نمی روی زسرم

(اے غموں کے لشکر، تیرا میں کیا شکر کروں، جتنا بھی شکر کروں کم ہے، خدا تجھے معاف فرمائے، تُو تو بیکسی کے دنوں میں بھی میرے سر سے نہیں جاتا)۔

غالب:

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے — اُردی جو نہیں تو دَے نہیں

اُردی: اُردی بہشت موسم بہار کا دوسرا مہینا — دَے: موسم خزاں

فانی:

غم بھی گذشتنی ہے، خوشی بھی گذشتنی — کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

داغ:

گئے ہیں رنج وغم اے داغ ہمرہ ساتھ اپنے — اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقان عدم نکلے

۲۔ زندگی کا بلبلا غم کی لہرا لہروں پر رقص کرتا ہے۔ چنانچہ "الم" کی سورت بھی کتاب زندگی کا ایک جز ہے۔ عارضی وفانی زندگی میں غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ (نیز لغت دیکھئے)

۳۔ اگر کسی پھول میں ایک بھی پتی کم ہو تو وہ پھول ہی نہیں ہے، جس بلبل نے موسم خزاں نہ دیکھا ہو وہ بلبل ہی نہیں ہے۔ وہی بات دوسرے استعارے میں۔

(۲)

۱۔ دل کی داستان آرزو کے خون سے رنگین ہے، یعنی آرزو کا پورا نہ ہونا غم کا باعث بنتا

ہے اور انسانیت کا نغمہ آہ و فغاں کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ آہ و فغاں انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے جو غموں دکھوں کے موقعوں پر انسان کرتا ہے۔

۳۔ غم کے حادثوں ہی سے انسان کی فطرت میں کمال پیدا ہوتا ہے، چنانچہ رنج و غم کی گرد آئینۂ دل کے لیے غازہ ہے۔ جب انسان غم والم برداشت کرنے لگتا ہے تو اس میں دیگر بڑی صلاحیتیں اور اہلیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے وہ اپنی بقا کا سامان کرتا ہے۔

۴۔ غم انسان کی جوانی کو نیند کے لطف سے بیدار کر دیتا ہے۔ یہ ساز اسی مضراب سے بیدار ہوتا یعنی چلتا ہے۔ ساز استعارہ ہے جوانی اور مضراب غم کا۔ جس طرح ساز پر مضراب لگنے سے اس میں سر تال پیدا ہونے لگتے ہیں جو اس کی اہلیت کا پتا دیتے ہیں کہ یہ سر تال ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جوانی ہی میں غم سے انسان میں وہ صلاحیتیں اور قوتیں پیدا ہوتی ہیں جن سے وہ اچھائی اور برائی یا نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتا اور اپنا مستقبل سنوار سکتا ہے۔

۵۔ دل کے پرندے کے لیے غم پرواز کا شہپر ہے۔ انسان کا دل ایک راز ہے اور غم اس راز کا انکشاف ہے۔ بات غم کی اہمیت ہی سے متعلق چل رہی ہے، جسے مختلف استعاروں میں بیان کیا جا رہا ہے۔ پرندے کی بلند پروازی شہپر ہی کی بدولت ہے، اگر یہ نہ ہو تو پرندے کے لیے اڑنا مشکل ہے۔ گویا غم ہی کی بدولت انسان میں بلند جذبے اور ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ غم کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ اثر انسان کے چہرے پر نمایاں ہو جاتا ہے، جو گویا انکشاف راز ہے۔

۶۔ (حقیقت میں) غم، غم نہیں بلکہ روح کا ایک خاموش نغمہ ہے جو وجود زندگی کے باجے کی دلکش آواز سے بغلگیر ہے۔ اس سارے بند میں غم کی اہمیت و ضرورت کو مختلف اور بڑے زوردار استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ (پچھلے بند کے پہلے شعر میں دیے گئے دوسرے شعرا کے بھی اشعار ملاحظہ ہوں)۔

(۳)

۱۔ جس انسان کی شام ''یارب'' کے نالے سے آشنا نہیں ہے، جس کی رات میں آنسوؤں کے ستارے جلوہ گر نہیں ہیں (جو انسان کسی غم میں مبتلا نہیں ہوتا اور یوں وہ اللہ کے حضور فریاد و فغاں نہیں کرتا اور جو رات کے وقت اس ذات کے حضور، اسی وجہ سے، آنسو نہیں بہاتا)!

۲۔ جس کا جامِ دل غم کے ہاتھوں ٹوٹ پھوٹ سے ناآشنا ہے اور جو ہمیشہ عیش و عشرت ہی کی شراب سے مست رہا ہے۔ (جس نے کوئی غم نہیں دیکھا)؛

۳۔ جس پھول چننے/توڑنے والے کا ہاتھ کانٹے کی نوک سے محفوظ رہا اور جس انسان کا عشق ہجر کی تکلیف سے بے خبر ہے (کانٹے کی نوک اور ہجر غم کا استعارہ ہیں)؛

۴۔ اگرچہ ایسے انسان کے روز و شب سے غم کی اذیت دور ہے (اسے کوئی غم نہیں ہے)، اس کی آنکھ سے زندگی کا راز چھپا ہوا ہے۔ یعنی اسے یہ خبر ہی نہیں کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے یا حقیقی زندگی کیا ہے۔ حقیقی زندگی سے تو وہی انسان باخبر ہوتا ہے جو خوشیوں کے ساتھ ساتھ غم کی اہمیت سے بھی باخبر ہو۔

۵۔ اے (میرے دوست میاں فضل حسین!) تو جو زمانے کے بندوبست/انتظام سے پوری طرح آگاہ ہے (تجھے علم ہے کہ زندگی خوشیوں غموں کا مجموعہ ہے) تیرے لیے غم و اندوہ کی منزل کیوں آسان نہ ہو۔ تیرے جیسے باخبر انسان پر جو غم گزرا ہے تو اسے آسانی سے برداشت کر جا۔

(۳)

۱۔ عشق ابد کی قدیم/پرانی کتاب کی تمہید ہے (آغاز یا دیباچہ ہے)۔ انسانی عقل فانی ہے جبکہ عشق زندۂ جاوید ہے۔ (اسے کوئی فنا نہیں ہے)۔ اس بند میں عشق کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔

۲۔ موت کی شام عشق کے سورج سے شرمندہ ہے۔ عشق زندگی کا ایسا سوز و گداز ہے جو ابد تک قائم و برقرار رہتا ہے۔ اسے فنا نہیں ہے۔ موت کو شام سے اور عشق کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سورج رات کو طلوع نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ انسان جسمانی طور پر تو ضرور مر جاتا ہے لیکن عشق کی بدولت وہ صاحب بقا بن جاتا ہے جسے کوئی فنا نہیں۔

۳۔ اگر محبوب کے چلے جانے (والد کے مر جانے) کا مقصد فنا ہوتا (یعنی محبوب گیا، بات ختم ہو گئی) تو عاشق کے دل سے، محبوب سے، محبت والفت کا جوش بھی ختم ہو جاتا۔ (''رخصت'' کے حوالے سے ''سفر'' کا لفظ استعمال کیا ہے)۔ محبوب اگرچہ نظروں سے دور ہو لیکن عاشق کی محبت میں کمی نہیں آتی۔

۴۔ محبوب اگر مر جاتا ہے تو بھی عشق نہیں مرتا (عاشق کا دل پھر بھی محبت کے جذبے سے سرشار رہتا ہے)۔ وہ (عشق) روح میں غم کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن مرتا نہیں، ختم

نہیں ہوتا۔ جذبۂ محبت کی سرشاری غم کی صورت میں برقرار رہتی ہے۔

۵۔ عشق کی بقا ہی سے محبوب کی بقا کا سامان ہوتا ہے۔ عشق کا جذبہ برقرار ہے تو محبوب بھی، گو آنکھوں سے دور سہی، دل عاشق میں سمایا رہتا ہے۔ محبوب کی زندگی عدم سے ناآشنا ہے۔ محبوب جسمانی طور پر مر بھی جائے، پھر بھی عاشق کی نظروں میں زندہ ہی رہتا ہے۔

(۵)

۱۔ (اب اس بند میں قدرتی مناظر کی عکاسی کر کے زندگی کی حقیقت بیان کی گئی ہے)، ندی پہاڑ کی پیشانی سے گاتی ہوئی اور آسمان کے پرندوں کو نغمہ سرائی سکھلاتی ہوئی آرہی ہے۔ ندی پہاڑی سے نیچے گر رہی ہے جس سے پانی کی آواز میں ایک طرح سے موسیقی کی کیفیت ہوتی ہے اور فضا میں اڑتے ہوئے پرندے اس سے چہچہانے لگتے ہیں۔

۲۔ اس ندی کا آئینہ (شفاف پانی جس میں ابھی گرد وغیرہ نہیں پڑی) حور کے چہرے / گالوں کی طرح روشن ہے جبکہ یہ آئینہ وادی کی چٹانوں پر گر کر چور ہو جاتا ہے۔ ندی کا بہت شفاف پانی وادی میں بہنے سے گرد آلود ہو جاتا ہے۔

۳۔ جو نہر تھی اس کے پیارے پیارے موتی بن گئے، یعنی پہاڑ پر سے پانی کے یوں گرنے سے وہ پانی کے تارے بن گئے۔ بلبلوں کی طرف اشارہ ہے جو مذکورہ صورت حال میں بنتے اور پھٹتے رہتے ہیں۔ گویا وہ تارے ہوتے ہیں جو طلوع ہوتے اور غروب ہوتے رہتے ہیں۔

۴۔ بہتی ہوئی شفاف وصاف ندی پھٹ کر بکھر گئی اور یوں بوندوں کی ایک بے قرار دنیا نمایاں ہوگئی۔ پہاڑ سے گرنے کے بعد ندی زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے اور یوں اس میں پانی کم ہوتا چلا جاتا اور اس کی رفتار کم ہوتی چلی جاتی ہے' جسے اس استعارے میں بیان کیا ہے۔

۵۔ لیکن ان قطروں کے لیے ہجر ایک طرح سے وصل کی تعلیم ہے، چنانچہ تھوڑے ہی فاصلے پر بہہ کر وہی ندی چاندی کا تار بن جاتی ہے۔ جس طرح چاندی کا تار سفید اور مسلسل ہوتا ہے اسی طرح ندی کا پانی پھر یکجا جمع ہو کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۶۔ درحقیقت زندگی بھی گویا ایک رواں نہر ہے جو بلندی سے گر کر بنی نوع انسان کا ہجوم

بن گئی۔ انسانی تخلیق اور دنیا میں اس کے بھیجے جانے کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔ حضرت آدم ایک انسان تھے انہیں دنیا میں اتارا گیا تو پھر انسان کثرت سے وجود میں آنے لگے۔ (شعر ۵ ملاحظہ ہو)

۷۔ اس عالم کی پستی میں یعنی زمین پر ملنے کی خاطر ہم جدا ہوتے ہیں۔ اس عارضی فرقت/جدائی کو ہم مستقل سمجھ کر ہم روتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان، قیامت کے روز آسمان پر اکٹھے ہوں گے؛ لیکن ہم کسی عزیز کی موت کو مستقل جدائی سمجھ کر اس غم سے رونے لگتے ہیں۔

(۶)

۱۔ اگرچہ مرنے والے مر جاتے ہیں لیکن وہ فنا نہیں ہوتے۔ یہ درحقیقت ہم سے بھی جدا نہیں ہوتے۔ پہلے والی بات۔

۲۔ جب عقل زمانے کی آفتوں میں گھری ہوئی ہو یا پھر وہ جوانی کی اندھیری رات میں چھپی ہوئی ہو (انسان آفتوں کا شکار ہو یا جوانی میں عیش و نشاط کا دلدادہ ہو)؛

۳۔ جب دل کا دامن نیکی اور بدی کا میدان جنگ بن گیا ہو اور راستے کی تاریکی کے سبب منزل کی طرف سفر کرنا مشکل ہو؛

۴۔ جب ہمت کا خضر آرزو کی بنا پر گوشہ گیر ہو گیا (انسان ہمت و طاقت سے کام لینا چھوڑ دے) جب انسانی فکر عاجز ہو اور ضمیر کی آواز خاموش ہو، (انسان جب مادی خواہشات کے چکر میں پڑ جائے اور اس کا ضمیر زندہ نہ رہے)؛

۵۔ زندگی کی وادی میں کوئی سفر کا ساتھی تک بھی میسر نہ ہو، یہاں تک کہ راستہ دکھلانے کے لیے جگنو کی وقتی چمک بھی نہ ہو، زندہ انسان کی مجبوریوں، مشکلوں اور نااہلیوں وغیرہ کا شکار رہتا ہے؛

۶۔ تو اس تاریکی میں بھی مرنے والوں کی پیشانی ہی روشن رہتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں۔ دوست کی تسلی کے لیے یہ سب کچھ کہا ہے۔

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

۱۔ وہ مست ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے   کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے

نہیں ہوتا۔ جذبہ محبت کی سرشاری غم کی صورت میں برقرار رہتی ہے۔

۵۔ عشق کی بقا ہی سے محبوب کی بقا کا سامان ہوتا ہے۔ عشق کا جذبہ برقرار ہے تو محبوب بھی، گو آنکھوں سے دور سہی، دل عاشق میں سمایا رہتا ہے۔ محبوب کی زندگی عدم سے ناآشنا ہے۔ محبوب جسمانی طور پر مر بھی جائے، پھر بھی عاشق کی نظروں میں زندہ ہی رہتا ہے۔

(۵)

۱۔ (اب اس بند میں قدرتی مناظر کی عکاسی کر کے زندگی کی حقیقت بیان کی گئی ہے)، ندی پہاڑ کی پیشانی سے گاتی ہوئی اور آسمان کے پرندوں کو نغمہ سرائی سکھلاتی ہوئی آرہی ہے۔ ندی پہاڑی سے نیچے گر رہی ہے جس سے پانی کی آواز میں ایک طرح سے موسیقی کی کیفیت ہوتی ہے اور فضا میں اڑتے ہوئے پرندے اس سے چہچہانے لگتے ہیں۔

۲۔ اس ندی کا آئینہ (شفاف پانی جس میں ابھی گرد وغیرہ نہیں پڑی) حور کے چہرے اُجالوں کی طرح روشن ہے جبکہ یہ آئینہ وادی کی چٹانوں پر گر کر چور ہو جاتا ہے۔ ندی کا بہت شفاف پانی وادی میں بہنے سے گرد آلود ہو جاتا ہے۔

۳۔ جو نہر تھی اس کے پیارے پیارے موتی بن گئے، یعنی پہاڑ پر سے پانی کے یوں گرنے سے وہ پانی کے تارے بن گئے۔ بلبلوں کی طرف اشارہ ہے جو مذکورہ صورت حال میں بنتے اور پھٹتے رہتے ہیں۔ گویا وہ تارے ہوتے ہیں جو طلوع ہوتے اور غروب ہوتے رہتے ہیں۔

۴۔ بہتی ہوئی شفاف وصاف ندی پھٹ کر بکھر گئی اور یوں بوندوں کی ایک بے قرار دنیا نمایاں ہوگئی۔ پہاڑ سے گرنے کے بعد ندی زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے اور یوں اس میں پانی کم ہوتا چلا جاتا اور اس کی رفتار کم ہوتی چلی جاتی ہے، جسے اس استعارے میں بیان کیا ہے۔

۵۔ لیکن ان قطروں کے لیے ہجر ایک طرح سے وصل کی تعلیم ہے، چنانچہ تھوڑے ہی فاصلے پر بہہ کر وہی ندی چاندی کا تار بن جاتی ہے۔ جس طرح چاندی کا تار سفید اور مسلسل ہوتا ہے اسی طرح ندی کا پانی پھر یکجا جمع ہو کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۶۔ درحقیقت زندگی بھی گویا ایک رواں نہر ہے جو بلندی سے گر کر بنی نوع انسان کا ہجوم

بن گئی۔ انسانی تخلیق اور دنیا میں اس کے بھیجے جانے کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔ حضرت آدم ایک انسان تھے انہیں دنیا میں اتارا گیا تو پھر انسان کثرت سے وجود میں آنے لگے۔ (شعر ۵ ملاحظہ ہو)

۷۔ اس عالم کی پستی میں یعنی زمین پر ملنے کی خاطر ہم جدا ہوتے ہیں۔ اس عارضی فرقت / جدائی کو ہم مستقل سمجھ کر ہم روتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان، قیامت کے روز آسمان پر اکٹھے ہوں گے: لیکن ہم کسی عزیز کی موت کو مستقل جدائی سمجھ کر اس غم سے رونے لگتے ہیں۔

(۲)

۱۔ اگرچہ مرنے والے مر جاتے ہیں لیکن وہ فنا نہیں ہوتے۔ یہ درحقیقت ہم سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پہلے والی بات۔

۲۔ جب عقل زمانے کی آفتوں میں گھری ہوئی ہو یا پھر وہ جوانی کی اندھیری رات میں چھپی ہوئی ہو (انسان آفتوں کا شکار ہو یا جوانی میں عیش ونشاط کا دلدادہ ہو)؛

۳۔ جب دل کا دامن نیکی اور بدی کا میدان جنگ بن گیا ہو اور راستے کی تاریکی کے سبب منزل کی طرف سفر کرنا مشکل ہو؛

۴۔ جب ہمت کا خضر آرزو کی بنا پر گوشہ گیر ہو گیا (انسان ہمت وطاقت سے کام لینا چھوڑ دے) جب انسانی فکر عاجز ہو اور ضمیر کی آواز خاموش ہو، (انسان جب مادی خواہشات کے چکر میں پڑ جائے اور اس کا ضمیر زندہ نہ رہے)؛

۵۔ زندگی کی وادی میں کوئی سفر کا ساتھی تک بھی میسر نہ ہو، یہاں تک کہ راستہ دکھلانے کے لیے جگنو کی وقتی چمک بھی نہ ہو، زندہ انسان کی مجبوریوں، مشکلوں اور الجھنوں وغیرہ کا شکار رہتا ہے؛

۶۔ تو اس تاریکی میں بھی مرنے والوں کی پیشانی ہی روشن رہتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں۔ دوست کی تسلی کے لیے یہ سب کچھ کہا ہے۔

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

۱۔ وہ مست ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے　　کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے

۲۔ "الٰہی! پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے | کلی سے رشکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے
۳۔ تجھے وہ شاخ سے توڑیں! زہے نصیب ترے | تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب ترے
۴۔ اٹھا کے صدمۂ فرقت وصال تک پہنچا | تری حیات کا جوہر کمال تک پہنچا
۵۔ مرا کنول کہ تصدق ہیں جس پہ اہلِ نظر | مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر
۶۔ کبھی یہ پھول ہم آغوشِ مدعا نہ ہوا | کسی کے دامنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا
۷۔ شگفتہ کر نہ سکے گی کبھی بہار اسے | فسردہ رکھتا ہے گلچیں کا انتظار اسے

(یہ رومانی نظم ہے یعنی مجازِ عشق سے متعلق ہے۔ ان کی وہ محبوبہ کون تھی جس نے انہیں پھول کی صورت میں تحفہ پیش کیا، اس کا پتا نہیں چل سکا۔ اس نظم میں انہوں نے ان جذبات کا اظہار کیا ہے جو محبوب کی طرف سے تحفہ ملنے پر عاشق کے دل میں پیدا ہوتے ہیں)۔

۱-۲ جب بھی وہ مست ناز محبوبہ/حسینہ گلشن میں جاتی ہے تو اس گلشن کی ہر ہر کلی کی زبان سے یہ دعا نکلتی ہے کہ "یا الٰہی! وہ (محبوبہ) پھولوں میں سے صرف مجھے چن لے اور یوں مجھ کو وہ گلِ آفتاب کے لیے باعثِ رشک بنا دے۔" آفتاب کو پھول سے تشبیہ دی ہے، یہاں سورج مکھی پھول مراد نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے (کلی کو) اس حسینہ کے چمکتے دمکتے ہاتھ لگنے سے بڑی چمک پیدا ہو جائے گی۔ حسینہ کے بہت دلکش حسن کی عکاسی ہے۔

۳۔ تجھے (اس پھول سے خطاب ہے جو تحفے میں ملا ہے) وہ (محبوبہ) شاخ سے توڑے تو یہ تو تیری بڑی خوش بختی ہے۔ (پھول توڑ لیا گیا ہے) تیرے توڑے جانے کے باعث تیرے رقیب (دوسرے پھول) تڑپتے ہی رہ گئے۔ یعنی اس نے ہمیں کیوں نہیں توڑا۔

۴۔ تو جدائی کا صدمہ برداشت کر کے وصال تک پہنچ گیا ہے اس سے تیری زندگی کا جوہر کمال کو پہنچ گیا ہے۔ شاخ سے توڑے جانے کو صدمۂ فرقت سے تشبیہ دی ہے اور محبوبہ نے جو اسے توڑا ہے تو یہ گویا اسے وصل نصیب ہو گیا ہے جو اس کی زندگی کی عظمت کا باعث بنا ہے۔

۵۔ (اب علامہ اپنی اس محبوبہ کے حوالے سے بات کرتے ہیں) میرا کنول (محبوب/محبوبہ) جس پر اہلِ نظر صدقے قربان ہو ہو جاتے ہیں اور میرے شباب کے گلشن کو جس پر فخر و ناز ہے (یعنی اس کے حسن میں اتنی دلکشی ہے کہ دیکھنے والے مست ہو ہو جاتے ہیں اور چونکہ علامہ کی اس سے اور اس کی علامہ سے محبت ہے، اس لیے پھول

کے حوالے سے "مرے گلشن شباب" کہہ کر اپنے فخر کی بات کی ہے۔

۶۔ اس پھول (محبوبہ) کی تمنا بھی پوری نہ ہوئی اور وہ کسی کے رنگین دامن سے آشنا نہ ہوا۔

۷۔ اسے موسم بہار بھی شگفتہ نہ کر سکے گا' اس لیے کہ اسے گلچیں کا انتظار افسردہ رکھتا ہے۔ یعنی اس کی جوانی صحیح ساتھی نہ ملنے کے باعث محرومی کا شکار رہے گی۔ گلچیں استعارہ ہے ساتھی کا، عاشق بھی مراد ہے۔

ترانۂ ملی (قومی ترانہ)

۱۔ چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
۲۔ توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
۳۔ دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا — ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا
۴۔ تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
۵۔ مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
۶۔ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
۷۔ اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا
۸۔ اے موجِ دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
۹۔ اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
۱۰۔ سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
۱۱۔ اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا — ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

(اس سے پہلے علامہ نے "ترانۂ ہندی" کے عنوان سے نظم کہی تھی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ نظم گویا اس نظم کی تردید میں ہے، اس لیے کہ علامہ اپنی شاعری کے دورِ اول میں جغرافیائی لحاظ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ قومیت کے قائل تھے لیکن جب 1910ء سے انہیں یہ یقین ہوا کہ اسلام میں قومیت وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے اشتراک کی بنیاد پر ہے تو انہوں نے یہ ترانہ لکھا)۔

۱۔ چین اور عرب ہمارے ملک ہیں اور ہندوستان بھی ہمارا ملک ہے، اس لیے کہ ہم مسلمان ہیں اور اس بنا پر سارا جہان ہمارا ملک ہے۔ مسلمان جغرافیائی لحاظ سے کسی خاص وطن کا قائل نہیں ہے۔ دنیا میں مسلمان جہاں بھی ہیں وہ مسلمان ہی ہیں ان کی

قومیت مخصوص مقام یا جغرافیائی حدود سے ماوراء ہے۔

۲۔ ہمارے دلوں میں توحید کی امانت ہے، اس لیے ہمارا نام ونشان مٹانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان چونکہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر کامل ایمان رکھتے ہیں اس لیے وہ ایک ہیں اور یہ وہ ملت نہیں جو کبھی وجود میں آئی اور پھر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ ملت قیامت تک زندہ رہے گی۔

۳۔ دنیا کے بت کدوں میں خانہ کعبہ خدا کا پہلا گھر ہے۔ ہم اس کے پاسباں ہیں اور وہ ہمارا پاسباں ہے۔ خانہ کعبہ اسلام کا مرکز ہے جہاں حج کے علاوہ بھی دنیا کے مسلمان اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مرکزیت ہی ملت اسلامیہ کی قوت واستحکام کا باعث ہے۔

۴۔ ہم مسلمان تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے ہیں۔ ہلال کا خنجر ہمارا قومی نشان ہے۔ ماضی میں مسلمانوں نے ہمیشہ باطل قوتوں کے خلاف جہاد جاری رکھا جو اسلام کی قوت وعظمت کا باعث بنا اور ملت اسلامیہ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

۵۔ مغرب کی وادیوں میں ہماری اذان گونجی اور ہمارا طوفان کی طرح بڑھتا ہوا لشکر کسی سے نہ تھمتا تھا۔ مغرب / یورپ کی وادیوں میں اذان گونجنے سے مراد مراکش اور سپین کی فتح ہے۔ مسلم مجاہد چونکہ ذاتی مفاد کی بجائے صرف حق کی خاطر جہاد کرتے تھے اس لیے ان میں دلیری وجرأت بے حد تھی جس کا مقابلہ کرنا کسی دوسری قوم کے بس کی بات نہ تھی۔

۶۔ اے آسمان! ہم مسلمان باطل قوتوں سے کسی طور پر دبنے والے نہیں ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں تو ہمیں سینکڑوں بار آزما چکا ہے۔ ماضی میں مسلمانوں نے باطل قوتوں کے خلاف جو جہاد کیے ان کی طرف تاریخی اشارہ ہے۔

۷۔ اے اندلس کے گلستان! تجھے وہ دن یاد ہوں گے جب تیری ڈالیوں میں ہمارا آشیانہ تھا یہ استعارہ ہے، اس کے لیے لغت دیکھیے۔

۸۔ اے دریائے دجلہ کی موج! تو بھی ہمیں پہچانتی ہے۔ اب تک تیرا دریا ہماری داستان پڑھنے والا یعنی زبانِ حال سے روداد سنانے والا ہے۔ (لغت دیکھیے)

۹۔ اے پاک سرزمین! ہم نے تیری عزت وعظمت اور وقار بڑھانے کے لیے باطل قوتوں کے خلاف جہاد کیا اور جامِ شہادت نوش کرتے رہے۔ چنانچہ تیری رگوں میں اب تک ہمارا خون رواں ہے۔ سرزمین حجاز ایسی آباد ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اس

کی زیارت (حج وعمرہ) کے لیے آتے جاتے اور اکٹھے ہوتے ہیں۔

۱۰۔ میرِ حجاز (حضور اکرمؐ) ہمارے قافلے کے سالار ہیں۔ حضور اکرمؐ ملتِ اسلامیہ کے سردار و سربراہ ہیں اور حضور اکرمؐ کے نامِ مبارک سے ہم مسلمانوں کی جان کو آرام و راحت میسر ہے۔

۱۱۔ اقبال کا یہ ملی ترانہ ایک طرح سے بانگِ درا (قافلے کے کوچ کی گھنٹی) ہے، چنانچہ ہمارا قافلہ اب پھر راستہ چلنے لگا ہے۔ علامہ کا یہ ترانہ ملت میں بیداری پیدا کر رہا ہے جس کے نتیجے میں ملتِ اسلامیہ پھر سرگرمِ عمل ہونے لگی ہے۔

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے)

(۱)

۱۔ اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

۲۔ مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

۳۔ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

(۲)

۱۔ یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

۲۔ بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوئ ہے

۳۔ نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے — اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے

(۳)

۱۔ ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی — رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی

۲۔ ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِؐ الٰہی — دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی

۳۔ گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے — ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

(۴)

۱۔ اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے

۲۔ خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

۳۔ اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے — قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

(جدید تہذیب کے نظریے کے مطابق جہاں انسان پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہ اس کا وطن ہے، یعنی جغرافیائی حدود کے حوالے سے کسی خاص ملک کو وطن کا نام دیا جاتا ہے جبکہ اسلام کا نظریہ علامہ ہی کے لفظوں میں یہ ہے کہ

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس بنا پر جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں وہ سرزمین ہر مسلمان کا وطن ہے۔ اس نظم میں جدید نظریۂ وطن پر تنقید کی گئی ہے)۔

(۱)

۱۔ آج کے دور میں شراب اور طرح کی، جام اور طرح کا اور جم اور طرح کا ہے۔ ساقی نے مہربانی و نوازش اور ظلم و ستم کی بنیاد اور ہی انداز کی ڈالی ہے۔ (لغت دیکھیے)

۲۔ (آج انہی حالات کے باعث) مسلمانوں نے بھی اپنا حرم / کعبہ نیا تعمیر کر لیا ہے۔ چنانچہ جدید تہذیب کے آزر نے نئے نئے بت تر شوائے / بنائے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت یورپی تہذیب سے بے حد متاثر ہے جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے دور اور مادہ پرستی پر مائل کرتی ہے۔

۳۔ ان نئے خداؤں یا بتوں میں سب سے بڑا خدا / بت وطن ہے۔ اس کا جو لباس ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔ جدید انداز وطن پرستی کچھ اس انداز کی ہے کہ اس نے انسان کو مذہب سے دور کر دیا ہے۔ مذہب سے اس (انسان) کی کوئی دلچسپی اور محبت نہیں رہی۔

(۲)

۱۔ یہ بت (جدید تصورِ وطنیت) جسے جدید تہذیب نے تراشا ہے دینِ نبیؐ / اسلام کو تباہ کرنے والا ہے۔ اس تصور کے باعث مسلمان اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور یہ امر اسلام کی عظمت کو بری طرح متاثر کر رہا ہے۔

۲۔ (اے مسلمان!) تیرا بازو توحید کی قوت سے مضبوط ہے، یعنی توحید پر ایمانِ کامل کے باعث تو باطل قوتوں سے دبنے والا نہیں ہے، تیرا وطن تو اسلام ہے اس لیے کہ تجھے تو حضور اکرم مصطفیٰؐ سے نسبت ہے۔ اسلام میں جدید تہذیب والے وطن کا کوئی تصور بھی نہیں ہے، اس لیے کہ:

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

۴۔ تو پھر زمانے کو پرانا نظارہ دکھا دے اور یوں اے مصطفویؐ! وطنیت کے اس بت کو مٹی میں ملا دے، تباہ کردے۔ پرانا نظارہ اسلام کے عظیم ماضی کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس وطنیت کے نظریے کو اپنے نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیں۔

(۳)

۱۔ اگر کسی وطن کی مذکورہ تخصیص ہو تو یہ (مسلمانوں کے لیے) ایک طرح سے تباہی کا سامان ہے۔ اس لیے (اے مسلم!) تو سمندر میں (یعنی دنیا میں) مچھلی کی طرح وطن سے آزاد ہو جا۔ مچھلی کا کوئی مخصوص ٹھکانا نہیں ہوتا، اس لیے "صورتِ ماہی" کی ترکیب استعمال کی ہے تو اس وطنیت پر توجہ نہ دے۔

۲۔ ہجرت کرنا خدا کے محبوب حضور اکرمؐ کی سنت ہے۔ لہٰذا تو بھی نبوت کی صداقت و حقیقت کی گواہی دے۔ اگر حضور اکرمؐ اس قسم کی وطنیت کے قائل ہوتے تو وہ بھی ہجرت نہ فرماتے۔ آپؐ نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ سب زمین اللہ کی ملکیت ہے لہٰذا دنیا میں کہیں بھی آباد ہو کر زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔ سو اے مسلم! تو حضور اکرمؐ کے مذکورہ عمل کو پیشِ نظر رکھ اور پوری دنیا کو اپنا وطن سمجھ۔

۳۔ سیاست کی گفتار میں وطن یعنی وطن کا نظریہ کچھ اور ہی انداز کا ہے جبکہ حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق وطن مذکورہ نظریۂ وطن سے کہیں بالاتر ہے۔

(۴)

۱۔ دنیا کی قوموں میں جو باہمی چپقلش اور کینہ ہے وہ اسی نظریۂ وطنیت کا نتیجہ ہے اور تجارت سے مقصد دوسرے ملکوں کو فتح کرنا ہے تو یہ بھی اسی باعث ہے۔ خبیث انگریز مغلیہ دور میں ہندوستان میں تجارت کے بہانے آئے اور پھر موقع پا کر اس پر قابض ہو گئے۔ اس شعر میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ آج کی سیاست میں جو صداقت و راست بازی نہیں ہے (چالبازی اور فریب کاری اس میں سمائی ہوئی ہے) تو اس کی وجہ بھی مذکورہ نظریہ ہے۔ کسی کمزور (کمزور قوم) کا گھر / وطن یا ملک غارت ہوتا ہے تو اس کا باعث بھی یہی ہے۔ برصغیر میں مسلمان کمزور ہو چکے تھے جس کا فائدہ انگریز نے اٹھایا۔

۳۔ خدا کی مخلوق، جو مختلف قوموں کی صورت اختیار کرتی ہے تو یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے اور

اسلام کی قومیت کی جو جڑ کٹتی ہے تو وہ بھی اس باعث ہے۔ گویا مسلمان خود کو مسلمان کہنے کی بجائے اگر خود کو عرب، ترک، اور شامی و عراقی وغیرہ کہتے اور اس پر فخر کرتے ہیں تو یہ بات اسلامی تصور کو نقصان پہنچائے گی۔

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

۱۔ قافلہ لوٹا گیا صحرا میں، اور منزل ہے دور — اس بیاباں، یعنی بحرِ خشک کا ساحل ہے دور

۲۔ ہم سفر میرے شکارِ دشنۂ رہزن ہوئے — بچ گئے جو، ہو کے بیدل سوئے بیت اللہ پھرے

۳۔ اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی — موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی

۴۔ خنجرِ رہزن اسے گویا ہلالِ عید تھا — "ہائے یثرب" دل میں، لب پہ نعرۂ توحید تھا

۵۔ خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل" — شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے، بیباکانہ چل"

۶۔ بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا؟ — عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا؟

۷۔ خوفِ جاں رکھتا نہیں کچھ دشت پیمائے حجاز — ہجرتِ مدفونِ یثرب میں یہی مخفی ہے راز

۸۔ گو سلامت محملِ شامی کی ہمراہی میں ہے — عشق کی لذت مگر خطروں کی جاں کاہی میں ہے

۹۔ آہ! یہ عقلِ زیاں اندیش کیا چالاک ہے — اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

(اس نظم میں علامہ نے ایک فرضی واقعہ بیان کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آخری شعر میں ہے۔ گویا عقل انسان کو چالاکی اور عیاری و مکاری کی راہ پر چلاتی ہے جبکہ عشق اس (انسان) میں جرأت و بے خوفی پیدا کرتا ہے چنانچہ زندگی میں وہی شخص کامیاب و بامراد ہے جو اس جرأت و بے باکی کا حامل ہے)۔

۱۔ (حاجیوں کا) قافلہ صحرا میں راہزنوں نے لوٹ لیا ہے جبکہ منزل ابھی دور ہے۔ اس بیاباں یعنی خشک سمندر کا ساحل دور ہے۔

۲۔ میرے (فرضی حاجی کے) ہم سفر لٹیروں کے خنجر کا نشانہ بن گئے (ڈاکوؤں / راہ ماروں / لٹیروں نے انہیں لوٹ کر قتل کر دیا) اور جو ان کے ہاتھوں سے بچ گئے وہ بڑے غمزدہ ہو کر خانہ کعبہ کی طرف لوٹ گئے۔ ایک تو ہمسفروں کی تباہی کے دکھ اور دوسرے خوف و ہیبت کے باعث وہ مدینہ شریف کی طرف بڑھنے کی بجائے واپس مکہ آ گئے۔ حاجی حج سے فارغ ہو کر زیارت روضۂ رسول اکرم کی خاطر مدینہ جاتے ہیں۔

۳۔ ترکستان کے شہر بخارا کے رہنے والے اس نوجوان (فرضی شخص) نے کس خوشی سے

جان دی، چنانچہ اس نے موت کے زہر آب سے حیاتِ جاوید پائی ہے۔ وہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے جانے کے باعث شہید کہلایا جو ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ خوشی سے جان اس لیے دی کہ وہ خدا کی راہ پر گامزن تھا اور اس راہ میں مارا جانا شہادت ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہے۔

۴۔ اس نوجوان کے لیے لٹیرے کا خنجر ایک طرح سے ہلالِ عید تھا (جسے دیکھ کر مسلمان خوش ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں) ہلال کی شکل خنجر کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے دل میں "ہائے یثرب" اور ہونٹوں پر نعرۂ توحید تھا۔ چونکہ وہ اللہ کی راہ پر چل رہا تھا اور زیارتِ روضۂ رسول اکرمؐ اس کے پیشِ نظر تھی (اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے کے باعث "ہائے یثرب" اس کے دل میں تھا) اس لیے اس نے بے خوف ہو کر جان دی' اگرچہ زیارت کی آرزو پوری نہ ہونے کا اسے دکھ ہوا۔

۵۔ اس قسم کی صورتِ حال میں خوف کہتا ہے کہ مدینہ شریف کی طرف تنہا نہ چل جبکہ شوق اور جذبۂ عشقِ رسول اکرمؐ کا تقاضا ہے کہ تو مسلمان ہے اس لیے بے خوف ہو کر چل، مسلمان صرف اللہ سے ڈرتا ہے کسی بھی باطل قوت کا وہ معمولی سا بھی خوف دل میں نہیں رکھتا۔

۶۔ حجاز کے صحرا کا راستہ طے کرنے والے کو جان کا قطعاً کوئی خوف نہیں ہوتا (راستے میں مارے جانے کا کوئی ڈر خوف نہیں ہوتا) چنانچہ مدفونِ یثرب کی ہجرت میں یہی راز پوشیدہ ہے۔ بے شمار کافر حضور اکرمؐ کے دشمن تھے لیکن جب حضور ہجرت پر مجبور ہوئے تو وہ بے خوف ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے اور تا حیات وہیں مقیم رہے اور وہیں ان کی نعشِ پاک دفن کی گئی۔ یہاں پانچویں شعر کے آخری فقرہ والی بات۔

۷۔ اگرچہ محملِ شاہی کی ہمراہی میں (اس کے ساتھ چلنے میں) سراسر سلامتی و حفاظت ہے لیکن عشق کی لذت خطروں کی جاں کاہی ہی میں ہے۔ عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار مسلمان ہر طرح کے خطروں سے نہ صرف بے خوف رہتا ہے بلکہ ان سے وہ ایک خاص سرور حاصل کرتا ہے، غالباً اس لیے کہ وہ اسے قدرت کی طرف سے اپنی آزمائش سمجھتا ہے اور اس آزمائش پر پورا اترنے کے لیے وہ ہر طرح کا خطرہ خوشی سے مول لینا یا مول لینے کو تیار رہتا ہے۔

۸۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ یہ زیاں اندیش عقل بڑی چالاک ہے جبکہ آدمی/انسان کا

جذبۂ عشق ہر طرح کے خوف و ہراس سے پورے طور پر بے نیاز و بے فکر ہے۔ عقل انسان کو مختلف طریقوں بہانوں سے ڈراتی اور اسے آگے بڑھنے سے روکتی ہے اور عشق اس کے برعکس انسان کو محبوب کی راہ میں خوشی خوشی جان دینے پر آمادہ کرتا ہے کہ اس سے اس کی بقا کا سامان ہوتا ہے۔ سچے عاشق کی زندگی کا مقصد محبوبِ حقیقی تک رسائی ہے جس کی خاطر وہ ہر طرح کے خطرے بخوشی قبول کرتا ہے۔

قطعہ

۱۔ کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

۲۔ یہ زائرانِ حریمِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

۳۔ غضب ہیں یہ "مرشدانِ خود بیں" خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

۴۔ سنے گا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

(اس قطعہ میں علامہ نے قوم فروش اور حکومت کے آلۂ کار نام نہاد لیڈروں پر طنز کیا ہے)

۱۔ کل ایک سودائی حضور اکرمؐ کے روضۂ مبارک پر رو رو کر یہ عرض کر رہا تھا کہ مصر اور ہندوستان کے مسلمان ملت اسلامیہ کی بنیاد مٹا رہے ہیں۔ یعنی یہ مسلمان خود کو ملت اسلامیہ کے افراد سمجھنے یا کہنے کی بجائے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر مصری یا ہندوستانی ہیں اور ان کا یہ نظریہ ملت کی تنظیم و یگانگت کو تباہ کر رہا ہے۔

۲۔ حریم مغرب کی زیارت کرنے والے یہ لوگ ہمارے کتنے ہی رہبر / لیڈر بنیں، ہمیں بھلا ایسے نام نہاد لیڈروں سے کیا واسطہ اور سروکار جو آپؐ سے نا آشنا رہے ہیں۔ ''زائران......'' سے مراد یورپ کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اور یورپ کی سیاحت کرنے والے جو اسلامی تعلیمات سے دور ہیں اور جنہیں حضور اکرمؐ سے کوئی تعلق و محبت نہیں ہے۔

۳۔ یہ مرشدان خود بیں بڑے ہی عیار و شریر اور چالاک ہیں۔ خدا آپؐ کی ملت کو ان سے بچائے۔ یہ رہنما آپؐ کے مسلمانوں کو غلط راہ پر لگا کر یا تباہی و بربادی کی رغبت دلا کر اور بد اخلاقی وغیرہ سکھا کر اپنی عزت کا سامان کر رہے ہیں۔ عام لوگوں کی نظروں میں محترم بن رہے اور شہرت حاصل کر رہے ہیں۔

۴۔ اے اقبال! اب تو محفل ہی بدل گئی ہے (حالات بدل گئے ہیں) اس صورت میں انہیں کون سنے گا۔ اب نیا دور ہے، نئے حالات ہیں جبکہ آپ ہمیں پرانی باتیں سنا رہے ہیں۔ یعنی اب ملتِ اسلامیہ ایسے لیڈروں کی چالاکیوں سے آگاہ ہو چکی ہے اور ان کے اقوال یا تعلیمات وغیرہ پر کوئی توجہ نہیں دے رہی۔

شکوہ

۱۔ کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں؟   فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
۲۔ نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں   ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟
۳۔ جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو   شکوہ اللہ سے، خاکم بدہن، ہے مجھ کو

(۲)

۱۔ ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم   قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
۲۔ سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم   نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
۳۔ اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے   خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

(۳)

۱۔ تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم   پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
۲۔ شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم!   بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم؟
۳۔ ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی   ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی؟

(۴)

۱۔ ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر   کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
۲۔ خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر   مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟
۳۔ تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟   قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

(۵)

۱۔ بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی   اہلِ چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی
۲۔ اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی   اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی
۳۔ پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے   بات جو بگڑی ہوئی تھی، وہ بنائی کس نے؟

(یہ نظم جو بانگ درا کی مشہور ترین اور معرکہ آرا نظم ہے، علامہ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ، منعقدہ اپریل 1911ء میں پڑھی تھی۔ شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے بقول "جب ڈاکٹر صاحب نے اپنی سحر انگیز لے میں ندرت تخیل کے اس شاہکار کو پڑھنا شروع کیا تو سارا مجمع مسحور نظر آتا تھا"۔ دراصل علامہ نے سوئی ہوئی اور پستی کی شکار قوم کو بیدار کرنے کے لیے یہ نادر انداز اختیار کیا۔ یہ دور مسلمانوں کی دین سے غفلت اور احکام الٰہی و رسول اکرمؐ پر عمل نہ کرنے کا دور تھا لیکن ظاہری طور پر یہ لوگ خدا اور رسول اکرمؐ کے خلاف ایک لفظ بھی کسی سے سننا گوارا نہ کرتے تھے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس نظم کے شائع ہوتے ہی نام نہاد ملاؤں نے اس کے خلاف بہت کچھ کہا؛ تاہم صاحب فہم لوگوں کے لیے اس سے ایک لمحۂ فکریہ پیدا ہوا اور انہوں نے سوچا کہ اتنی اخلاقی جرأت ایک مسلمان میں کیوں اور کس لیے پیدا ہو گئی جو بیباک اور نڈر ہو کر خدا تعالیٰ سے شکوہ کر رہا ہے۔ آخر اس پر کسی قدر غور کرنے سے مسلمان یہ سمجھ گئے کہ وہ (مسلمان) احکام الٰہی سے غفلت برتنے کے باعث پستی و ذلت کا شکار ہیں۔ ابھی لوگ چونک ہی رہے تھے کہ علامہ کا "جواب شکوہ" سامنے آیا اور اس کے شائع ہونے پر یکایک مسلمانوں کی ذہنیت میں انقلاب آیا اور کچھ ہی مدت میں ترقی کی راہیں کھلنے لگیں)۔

(۱)

۱۔ میں خود کیوں اپنا نقصان اپنے ہاتھوں سے یا خود کروں اور فائدے کو نظر انداز کر دوں، آنے والے مستقبل کی فکر نہ کروں اور گزری ہوئی رات ہی کے غم میں کھویا رہوں۔

۲۔ بلبل کے نالے سنوں اور خوب کان لگا کر سنتا رہوں، اے میرے ہم نوا! میں بھی کوئی پھول ہوں جو یہ نالے سن کر خاموش رہوں؟

۳۔ میری شعر و سخن کی صلاحیت مجھ میں جرأت پیدا کر رہی ہے۔ خاکم بدہن، مجھے اپنے اللہ سے شکوہ ہے۔ (نوٹ دیکھیے)

(۲)

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اس مولا کریم کی رضا پر راضی رہنے کے انداز میں مشہور ہیں' تاہم ہم اپنے دکھ کی داستان سناتے ہیں' اس لیے کہ مجبور ہیں۔

۲۔ ہم ایک طرح سے خاموش ساز ہیں اور فریاد سے بھرے پڑے ہیں۔ اس صورت میں اگر ہمارے ہونٹوں پر نالہ/فریاد آتا ہے' تو ہم معذور ہیں۔ (ہم سے مراد خود علامہ ہیں جو قوم کی حالت پر دکھ کا شکار ہیں۔)

۳۔ اے خدا! تو اپنے باوفا بندوں کا شکوہ بھی سن لے' اور ہم جو تیری حمد و ثنا کرنے کے

عادی ہیں ہم سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے۔

(۳)

۱۔ اگرچہ تیری قدیم ذات کریم ازل ہی سے موجود تھی (اور موجود ہے) اور پھول چمن کی آرائش کرنے والا تھا لیکن اس کی خوشبو ابھی پھیلی نہ تھی۔ یعنی تیری ذات ہی سے کائنات کی زیبائش تھی اور ابھی تیری صفات کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

۲۔ اے صاحب الطاف عمیم! تو ہی انصاف سے بتا دے کہ پھول کی خوشبو کیونکر پھیلتی اگر نسیم نہ ہوتی؟ صبح کی ہوا چلتی ہے تو خوشبو پھولوں کی پھیلتی ہے۔ نسیم استعارہ ہے مسلمانوں کا جنہوں نے صفات الٰہی کو سارے جہاں میں اس طرح پھیلایا جس طرح بادنسیم خوشبو کو پھیلاتی ہے۔

۳۔ ہمارے لیے یہ پریشانی (مراد وہ انتشار جو صفات الٰہی کو پھیلانے کے لیے دنیا میں ادھر ادھر بکھرنے میں پیش آیا) جمعیت خاطر کا باعث تھی۔ ورنہ کیا (اے مولا!) تیرے محبوب (حضور اکرمؐ) کی امت دیوانی تھی؟ جو یوں دنیا میں بکھر کر تیری صفات پھیلا رہی تھی؟

(۴)

۱۔ ہم (امت مسلمہ) سے پہلے تیرے جہاں کا عجیب منظر تھا، کہیں تو انسان پتھر کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے اور کہیں انہوں نے درختوں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔

۲۔ انسان کی نظر گویا نظر آنے والے مادی جسم یا شے کی عادی تھی (تیری طرف کہ تو عرش پر ہے ان کی کوئی توجہ نہ تھی)؛ بھلا اس صورت میں کوئی نظر نہ آنے والے خدا کو کیونکر مانتا، اس پر ایمان لاتا؟

۳۔ یارب! تجھے معلوم ہے کہ کوئی تیرا نام لیتا تھا؟ یعنی نہیں لیتا تھا۔ تجھ پر ایمان لانے کا یہ کام تو مسلمانوں کی قوت بازو نے کیا یعنی باطل قوتوں کے خلاف جہاد کر کے توحید کی اشاعت کی۔ نظریہ توحید ایزدی پھیلایا۔

(۵)

۱۔ اسی دنیا میں سلجوقی بھی آباد تھے اور تورانی بھی، چین میں چینی قوم آباد تھی جو بدھ مت کی پیرو تھی (اور غالباً آج بھی ہے)، ایران میں ساسانی خاندان کی حکومت تھی جو آتش پرست تھے۔

۲۔ پھر اسی جہان میں یونان میں یونانی بھی رہتے تھے اور یہودی اور عیسائی بھی اسی دنیا کے باشندے تھے۔

۳۔ لیکن (اے میرے مولا کریم!) تو یہ دیکھ کہ تیرے نام پر کس نے تلوار اٹھائی؟ اور جو بات بگڑی تھی اسے کس نے سنوارا، یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے باطل قوتوں اور بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اور تیری توحید کی اشاعت میں لگے رہے اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنی جان کی پروا بھی نہ کی اور یوں اس بگڑی ہوئی بات (بت پرستی وغیرہ) کو سنوارا، توحید کی تبلیغ کی۔

(۶)

۱۔ تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں — خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
۲۔ دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں — کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
۳۔ شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی — کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

(۷)

۱۔ ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے — اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
۲۔ تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے — سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
۳۔ قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی — بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

(۸)

۱۔ ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
۲۔ تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے — تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
۳۔ نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے — زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

(۹)

۱۔ تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟ — شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
۲۔ توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ — کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
۳۔ کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟ — کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

(۱۰)

۱۔ کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ — اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
۲۔ کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟ — کس کی تکبیر سے دنیا تیری بیدار ہوئی؟
۳۔ کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟ — منہ کے بل گر کے "ھو اللہ احد" کہتے تھے

(۱۱)

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

۲- ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
۳- بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(۶)

۱- یہ ہم مسلمان ہی تھے جنھوں نے بڑی دلیری سے توحید کی اشاعت کی خاطر اپنی جان بازی کی اور باطل قوتوں اور حکمرانوں سے ٹکرے کران کا خاتمہ کیا۔ اس عظیم مقصد کی خاطر ہم بلا خوف و خطر کبھی خشکیوں میں اور کبھی دریاؤں، سمندروں میں ان قوتوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔

۲- ہم نے اشاعت توحید کی خاطر کبھی تو یورپ کے کئی ممالک فتح کرکے وہاں کے گرجا گھروں میں اذانیں دیں اور کبھی افریقہ کے بے حد تپتے ہوئے ریگستانوں میں پہنچ کر یہ عظیم کام کیا، اسلام کا پرچم لہرایا۔

۳- ہم مجاہدین کی نظروں میں دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی ہم ان سے مرعوب نہ ہوتے تھے ہم ان سے پورے طور پر بے خوف تھے۔ چنانچہ ان سے ٹکر لینے کے لیے اور توحید کی اشاعت کی خاطر ہم تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ پڑھتے تھے۔ ہم موت کی پروا کیے بغیر اپنا جہاد جاری رکھتے اور کسی بھی بڑی سے بڑی قوت سے دب کر ہم اشاعت توحید کے جذبے سے خود کو خالی و محروم نہ کرتے تھے۔

(۷)

۱-۳ اے آقا! ہماری زندگی کا بنیادی مقصد ہی جنگوں میں شریک ہونا تھا، ان کی مصیبتوں سے ہم بے نیاز رہتے تھے اور تیرے نام کی عظمت اور اشاعت توحید کی خاطر ہم ان جنگوں میں دشمنوں کی تلواروں کا نشانہ بھی بنتے تھے لیکن ہمارا یہ جہاد جاری رہتا تھا۔ ہمیں اپنی جانوں کی کوئی پروا نہ تھی اور ہمارا یہ جہاد کسی حکومت اور دنیاوی مفاد کی خاطر نہ ہوتا تھا۔ کیا ہم جو جنگ کے میدانوں میں سر بکف رہتے تھے یا ہر وقت جہاد پر آمادہ رہتے تھے یہ سب اس دنیا میں دولت کی خاطر کرتے تھے؟ اگر اس سے ہمارا مقصد دنیاوی مال و دولت کا حصول ہوتا اور ہم اس مال و زر پر ہی لٹو ہوتے تو پھر ہم بت بیچنے کی بجائے (کہ اس سے دولت حاصل ہوتی ہے) بت کیوں توڑتے۔ محمود غزنوی کے سومنات کے مندر توڑنے کی طرف اشارہ ہے، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہندو اسے بے پناہ دولت دیتے؛ لیکن ہم نے بت توڑ کر توحید اور اسلام کا پرچم بلند کیا۔

(۸)

۱-۳ اے ذاتِ کریم! ہم باطل قوتوں کے خلاف جہاد میں پوری طرح ڈٹ جاتے تھے، چنانچہ دشمن قوت کا بڑے سے بڑا لشکر بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا جبکہ بڑے بڑے دلیروں بہادروں کے پاؤں بھی میدانِ جنگ میں اکھڑ جاتے اور وہ بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اگر کوئی ملک یا قوم تیری توحید اور اسلام سے سرکشی و بغاوت کا مظاہرہ کرتی تو ہم اس سے بگڑ جاتے یا تیرا قہر بن کر اس پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس موقع پر ہمارے لیے تلوار تو کیا چیز تھی ہم تو توپوں کے آگے بھی ڈٹ جایا کرتے تھے۔ ہمیں اپنی جان کی کوئی پروا نہ ہوتی تھی۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف تیری توحید کی اشاعت اور باطل کا خاتمہ ہوتا تھا۔ اپنے انہی عظیم جذبوں اور ولولوں سے ہم نے ہر دل پر تیری توحید کا نقش بٹھایا اور اس سلسلے میں اس عظیم مقصد کے حصول میں اگر ہمیں دشمن کی تلواروں کا بھی نشانہ بننا پڑا پھر بھی ہم توحید کا پیغام سنائے بغیر نہ رہ سکے۔

(۹)

۱-۳ یارب! تو ہی بتادے کہ درِ خیبر کس نے اکھاڑا (لغت ......) تھا اور قیصر کے شہر کو کس نے فتح کیا تھا؛ قیصرِ روم کے بڑے لشکر کو کس نے شکستِ فاش دی تھی۔ پھر کس نے لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا؟ کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو کس نے تلواروں سے کاٹ کے رکھ دیا تھا؟ نیز ایران کے آتشکدہ کو کس نے ٹھنڈا کیا تھا اور کس نے پھر یزداں کا تذکرہ/ذکر زندہ کیا تھا۔ (ایرانی آتش پرستوں کے نزدیک دو خدا تھے، یزداں نیکیوں کا اور اہرمن برائیوں کا خدا تھا، اہرمن گویا شیطان)۔ ایران کی فتح کے بعد وہاں تیزی سے اسلام پھیلا۔ یہ سب کچھ کس نے کیا؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے کیا۔

(۱۰)

۱-۳ اے خداوندِ کریم! تو ہی بتا کہ دنیا میں اتنی قوموں کے ہوتے ہوئے بھی وہ صرف ایک قوم کون تھی جو تیرے عشق کے جذبے سے سرشار تھی اور جس نے صرف تیری خاطر جنگوں کی زحمتیں اٹھائیں اور دنیاوی دلچسپیوں اور مفادات سے کوئی سروکار نہ رکھا، کس قوم کی تلوار نے دنیا کو فتح کر کے اس پر حاکم بنی یعنی تیرے نام کا دبدبہ پیدا کیا۔ پھر کس قوم کی تکبیروں سے تیری دنیا بیدار ہوئی یعنی تیری توحید سے دنیا روشن ہوئی۔ وہ کون سی قوم تھی جس کے خوف و دبدبہ سے بتوں کے بے حس اور ٹھوس جسموں پر بھی کپکپی طاری ہو

جاتی تھی اور وہ بت منہ کے بل گر کر تیری توحید کو تسلیم کرنے لگتے تھے۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ سب عظیم کارنامہ امت مسلمہ نے انجام دیا اور اشاعت توحید کے سلسلے میں ہر طرح کی مصیبتوں اور جان کی قربانی وغیرہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

(۱۱)

۱-۳ جب کسی جنگ کے موقع پر نماز کا وقت آ جاتا اور امت مسلمہ، جو اس جنگ میں شریک ہوتی، قبلہ رو ہو کر تیرے حضور سربسجدہ ہوتی تو اس وقت ایک ہی صف میں محمود اور ایاز (آقا اور غلام) کھڑے ہو جاتے اور صورت حال یہ ہوتی کہ اس وقت غریب اور امیر بھی ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے۔ ان میں آقا اور غلام کی کوئی تمیز و تفریق نہ رہتی، ایسا کوئی امتیاز نہ رہتا۔ چنانچہ تیرے حضور پہنچنے پر غلام اور آقا محتاج اور امیر بھی ایک ہو جاتے۔ اس لیے کہ تیرے (خدا) نزدیک سب انسان برابر ہیں، کسی کو کسی دوسرے پر سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے برتری حاصل نہیں ہے۔

اس بند میں اسلامی مساوات کی بڑی زبردست اور حقیقی تصویر کشی کی گئی ہے۔

(۱۲)

۱- محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
۲- کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟
۳- دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(۱۳)

۱- صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
۲- تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے — تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
۳- پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں — ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

(۱۴)

۱- امتیں اور بھی ہیں ان میں گنہگار بھی ہیں — عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
۲- ان میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں — سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
۳- رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر — برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

(۱۵)

۱- بت صنم خانوں میں کہتے ہیں "مسلمان گئے" — ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے

۲- منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے — اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
۳- خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟ — اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

(۱۶)

۱- یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور — نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور
۲- قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور — اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور
۳- اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں — بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

(۱۷)

۱- کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب؟ — تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
۲- تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب — رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب
۳- طعنِ اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے — کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

(۱۲)

۱-۳ ہم (مسلمان) دنیا کی محفل میں صبح و شام پھرتے رہے اور ہماری یہ گردش اس صورت میں تھی کہ توحید کی شراب لے کر جام کی طرح پھرے۔ توحید کی اشاعت میں صبح و شام مصروف رہے۔ ہم کوہ و دشت میں بھی تیرا پیغام توحید لے کر پہنچے اور تیری ذات کو معلوم ہے کہ ہم کبھی اس مہم میں ناکام پھرے؟ یعنی نہیں پھرے۔ جنگل تو ایک طرف رہے ہم نے دریاؤں میں بھی اپنا یہ اہم کام جاری رکھا۔ چنانچہ ہم نے بحر اوقیانوس میں بھی گھوڑے دوڑا دیے۔ (لغت دیکھیے)

(۱۳)

۱-۳ ہم نے صفحۂ دہر/زمانے سے باطل کو مٹا دیا (باطل قوتوں کو تباہ کر دیا)۔ یوں ہی نوعِ انسان کو غلامی سے نجات دلا دی (انسان کو انسان کی اور باطل قوتوں کی غلامی کی لعنت سے چھٹکارا دلا دیا) اور یہ سب کچھ اشاعت توحید کی خاطر کیا۔ پھر ہم نے تیرے کعبے کو اپنی پیشانیوں یعنی سجدوں سے آباد کیا اور تیرے قرآن کریم کو اپنے سینوں سے لگایا۔ اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیا۔ جتنا کچھ بھی ہم سے ممکن ہو سکا ہم نے تیری توحید اور اسلام کی اشاعت کے لیے ہر طرح کے خطروں اور مصیبتوں سے بے پروا ہو کر جدوجہد کی۔ ہماری اس تمام تر جدوجہد کے باوجود تجھے ہم سے یہ گلا/شکوہ ہے کہ ہم وفادار نہیں ہیں۔ تو اے ذات کریم! تو بھی تو دلدار نہیں ہے (یا تجھ میں بھی دلداری نہیں رہی جو کبھی ماضی میں تھی)۔

(۱۴)

۱-۳ اس دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جن میں گنہگار بھی ہیں' پھر ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو عاجزی و انکسار کا نمونہ ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو غرور و تکبر کی شراب سے مست ہیں (سراپا غرور و تکبر ہیں)۔ ان قوموں میں سست الوجود بھی ہیں، غفلت کے مارے بھی اور صاحبانِ ہوش و خرد بھی ہیں اور سینکڑوں ایسے ہیں جو تیرا نام تک سننا بھی پسند نہیں کرتے، تیرے نام پر بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس واضح صورت حال کے باوجود تعجب اس بات پر ہے کہ دوسری قوموں / غیروں کے گھروں پر تو تیری رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں یا تیری رحمتوں کے بادل موتی برساتے رہتے ہیں اور مسلمانوں پر صرف بجلی گرتی ہے۔ یعنی دوسری قومیں تو عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہی ہیں جبکہ بیچارے مسلمان تنگ دستی و مفلسی اور مصیبتوں کا شکار ہیں۔

(۱۵)

۱-۳ بت خانوں میں بت اس خوشی سے سرشار ہیں کہ مسلمان (بت شکن) اب گئے (عشق حقیقی کے جذبوں سے محروم ہو چکے ہیں)۔ انہیں اس بات کی بے حد مسرت و شادمانی ہے کہ اب کعبہ کی حفاظت کرنے والے' جنھوں نے کبھی ہمیں توڑا تھا' نہیں رہے یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ زمانے کی منزل سے اونٹوں کے حدی خوان یعنی مسلمان گئے اور اس حالت میں گئے کہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنی بغلوں میں دبا رکھا تھا۔ یعنی وہ قرآنی تعلیمات سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ ان میں وہ جذبہ نہیں رہا کہ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ آج کفر ہم پر طعنہ زنی کر رہا ہے اور ہماری ہنسی اڑا رہا ہے۔ اے ذات کریم! کیا تجھے اس دکھ بھری صورت حال کا کچھ احساس بھی ہے کہ نہیں؟ اور کیا تجھے اپنی توحید کا بھی کچھ لحاظ / خیال ہے کہ نہیں؟ دوسرے لفظوں میں کیا تو یہ گوارا کرتا ہے کہ آج پھر دنیا میں کفر چھا جائے اور اسلام و توحید زوال کا شکار ہو جائیں؟

(۱۶)

۱-۳ یہ شکایت نہیں بلکہ ایک طرح سے حقیقت ہے کہ وہ لوگ (کافر) تو جنہیں محفل میں بات تک کرنے کا بھی شعور نہیں' مال و دولت دنیا سے خوب لطف اٹھا رہے ہیں' ان کے خزانے مال و زر سے بھرے پڑے ہیں۔ غضب کی بات تو یہ ہے کہ کافر تو ہر طرح کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہو رہے ہیں' پھر ان کے پاس حسینائیں بھی ہیں اور عالی

شان کل بھی' جبکہ بیچارے مسلمان کو صرف حور کے وعدہ پر ٹرخا دیا ہے (اگلے جہان میں اسے جنت میں حوریں ملیں گی)۔ اے مولا کریم! اب ہم پر تیری وہ پہلی سی مہربانیاں اور عنایتیں نہیں ہیں' کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں پر تیری وہ پہلی سے مدارات نہیں ہے؟

(۱۷)

۱-۳ کیا وجہ ہے کہ مسلمان بیچارے دنیاوی دولت سے محروم ہیں (مفلس اور کنگال ہیں) جبکہ تیری قدرت تو بے پناہ ہے جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی حساب ہی ہے' تو تو قادرِ مطلق ہے اور تیرے خزانوں میں کسی شے کی بھی کمی نہیں ہے۔ اگر تو چاہے تو صحرا کے سینے سے بھی بلبلے اٹھنے لگیں اور موجِ سراب (سراب سچ مچ پانی بن جائے) دشت کے مسافر پر طوفان کے تھپیڑے مارنے لگے، ناممکن کام بھی ممکن ہو جائے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہم دوسری قوموں کے طعنوں کا شکار ہیں اور ذلیل و خوار اور بدنام ہو رہے ہیں اور مفلسی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ تو اے مولا کریم! کیا تیرے نام پر جان نثار کرنے کا صلہ یہی ذلت و رسوائی ہے؟ (ایسا کیوں ہے؟)۔

(۱۸)

۱- بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا ۔۔۔ رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
۲- ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا ۔۔۔ پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا
۳- ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے ۔۔۔ کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے؟

(۱۹)

۱- تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے ۔۔۔ شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
۲- دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے ۔۔۔ آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
۳- آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر ۔۔۔ اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

(۲۰)

۱- دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی ۔۔۔ نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
۲- عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی ۔۔۔ امتِ احمدِ مرسل بھی وہی' تو بھی وہی
۳- پھر یہ آزردگیِ غیر سبب کیا معنی؟ ۔۔۔ اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

(۲۱)

۱- تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ ۔۔۔ بت گری پیشہ کیا' بت شکنی کو چھوڑا؟

۲۔ عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ رسم سلمانؓ و اویسؓ قرنی کو چھوڑا؟
۳۔ آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں زندگی مثلِ بلالؓ حبشی رکھتے ہیں

(۴۲)

۱۔ عشق کی خیز وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی
۲۔ مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی اور پابندی آئین وفا بھی نہ سہی
۳۔ کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

(۱۸)

۱-۳ اب (اے مولا کریم!) صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے لوگ ان غیروں (دوسری قوموں) کو چاہنے والے اور ان سے محبت کرنے والے بن رہے ہیں جو علم و ہنر اور مال و دولت والے ہیں۔ اس کے برعکس ہم مسلمانوں کے لیے محض ایک خیالی دنیا رہ گئی ہے۔ نہ وہ علم و ہنر والے ہیں اور نہ مال و دولت والے ہی ہیں اور نہ ان کی حکومت ہی رہی ہے: بس وہ صرف اپنے کسی اچھے اور سنہری دور کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کی حکومت و سلطنت دوسری قوموں نے سنبھال لی ہے۔ ہمارا یہ زوال دنیا سے توحید کے خاتمے کا باعث بن رہا یا بن سکتا ہے۔ لہٰذا یہ شکایت نہ کرنا کہ اب دنیا میں توحید کا ڈنکا نہیں بج رہا۔ ہماری زندگی کا تو یہ بنیادی مقصد ہے کہ دنیا میں تیرا نام رہے۔ تیری توحید برقرار رہے لیکن مذکورہ حالت میں کیا ایسا ممکن ہے کہ ساقی تو نہ رہے لیکن جام شراب رہے۔ (ساقی مسلمانوں کا اور جام توحید کا استعارہ ہے)۔

(۱۹)

۱-۳ اے ذات اقدس! ماضی کے مسلمان جن کے دل تیرے جذبۂ عشق سے سرشار تھے، جو شب و روز تیرے حضور آہیں بھرتے اور آنسو بہاتے تھے، اس دنیا سے رخصت ہو چکے اور نالے اور آنسو بھی نہ رہے۔ وہ عظیم مسلمان (جو تیرے حضور آدھی رات کو نہایت عجز و انکسار سے دعائیں مانگتے) تجھ سے بے حد محبت کرنے والے تھے اور اس محبت کا صلہ بھی انہوں نے پالیا۔ افسوس کہ وہ دنیا میں بہت کم عرصہ رہے اور جلد ہی رخصت ہو گئے (محبت کا صلہ یعنی آخرت میں جنت کا وعدہ)۔ ان مسلمانوں نے اشاعت توحید کی خاطر بے حد قربانیاں دیں۔ تیرے یہ عشاق (مجاہد اور غازی مسلمان) مستقبل کا وعدہ (جنت) لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب ایسے مسلمان کہیں نہیں ہیں۔ تو اب اپنے

حسین چہرے کا چراغ لے کر ان کو تلاش کر۔ (ایسے مسلمان اب نہیں ملیں گے)۔

(۳۰)

۳-۱ لیلیٰ کا درد بھی وہی ہے اور مجنوں کا پہلو بھی وہی ہے؛ نجد کے جنگل میں اور پہاڑ پر ہرنوں کا چوکڑیاں بھرنا بھی وہی ہے (ان میں کوئی فرق نہیں آیا)۔ عشق کا دل بھی وہی اور حسن کا جادو بھی وہی ہے۔ حضور اکرمؐ احمد مرسل کی امت بھی وہی ہے اور اے مولا کریم! تو بھی وہی ہے (وضاحت کے لیے لغت دیکھیے)۔ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر تیری ہم سے بلا وجہ کی یہ ناراضی و خنگی کا کیا مطلب ہے؟ اور اپنے عاشقوں (توحید پرستوں/مسلمانوں) پر تیری یہ چشم غضب کیوں ہے؟

(۳۱)

۳-۱ اے ذات کریم! ذرا یہ تو بتا کہ ہم نے تجھ سے تعلق ختم کر لیا ہے یا حضور اکرمؐ رسول عربی سے اپنی نسبت ختم کر لی ہے؟ (ہم تو اب بھی تیری توحید پر ایمان کامل رکھتے اور حضور اکرمؐ کے شیدائی ہیں)۔ کیا ہم نے بت شکنی چھوڑ کر بت تراشی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے؟ (ایسا نہیں ہے۔ ہم آج بھی باطل قوتوں کے خلاف جنگ آزما ہیں اور اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر ان کی غلامی اختیار نہیں کرتے۔) ہم نے خود کو تیرے عشق کے جذبوں سے سرشار کر رکھا ہے اور ہم پر تیرے عشق کا جنون اسی طرح ہے۔ (ہم نے یہ کچھ نہیں چھوڑا)۔ ہم نے حضرت سلمانؓ اور حضرت اویس قرنیؒ کے طور طریقوں کو پورے طور پر اپنا رکھا ہے (لغت دیکھیے)۔ آج بھی ہمارے سینے/دل تیری تکبیر کی آگ یا سوز و گداز کے حامل ہیں (بے شک وہ پہلے مسلمانوں کا سا سوز و گداز نہ سہی) ہماری زندگی حضرت بلالؓ حبشی کی سی ہے۔ (لغت دیکھیے)

(۳۲)

۳-۱ چلو ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہمارا عشق حقیقی کا جذبہ ماضی کے عظیم مسلمانوں کے سے جذبے کی مانند نہ سہی اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلنے کی وہ پہلی سی کیفیت نہیں ہے جو ان مسلمانوں کا شیوہ تھا کہ: سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ بے شک ہمارا دل تیرے عشق میں قبلہ نما کی مانند بے قرار اور مضطرب نہیں ہے اور ہمارا آئین وفا پر پابند رہنا بھی ان اسلاف جیسا نہیں ہے (کبھی ہم دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے تیری طرف توجہ کرنے کی بجائے دنیاوی حکمرانوں کی چاپلوسی کرنے لگتے ہیں)۔ خیر!

یہ سب کچھ بجا سہی لیکن اے میرے مولا کریم! تو بھی تو ذرا یہ دیکھ کہ کبھی تو تو ہم سے دوستی رکھتا ہے اور کبھی دوسری قوموں پر نظر کرم فرماتا ہے۔ مولا کریم! برا نہ مانئے' تیرا یہ انداز تو ہرجائیوں والا ہے۔

(۲۳)

۱۔ سر فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے — اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
۲۔ آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے — پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے
۳۔ آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں — ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

(۲۴)

۱۔ وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
۲۔ حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا — گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا
۳۔ اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی — بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

(۲۵)

۱۔ بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے — سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
۲۔ دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے — تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر "ھو" بیٹھے
۳۔ اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے — برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

(۲۶)

۱۔ قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز — لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
۲۔ مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز — تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
۳۔ نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے — طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

(۲۳)

۱-۳ اے مولا کریم! تو نے کوہ فاراں کی چوٹی پر دین اسلام کو تکمیل کے شرف سے نوازا اور ایک ہی اشارے میں ہزاروں انسانوں کے دل تو نے لے لیے' انہیں اسلام کا شیدائی بنا دیا۔ (پہلے مصرعے میں اشارہ ہے اس قرآنی آیت کی طرف "الیوم اکملت لکم دینکم" یعنی آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے جو اس چوٹی پر حضور اکرمؐ پر نازل ہوئی تھی)۔ پھر تو نے عشق کے حاصل میں غضب کا سوز و گداز بھر دیا' عشق کو بلند مرتبے سے نوازا' گویا تو نے اپنے چہرے کی حدت و گرمی سے محفل کے

دل میں آگ روشن کر دی۔ (حضور اکرم کی تقریر سن کر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور ان کے ایمان مضبوط ہو گئے تھے)۔ تو اے خدا! آج کیوں ہم مسلمانوں کے سینے/دل عشق کی چنگاریوں سے روشن نہیں ہیں؟ کیا تجھے یاد نہیں کہ ہم تو وہی تیرے پرانے عاشق ہیں جو تیرے نام پر جان نثار کیا کرتے تھے۔

(۴۴)

۳-۱ چونکہ اب مجنوں (عاشق صادق، مراد مسلمان) محمل لیلیٰ (اللہ تعالیٰ) کے نظارے کے شوق سے محروم ہو چکا ہے اس لیے نجد کی وادی میں اب کسی سچے/دیوانے عاشق کی زنجیروں کا شور سنائی نہیں دے رہا۔ نہ تو ہم ہی پہلے مسلمانوں کے سے جذبوں والے رہے، نہ ہمارے وہ حوصلے اور نہ ویسے دل ہی رہے۔ چونکہ تو ہماری محفل کی رونق نہیں رہا اس لیے یہ گھر ویران ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ دن کیسا اور کتنا مبارک دن ہو گا جب تو ہزاروں ناز و ادا کے ساتھ دوبارہ ہماری محفل میں بے پردہ تشریف لائے، جلوہ افروز ہو۔ دوسرے لفظوں میں اب جب ہم مسلمانوں پر پھر پہلے کی طرح تیری رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی تو ہمارے لیے وہ دن/دور بڑا ہی برکت و مسرت والا ہو گا۔

(۴۵)

۳-۱ آج صورت حال یہ ہے کہ دوسری قومیں ندی کے کنارے بیٹھی خوب شراب نوش کر رہی ہیں۔ عیش و نشاط میں محو و مست ہیں۔ وہاں وہ ہاتھوں میں جام لیے نغمہ کو سننے میں مگن ہیں۔ انہیں کسی قسم کا غم یا دکھ وغیرہ نہیں ہے۔ بڑی پر لطف اور عیش و مسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسری طرف تیرے دیوانے اس باغ میں ہنگاموں سے دور ایک گوشے میں بیٹھے نعرۂ "ھو" کے منتظر ہیں۔ (لغت دیکھیے) اے رب جلیل! تو پھر اپنے دیوانوں/عاشقوں یعنی مسلمانوں کو اپنے آپ کو منور و روشن کرنے کا ذوق و شوق عطا فرما دے اور پرانی یعنی عشق کی بجلی کو حکم دے کہ وہ ہمارے جگروں/دلوں میں پھر وہی آگ لگا دے جس سے ماضی کے مسلمانوں کے سینے روشن تھے۔

(۴۶)

۳-۱ اے خدائے بزرگ و برتر! مسلمانوں نے آوارہ یعنی بے مقصد و مدعا پھرنے کے بعد اب اپنے گھوڑوں کی باگیں حجاز کی طرف موڑ لی ہیں (ان کے دلوں میں پھر اسلام کی محبت کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے)۔ چنانچہ پرواز کے ذوق نے پھر بلبل کو

اڑ جا سکھا دیا ہے۔ بلبل مسلمانوں کا استعارہ ہے۔ پہلے مصرعے والی بات۔ اب باغ کی ہر کلی میں سے عجز و نیاز کی خوشبو بکھرنے کے لیے بے قرار ہو رہی ہے۔ گویا یہ ساز مضراب کا پیاسا ہے تو ذرا اس ساز پر مضراب لگا کر تو دیکھ، تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ہر تار میں سینکڑوں نغمے موجود ہیں جو ساز کے پردے سے باہر نکلنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ادھر کوہ طور پرانی آگ میں جلنے کے لیے مضطرب ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں میں پھر پہلے سے جذبے پیدا ہو رہے ہیں اور وہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور توحید کی اشاعت کی خدمت پر پوری طرح آمادہ ہیں۔

(۲۷)

۱۔ مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے — مور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
۲۔ جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے — ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
۳۔ جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما — می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

(۲۸)

۱۔ بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن — کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن
۲۔ عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن — اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرواز چمن
۳۔ ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک — اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

(۲۹)

۱۔ قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
۲۔ وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہن برگ سے عریاں بھی ہوئیں
۳۔ قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی — کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

(۳۰)

۱۔ لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں — کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں
۲۔ کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
۳۔ اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں — داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

(۳۱)

۱۔ چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں — جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں
۲۔ یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں — پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

۳۔ عجمی خُم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری — نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

(۲۷)

۱-۳ اے پروردگار عالم! حضور اکرمؐ کی اس امت مرحوم (جس پر تیری رحمت تھی لیکن آج وہ کمزوریوں اور پستیوں کی شکار ہے) کی ساری مشکلیں آسان فرما دے اور ایک بے حیثیت چیونٹی کو حضرت سلیمانؑ کا ہم دوش بنا دے۔ (لغت دیکھئے) یعنی آج یہ قوم ناتواں اور بے سروسامان ہے۔ اس پر اپنی رحمت فرما کر عزت و مرتبہ اور مال و دولت میں حضرت سلیمانؑ کا ہم پلہ بنا دے۔ محبت کی جنس جو آج ہم مسلمانوں میں بالکل نہیں رہی' اسے پھر عام کر دے اور ہندوستان کے ان مندروں میں بیٹھنے والوں (یعنی نام نہاد مسلمانوں) کو پھر سے سچے مسلمان بنا دے تا کہ وہ اپنے دین سے محبت کرنے لگیں۔ ہمارے دل سے' جو ہر قسم کے کینے سے پاک ہے' خون کی نہر جاری ہے اور فریادیں ہمارے نشتروں سے گھائل سینے میں تڑپ رہی ہیں۔

(۲۸)

۱-۳ پھول کی خوشبو چمن کا بھید چمن سے باہر لے گئی اور یہ کس قدر دکھ اور قیامت کی بات ہے کہ خود پھول باغ کے غماز بنے ہوئے ہیں۔ (لغت دیکھیے) پھول کا دور ختم ہوا اور باغ کا ساز ٹوٹ گیا' ڈالیوں سے نغمے الاپنے والے اڑ گئے۔ (لغت دیکھیے) اب صرف ایک بلبل باقی ہے جو اب تک نغمہ الاپنے میں محو ہے اس لیے کہ اس کے سینے میں نغموں کا طوفان برپا ہے۔ علامہ نے اپنے حوالے سے بات کی ہے جو گویا باغ اسلام میں اپنے شعروں کے نغمے سنانے والے ہیں۔ قوم کی حالت کا انہیں بے حد دکھ اور صدمہ ہے اور وہ اپنی شاعری کے ذریعے اس کا اظہار کر رہے ہیں تا کہ قوم میں صحیح دینی جذبے پیدا ہوں۔

(۲۹)

۱-۳ قمریاں صنوبر کی شاخ سے اڑ بھی گئیں یا دور ہو گئیں اور پھول کی پتیاں جھڑ کر ادھر ادھر بکھر بھی گئیں اور باغ کی وہ پہلی / پرانی روشیں بھی برباد ہو گئیں، نیز ڈالیاں پتی کے لباس سے بھی عریاں / ننگی ہو گئیں (باغ اسلام میں خزاں آ گئی۔ نیز لغت دیکھیے)۔ اس بلبل (علامہ) کی طبیعت موسم کی قید سے آزاد رہی۔ کاش گلشن میں اس کی فریاد کو کوئی سمجھ لیتا۔ اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے جس میں انہوں نے قوم کی پست حالی پر دکھ کا اظہار کیا ہے لیکن کسی نے اس پر توجہ نہیں کی، جس کا علامہ کو افسوس ہے۔

(۳۰)

۱-۳ مسلمانوں کی مذکورہ حالت دیکھ کر کچھ ایسی حالت ہو گئی ہے کہ نہ تو اب مرنے ہی میں کوئی لطف رہ گیا ہے اور نہ جینے ہی میں ہے۔ ہاں اگر کچھ لطف و مزا ہے تو وہ اپنا خون جگر پینے میں ہے۔ یعنی قوم کی بے حسی اور بے عملی پر میں (علامہ) خون کے گھونٹ پیتا رہوں۔ قدرت کی طرف سے مجھے بہت سی خوبیوں اور صفتوں سے نوازا گیا ہے جو اپنے اظہار کے لیے بے قرار ہیں۔ لیکن دکھ کی بات ہے کہ اس گلستان میں دیکھنے والے ہی نہیں ہیں اور ایسے لالے کے پھول، جن کے سینے میں داغ ہو، یہاں نظر ہی نہیں آتے۔ یعنی اب سچے مسلمان نظر نہیں آ رہے جو میرے پیغام پر توجہ دیں اور جن کے سینے اسلام سے محبت کے جذبوں سے سرشار ہوں اور وہ قوم کی اس پست حالی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

(۳۱)

۱-۳ اے مولا کریم! اس اکیلے/تنہا بلبل کے نغمے سے لوگوں کے دل چاک ہو جائیں اور میری اسی کوچ کی گھنٹی پر سوئے ہوئے جاگ پڑیں۔ یعنی میری عظیم پیغام بیداری کی حامل شاعری سے مسلمانوں میں احساس بیداری پیدا ہو جائے اور وہ جہد و عمل سے اپنی بقا اور کھوئی ہوئی عزت کے حصول کا سامان کریں۔ ان کے دل وفا کے نئے عہد سے پھر سے زندہ ہو جائیں اور ان کے دل پھر اسی شراب کے طلب گار بن جائیں جس کے عادی ان کے اسلاف تھے۔ (ان کے دلوں میں اسلام کی بے حد محبت تھی)۔ اگرچہ میری شراب کی صراحیاں ایرانی ہیں لیکن ان میں خالص حجازی شراب ہے اور اگرچہ میرے گیت ہندی ہیں لیکن ان کی لے/دھن تو خالص حجازی ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ میری شاعری کا انداز فارسی شعرا کا سا ہے لیکن اس میں بیان کردہ مضامین خالصتاً اسلامی ہیں۔ اور گو میری زبان اردو ہے لیکن میرے افکار اسلامی ہیں اور دنیائے اسلام کے لیے میرا پیغام ہے۔

چاند

(۱)

۱- اے چاند! حسن تیرا فطرت کی آبرو ہے   طوف حریم خاکی تیری قدیم خو ہے

۲- یہ داغ سا جو تیرے سینے میں ہے نمایاں — عاشق ہے تو کسی کا؟ یہ داغ آرزو ہے؟
۳- میں مضطرب زمیں پر، بیتاب تو فلک پر — تجھ کو بھی جستجو ہے، مجھ کو بھی جستجو ہے
۴- انساں ہے شمع جس کی، محفل وہی ہے تیری — میں جس طرف رواں ہوں منزل وہی ہے تیری؟

(۲)

۱- تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خامشی میں — پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
۲- استادہ سرو میں ہے، سبزہ میں سو رہا ہے — بلبل میں نغمہ زن ہے، خاموش ہے کلی میں
۳- آ، میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اس کا — نہروں کے آئینے میں، شبنم کی آرسی میں
۴- صحرا و دشت و در میں کہسار میں وہی ہے — انساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

(اس عنوان سے علامہ نے دو نظمیں لکھی ہیں۔ پہلی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس نظم میں ان کا انداز رمزیہ ہے، جس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اس محبوب حقیقی کا جلوہ کائنات کی ہر شے میں موجود اور پوشیدہ ہے۔ یہ نظم رسالہ مخزن لاہور کے شمارہ جولائی ۱۹۰۲ء میں چھپی تھی جس میں چار شعر زیادہ تھے۔ یہ شعر اب "باقیات اقبال" میں درج ہیں)۔

(۱)

۱- اے چاند! تیرا حسن قدرت کی عزت و آبرو ہے اور اس دنیا کے گرد چکر لگانا (آسمان پر گردش کرنا) تیری پرانی خصلت و عادت ہے۔ چاند کو دیکھ کر ایک صاحب بصیرت بے حد حیران ہوتا ہے کہ قدرت نے کس طرح، دراصل، اپنے حسن و جمال کا اظہار کیا ہے۔

۲- یہ جو تیرے سینے میں داغ سا نمایاں ہے تو کیا تو کسی کا عاشق ہے اور تیرا یہ داغ 'داغ آرزو' ہے؟ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ عاشق کے دل/ سینے میں محبت کا داغ ہوتا ہے۔ چاند میں ایک داغ سا ہوتا ہے جسے علامہ نے عشق کا داغ قرار دیا ہے اور کسی سے مراد محبوب حقیقی ہے۔ گویا چاند اپنے اس محبوب کی تلاش میں ہے۔

۳- میں زمین پر بے قرار ہوں' تو (چاند) آسمان پر بے تاب ہے۔ تجھے بھی کسی (محبوب حقیقی) کی تلاش و آرزو ہے جو تو بے قرار یعنی گردش کر رہا ہے اور میں بھی اسی تلاش و آرزو کے باعث بے چین رہتا ہوں کہ اس محبوب تک' جو پردوں میں چھپا ہوا ہے، میری رسائی ہو۔

۴- انسان جس محفل کی شمع ہے وہی محفل تیری بھی محفل ہے اور جس منزل کی طرف میں چل رہا ہوں تو بھی اسی منزل کی طرف رواں ہے یا تیری بھی وہی منزل ہے۔ (لغت دیکھیے)

(۲)

۱- جس (محبوب حقیقی) کو تو ستاروں کی خاموشی میں تلاش کرتا ہے وہ شاید زندگی کے ہنگاموں میں چھپا ہوا ہے (یعنی اس کائنات میں موجودات کی رونق اور چہل پہل میں پوشیدہ ہے جو قدرت کے جلوے کی آئینہ دار ہے)۔

۲- وہ سرو کے درخت میں کھڑا ہے اور سبزہ میں سو رہا ہے۔ وہ بلبل میں نغمہ زن ہے اور کلی میں خاموش ہے۔ صاحب بصیرت سرو جیسے سیدھے کھڑے اور طویل درخت کو، سبزہ کو زمین پر، بلبل کو دل کش آواز میں چہچہاتے اور کلی (جو چٹکنے سے پھول بن جاتی ہے) کو دیکھ کر اس خالق کائنات کی قدرت کا قائل ہو جاتا ہے اور یہ سب مناظر اس کے لیے معرفتِ حق کا باعث بنتے ہیں۔

۳- (اے چاند) تو میری طرف آ، میں تجھے اس محبوب حقیقی کا روشن / بے حد جلوہ افروز چہرہ نہروں کے آئینے اور شبنم کی آرسی میں دکھاتا ہوں۔ یہ مناظر بھی معرفت حق کے آئینہ دار ہیں۔

۴- (حقیقت یہ ہے کہ) کیا صحرا اور جنگل اور وادیاں اور کیا پہاڑ وغیرہ سب میں وہی ذات جلوہ فرما ہے اور یہ کہ انسان کے دل میں بھی اور تیرے رخسار / چہرے میں وہی سمایا ہوا ہے۔ یہ مناظر دوسرے لفظوں میں کائنات کے تمام مناظر میں اسی ذات کا جلوہ کار فرما ہے۔ انسان کا دل بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے لیکن وہ کیسے کیسے جذبے اور ولولے پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے، یہ امر بھی اس ذات کی معرفت کا آئینہ دار ہے۔

رات اور شاعر

(۱) رات

۱- کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں — خاموش صورتِ گل، مانندِ بو پریشاں
۲- تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو — مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
۳- یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے — رفعت کو چھوڑ کر جو بستی میں جا بسا ہے
۴- خاموش ہو گیا ہے تارِ ربابِ ہستی — ہے میرے آئینے میں تصویرِ خوابِ ہستی
۵- دریا کی تہ میں چشمِ گرداب سو گئی ہے — ساحل سے لگ کے موجِ بیتاب سو گئی ہے

۶۔ بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے
۷۔ شاعر کا دل ہے لیکن نا آشنا سکوں سے آزاد رہ گیا تو کیوں کر مرے فسوں سے؟

(۲) شاعر

۱۔ میں ترے چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں
۲۔ دن کی شورش میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں عزلت شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
۳۔ مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو؟ تپش شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو؟
۴۔ برق ایمن مرے سینہ پہ پڑی روتی ہے دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے؟
۵۔ صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری آہ! اے رات بڑی دور ہے منزل میری
۶۔ عہد حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو
۷۔ ضبط پیغام محبت سے جو گھبراتا ہوں تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

(اس نظم میں بھی علامہ نے نظم "چاند" کی طرح رمز و کنایہ سے کام لیا ہے۔ مرکزی خیال یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں تمام دنیا سوئی پڑی ہے، صرف میں اس غرض سے جاگ رہا ہوں کہ رات میں خدا تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں لیکن افسوس کہ میری قوم ان برکتوں سے محروم ہے)۔

رات (۱)

۱۔ (رات، علامہ سے مخاطب ہے) تو (اے شاعر)! میری چاندنی میں کیوں پریشانی کی حالت میں پھول کی طرح چپ چاپ اور خوشبو کی طرح ادھر ادھر بے قرار گھوم رہا ہے؟ شاعر کی بے حد پریشانی کی عکاسی کی گئی ہے۔

۲۔ معلوم ہوتا ہے تو شاید ستاروں کے موتیوں کا جوہری (جواہرات کی پرکھ رکھنے والا) ہے جو اس وقت مذکورہ موتیوں کو پرکھنے کے لیے باہر چکر لگا رہا ہے' یا پھر تو میری روشنی کے دریا کی مچھلی ہے جو ادھر ادھر آ جا رہی ہے۔ اس استعارے میں شاعر کی بے قراری اور بے چینی کی عکاسی کی گئی ہے۔

۳۔ یا پھر تو میری پیشانی کا گرا ہوا تارا ہے جو بلندی کو چھوڑ کر پستی (زمین پر) میں جا آباد ہوا ہے۔ اس پورے بند میں صنعت تجسیم (PERSONIFICATION) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یعنی رات کو ایک طرح سے انسان قرار دے کر اس کی زبان سے شاعر نے اپنی حالت و کیفیت کی عکاسی کی ہے۔

۴۔ اس وقت یعنی رات کے وقت وجود کے ساز / باجے کا تار خاموش ہو گیا ہے۔ یعنی دنیا

سو گئی ہے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی ہے۔ میرے (رات کے) آئینے میں وجود کی نیند کی تصویر ہے۔ رات کے وقت دنیا آرام کی خاطر سو جاتی ہے۔

۵۔ اس وقت دریا/سمندر کی تہ میں بھنور کی آنکھ بھی سو گئی ہے۔ رات کو بھنور کی گردش نہیں ہوتی؛ اور بے قرار موج/لہر دریا کے کنارے سے لگ کر سو گئی ہے۔ لہروں کی گردش کو بے قراری سے تشبیہ دی ہے۔ گویا ہر طرف خاموشی طاری ہے۔

۶۔ زمین کی آبادی بھی کیسی ہے' جس میں (دن کے وقت تو) خوب ہنگامے رہتے ہیں' رونق اور چہل پہل رہتی ہے' لیکن یہی آبادی اس وقت یوں نیند میں کھوئی ہوئی ہے' جیسے آبادی نہ ہو۔

۷۔ گویا ساری دنیا تو اس وقت سکون سے نیند میں مدہوش ہے لیکن ایک شاعر کا دل ہے جو سکون و آرام سے ناواقف ہے۔ قوم کی پست حالی پر اسے دکھ ہے جس کی وجہ سے وہ بے قراری اور بے چینی سے دوچار ہے۔ تو اے شاعر! تو میرے جادو (رات کی نیند) سے کیونکر آزاد رہ گیا ہے؟ یعنی ساری دنیا تو رات کو آرام کرتی اور سو جاتی ہے لیکن تو کس بنا پر یوں بے قرار ادھر ادھر گھوم رہا ہے؟

(۲) شاعر

۱۔ (اب شاعر، رات کے سوالوں کا جواب دے رہا ہے) میں اس وقت تیرے (رات کے) چاند کی کھیتی میں موتی بوتا ہوں (مذکورہ قومی حالت پر روتا ہوں) اور انسانوں سے چھپ کر صبح کی مانند روتا ہوں۔

۲۔ میرے آنسو جو دن کے ہنگامے اور شور شرابے میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں وہ رات کی تنہائی میں ٹپک جاتے ہیں۔ میں ظاہری صورت میں اس دکھ کا اظہار نہیں کرنا چاہتا اس لیے رات کی تنہائی ہی میں رو رو کر اپنے دکھ کا اظہار کرتا ہوں۔

۳۔ بات یہ ہے کہ (قومی حالت کے بارے میں) میرے دل میں جو فریاد پوشیدہ ہے وہ کس کو سناؤں کہ سننے والا ہی کوئی نہیں ہے اور میرا دل عشق کے جس سوز و گداز اور تپش میں ڈوبا ہوا ہے اس کا منظر کسے دکھاؤں؟ میرے درد بھرے پیغام پر کوئی توجہ ہی دینے والا نہیں ہے۔

۴۔ وادیٔ ایمن کی سی بجلی میرے سینے/دل پر پڑ کر رو رہی ہے۔ بات یہ ہے کہ جو دیکھنے والی آنکھ ہے وہ کہاں سوتی ہے؟ (نہیں سوتی)۔ اپنے شدید جذبوں کو برقِ ایمن سے تشبیہ

دی ہے۔ قوم کے جن افراد کو شعور ہے وہی میرے جذبوں سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میری محفل (قوم) قبر کی شمع کی مانند مردہ اور بجھی ہوئی ہے۔ قوم میں بیداری کا معمولی سا بھی جذبہ نہیں ہے، وہ پستی ہی میں خوش رہ رہی ہے۔ افسوس اے رات! بڑے دکھ کی بات ہے کہ میری منزل بڑی دور ہے۔ یعنی خدا معلوم میری قوم کب میرے پیغام بیداری پر توجہ دے کر اپنی آزادی اور بلند مرتبگی کا سامان کرے گی۔

۶۔ میری قوم کو آج کے دور کی فضا راس نہیں ہے اور اسے اپنے نقصان کا بھی کوئی احساس نہیں ہے۔ یعنی اس دور میں جن جذبوں اور ولولوں کی بنیادی ضرورت ہے وہ ان سے بالکل محروم ہے اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ اسے اپنی اس محرومی کا بھی کوئی احساس نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ بری طرح ذلت و پستی کا شکار ہے۔

۷۔ (اے رات!) تو نے جو پوچھا ہے کہ میں کیوں اس وقت بے قرار پھر رہا ہوں؟ تو بات یہ ہے کہ جب میں پیغام محبت کو ضبط کرنے سے گھبراتا ہوں تو میں اس وقت یہاں آ کر اپنا وہ پیغام تیرے ستاروں کو سنا جاتا ہوں اور یوں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہوں۔

بزمِ انجم

(۱)

۱۔ سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو — طشتِ افق سے لے کر لالے کے پھول مارے

۲۔ پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور — قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے

۳۔ محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی — چمکے عروسِ شب کے موتی پیارے پیارے

۴۔ وہ دور رہنے والے ہنگامۂ جہاں سے — کہتا ہے جن کو انساں اپنی زباں میں "تارے"

۵۔ محوِ فلک فروزی تھی انجمن فلک کی — عرشِ بریں سے آئی آواز اک ملک کی

(۲)

۱۔ "اے شب کے پاسبانو! اے آسماں کے تارو! — تابندہ قوم ساری گردوں نشیں تمہاری

۲۔ چھیڑو سرود ایسا، جاگ اٹھیں سونے والے — رہبر ہے قافلوں کی تابِ جبیں تمہاری

۳۔ آئینے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں — شاید سنیں صدائیں اہلِ زمیں تمہاری"

۴۔ رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے — وسعت تھی آسماں کی معمور اس نوا سے

(۳)

۱- حسنِ ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں | جس طرح عکسِ گل ہو شبنم کی آرسی میں
۲- آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا | منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں
۳- یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا | قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں
۴- آنکھوں سے ہیں ہماری غائب ہزاروں انجم | داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں
۵- ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے | پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ تاروں کا نظام باہمی کشش سے قائم ہے۔ اگر مسلمان بھی اسی طرح متحد و متفق ہو کر جذبِ باہمی پیدا کر لیں تو ان کی زندگی بھی تاروں کی مانند روشن ہو سکتی ہے۔ علامہ نے یہ بات تاروں کی زبان سے کہلوائی ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمثیلی نظم ہے)۔

(۱)

۱- سورج نے غروب ہوتے وقت شام کو جو سیاہ قبا/ پوشاک پہنے ہوئے تھی، افق کے طشت سے لالے کے پھول مارے۔ شام کو تاریکی کا آغاز ہو گیا اور شفق کی سرخی کا آغاز ہو گیا (اس بند میں رات کے قدرتی منظر کی دلچسپ استعاروں سے تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان استعاروں کی وضاحت لغت میں دیکھیے)۔

۲- شفق (شام کی سرخی) نے قدرت کو سونے کا سارا زیور پہنا دیا اور قدرت نے اب (شام کے وقت) اپنے چاندی کے سارے زیور اتار دیے۔

۳-۴ تاریکی کی لیلیٰ خاموشی کی محمل میں آئی (رات کو ہر طرف خاموشی چھا گئی) اور رات کی دلہن کے وہ پیارے پیارے موتی (چاند تارے) چمکنے لگے، یعنی وہ جو دنیا کے ہنگاموں سے دور رہتے ہیں اور جنہیں انسان اپنی زبان میں "تارے" کہتا ہے، چمکنا شروع ہو گئے۔

۵- آسمان کی محفل فلک افروزی میں محو ہو گئی (آسمان خوب روشن ہو گیا)۔ اسی اثنا میں عرشِ بریں سے ایک فرشتے کی آواز بلند ہوئی/ آئی (اگلے بند میں ذکر ہے)۔

(۲)

۱-۲ اے رات کے نگہبانو! (یعنی) اے آسماں کے ستارو! تم کہ تمہاری ساری روشن/ چمکتی ہوئی قوم گردوں نشین ہے، کوئی ایسا نغمہ چھیڑو جس سے سب سونے والے بیدار ہو جائیں، تمہاری روشن پیشانی قافلوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ تمہاری روشنی میں رات

کو چلنے والے قافلے صحیح راہ پر چلتے ہیں۔

۳- یہ (انسان) تمھیں اپنی قسمتوں کے آئینے سمجھتے ہیں، ممکن ہے اہل زمین تمہاری صدائیں سن لیں یعنی وہ یہ حقیقت جان لیں کہ جہد و عمل ہی سے انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ بے حس اور بے عمل رہنے والے کا مقدر نہیں چمک سکتا۔ علامہ ہی کے بقول:

عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں   تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

۴- چنانچہ (فرشتے کی اس آواز پر) تاروں بھری فضا سے خاموشی رخصت/ختم ہوگئی اس لیے کہ آسمان کی ساری وسعت اس آواز سے پر ہوگئی (جواب ستاروں کی آواز تھی)۔

(۳)

۱- ستاروں کے حسن و دل کشی میں قدرت کا حسن و جمال ظاہر ہے بالکل اسی طرح جیسے شبنم کی آرسی میں پھول کا عکس نمایاں ہو۔ صاحب بصیرت کو کائنات کی ہر شے میں اس محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

۲- آئین نو (نیا قانون و دستور، رسم و رواج اور تہذیب وغیرہ جس سے قومی زندگی میں اچھی تبدیلی ہو) سے ڈرنا اور پرانے انداز ہی کو اختیار کیے رکھنا' اسی پر قائم رہنا یہی وہ امر ہے جو قوموں کی زندگی میں نت نئی دشواریاں پیدا کرتا ہے۔

۳- زندگی/وجود کا یہ قافلہ کچھ اس قدر تیز رفتار ہے جس کی رواروی میں کئی قومیں کچلی گئی ہیں۔ دوسری قومیں ان پر غالب آ گئی ہیں۔

۴- اگرچہ ہماری آنکھوں سے ہزاروں ستارے غائب ہیں (وہ نظر نہیں آتے) لیکن وہ بھی اپنی برادری میں شامل/داخل ہیں۔ اس استعارے سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ جو مسلمان ہماری نظروں سے دور ہیں اور ہمارے وطن میں نہیں رہتے وہ بھی بہر حال ہماری ہی جماعت کے افراد ہیں، انھیں غیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

۵- افسوس کہ اہل زمین اس اہم بات کو جو ہم نے اپنی تھوڑی سی زندگی ہی میں (رات کو طلوع ہونا صبح غروب ہو جانا) سمجھ لی تھی ایک عمر میں بھی نہ سمجھ سکے۔ وہ بات یہ ہے کہ دنیا کے سارے نظام جذب باہمی ہی سے چل رہے ہیں۔ یہ گہری بات تاروں کی زندگی میں پوشیدہ ہے۔ یہاں اہل زمین سے مراد مسلمان ہیں جنھیں ستاروں کی زبان سے یہ درس دیا گیا ہے کہ باہمی اتفاق و محبت پیدا کرو، مل جل کر رہو تا کہ تمہاری زندگی بھی ستاروں کی طرح روشن ہو جائے اور تم دوسری قوموں کے ہاتھوں

ذلیل و خوار ہونے سے بچ جاؤ۔

سیرِ فلک

(۱)

۱۔ تھا تخیل جو ہم سفر میرا ۔ آسماں پر ہوا گزر میرا
۲۔ اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی ۔ جاننے والا چرخ پر میرا
۳۔ تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے ۔ راز سربستہ تھا سفر میرا
۴۔ حلقۂ صبح و شام سے نکلا ۔ اس پرانے نظام سے نکلا

(۲)

۱۔ کیا سناؤں تمھیں ارم کیا ہے ۔ خاتم آرزوئے دیدہ و گوش
۲۔ شاخ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور ۔ بے حجابانہ حور جلوہ فروش
۳۔ ساقیانِ جمیل جام بدست ۔ پینے والوں میں شورِ نوشا نوش
۴۔ دور جنت سے آنکھ نے دیکھا ۔ ایک تاریک خانہ سرد و خموش
۵۔ طالعِ قیس و گیسوئے لیلیٰ ۔ اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
۶۔ خنک ایسا کہ جس سے شرما کر ۔ کرۂ زمہریر ہو روپوش
۷۔ میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی ۔ حیرت انگیز تھا جواب سروش
۸۔ "یہ مقام خنک جہنم ہے ۔ نار سے نور سے تہی آغوش
۹۔ شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے ۔ جن سے لرزاں ہیں مردِ عبرت کوش
۱۰۔ اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں ۔ اپنے انگار، ساتھ لاتے ہیں"

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دوزخ بجائے خود گرم نہیں بلکہ جب گنہگار اپنی بداعمالیوں کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں تو ان کی وہ بداعمالیاں ہی شعلہ و شرر بن کر انہیں جلاتی ہیں۔ دراصل علامہ نے سورۂ توبہ کی چونتیسویں آیت کی تفسیر اپنے لفظوں میں کی ہے۔ جس میں ارشادِ ربانی ہے کہ "جن لوگوں نے سونا چاندی جمع کیا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کیا روزِ قیامت ان کی پیشانی، پہلو اور پشت کو اسی (گرم کیے ہوئے) سونے چاندی سے داغا جائے گا اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم نے جو دولت جمع کی تھی اب اس کا مزہ چکھو)۔

(۱)

۱- میرا فکر و خیال میرے سفر کا ساتھی تھا جب آسمان پر میرا گزر ہوا (اپنے خیالی سفر کے حوالے سے بات کی ہے)۔

۲- میرا تخیل اڑتا جاتا تھا اور آسمان پر میرا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ خیالی سفر میں کسی دوسرے کو ایسے مسافر کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔

۳- ستارے مجھے بڑی حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کون یہاں چل رہا ہے اس لیے کہ میرا یہ (خیالی) سفر ایک پوشیدہ راز تھا۔

۴- میرا یہ سفر اب آگے بڑھا اور میں صبح و شام کے حلقے سے باہر نکل آیا، یعنی اس پرانے نظام (دنیا میں صبح و شام کا جو نظام ہے) سے باہر نکل آیا اور بہشت کی طرف بڑھ گیا۔

(۲)

۱- (اس خیالی سفر میں اب شاعر جنت کو پہنچ گیا) میں تمہیں کیا بتاؤں کہ بہشت / ارم کیا زبردست و عالی شان مقام ہے۔ یہ نگاہوں اور کانوں کے خاتمے کی آخری حد ہے۔ یعنی نہ تو اس جیسا کوئی اور عظیم مقام ہے جسے آنکھیں دیکھیں اور نہ اس کے بارے میں کان ہی کچھ سنیں۔ (بہشت کا منظر ملاحظہ ہو)۔

۲- طوبیٰ کی شاخ / شاخوں پر پرندے نغمے الاپ رہے / چہچہا رہے ہیں اور حوریں بڑی بے تکلفی کے ساتھ اپنے حسنِ دلکش سے نگاہوں کو گرما رہی ہیں۔

۳- ایک طرف حسین و جمیل ساقی ہیں جن کے ہاتھوں میں شراب طہور کا جام ہے جبکہ پینے والے (اہل بہشت) خوب "پیو، پلاؤ" کا شور مچا رہے ہیں۔

۴- میری آنکھوں نے جنت سے دور ایک تاریک / تیرہ و تار مکان (کال کوٹھری) دیکھا جو ٹھنڈا بھی تھا اور جس پر خاموشی بھی چھائی ہوئی تھی۔ یعنی وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ (دوزخ کی طرف اشارہ ہے)

۵- اس کی حالت بالکل مجنوں کے مقدر / نصیبے اور لیلیٰ کی زلفوں کی طرح سیاہ / تاریک تھی۔ (مراد بہت تاریک تھی)

۶- وہ مکان اتنا ٹھنڈا تھا کہ کرۂ زمہریر جیسا انتہائی ٹھنڈا کرہ بھی اس سے شرما کر اپنا منہ ڈھانپ لے۔

۷- جب میں نے اس مکان / مقام کی اس کیفیت کے بارے میں فرشتے سے پوچھا تو اس

کا جواب بڑا حیران کن تھا۔

۸۔ اس نے بتایا کہ ٹھنڈا مقام جہنم ہے جو آگ اور روشنی سے بالکل خالی ہے۔ بے حد تاریک اور ٹھنڈا ہے۔

۹۔ اس کے شعلے مستعار ہوتے ہیں جس سے عبرت حاصل کرنے والے آدمی کانپ اٹھتے ہیں۔

۱۰۔ (اصل بات یہ ہے کہ) جب اہل دنیا یہاں آتے ہیں تو وہ اپنے شعلے ساتھ لے کر آتے ہیں۔ شروع کا نوٹ ملاحظہ ہو۔

نصیحت

۱۔ میں نے اقبال سے ازرہِ نصیحت یہ کہا — "عاملِ روزہ ہے تو، اور نہ پابندِ نماز
۲۔ تو بھی ہے شیوۂ اربابِ ریا میں کامل — دل میں لندن کی ہوس، لب پہ ترے ذکرِ حجاز
۳۔ جھوٹ بھی مصلحت آمیز ترا ہوتا ہے — تیرا اندازِ تملق بھی سراپا اعجاز
۴۔ ختم تقریر تری مدحتِ سرکار پہ ہے — فکر روشن ہے ترا موجدِ آئینِ نیاز
۵۔ درِ حکام بھی ہے تجھ کو مقامِ محمود — پالسی بھی تری پیچیدہ تر از زلفِ ایاز
۶۔ اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے — پردۂ خدمتِ دیں میں ہوسِ جاہ کا راز
۷۔ نظر آجاتا ہے مسجد میں بھی تو عید کے دن — اثرِ وعظ سے ہوتی ہے طبیعت بھی گداز
۸۔ دست پرور ترے ملک کے اخبار بھی ہیں — چھیڑنا فرض ہے جن پر تری تشہیر کا ساز
۹۔ اس پہ طرہ ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے — تیری مینائے سخن میں ہے شرابِ شیراز
۱۰۔ جتنے اوصاف ہیں لیڈر کے، وہ ہیں تجھ میں بھی — تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شریکِ تگ و تاز
۱۱۔ غمِ صیاد نہیں، اور پر و بال بھی ہیں — پھر سبب کیا ہے، نہیں تجھ کو دماغِ پرواز؟
۱۲۔ "عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است — حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز"

(اس نظم میں علامہ نے بڑے دلچسپ، لطیف اور طنزیہ انداز میں قوم کے لیڈروں کی بچی اور صحیح عکاسی کی ہے۔ یہ نظم ماہنامہ مخزن لاہور کے شمارہ مئی ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا پہلا مصرع یوں تھا: کل ملا مجھ سے جو اقبال تو پوچھا میں نے

۱۔ میں نے نصیحت کے طور پر اقبال سے یہ بات کہی کہ تو نہ تو روزے رکھتا ہے اور نہ نماز ہی کا پابند ہے۔

۲- بات یہ ہے کہ تو بھی ارباب ریا کے طور طریقوں میں کامل ہے (مکمل طور پر دکھاوے کے انداز رکھنے والا ہے) تیرے دل میں ہوس تو لندن کی ہے (تو وہاں جانا چاہتا ہے) اور ہونٹوں پر حجاز کا ذکر ہے جو سراسر ریاکاری ہے۔

۳- تیرے جھوٹ میں بھی فریب و ریا ہوتا ہے اور تیرا حکمرانوں کی چاپلوسی کرنے کا انداز بھی بالکل انوکھا ہوتا ہے جو اور کسی کے بس کی بات نہیں، تو اس میں ماہر ہے۔

۴- جب بھی تجھے تقریر کرنے کا موقع ملتا ہے تو تیری وہ تقریر حکمرانوں کی تعریف و چاپلوسی پر ختم ہوتی ہے۔ تیرا روشن فکر نیاز مندی و عاجزی کا دستور ایجاد کرنے والا ہے۔ تو نے حکمرانوں کی مدح و ستائش کرنے اور ان کے سامنے خود کو حقیر ثابت کرنے کا نیا انداز اختیار کیا ہے۔

۵- حکمرانوں کا دروازہ بھی تیرے لیے مقام محمود ہے اور تیری پالیسی بھی ایاز کی زلفوں سے کہیں زیادہ الجھی ہوئی ہے۔ (ایاز، سلطان محمود غزنوی کا غلام تھا جس کی زلفیں بڑی خم دار اور حسین تھیں)۔

۶- تو بھی دوسرے (مکار و چاپلوس) لوگوں کی طرح خدمت دین کے پردے میں جاہ و مرتبہ کا راز چھپا سکتا ہے۔ دعویٰ تو تو دین کی خدمت کا کرتا ہے لیکن درحقیقت تو پوشیدہ طور پر حاکموں سے اپنے لیے کسی مقام و مرتبہ کی ہوس یا توقع رکھتا ہے۔

۷- تو بھی (اپنے سیاسی لیڈروں کی طرح) عید کے دن ہی مسجد میں نظر آتا ہے اور خطیب کے وعظ سے تیرا دل پگھل جاتا ہے۔ گویا تیرا یہ انداز بھی محض ایک دکھاوا ہے۔

۸- تیرے وطن کے اخبار بھی تیرے ہاتھوں کے پالے ہوئے ہیں۔ (لغت دیکھیے) جو تیری شہرت کی پبلسٹی کو اپنا فرض جانتے ہیں۔ تو انہیں رقمیں اور نذرانے پیش کرتا ہے جس کے جواب میں وہ تیرے بارے میں بڑے زوردار الفاظ استعمال کر کے تیری شہرت کا سامان کرتے ہیں۔

۹- پھر یہ انوکھی بات بھی ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے اور تیری شاعری کی صراحی میں شیراز کی شراب ہے۔ تیرے کلام میں ایران کے عظیم شاعر حافظ شیرازی کے کلام کی سی دل کشی ہے۔

۱۰- مختصر یہ کہ کسی لیڈر میں جتنے بھی وصف ہیں وہ سب تجھ میں موجود ہیں لہٰذا تیرے لیے یہ لازم ہے کہ تو بھی بھاگ دوڑ، سیاسی مقابلے میں شریک ہو جا۔

۱۱- تجھے نہ تو کسی شکاری کا غم ہے یعنی حکومت کی طرف سے تجھے کسی بات کا ڈر نہیں ہے اور نہ تیرے پر و بال ہی ہیں یعنی تجھ میں وہ اوصاف / اسباب ہی نہیں ہیں جن کی کسی کام میں ضرورت ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تجھے اڑنے یعنی ترقی کرنے کا شوق نہیں ہے؟

۱۲- آخر کار ہمیں قبرستان کو اپنی منزل بنانا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں گنبدِ افلاک میں اپنے نعروں سے گونج پیدا کر دیں، مراد یہ کہ اس زندگی میں ہنگامے برپا کر دیں۔

(راقم یزدانی نے آج کے سیاسی لیڈروں کے بارے میں طنزیہ قطعہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

یہ ڈاکے، یہ دھماکے اور یہ قتلِ نسلِ انسانی عوام اس صورتِ حالات سے ششکیں ہیں اور بیزار بیٹھے ہیں
مگر یہ مدعی جمہوریت کے عیش میں ڈوبے ہوئے ہر دم بنے ہیں راہزن جمہور کے اور در پہ آزار بیٹھے ہیں)

رام

۱- لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند سب فلسفی ہیں خطۂ یورپ کے رامِ ہند
۲- یہ ہندیوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند
۳- اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
۴- ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
۵- اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند
۶- تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

(اس نظم میں ہندوؤں کے اوتار / مذہبی لیڈر شری رام چندر جی کے اعلیٰ کردار کی تعریف کی گئی ہے)۔

۱- ہندوستان کا جام حقیقت کی شراب سے بھرا پڑا ہے یعنی یہاں اصل کائنات کے فلسفہ کی تحقیق جاری رہتی ہے۔ چنانچہ یورپ کے تمام فلسفی اس سلسلے میں ہندوستان کے مطیع یا اس کا لوہا ماننے والے ہیں۔ یعنی بے حد متاثر ہیں اور یہاں کی مذکورہ تحقیق سے استفادہ کرتے ہیں۔

۲- یہ اہلِ ہند (ہند جسے اب ہم پاکستانی برصغیر پاک و ہند کہتے ہیں) کے بے حد بلند فکر کا نتیجہ ہے کہ آج بلندی کے لحاظ سے ہند کا کوٹھا آسمان سے بھی بلند تر ہے۔ یعنی اس کا مقام بے حد عظمت و بلندی والا ہے۔

۳۔ اس برصغیر میں ہزاروں شخصیتیں ایسی پیدا ہوئی ہیں جن کی فطرت وسرشت فرشتوں کی سی تھی۔ یعنی وہ پاکیزہ و پاک دل والے انسان تھے۔ انہی کے دم سے پوری دنیا میں برصغیر پاک و ہند کا نام ہے۔ اس کی شہرت عظمت ہے۔

۴۔ یہاں کے ہندوؤں کے مذہبی رہنما رام چندر جی کے وجود پر برصغیر کو فخر ہے۔ اہل نظر انہیں ''امام ہند'' / پیشوا، سردار سمجھتے ہیں۔

۵۔ اس چراغ ہدایت (رام چندر جی) کا یہی اعجاز / کرامت ہے کہ زمانے میں برصغیر کی شام، صبح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ چوتھے شعر والی بات نئے استعارے میں۔

۶۔ رام چندر جی تلوار چلانے کے فن کے ماہر اور دلیری و بہادری میں بے مثل / مثال تھے۔ علاوہ ازیں پاک فطرتی اور جوشِ محبت (دوسرے انسانوں سے محبت کرنا) میں بھی ان کی مثال نہیں ملتی تھی۔

موٹر

۱۔ کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی	''موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
۲۔ ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز	مانندِ برق تیز، مثالِ ہوا خموش''
۳۔ میں نے کہا ''نہیں ہے یہ موٹر پہ منحصر	ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش
۴۔ ہے پا شکستہ شیوۂ فریاد سے جرس	نکہت کا کارواں ہے مثالِ صبا خموش
۵۔ مینا مدام شورشِ قلقل سے پا بگل	لیکن مزاجِ جامِ خرام آشنا خموش
۶۔ شاعر کے فکر کو پرِ پرواز خامشی	سرمایہ دار گرمیِ آوازِ خامشی''

(لغت دیکھیے۔ علامہ نے خاموش قسم کی موٹر کے حوالے سے یہ مرکزی خیال پیش کیا ہے کہ زندگی کی راہ میں ہر تیز پا یعنی تیز چلنے یا دوڑنے والا خاموش ہے)۔

۱۔ کل میرے دوست جگندر ا جوگندر سنگھ نے کیا خوب بات کہی کہ ذوالفقار علی خاں کی کار کیسی خاموش ہے۔ چلتے ہوئے اس میں کوئی گھرگھراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

۲۔ اس کی تیز رفتاری کوئی شور شرابا پیدا نہیں کرتی۔ کیا عجیب بات ہے کہ تیز رفتاری میں تو وہ آسمانی بجلی کی سی ہے جبکہ خاموشی میں وہ ہوا کی مانند ہے۔

۳۔ جوگندر سنگھ کی یہ بات سن کر میں نے کہا کہ یہ کیفیت صرف موٹر پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ

ہر وہ انسان جو تیز پا یا تیز چلنے والا ہے وہ خاموشی ہی سے رواں دواں رہتا ہے۔ تیز پا سے مراد ایسا انسان ہو سکتا ہے جو جہد و عمل میں پوری طرح لگا رہے، مگر ہے۔ ایسے انسان کے پاس بیکار باتوں کا وقت نہیں ہوتا۔

۴- فریاد یعنی بجنے اور شور پیدا کرنے کے باعث قافلے کا گھنٹا پا شکستہ ہے' وہ چل نہیں سکتا جبکہ قافلہ چلتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس خوشبو/مہک کا قافلہ صبا کی مانند خاموشی سے چلتا رہتا ہے۔ خوشبو تیزی سے پھیلتی ہے لیکن اس میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔

۵- (اب دوسرے استعارے میں یہی بات) شراب کی صراحی قلقل کے شور کے باعث پا بگل رہتی ہے۔ لیکن چلنے اور گردش کا مزاج رکھنے والا جام خاموش ہوتا ہے۔ جامِ شراب کا چلنا اس کا محفل میں شریک لوگوں کے ہاتھوں میں جانا ہے۔

۶- خاموشی شاعر کے فکر/تخیل کے لیے پرواز کا پر ہے۔ یعنی وہ جتنا تخیل میں محو ہوگا اتنا اس کا تخیل بلند ہوگا۔ خاموشی دل کو پگھلا دینے والی آواز سے مالا مال ہے۔ یعنی خاموشی میں مذکورہ آواز جیسی کیفیت ہے۔

انسان

۱- منظر چمنستاں کے زیبا ہوں کہ نازیبا محرومِ عمل نرگس، مجبورِ تماشا ہے
۲- رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو فطرت ہی صنوبر کی محرومِ تمنا ہے
۳- تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں انسان کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے'
۴- اس ذرہ کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے
۵- چاہے تو بدل ڈالے، ہیئت چمنستاں کی یہ ہستی دانا ہے، بینا ہے، توانا ہے

(علامہ نے اس عنوان کے تحت دو نظمیں لکھی ہیں۔ پہلی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس نظم میں ان کا مرکزی خیال یہ ہے کہ کائنات کی تمام موجودات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے قدرت نے دانائی، بینائی و بصیرت اور قوت و توانائی سے نوازا ہے اگر وہ چاہے تو اپنی انہی خصوصیات اور قوتوں سے ہر طرح کا انقلاب لا سکتا ہے)۔

۱- باغ کے منظر دلکش و خوبصورت ہوں یا دلکشی سے خالی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' اس لیے کہ نرگس کا پھول جہد و عمل کی قوت سے محروم ہے اس لیے وہ نظارہ کرنے پر

مجبور ہے۔ نرگس کا پھول آنکھ سے ملتا جلتا ہے اور جس طرف اس کا رخ ہو اس طرف مسلسل دیکھتا ہوا سا نظر آتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں اسی حوالے سے بات کی ہے۔

۲۔ صنوبر کا درخت بہت اونچا لمبا سہی۔ اسے چلنے کی لذت کا احساس ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی فطرت ہر طرح کی آرزو سے محروم ہے۔ دل میں کوئی آرزو ہو تو اس کے حصول یا اسے پانے کے لیے کوشش اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو چیز ظاہری طور پر وہ کتنی بلند اور دلکش ہی کیوں نہ ہو جب وہ اپنی جگہ ہی سے نہیں ہل سکتی تو اس ظاہری خوبی کا کیا فائدہ۔

۳۔ اس کائنات / دنیا میں جو شے بھی ہے وہ دوست کی رضا پر راضی رہنے کی عادی ہے۔ ایک صرف انسان ہے جس کی ہر قوت نت نئی خواہش و آرزو کے حصول میں مشغول و معروف رہتی ہے۔ انسان کے پیش نظر ہر طرح کے یا اعلیٰ مقاصد ہوتے ہیں جن کے حصول کی خاطر وہ مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

۴۔ اس ذرے یعنی انسان کو ہر لیے وسیع ہونے کی ہوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے جہد و عمل سے عظیم سے عظیم تر بننے میں لگا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک ذرہ یا معمولی مخلوق نہیں ہے، غالباً یہ ایک سمٹا ہوا صحرا ہے۔ مراد یہ کہ دیکھنے میں تو اس کا جسم ایک محدود سی شے ہے لیکن اس میں بڑی قوتیں سمائی ہوئی ہیں۔

۵۔ اس ذرے / انسان میں ایسی قوتیں ہیں کہ اگر وہ چاہے تو باغ کا نقشہ ہی بدل ڈالے، اس لیے کہ یہ وجود (انسان) دانا و بینا بھی ہے اور قوت و توانائی والا بھی۔ گویا قدرت کی طرف سے عطا کردہ ان اوصاف اور قوتوں کی بدولت وہ دنیا میں بڑے انقلاب لا سکتا ہے۔

خطاب بہ جوانانِ اسلام

۱۔ کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے؟	وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
۲۔ تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں	کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
۳۔ تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری	وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
۴۔ سماں "الفقر فخری" کا رہا شانِ امارت میں	"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

۵- گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے | کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
۶- غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے | جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا
۷- اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دوں | مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
۸- تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
۹- گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
۱۰- حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی | نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
۱۱- مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی | جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
۱۲- "غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن | کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را"

(اس نظم میں علامہ نے مسلم نوجوانوں کو اپنے اسلاف کے سوانح، عظمتوں اور دوسرے عظیم کارناموں سے اپنی حالت کا موازنہ اور مقابلہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت میں ایک طرح سے انہیں عزم و عمل اور سعی و کوشش کا درس دیا گیا ہے۔ اس کی رغبت دلائی گئی ہے)۔

۱- اے مسلم نوجوان! کبھی تو نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ وہ کیسا آسمان تھا جس کا تو ایک ٹوٹا ہوا تارہ ہے۔ یعنی تیرے اسلاف کتنے عظیم انسان تھے جن سے عظیم کارنامے یادگار ہیں۔

۲- تیری پرورش و تربیت اس قوم نے اپنی آغوش محبت میں کی ہے جس نے دارا جیسے بڑے بادشاہ کے تاج کو پاؤں کی ٹھوکروں سے مسل ڈالا تھا۔ ان کے پیش نظر کوئی بھی دنیاوی مفاد نہیں تھا اور نہ ایسے مواقع ملنے پر بھی انہوں نے دنیاوی دولت حاصل کرنے کی کوشش کی، ان کا عظیم مقصد صرف اور صرف توحید کی تبلیغ و اشاعت اور باطل اور انسان دشمن قوتوں کو تباہ کرنا تھا۔

۳- وہ عرب کا ریگستان جو کبھی شتربانوں کی تربیت گاہ تھا' دنیا میں اسلام کے حوالے سے نئے تہذیب و تمدن اور حکمرانی و جہانداری کے حقیقی انداز کی تخلیق کا باعث بنا۔ (اس کی وضاحت اگلے شعر میں)

۴- وہ مسلمان شان امارت میں بھی "الفقر فخری" کا عملی نمونہ تھے (لغت دیکھیے)۔ بھلا حسین چہرے کو سامان آرائش (میک اپ) اور نوک پلک بنانے کی کیا ضرورت ہے' (کوئی ضرورت نہیں)۔

٭ یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے' اس کا پہلا مصرع ہے:۔ ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است

حافظ کی متعلقہ غزل کا مطلع ہے:۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را　　بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

۵۔ گدائی / مفلسی میں بھی ہمارے وہ عظیم اسلاف / مسلمان جو اللہ پر پورا پورا بھروسا رکھتے تھے، اتنے غیرت مند تھے کہ کسی دولت مند کو ان کے ڈر کی وجہ سے اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ اسے یا انہیں خیرات کے طور پر کچھ دے۔

۶۔ مختصر یہ کہ میں تجھے کیا بتاؤں کہ وہ ریگستان میں رہنے والے (یعنی آغاز اسلام کے مسلمان) کس قدر عظیم انسان تھے۔ بس یہ سمجھ لے / لو کہ وہ دنیا کو فتح کرنے والے (باطل قوتوں کو مٹانے والے) صحیح حکمران، دنیا کے معاملات اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنے والے اور دنیا کو آراستہ کرنے، اس پر حکومت کرنے والے تھے۔

۷۔ اگر میں چاہوں تو ان کی عظمت اور عظیم کارناموں کا نقشہ الفاظ میں کھینچ دوں یعنی لفظوں میں بیان کردوں لیکن کیا کیا جائے کہ وہ نظارہ تیرے فکر و خیال سے کہیں بڑھ کر / بلند ہے۔ تو صحیح طور پر ان کی عظمت وغیرہ کو نہ سمجھ سکے گا۔

۸۔ (افسوس اس بات کا ہے کہ) تجھے اپنے ان اسلاف سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ تو سراسر بے عملی کا شکار ہے۔ صرف باتیں کرنا ہی جانتا ہے جبکہ وہ سراپا کردار و عمل تھے۔

۹۔ ہم نے اپنے اسلاف سے جو میراث پائی تھی (وہی عظمت وغیرہ) افسوس کہ ہم نے وہ برباد کر دی جس کے نتیجے میں آسمان نے ہمیں ثریا سے زمین پر دے مارا۔ اسلاف کے کردار و عمل کی پیروی نہ کرنے کے باعث آج ہم مسلمان دنیا میں ذلت و پستی میں ڈوب گئے ہیں۔ کہاں وہ عظمت و بلندی تھی اور کہاں یہ ذلت و پستی۔

۱۰۔ مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی، جواب نہیں رہی، اس پر رونے کا کیا فائدہ؟! اس لیے کہ وہ ایک وقتی و عارضی بات تھی اور اس سلسلے میں دنیا کے تسلیم شدہ آئین و دستور سے کیونکر بچا جا سکتا ہے۔ حکومت آنی جانی چیز ہے۔ اصل بات تو عظیم مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد اور سعی و کوشش سے اپنی بقا کا سامان کرنا ہے جس سے آج ہم محروم ہیں۔

۱۱۔ لیکن جب ہم یورپ میں علم کے موتی یعنی اپنے اسلاف کی کتابیں دیکھتے ہیں تو ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، بڑا دکھ ہوتا ہے۔ آج سے تین چار صدیاں پہلے یورپ

ازمنۂ مظلمہ (Dark Ages) میں ڈوبا ہوا تھا، وہاں جہالت کا دور دورہ تھا لیکن پھر اہل یورپ ہم مسلمانوں کی عظیم کتب لے گئے۔ (انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کے دوران ہمارے کتب خانے یورپ منتقل کر لیے تھے جن کی کثیر تعداد اب لندن کی "انڈیا آفس لائبریری" اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہے)۔

۱۲- اے غنی! حضرت یعقوب کی یہ سیاہ بختی تو دیکھ کہ ان کے نور چشم (حضرت یوسف) نے زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ گویا اب بالکل ایسی ہی صورت حال ہمارے بزرگوں کے کتب خانوں کی ہوئی کہ ہم اس نادر ذخیرے سے محروم ہو گئے اور لندن کا کتب خانہ اس کا سرمایہ دار بن بیٹھا اور یہ بات ہمارے لیے صدمے کا باعث ہے۔

غرۂ شوال

(یا)

ہلال عید

(۱)

۱- غرۂ شوال! اے نور نگاہ روزہ دار!	آ کہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
۲- تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے	شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے
۳- سرگزشت ملت بیضا کا تو آئینہ ہے	اے مہ نو! ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے
۴- جس علم کے سائے میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم	دشمنوں کے خون سے رنگیں قبا ہوتے تھے ہم
۵- تیری قسمت میں ہم آغوشی اسی رایت کی ہے	حسن روز افزوں سے تیرے آبرو ملت کی ہے
۶- آشنا پرور ہے قوم اپنی، وفا آئیں ترا	ہے محبت خیز یہ پیراہن سیمیں ترا
۷- اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے	اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

(۲)

۱- قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ	رہرو درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
۲- دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر	اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ
۳- فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر	اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ

۴۔ دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ — بتکدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ
۵۔ کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر — اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
۶۔ بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو — اُمتِ مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ
۷۔ ہاں، تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو — اور جو بے آبرو تھے ان کی خودداری بھی دیکھ
۸۔ جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا — اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
۹۔ سازِ عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن — اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ
۱۰۔ چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا — سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ
۱۱۔ صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ — شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

(اس نظم میں بظاہر ہلالِ عید سے علامہ مخاطب ہیں لیکن درحقیقت اس کے حوالے سے انہوں نے مسلم نوجوانوں سے خطاب کیا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب پوری ملتِ اسلامیہ مصیبتوں کا شکار تھی۔ ایران اور ترکی داخلی اور خارجی فتنوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی کے باعث ہر اسلامی ملک مصیبتوں میں مبتلا تھا جنہیں دور کرنے اور ان سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی بنا پر علامہ نے صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کو ان مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کا آخری علاج تجویز کیا ہے۔ علامہ نے جس درد بھرے انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اس کی تاثیر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ کی یہ نظم پڑھ کر مشہور شاعر اکبر الٰہ آبادی نے انہیں خط لکھا جس میں دو شعروں "دیکھ مسجد میں .... الخ" اور "کافروں کی مسلم .... الخ" کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ نظم ماہنامہ مخزن ۷ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی تھی)۔

(۱)

۱۔ اے ہلالِ عید! اے روزہ داروں کی نگاہوں کی روشنی! آ کہ مسلمان تیری آمد (تیرے طلوع ہونے) کا بڑے شوق و مسرت سے انتظار کر رہے تھے۔ عید مسلمانوں کا سب سے بڑا تہوار ہے جو ہلالِ عید کے طلوع ہونے کے دوسرے دن شروع ہوتا ہے اور جسے مسلمان بڑے شوق و جذبے سے مناتے ہیں۔ اسی لیے "سراپا انتظار" کہا۔

۲۔ تیری پیشانی پر عید کی آمد کا پیام ہے۔ تیری شام (یعنی جس شام تو طلوع ہوتا ہے) دراصل عیش و مسرت کی صبح کا آغاز ہے۔ لوگ بے حد خوش ہوتے اور ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہتے ہیں۔

۳۔ تو روشن ملت یعنی ملتِ اسلامیہ کے شاندار ماضی کا آئینہ دار ہے۔ اے ماہِ نو/ ہلال!

ہم مسلمانوں کو تجھ سے پرانی محبت ہے۔ (شاندار ماضی کی کسی قدر وضاحت اگلے دو شعروں میں ہے)۔

۴-۵ جس پرچم / جھنڈے کے سائے تلے چلتے ہوئے ہم اپنی تلواروں کی کاٹ آزماتے تھے (باطل قوتوں کے خلاف جہاد کرتے تھے) اور یوں دشمنوں کے خون سے ہم سرخ لباس والے بنتے تھے (ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون ہمارے لباس پر پڑتا تھا) تیرے نصیبے میں اسی پرچم کی ہم آغوشی ہے اور تیرے ہر روز بڑھتے ہوئے حسن، یعنی چودھویں کا چاند بننے سے ہماری ملت کی آبرو ہے۔ گویا ملت کا شاندار ماضی میدان جنگ اور فتوحات میں گزرا اور ہلال اپنی خنجر نما شکل سے اس تلوار کی یاد تازہ کرتا ہے جو فتوحات میں کام آئی۔

۶- اپنی ملت بڑی دوست نواز و وفادار ہے جبکہ تیرا آئین و دستور بھی وفا ہے (تو ہمیشہ ہمارے لیے خوشیوں کی نوید / خوشخبری لے کر آتا ہے)۔ تیرا یہ سیمیں لباس محبت پیدا کرنے والا ہے۔ عید کے موقع پر لوگ بڑی محبت و گرم جوشی سے ایک دوسرے کے گلے ملتے اور مبارکباد دیتے ہیں۔

۷- تو آسماں کی بلندی سے ذرا دنیا کی آبادی پر نظر ڈال اور اپنی رفعت سے ہمارے گھر (ہم مسلمانوں) کی ذلت و پستی میں ڈوبی ہوئی حالت بھی دیکھ۔

(۲)

۱- تو ذرا قافلوں کو اور ان کی تیز رفتاری کو بھی دیکھ اور رہرو درماندہ کی اپنی منزل سے بیزاری بھی ملاحظہ کر۔ دوسری قومیں زبردست ترقی کر رہی ہیں جبکہ ہم مسلمان ذلت و پستی کا شکار ہیں؛ ہمیں اپنا مستقبل شاندار بنانے سے کوئی دلچسپی یا خواہش نہیں ہے۔

۲- کبھی وہ وقت تھا جب ہم تجھے (ہلال عید کو) دیکھ کر سوتی لٹایا کرتے تھے (اقتصادی طور پر ہم بہت خوشحال تھے) لیکن اے خالی پیالے کی سی شکل والے ہلال! آج تو ہماری غربت و مفلسی پر بھی نظر ڈال۔

۳- مسلمان مختلف مذہبی گروہوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں (فرقہ پرستی زوروں پر ہے)۔ تو ذرا اپنی آزادی بھی دیکھ کر تو اپنے ماضی کی طرح آج بھی اسی طرح کسی رکاوٹ کے بغیر طلوع ہو رہا، گردش کر رہا اور غروب ہو رہا ہے۔ ان کی گرفتاری بھی ملاحظہ کر کہ وہ کس قدر غلامی کی قید میں پھنسے ہوئے ہیں۔

۴- ذرا مسجد میں شیخ / ملا کی تسبیح کا ٹوٹا ہوا دھاگا بھی دیکھ اور دوسری طرف بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی ملاحظہ کر۔ (لغت دیکھیے)

۵- دوسری قوموں / کافروں کی مسلم آئینی پر بھی نظر ڈال اور اپنے مسلمانوں کی اپنے ہی بھائیوں کی دل آزاری بھی دیکھ کہ فرقہ پرستی کے باعث وہ کس قدر ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ (نیز لغت دیکھیے)

راقم یزدانی نے انہی فرقہ پرست ملاؤں کے بارے میں یہ طنزیہ قطعہ کہا ہے:

ملا تجھے مبارک تیری پانچ وقتی ورزش　　یہ زباں بھی ہو مبارک جو چھری سے کم نہیں ہے
تجھے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم انس و الفت　　ترا دل ہے پُر خشونت، تیری آنکھ نم نہیں ہے

۶- (مسلمانوں پر) حادثات کے پتھروں کی بارش کا بھی تماشا / نظارہ کر اور امت مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ۔ گویا نئے واقعات و حادثات نے اس امت کو (جس پر اللہ کی رحمت ہے اور دوسرا مطلب یہاں ایہام کے طور پر مردہ اور بے حس ملت) بہت ہی کمزور بنا دیا ہے۔

۷- تو ذرا آبرو والوں کی تسلق پیشگی (لغت دیکھیے) بھی ملاحظہ کر اور جو کبھی ماضی میں بے آبرو تھے (جن قوموں کا ماضی تاریک تھا) آج ان کی خودداری (خود کو لغو بیہودہ حرکات سے محفوظ رکھنے اور اپنی عزت برقرار رکھنے کے احساس) کو بھی پیش نظر رکھ اور دیکھ۔

۸- جن غیر قوموں کو ہم نے لطف تکلم سے آشنا کیا آج ان حریف قوموں کی گرم گفتاری بھی ملاحظہ کر۔ (لغت دیکھیے)

۹- آج عیش و عشرت (خوشیوں مسرتوں سے بھری زندگی) کے ساز کی آواز مغرب کے ایوانوں میں گونج رہی ہے، تو وہ ذرا سن (اہل یورپ مزے کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور ذرا ایران میں ماتم کی تیاری بھی دیکھ (شروع کا نوٹ دیکھیے)۔

۱۰- نادان ترکوں نے خلافت کی قبا پھاڑ ڈالی۔ ذرا تو مسلمانوں کی سادگی / نا سمجھی ملاحظہ کر اور دوسری طرف دوسری قوموں کی چالاکی اور مکر و فریب پر بھی نگاہ ڈال۔

۱۱- (اے ہلال عید!) تو آئینے کی طرح سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ (آئینے میں انسان دیکھتا ہے۔ گویا آئینہ اسے دیکھ کر خاموش رہتا ہے) اور آج کی شورش (۱۹۱۱ء کے فتنے جن میں ایران اور ترکی بلکہ تمام اسلامی ملک اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار تھے) میں تو کل کے نغمے سننے میں محو و مست ہو جا۔ (لغت دیکھیے)

شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

۱۔ دوش می گفتم بہ شمعِ منزلِ ویرانِ خویش ۔۔۔ گیسوئے تو از پرِ پروانہ دارد شانہ ے

۲۔ در جہاں مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ستم ۔۔۔ نے نصیبِ محفلے، نے قسمتِ کاشانہ ے

۳۔ مدتے مانند تو من ہم نفس می سوختم ۔۔۔ در طوافِ شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ ے

۴۔ می تپد صد جلوہ درجانِ امل فرسودِ من ۔۔۔ بر نمی خیزد ازیں محفل دلِ دیوانہ ے

۵۔ از کجا ایں آتشِ عالم فروز اندوختی؟ ۔۔۔ کرمکِ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی"

(یہ نظم علامہ نے ۱۶ اپریل ۱۹۱۲ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی۔ اس میں انہوں نے قوم کو حضور اکرمؐ سے عشق کا پیغام دیا ہے۔ عشق اس شعلے کا نام ہے جو دل میں بھڑکتا اور انسان کو وصل محبوب کے حصول پر ہر لحظہ ابھارتا ہے۔ خارج میں شمع بھی دل کے سوز کا آئینہ ہوتی ہے اس لیے انہوں نے شمع کو اپنے بیان سوز کی زبان بنایا ہے)۔ ان کے مطابق مسلمان اگر اسلامی تعلیمات پر خلوص دل سے عمل پیرا ہو جائیں تو وہ اپنی موجودہ زبوں حالی اور زوال و پستی سے نجات پا کر اپنی ماضی کی عظمت و سربلندی دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ساری نظم استعاروں کنایوں سے پُر ہے)۔

۱۔ (شمع سے خطاب ہے) کل رات میں اپنے ویران گھر کی شمع سے کہہ رہا تھا کہ تیری زلفوں کے لیے پروانے کے پر کنگھی کا کام دیتے ہیں۔ گویا کنگھی جس طرح بالوں کو سنوارتی ہے کچھ اسی طرح شمع کی خوبصورتی پروانوں کی بدولت ہے۔

۲۔ ۳۔ جبکہ میں اس دنیا میں صحرا کے لالہ کی طرح ہوں۔ یعنی تنہائی میں اکیلا جل رہا ہوں۔ میں نہ تو کسی محفل کی رونق کا باعث ہوں اور نہ کسی ایوان/مکان کی آرائش ہی کا سبب بنتا ہوں۔ اگرچہ میں بھی تیری طرح ایک مدت سے عشق کی آگ میں جل رہا ہوں لیکن افسوس کہ میرے گرد کوئی پروانہ نہیں ہے۔ (مراد قوم میری طرف توجہ نہیں دے رہی) میں تنہا ہوں۔

۴۔ امیدوں اور آرزوؤں کی کشمکش میں مبتلا میری جان میں سینکڑوں جلوے بے قرار ہیں لیکن (دکھ کی بات یہ ہے کہ) اس دنیا کی محفل میں کوئی دیوانہ پیدا نہیں ہو رہا جو ان جلوؤں کا عاشق ہو یا ان پر توجہ کرے۔

۵۔ (اے شمع! ذرا یہ تو بتا کہ) تو نے دنیا کو روشن کرنے والی یہ آگ کہاں سے حاصل کی

ہے؟ اور اپنی اس آگ کی بدولت تو نے نا چیز پروانوں کے دل میں حضرت موسیٰ جیسا دیدار کا جذبہ پیدا کر رکھا ہے اور انہیں سوزِ کلیمی سے آگاہ و آشنا سا کر رکھا ہے۔

شمع

(۱)

۱- مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل
لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا

۲- میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

۳- گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبنم افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چرچا ترا

۴- گل بداماں ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا

۵- یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں
شعلہ ہے مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ترا

۶- سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا

۷- اور ہے تیرا شعار، آئینِ ملت اور ہے
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

۸- کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بتخانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا

۹- قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا ترا، محمل ہے بے لیلا ترا

۱۰- اے درِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج!
لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا

۱۱- اب نوا پیرا ہے کیا؟ گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا

(اس بند میں استعاروں کنایوں میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کا ماضی بڑا عظیم تھا مگر آج وہ اسے بھول کر ذلت و پستی کا شکار ہیں۔ اپنے اسلاف والے جذبوں اور ولولوں سے محروم ہیں)۔

۱- شمع شاعر سے مخاطب ہے اے شاعر! میں ہوا کے جس جھونکے سے بجھ جاتی ہوں جو گویا میرے لیے موت کا پیغام ہے، وہی ہوا کا جھونکا تجھے زندگی عطا کرتا ہے۔ تجھ میں نیا جذبہ و جوش پیدا کرتا ہے اور تو گیت گاتا اور شعر کہتا ہے۔ گویا جب شاعر کوئی سانس اپنے اندر کھینچتا ہے تو وہ باہر نکل کر شعر و نغمہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۲- میں تو اس لیے جلتی ہوں کہ قدرت کی طرف سے میری فطرت ہی میں سوز/جلنا رکھا گیا ہے جبکہ تو (شاعر) اپنے دل کو اس لیے جلاتا ہے کہ تو سوچ کے سمندر سے عمدہ موتی یعنی اشعار نکال لائے اور لوگ تیرے اشعار کو بہت پسند کریں اور پروانوں کی مانند تیری شاعری کو قابلِ قدر جانیں اس کے عاشق ہوں۔

۳- میں اس لیے روتی ہوں کہ میرے دل میں آنسوؤں کا طوفان ہے (موم بتی جلنے پر اس کے قطرے گرتے ہیں) جبکہ تو اس لیے آنسو بہاتا ہے کہ دنیا کی محفلوں میں تیری شاعری کو شہرت ملے اور لوگ تیری شاعری کے سوز و گداز سے حظ اٹھائیں اور یوں ان کے دلوں میں بھی ایسا ہی سوز پیدا ہو اور یوں ہر جگہ تیری شاعری کا چرچا ہو۔

۴- میں رات بھر جلتی رہتی ہوں' آنسو بہاتی رہتی ہوں تا آنکہ میری رات کے لہو سے صبح کا دامن پھولوں سے بھر جاتا ہے (رات بھر روشنی دیتی ہوں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے) جبکہ تیرا آج / حال آنے والی کل / مستقبل سے بالکل ناواقف ہے۔ گویا تو آج کچھ اور کل کچھ ہے' مستقل مزاج نہیں' لیکن میں تبدیلی نہیں ہوتی اور میرا انداز ہر دور میں یکساں جلنا اور رونا ہے۔

۵- اگرچہ تو (شاعر) بھی بظاہر جل رہا ہے لیکن تیرے انداز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تیرا دل سوز و گداز سے محروم ہے۔ تیرا شعلہ تو صحرا کے لالہ کی مانند روشن ہے۔ لالہ سرخ رنگ کا پھول ہے لیکن اس میں کوئی تپش وغیرہ نہیں۔ اسی طرح تو (شاعر) بظاہر روشن ہے لیکن تیرا باطن روشنی سے محروم ہے۔

۶- ذرا تو اپنے دل میں سوچ کہ تیری اس صورت حال میں تیرے لیے "ساقی" کا لقب جائز و زیبا ہے؟ یعنی تجھے ساقی کہنا درست نہیں۔ اس لیے کہ ساری محفل تو پیاسی ہے اور تیرا جام شراب سے خالی ہے۔ مطلب یہ کہ تیری حسن و عشق اور زلف و رخسار کے مضامین والی شاعری سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں۔ شاعری تو ایسی ہو جس سے قوم میں جذبے اور ولولے پیدا ہوں اور وہ باہمی اتحاد و محبت سے رہے۔

۷- تیرے طور طریقوں اور ملت کے آئین / تقاضوں میں بڑا فرق ہے۔ تیری بدصورتی سے تیرا آئینہ بدنام ہے۔ گویا تو ظاہری عشق و محبت کے چکر میں پڑا ہوا ہے جبکہ قوم کو باہمی محبت و اتحاد اور صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے جو تجھ میں نہیں ہے۔ گویا تیرے خیالات مجازی عشق و محبت کے واقعات کا بیان وغیرہ خود تیرے دل کے لیے شرم کا باعث ہے۔ ایسی شاعری سے قوم کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچتا ہے اور اس میں گھٹیا خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔

۸- یہ عجیب بات ہے کہ تیرے پہلو میں تو کعبہ ہے لیکن تیرا دل بت خانے کا شیدائی ہے۔ (بڑے افسوس کی بات ہے کہ) تیرا یہ شوق بے پروا کس قدر دیوانہ ہے۔ یعنی بظاہر تو

تو مسلمان ہے لیکن یورپی تہذیب سے بری طرح متاثر اور اس کا دیوانہ ہے اور اسلامی تعلیمات سے بالکل دور ہے۔

۹۔ یہ امر کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہے کہ تیری محفل میں مجنوں جیسے دیوانے پیدا ہوں' اس لیے کہ تیرا صحرا ابھی تنگ ہے اور تیرا محمل بھی خالی ہے، اس میں لیلیٰ نہیں ہے یعنی تیری اس زلف و رخسار والی شاعری سے عظیم قومی رہنما' جہد و عمل میں سرگرم اور جوش و جذبہ کے حامل مسلمانوں کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خود تیرا دل ان جذبوں سے سرشار ہو اور ان کے بیان سے قوم میں جذبے پیدا ہوں۔ پھر تو شاعری کا فائدہ ہے ورنہ یہ بیکار قسم کا اور الٹا قوم کو نقصان پہنچانے والا شغل ہے۔

۱۰۔ اے سمندر کی لہروں کی آغوش میں پیدا ہونے والے موتی! تیرا دریا طوفان کے تھپیڑوں کی لذت سے نا آشنا ہے۔ گویا تیری مجازی شاعری میں الفاظ، رمز و کنایہ اور تشبیہات و استعارات تو خوب ہیں لیکن اس میں وہ جوش و ولولہ اور جہد و عمل کا جذبہ غائب ہے جس سے قوم کے مستقبل کو سنوارنے کا سامان ہو سکتا ہے کیونکہ اسی سے اس میں تسخیر کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۔ اے بلبل! اب تو کیا نغمے الاپ رہا ہے' تیرا گلشن تو اجڑ چکا ہے۔ تیرے یہ سارے نغمے بے موسم اور بے موقع ہیں۔ یعنی تیری شاعری بے موقع و محل ہے۔ اگر تو آج قوم کے لیے بھی شاعری کر رہا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تیری قوم بے حسی کا شکار ہے اور غفلت کی نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ پھر وہ باہمی انتشار و افتراق کی بھی شکار ہے۔ اس حالت میں وہ تیری تعمیری شاعری کا کوئی اثر کیونکر لے گی۔

(۲)

۱۔ تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے	لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
۲۔ انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے	ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
۳۔ آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی	پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
۴۔ آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ	صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
۵۔ بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا	اب کوئی سودائیِ سوزِ تمام آیا تو کیا
۶۔ پھول بے پروا ہیں' تو گرم نوا ہو یا نہ ہو	کارواں بے حس ہے' آوازِ درا ہو یا نہ ہو

(اس بند میں علامہ نے دکھ کا اظہار کیا ہے کہ ان کا دور ہر لحاظ سے قومی زوال سے دوچار

ہے۔ برصغیر کے مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی' جسے دشمنوں نے غدر کا نام دیا' میں شکست کھانے کے بعد بے حوصلہ ہو گئے اور وہ غلامی کی زندگی پر مجبور اور جذبوں ولولوں سے محروم ہو گئے۔

۱- (شمع کہہ رہی ہے) اے شاعر! وہ لوگ جنہیں محبوب دیکھنے کا شوق تھا وہ تو دنیا سے چل بسے؟ اب اس حالت میں اگر تو عام دیدار کا وعدہ لے کر آیا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جن عاشقوں کو محبوب کے دیدار کا شوق تھا وہ نہیں رہے۔ گویا اسلام سے محبت کرنے والے اور جاں نثار اب نہیں رہے۔

۲- محفل/قوم سے شعلے پی جانے والے وہ سب افراد اس دنیا سے اٹھ گئے۔ اے ساقی! اب اگر تو محفل میں آتش بجام آیا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان میں آگ کی طرح تند و تیز شراب پینے کا حوصلہ تھا۔ یعنی وہ زبردست حالات و حوادث میں بھی بڑی دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

۳- افسوس کہ جب گلشن کی جمعیت بکھر گئی/ بکھری' اس صورت حال میں اگر پھول کو موسم بہار کا پیغام آیا بھی تو اس کا کیا فائدہ۔ سب بے سود و بیکار ہے۔ گویا قوم پہلے ایک شگفتہ پھول کی مانند اور متحد و متفق تھی اب وہ خزاں کا شکار ہو گئی ہے۔ پھول کی پتیاں بکھر چکی ہیں۔ قوم غلامی کا شکار ہو گئی اور اس میں وہ اتفاق و اتحاد نہیں رہا۔ اس صورت میں جوش و ولولہ اور جذبوں کی حامل شاعری قوم کے سامنے پیش کرنا بے سود ہے۔

۴- ایک عاشق اپنے محبوب کے دیدار کے انتظار میں ساری رات بے قراری کا شکار رہا اور جب محبوب اپنے وعدے کے باوجود لب بام نہ آیا تو رات کے پچھلے پہر اس عشق کے مارے کی بے قراری اور بے چینی اور بھی بڑھ گئی اور وہ بہت تڑپنے لگا۔ اس حالت میں اگر کوئی یعنی محبوب لب بام آیا بھی تو اس کا کیا فائدہ۔ نئے استعارے میں پہلے والی بات۔ (ویسے بھی عربی ضرب المثل کے مطابق انتظار موت سے بھی زیادہ سخت ہے: الانتظار اشد من الموت)۔

۵- اب وہ شعلہ/ چنگاری اور روشنی بھی بجھ گئی جس کی محبت سے ہر پروانے کا دل لبریز ہے۔ چنانچہ اس صورت میں اگر کوئی اس مکمل یا پوری روشنی کا شیدائی آیا بھی ہے تو اس کا کیا فائدہ۔ اس لیے کہ وہ تو بجھ چکی ہے۔

۶- (اے شاعر!) اس چمن میں پھول بے پروا ہیں' تو خوب نغمے الاپ یا نہ الاپ/ گا۔ قافلہ بے حس ہو چکا ہے' کوچ کی گھنٹی کی آواز ہو یا نہ ہو' اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ گویا

شاعر (علامہ) چنگ جوش و جذبہ اور قومی اتحاد و اتفاق اور آزادی کا جذبہ پیدا کرنے والی شاعری اور کوشش کریں اس کا بے حس اور مردہ قوم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۳)

۱۔ شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا — تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

۲۔ رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو — پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے؟

۳۔ شوق بے پروا گیا، فکرِ فلک پیما گیا — تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے

۴۔ وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ آشامی نہیں — فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے؟

۵۔ خیر، تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے؟ — اب نہ وہ مے کش رہے باقی نہ مے خانے رہے

۶۔ رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے — کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

۷۔ آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں — رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

۸۔ وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

۱۔ تو (شاعر) تو اس دنیا کی محفل کی شمع ہے لیکن (افسوس کہ) تو سوز اور تڑپ سے محروم ہے۔ جب تیری یہ حالت ہے تو ظاہر ہے تیرے پروانے یعنی تیرے چاہنے والے بھی اس سوز اور تڑپ سے دور یا اجنبی رہیں گے۔ مطلب یہ کہ پہلے تو حقیقی عشق کے جذبے سے سرشار ہو اور دل میں سوز و گداز پیدا کر تاکہ قوم کے افراد تیری شاعری سے متاثر ہو کر اپنے عظیم مستقبل کے لیے کوشاں ہوں اور ان میں باہمی محبت اور اتفاق کا جذبہ پیدا ہو۔ ایک مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ جب رہنما ہی حصول مقصد میں مخلص نہ ہوں تو وہ قوم میں جذبہ خلوص کیونکر پیدا کر سکتے ہیں۔

۲۔ جب تو اپنی قوم کے افراد کو محبت و الفت کے دھاگے میں پرو سکتا تھا ان میں محبت و یگانگت پیدا کر سکتا تھا تو پھر تیری تسبیح کے دانے کیوں بکھرے رہے؟ یعنی اگر ہمارے شاعروں کو اپنی قوم سے محبت ہوتی اور وہ اس سے مخلص ہوتے تو وہ اپنے پر تاثیر کلام سے اس میں اتحاد و اتفاق کا جذبہ پیدا کرتے لیکن وہ تو زلف و رخسار اور گل و بلبل ہی کے مضامین میں کھوئے رہے جس کے نتیجے میں قوم تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئی۔ انتشار و افتراق کا شکار ہوگئی۔

۳۔ آج کے مسلمان اس سچے عشق و محبت اور خلوص کے جذبے اور بلند فکری سے محروم ہو چکے ہیں جو کبھی ماضی کے عظیم مسلمانوں کا بہت بڑا ورثہ تھا۔ وہ ان اوصاف سے مالا مال تھے لیکن آج تیری (شاعری) محفل میں نہ تو وہ چاہنے والے رہے ہیں اور نہ

ویسے ارباب دانش ہی نظر آتے ہیں۔ یعنی ماضی کے مسلمان دین اسلام کے شیدائی اور علوم وفنون کے ماہر تھے جبکہ آج کے مسلمان ہر طرح کے عظیم جذبوں سے خالی اور بے حسی و بے عملی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۴۔ آج کے مسلمانوں میں پہلے عظیم مسلمانوں کی سی نہ تو جگر سوزی (آتش عشق سے دل جلنے کی کیفیت) ہی رہی ہے اور نہ وہ شعلہ آشامی ہی ہے۔ اس صورت میں اگر شمع کے گرد پروانے رہتے بھی ہیں تو وہ بیکار سی بات ہوگی۔ گویا جب آج کے مسلمان مذکورہ جذبوں ہی سے خالی ہیں تو وہ تیری شاعری کا کیا اثر لیں گے (کوئی اثر نہیں لیں گے)۔

۵۔ چلو میں (شمع) مان لیتی ہوں کہ تو واقعی ساقی ہے لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ تو (جذبوں کی شراب) کسے پلائے گا؟ اس لیے کہ آج نہ تو وہ پرانے مے خوار ہی ہیں اور نہ ویسے میخانے ہی رہے ہیں۔ پہلے والی بات نئے استعارے میں۔ یعنی تیری جذبوں کی حامل شاعری آج کے بے حس اور بے عمل مسلمانوں کو متاثر نہیں کر سکتی۔

۶۔ جس ساقی کے جام کل تک (کچھ عرصہ پہلے تک) خوب گردش میں رہے آج ٹوٹی ہوئی صراحی اسے رو رہی ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ کل تک مسلمان دنیا پر حکمران رہے لیکن آج اپنی نااہلی، بے ہمتی اور بے حسی کے باعث غلامی اور ذلت و پستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

۷۔ آج وہ جنوں پرور (عشق کے جذبے پیدا کرنے والے) جنگل ویران پڑے ہیں جہاں کبھی لیلی رقص کرتی تھی اور اس کے عاشق اس کے اشاروں پر ناچا کرتے تھے۔ عرب ممالک کی طرف اشارہ ہے جو ماضی میں عظیم تہذیب وتمدن کا مرکز تھے اور آج بالکل پسماندہ ہو چکے ہیں۔ بظاہر وہ اپنے ملکوں پر خود حکمران ہیں لیکن دوسری قوتوں کے آگے سرنگوں ہیں۔

۸۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ قافلے کا مال ومتاع لٹ گیا ہے اور قافلے والوں کے دل سے اپنے اس بہت بڑے نقصان کا احساس ہی جاتا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ماضی کے مسلمانوں کی جو عظمت' شان وشوکت اور حکومت کی میراث تھی آج کے مسلمانوں نے اسے کھو دیا ہے اور اس کا انہیں کوئی احساس اور دکھ نہیں ہے۔ وہ آج غلامی اور بدحالی وپستی ہی میں خوش ہیں۔

(۳)

۱۔ جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں

۲۔ سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی | وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
۳۔ دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے | موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
۴۔ خود تجلّی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی | وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہو گئیں
۵۔ اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں | دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں؟
۶۔ وسعتِ گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز | بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہو گئیں
۷۔ دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں؟ | اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بداماں ہو گئیں
۸۔ شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی | ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی

۱۔ (بقول شیخ) جن مسلمانوں کے ہنگاموں (یعنی فتوحات اور ایجادات اور دیگر عظیم کارناموں وغیرہ) سے کبھی ویرانے بھی آباد تھے یعنی ان کے چرچے پوری دنیا میں تھے آج ان کے شہر تباہ ہو گئے اور ان کی بستیاں جنگل بن گئی ہیں۔ آج کے مسلمانوں کی بے عملی و بے حسی وغیرہ کے باعث سابق عظیم مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور دبدبے خاک میں مل گئے ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کی جن نمازوں سے توحید کی عظمت وشان وشوکت قائم ہوئی آج وہ برہمن کی نذر ہو چکی ہیں۔ یعنی دلی خلوص کے ساتھ پڑھی جانے والی ان نمازوں سے کفر اور اسلام کے درمیان واضح فرق تھا لیکن افسوس کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے غیر اسلامی رویے اپنا کر وہ عظمت ختم کر دی۔ ان کے رسم و رواج بھی ہندوؤں کے سے ہو گئے۔

۳۔ اس دنیا میں مستقل مسرت و شادمانی اسی صورت میں ممکن ہے جب قانون قدرت کی پوری پابندی کی جائے۔ چنانچہ پابندِ آئین قومیں ہی عظمت و مسرت کی دولت سے مالا مال رہتی ہیں۔ اب اس بات کو لہروں کے استعارے میں بیان کیا ہے' جو لہریں سمندر میں اچھلتی رہتی ہیں ان کا وجود قائم رہتا ہے اور جو ساحل سے باہر اچھل جاتی ہیں وہ ریت میں جذب ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں۔ کچھ یہی حال آئین کی پابندی نہ کرنے والی قوموں کا ہوتا ہے وہ زوال کا شکار ہو کر اپنے وجود سے محروم ہو جاتی ہیں۔

۴۔ جن نگاہوں پر خدا تعالیٰ کا جلوہ خود ظاہر ہونے کا آرزومند تھا آج وہ نگاہیں وادیِ ایمن کے نور سے ناامید و مایوس ہو گئی ہیں۔ وادیِ ایمن جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ تو مسلمانوں پر اپنی رحمتیں برکتیں نازل کرنا چاہتا

تھا لیکن آج کے مسلمان اپنے غلط اعمال کے باعث خودی مایوسی کا شکار ہو گئے ہیں۔

۵۔ کبھی وہ وقت تھا جب باغ میں ہزاروں بلبلیں اڑتی اور چہکتی پھرتی تھیں لیکن خدا جانے آج ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ انھوں نے اپنا چہچہانا اور شاخ بہ شاخ اڑنا بیٹھنا بھلا کر خود کو گھونسلوں کا قیدی بنا لیا۔ بلبلیں استعارہ ہیں عظیم رہنماؤں کا جو خبیث انگریز حکمرانوں کے ڈر خوف سے اپنے گھروں میں پابند ہو گئے ہیں، جبکہ آج کے اذیت ناک حالات میں ان کی رہنمائی کی بے حد ضرورت ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو صحیح اور سیدھی راہ دکھائیں۔

۶۔ کبھی بجلیاں آسمان کی وسعت میں خوب چمکتی تڑپتی تھیں۔ ان کا یہ منظر نگاہوں کو خیرہ کرتا تھا لیکن اب وہ کھلیان کے دامن میں آرام کر رہی ہیں (حالانکہ وہ کھلیان کو جلا دیا کرتی تھیں)۔ گویا مسلمانوں کے بڑے بڑے رہبر اب آرام طلبی اور تساہل پسندی کا شکار ہیں ان میں پہلے جیسے جوش و ولولے اور جذبے نہیں رہے۔

۷۔ اس صورت حال میں خون کے آنسو بہانے والی آنکھیں باغ کی احسان مند کیوں ہوں؟ اس لیے کہ میری (علامہ کی) آنکھوں نے اس قدر مسلسل آنسو بہائے ہیں کہ اب ان کے دامن سرخ پھولوں سے بھر گئے ہیں۔ خون کے آنسو گویا سرخ پھول ہیں جن سے شاعر کا دامن بھر گیا ہے۔ اس لیے اسے باغ میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ علامہ نے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ہمیشہ خون کے آنسو روئے ہیں جو ان کے دلی صدمے کے غماز ہیں۔

۸۔ بہر حال غم کی شام خوشی کی صبح کی خبر دے رہی ہے اور اب رات کی تاریکی میں امید کی کرن نظر آئی ہے۔ مطلب یہ کہ موجودہ حالات سے یہ اندازہ ہو رہا ہے اور یہ توقع ہے کہ مسلمان بیدار ہو جائیں گے اور پستی و زبوں حالی سے نکل کر آزادی حاصل کرنے اور دوبارہ ماضی کی سی شان و عظمت کے حصول میں جد و جہد کرنے لگیں گے۔

(۵)

۱۔ مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز! | بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

۲۔ نقدِ خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی | پھر دکاں تیری ہے لبریزِ صدائے ناو نوش

۳۔ ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہ سیمایانِ ہند | پھر سلیمیٰ کی نظر دیتی ہے پیغامِ خروش

۴۔ پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز | دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش

۵۔ نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش
۶۔ درغم دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز گفتمت روشن حدیثے، گر توانی دار گوش
۷۔ کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش
۸۔ آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

۱۔ اب شمع مسلمانوں کو روشن اور عظیم مستقبل کی خوشخبری دے رہی ہے۔ اے حجاز کے شراب لٹانے کے ساقی یعنی مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کے شہنشاہؐ (حضور اکرمؐ) تجھے خوشخبری ہو کہ ایک مدت کے بعد تیرے میخوار پھر سنبھل گئے ہیں۔ مسلمان ایک لمبی مدت کی غلامی و تنگدی کا شکار رہ کر اب بیدار ہو رہے ہیں اور ان میں جوش و جذبہ پیدا ہو رہا ہے جو ایک دل خوش کن بات ہے۔

۲۔ یہ مسلمان غیروں کی شراب پینے کے لیے اس کی قیمت اپنی خودداری کی صورت میں ادا کرتے تھے۔ گویا وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے شیدائی بن کر اپنی خودداری کا سودا کرتے تھے۔ تاہم اے مذکورہ ساقی! آج پھر تیری دکان/شراب خانہ "پیو پلاؤ" کے شور سے پُر ہے۔ آج مسلمانوں کو اپنے مذکورہ عمل کا احساس ہو گیا ہے اور وہ پھر سے اپنی اسلامی و مشرقی تہذیب کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

۳۔۴۔ اب ہندوستان کی چاند اکی پیشانی والی حسیناؤں کا جادو ٹوٹ رہا ہے۔ یعنی ہندوستانی تہذیب و رسومات اپنانے والے مسلمان اب اس سے بیزار ہو رہے ہیں۔ آج پھر عرب کی حسینہ سلیمی کی نظر خروش/شور و غل کا پیغام دے رہی ہے۔ یعنی لوگ پھر اسلامی تہذیب اور اقدار کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور ان میں پھر حضور اکرمؐ کی تعلیمات و ارشادات کی طرف توجہ کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ مسلمان گویا جوش میں بھر کر حضور اکرمؐ کی محبت کی شراب طلب کرنے کی آوازیں لگا رہے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کو اپنی اسلامی تہذیب سے پیار ہونے لگا ہے کیونکہ مغرب کی بنی ہوئی شراب (تہذیب و تمدن) نے تو مسلمانوں کے دلوں سے جوش و ولولے ہی ختم کر ڈالے ہیں، اس لیے وہ ساقی سے شراب خانہ ساز کا تقاضا کر رہے ہیں۔ یعنی اسلامی تہذیب دلوں کا زندہ کرتی ہے۔

۵۔ (اب علامہ اس دل خوش کن صورت حال کے پیش نظر شمع کی زبان سے کہتے ہیں) اے اقبال! یہ خاموشی کا یا چپ رہنے کا وقت نہیں ہے۔ تو مسرت و خوشی کے گیت گا۔ اس لیے کہ صبح کے آسمان نے سورج کی صراحی کندھے پر اٹھا رکھی ہے۔ گویا غلامی کی

تاریک رات گزر چکی ہے اور اب آزادی کی صبح طلوع ہو چکی ہے۔ وہ وقت اب قریب ہے جب مسلمان آزادی کی زندگی بسر کرنے لگیں گے اس لیے کہ انہیں اپنی ذلت و پستی کا احساس ہو چکا ہے ور وہ بیدار ہو کر جدوجہد کرنے لگے ہیں۔

۶۔ تو فکر ملت کی آگ اپنے دل میں بھی جلالے اور اسے دوسروں کے دلوں میں بھی بھڑکا دے۔ میں (شمع) یہ ایک روشن بات تجھ سے کہہ رہی ہوں۔ اگر ہو سکے تو اسے سن اور یاد رکھ۔ یعنی اپنی شاعری کے ذریعے قوم میں جذبے اور ولولے اور دین اسلام و حضور اکرمؐ سے محبت پیدا کر دے۔

۷۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ شاعری پیغمبری کا ایک جزو ہے۔ چنانچہ تو اس قول کو پیش نظر رکھ اور ملت کی محفل کو فرشتے کا پیغام سنا دے۔ گویا جس طرح پیغمبر پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ اللہ کی باتیں سنا کر لوگوں کو سیدھی راہ پر لاتے ہیں اسی طرح شاعر پر اشعار نازل ہوتے ہیں جن سے وہ لوگوں کے اخلاق سنوارتا، ان میں باہمی محبت و یگانگت اور جوش ایمان نیز آزادی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

۸۔ تو مسلمانوں کی آنکھ کو وعدہ دیدار سے بیدار کر دے اور ان کے دلوں کو گفتار کے جوہر کے سوز و گداز سے زندہ کر دے۔ اپنی پر جوش شاعری کے ذریعے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دے۔ اس کے دل میں خلوص و مروت اور محبت و یگانگت، جدوعمل کا جذبہ اور اسلامی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا کر دے۔

(۶)

۱۔ رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا	بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں مثل جو ہوا
۲۔ اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی	چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروان بو ہوا
۳۔ زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرار حیات	یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا
۴۔ پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ	زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا
۵۔ آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی	جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا
۶۔ فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں	موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

۱۔ (اے مسلمان) آج تیرا آرام طلبی کا شوق تیری ہمت کا رہزن بنا ہوا ہے، جب تو صحرا میں تھا تو تو گویا سمندر تھا لیکن گلشن میں آ کر تو ندی کی مانند ہو گیا۔ ماضی میں مسلمان سپاہیانہ زندگی بسر کرتے اور ہمت و دلیری کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کا

وقت فتوحات میں گزرتا تھا لیکن ایوان شاہی کے باغیچوں کی زندگی کے دور میں یا مسندِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد تو ست الوجود ہو گیا۔

۲۔ جب تک تو (مسلمان) اپنی اصلیت پر قائم رہا یعنی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہا تو تجھ میں جمعیت (اتحاد و یگانگت اور خلوص و محبت) بھی تھی لیکن پھر تو ان تعلیمات سے روگردانی کے باعث دنیا میں اس طرح بکھر کے رہ گیا (انتشار و افتراق کا شکار ہو گیا) جس طرح پھول سے خوشبو نکل کر بکھر جاتی ہے۔

۳۔ قطرے کی زندگی اسے زندگی کے رازوں سے آگاہ/ واقف کرتی ہے۔ چنانچہ اپنی اصل پر قائم رہنے کے باعث وہ کبھی تو موتی کی صورت بنتا ہے (صدف میں پانی کا جو قطرہ چلا جائے وہ موتی بن جاتا ہے) کبھی وہ شبنم میں تبدیل ہو جاتا ہے اور کبھی آنسو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان صورتوں کے باوجود اس کی اصلیت وہی قطرہ رہتی ہے۔ اسی طرح تو خواہ کسی بھی ملک میں زندگی بسر کر لیکن خود کو اسلام سے وابستہ رکھ۔

۴۔ دل زندہ کے بغیر زندگی کسی کام کی نہیں ہے۔ اس لیے جہاں سے بھی ممکن ہو یا جس طرح بھی ممکن ہو تو یہ بہت بڑی دولت (دل زندہ) حاصل کر، ہمت و جوانمردی اور جہد و عمل سے اپنی زندگی اپنا مستقبل سنوار اور صاحب بقا بن جا۔

۵۔ اے مسلمان! جب تک تو اپنی ملت سے وابستہ رہا تیری عزت و آبرو برقرار رہی لیکن جب تو جمعیت سے الگ ہو گیا (مسلمان انتشار و افتراق کا شکار ہو گئے) دنیا میں ذلت و خواری تیرا (مسلمانوں کا) مقدر بن گئی۔

۶۔ فرد کی صحیح زندگی اسی صورت میں گزرتی ہے جب وہ اپنی ملت سے وابستہ رہتا ہے۔ ملت سے دوری کے باعث اس کا وجود نہیں رہتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح موج دریا میں رہے تو اس کا وجود رہتا ہے لیکن دریا سے باہر نکلے تو وہ ریت یا مٹی میں پڑ کر ختم ہو جاتی ہے اس کا وجود نہیں رہتا۔

(۷)

۱۔ پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ | یعنی اپنی مے کو رسوا صورت مینا نہ کر
۲۔ خیمہ زن ہو وادیٔ سینا میں مانند کلیم | شعلۂ تحقیق کو غارت گر کاشانہ کر
۳۔ شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجام ستم | صرف تعمیر سحر خاکستر پروانہ کر
۴۔ تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو | عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

۵- کیفیت باقی پرانے کوہ وصحرا میں نہیں | ہے جنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر
۶- خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر | تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر
۷- ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں | اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر
۸- اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل | یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدانہ کر
۹- کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو؟ | لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

۱- (اے مسلمان!) تو ابھی اپنی محبت کو دل کے پردے میں چھپا کر رکھ یعنی اپنی شراب کو صراحی کی طرح رسوا نہ کر۔ گویا قوم ابھی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہوئی لہٰذا جب تک وہ مکمل طور پر حصولِ مقصدِ عظیم میں نہ لگ جائے اس وقت تک اپنے مقاصد کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

۲- تو وادیِ سینا میں حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کی طرح اپنا خیمہ لگا لے اور تحقیق کے شعلے کو گھرا کل کو تباہ کرنے والا بنا دے۔ حضرت موسیٰؑ جس طرح سینا میں آگ دیکھ کر آگے بڑھے تھے اور آخر طور پر انہیں نہ صرف خدا سے ہم کلام ہونے کا موقع مل گیا بلکہ انہیں پیغمبری بھی مل گئی اسی طرح تو اندھی تقلید کی بجائے صحیح علم کے حصول میں جدوجہد کر کہ اسی میں تیری ترقی کا راز ہے۔

۳- شمع جورات کو پروانوں کو جلاتی ہے اسے بھی ذرا ظلم وستم کا انجام معلوم ہو۔ تو جلے ہوئے پروانوں کی راکھ سے صبح کی تعمیر کر۔ گویا شہیدوں کا خون کبھی ضائع نہیں جاتا ان کے خون سے نئی صبح کے طلوع ہونے کا منظر تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں غیروں کے ظلم وستم کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔

۴- اگر تجھ میں غیرت و خودداری ہے تو ساقی کا احسان مند نہ ہو اور بلبلے کی طرح مین دریا اسمندر میں اپنا پیالہ الٹا رکھ۔ گویا وہ الٹے پیالے کی طرح ہے اور دریا سے کوئی بھیک نہیں مانگتا۔ یعنی کسی غیر کے آگے یا دوسری قوموں کے آگے ہاتھ نہ پھیلا۔ علامہ ہی کے بقول: خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

۵- اب پرانے پہاڑوں اور صحراؤں میں وہ پہلے جیسی خصوصیت نہیں رہی چونکہ تیری دیوانگی نئی ہے اس لیے تو اپنی خاطر ایک نیا ویرانہ تلاش کر۔ گویا اگر تجھ سے ایک نشیمن کھو گیا ہے تو اس کا غم کرنے کی بجائے نئے گلشن و نشیمن کی تلاش کر، اس لیے کر نئے دور کے تقاضوں کے مطابق نئے اصول اپنانے چاہئیں۔ علامہ ہی کے بقول:

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

۶۔ اگر مقدر / قضیے نے تجھے خاک میں ملا دیا ہے تو تو اس کا غم نہ کر بلکہ جس طرح مٹی سے دانہ اگ آتا ہے تو بھی اسی طرح خود کو نیچے گرا کر اپنا عصا پیدا کر لے۔ گویا تیری یہ پستی و ذلت ہی تیری عظمت و بلندی کا باعث بن سکتی ہے تاہم اس کے لیے ہمت و قوت پیدا کر لے۔ بعض مرتبہ ناکامی ہی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۷۔ (اے مسلمان!) تو پھر اسی پرانی ٹہنی پر اپنا آشیانہ بنا لے۔ گویا دوسروں / غیروں کے آشیانے کو چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ حاصل کر اور یوں اہل گلشن کو اپنے مستانہ نغموں میں محو و مست کر دے۔ یعنی توحید کے نغموں سے دنیا کے لوگوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا کر دے۔

۸۔ اس چمن میں تو دوغلی پالیسی اختیار نہ کر۔ یا تو تو بلبل کا پیرو بن جا یا پھر پھول کی شاگردی اختیار کر لے۔ یا تو بلبل کی پیروی کر کے سراپا نالہ و فریاد بن' یا پھر پھول کی طرح آواز پیدا نہ کر، خاموش رہ۔ اپنے دل کی تڑپ نالہ و فریاد میں سمو دے۔ یا پھر (پھول کی شاگردی کی صورت میں) کوئی نالہ و فریاد اپنے لبوں تک مت لا۔

۹۔ تو چمن میں شبنم کی طرح بھلا بے صدا کیوں رہے؟ تو تو دنیا کے باجے / ساز کا دلکش نغمہ ہے، لہٰذا اپنے لب کھول لے۔ مطلب یہ کہ تیرے پاس توحید و اسلام کا عظیم ترین پیغام ہے تو اس پیغام کو دنیا بھر میں پھیلا دے تاکہ خدا اور حضور اکرمؐ کے نام مبارک سے دنیا میں اجالا ہو جائے۔

(۸)

۱۔ آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

۲۔ آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

۳۔ کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

۴۔ دیکھ آ کر کوچۂ چاک گریباں میں کبھی قیس تو، لیلا بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو

۵۔ وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہو گیا مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

۶۔ شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

۷۔ بے خبر! تو جوہر آئینۂ ایام ہے تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

۱۔ اے کسان! تو ذرا اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جا اس لیے کہ تو خود ہی دانہ / بیج ہے، کھیتی

بھی تو خود ہی ہے اور بارش اور کھیت کی پیداوار بھی تو خود ہی ہے۔ مطلب یہ کہ تو اگر اپنی ذات پر غور و توجہ کرے تو تجھ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ تو کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ تیری اپنی ذات سراسر خوبیوں کی حامل ہے۔

۲- آہ! (افسوس کہ) تو اس دنیا میں کس کی تلاش میں لگا ہوا ہے کس چکر میں تو پڑا ہوا ہے' حالانکہ تو خود ہی راستہ ہے' خود ہی مسافر اور خود ہی رہنما اور منزل بھی ہے۔ تجھے استعارے میں پہلے والی بات۔

۳- تیرا دل طوفان کے خوف سے کیوں کانپ رہا ہے' حالانکہ تو ہی ملاح ہے تو ہی سمندر ہے تو خود ہی کشتی بھی ہے اور ساحل بھی تو خود ہی ہے۔ طوفان سے مراد دنیاوی حادثات وغیرہ۔

۴- تو کبھی پھٹے ہوئے گریبان والوں کے کوچے میں آ کر دیکھ' تجھے پتا چل جائے گا کہ مجنوں بھی تو خود ہے اور لیلیٰ بھی تو خود ہے' صحرا بھی اور لیلیٰ کا محمل بھی تو خود ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ تو کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اس بات پر غور کر تو تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ تجھے جس کی تلاش و آرزو ہے وہ خود تیرے دل کی گہرائی میں موجود ہے اور تیری اپنی شخصیت / ذات سراپا اوصاف و صفات ہے۔

۵- بڑے دکھ کی بات ہے کہ تو ساقی کا محتاج ہو گیا' جبکہ شراب بھی تو خود ہے' صراحی بھی تو خود ہے ساقی اور محفل بھی تو خود ہی ہے۔ دوسروں کا محتاج کیوں بنا جائے حالانکہ خود تجھ میں ہر طرح کی خوبیاں اور اہلیتیں ہیں۔ بقول میر الٰہی (وفات ۱۰۶۳ھ) نے:

من نمی گویم گدائی یا شہنشاہی گزیں — خویش را بگزیں و دیگر ہر چہ می خواہی گزیں

(میں تجھے یہ تو نہیں کہتا کہ تو گدائی یا شہنشاہی اختیار کر بلکہ میری خواہش ہے کہ تو پہلے اپنے آپ کو چن یا انتخاب کر اپنی خودی کو پہچان پھر جو تیرا دل چاہے وہ تو انتخاب کر)۔

۶- تو شعلہ بن کر غیر اللہ / ماسوا اللہ کی خاشاک کو جلا کر راکھ کر دے۔ تجھے بھلا باطل (باطل قوت) کا خوف کیوں ہے حالانکہ باطل کو غارت / تباہ کرنے والا بھی تو خود ہے۔ تو اس غارت گری کی قوت کا زبردست حامل ہے۔

۷-۸: اے بے خبر (مسلمان)! تو تو زمانے کے آئینے کی چمک دمک ہے اور تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ نہ تو اسلام کے بعد کوئی اور مذہب آئے گا اور نہ حضور اکرمؐ کے بعد کوئی اور نبی آئے گا۔

(۹)

۱-	اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو	قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
۲-	کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو	دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
۳-	سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا	جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
۴-	ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ	تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
۵-	اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت	اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے؟
۶-	تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا	ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے
۷-	دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں	کسوتِ مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے
۸-	پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے	اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے
۹-	راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ	جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

۱- اے غافل (مسلمان)! تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو، اپنی حقیقت پر غور کر تو تجھے پتا چل جائے گا کہ بظاہر تو ایک قطرہ ہے لیکن ایک بے کنار سمندر کی مانند بھی ہے۔ تو احساس کمتری کا شکار نہ ہو تجھ میں بڑی صلاحیتیں، اہلیتیں اور قوتیں ہیں۔ ان سے کام لے کر اور اپنی عظمت و بقا کا سامان کر۔

۲- تو کم مائیگی کے جادو میں گرفتار ہے ذرا تو خود پر غور کر تو تجھے معلوم ہوگا کہ تو بظاہر قطرہ ہے لیکن تجھ میں طوفان کی سی شان و شوکت اور عظمت ہے۔ وہی پہلے شعر والی بات۔

۳- تیرا سینہ اس ذات اقدس کے ناز بھرے پیغام کا امین ہے جو اس کائنات کے نظام میں نمایاں اور ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی ہے۔ پیغام کا امین یعنی اس ذات کریم کی توحید کے پیغام کا علمبردار اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے والا۔ اس محبوب حقیقی کا جلوہ ہر ہر شے میں نمایاں ہے جبکہ خود اس کی ذات عرش پر ہے' گویا پردے میں ہے۔

۴- اے مسلمان! اگر تو غور کرے تو تجھے معلوم ہوگا کہ قدرت نے تجھے ایسے سامان سے نوازا ہے جس سے تو تلوار اور بندوق کے بغیر ہی پوری دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے۔ سامان یعنی عشق رسول اکرمؐ اور قرآنی تعلیمات جن پر عمل کی بدولت وہ دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کا شیدائی بنا سکتا ہے۔

۵- اے غفلت کے مارے ہوئے مسلمان! کیا تجھے وہ وعدہ یاد بھی ہے کہ نہیں؟ جس پر اب تک کوہِ فاراں کا سکوت گواہ ہے۔ وعدہ یہ کہ تیرے اسلاف (صحابہ کرامؓ) نے

حضور اکرمؐ سے کہا تھا کہ وہ پوری دنیا میں دین اسلام کے بول بالے کا سامان کریں گے۔ اس پر فاران کی پہاڑی کی خاموشی پوری طرح گواہ ہے۔

۶۔ افسوس کہ تو نے اپنی نادانی و کم فہمی کی بنا پر چند کلیوں پر ہی اکتفا کر لیا' ورنہ باغ میں تنگ دامانی کا علاج بھی ہے۔ پھولوں کی بے حد کثرت ہے اور اس بنا پر زیادہ سے زیادہ پھول اکٹھے کیے جا سکتے اور جھولی بھری جا سکتی ہے۔ یعنی مسلمانوں نے صرف چند ملکوں ہی میں اشاعت اسلام کا کام کیا، اسلام کی روشنی پھیلائی حالانکہ وہ جدوجہد اور سعی و کوشش کرتے تو پوری دنیا میں آج اسلام کا ڈنکا بج رہا ہوتا۔ افسوس کہ دنیا کے اکثر ممالک اس روشنی سے محروم رہے۔

۷۔ دل کی کیفیت انسان کی بول چال کے پردے میں ظاہر ہے۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جس طرح صراحی کے لباس یعنی صراحی میں شراب چھپی ہوئی بھی ہے (صراحی کے اندر ہوتا گویا چھپا ہوا ہوتا ہے) اور ظاہر بھی ہے۔ صراحی شیشے کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں رکھی شراب نظر آتی رہتی ہے۔ علامہ نے تقریر سے مراد شاعری لی ہے۔ اس حوالے سے یہ مطلب ہوا کہ میرے دل کے احساسات وجذبات میری شاعری میں ظاہر ہیں۔

۸۔ میری آتش نوائی (لغت دیکھیے) نے مجھے پھونک ڈالا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پرسوز جذبوں کی حامل میری یہی شاعری میری زندگی کا باعث بن رہی ہے' میری شناخت کا سامان کر رہی ہے۔

۹۔ (اے مسلمان!) تو میری اس آتش نوائی کا راز میرے سینے میں ملاحظہ کر اور تقدیر کا جلوہ میرے دل کے آئینے میں دیکھ۔ گویا میرے سینے میں حضور اکرمؐ کے عشق کی آگ روشن ہے۔ اگر تو اپنی تقدیر سنوارنا چاہتا اور عظیم مستقبل کا آرزومند ہے تو تو بھی اپنے دل میں یہ آگ روشن کرلے۔

(۱۰)

۱۔ آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
۲۔ اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار — نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
۳۔ آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک — بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
۴۔ شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی

۵۔ دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل — موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی
۶۔ پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
۷۔ نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
۸۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
۹۔ شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

۱۔ (بفضلہ تعالیٰ اب وہ وقت آ رہا ہے جب) آسماں صبح کی روشنی سے آئینہ پوش ہو جائے گا اور رات کی تاریکی سیماب پا ہو جائے گی۔ یعنی دنیا نورِ اسلام سے منور ہو جائے گی اور باطل قوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۲۔ موسمِ بہار کی ہوا کچھ اس قدر نغمے بکھیرنے والی ہو گی کہ پھول/کلی میں سوئی ہوئی خوشبو بھی نغموں میں ڈھل جائے گی اور وہ خوشبو پھیلانے کے ساتھ ساتھ فضا میں نغمے اور گیت بھی پھیلانے لگے گی۔

۳۔ چمن کے سینہ چاکوں سے دوسرے سینہ چاک آ ملیں گے اور بادِ صبا پھول کی محفل کی ہم نفس ہو جائے گی۔ گویا عشقِ رسولِ اکرمؐ کے جذبے سے سرشار دلوں/مسلمانوں کے ساتھ وہ لوگ بھی مل جائیں گے جنھوں نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا ہو گا اور وہ سب مل کر اتفاق و محبت کی زندگی بسر کریں گے اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں لگ جائیں گے۔

۴۔ میری شبنم افشانی دلوں میں سوز و گداز پیدا کرے گی، چنانچہ اس چمن کی ہر کلی دردِ عشق سے پر ہو جائے گی۔ یعنی میری پر تاثیر شاعری کی بنا پر ہر مسلمان کا دل عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہو جائے گا۔ اس میں اسلام کی محبت پیدا ہو گی اور وہ (مسلمان) قوم کے درد کا حامل بن جائے گا۔

۵۔ تم خود ہی دریا/سمندر کی روانی کی شان و شوکت کا انجام دیکھ لو گے، بے قرار موج ہی اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے گی۔ گویا طاقتور مخالفینِ اسلام کی ریشہ دوانیوں/سازشوں کا انجام تمہارے سامنے آ جائے گا اور غیر مسلموں کی شورش ہی ان کے لیے وبالِ جان بن جائے گی۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یورپی تہذیب و تمدن جو آج بڑی شان و شوکت والا نظر آ رہا ہے مستقبل قریب میں اس کا یہی تہذیب و تمدن اس کی تباہی کا باعث بنے گا۔ علامہ نے اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر یہ پیش گوئی کی ہے۔

۶۔ مسلمانوں کے دلوں میں پھر سجدوں کا پیغام زندہ ہو جائے گا اور ان کی پیشانیاں پھر خاک حرم سے آشنا ہو جائیں گی۔ یعنی کعبہ میں جھک جائیں گی۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں میں پھر سے دین اسلام کی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا اور خانہ کعبہ کی جو عظمت ہے وہ پھر سے ان کے دلوں میں زندہ ہو جائے گی۔

۷۔ شکاری کی آہ و فریاد پر پرندے خوشی کے نغمے الاپنے لگیں گے اور پھول چننے والے کے خون سے گل کا لباس سرخ ہو جائے گا۔ اسلام اور اسکی عظمت وسطوت کے دشمنوں کا انجام برا ہو گا جو مسلمانوں کی مسرت وشادمانی کا باعث بنے گا۔

۸۔ آج جو حالات نظر آ رہے ہیں اور مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ان حالات کے حوالے سے میں حیرانی میں ڈوبا ہوا ہوں کہ خدا جانے دنیا میں کیا کیا اور کیسے کیسے زبردست انقلاب آئیں گے۔

۹۔ اب وہ وقت آنے والا ہے جب رات، سورج کی روشنی سے ڈر کر بھاگ جائے گی اور یہ چمن توحید کے نغموں سے گونجنے لگے گا۔ باطل کی تاریکی چھٹ جائے گی اور دنیا میں ہر جگہ اسلام کی روشنی پھیل جائے گی اور مسلمان پھر اپنی سابقہ عظمت کی طرف لوٹ آئیں گے۔

مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

(۱)

۱۔ ہر نفس اقبالؔ! تیرا آہ میں مستور ہے ــــ سینۂ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے

۲۔ نغمۂ امید تیری بربطِ دل میں نہیں ــــ ہم سمجھتے ہیں یہ لیلا تیری محمل میں نہیں

۳۔ گوش آوازِ سرودِ رفتہ کا جویا ترا ــــ اور دل ہنگامۂ حاضر سے بے پروا ترا

۴۔ قصۂ گل ہم نوایانِ چمن سنتے نہیں ــــ اہلِ محفل تیرا پیغامِ کہن سنتے نہیں

۵۔ اے درائے کاروانِ خفتہ پا! خاموش ہو ــــ ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہو

۶۔ زندہ پھر وہ محفلِ دیرینہ ہو سکتی نہیں ــــ شمع سے روشن شبِ دوشینہ ہو سکتی نہیں

(یہ نظم علامہ کے ذہنی انقلاب کا پتا دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ یورپ سے واپسی کے بعد

1915ء تک قرآن پاک کے گہرے مطالعہ میں مصروف رہے۔ وہ تہجد کے وقت اٹھتے اور قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں اپنے چاروں طرف رکھ کر ایک ایک آیت کا بغور مطالعہ کرتے جس کے دوران ان پر رقت طاری ہو جاتی۔ اسی دور میں وہ اپنے "ہندو مسلم اتحاد" کے نظریے سے متنفر اور اس سے شرمسار بھی ہوئے اور "فلسفہ اسلام" نے ان کے دل کی گہرائیوں میں جگہ پکڑی)۔

۱- اے اقبال! تیرا ہر سانس آہوں میں چھپا ہوا ہے اور تیرا غم کی آگ سے جلنے والا سینہ اور دل فریاد سے بھرا پڑا ہے' مسلمانوں کی حالت زار پر تجھے بے حد دکھ ہے۔

۲- تیرے دل کے بارے میں امید کا نغمہ ہی نہیں ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ لیلیٰ (امید) تیری محمل (دل) میں نہیں ہے۔ حالات بڑے مایوس کن ہیں ان میں انقلاب آتا نظر نہیں آتا۔

۳- تیرے کان تو ماضی کے نغمہ (عظیم ماضی) کی آواز کی تلاش میں ہیں جبکہ تیرا دل آج کے حالات و واقعات یعنی قوم کے موجودہ مسائل سے متعلق بے پرواہ ہے۔ یعنی تو ملت کے عظیم ماضی کی باتیں تو سننا چاہتا اور اس طرح دل کو خوش کرنا چاہتا ہے لیکن آج ملت جن مسائل سے دوچار ہے ان کے حل کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دے رہا۔

۴- چمن کے ساتھی تجھ سے پھول کا قصہ نہیں سنتے اور اہل محفل تیرا پرانا پیغام نہیں سنتے۔ یعنی تو اپنے عظیم ماضی کی یاد دلا کر ملت کے افراد کو اس طرف لانا چاہتا ہے لیکن وہ تیرے اس پیغام پر توجہ ہی نہیں دے رہے وہ کاہلی اور غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۵- اے غافل پڑے ہوئے مسلمانوں کے قافلے کے گھنٹے (جس کے بجنے کا امکان نہیں)! تو خاموش رہ تیری آواز بڑی ہی یاس آفریں ہے' لہٰذا تو خاموش رہ۔ اس استعارے میں علامہ نے خود کو مذکورہ گھنٹا کہا ہے۔ وہی پانچویں شعر والی بات۔

۶- وہ پرانی محفل پھر زندہ ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ گزری رات شمع سے روشن نہیں ہو سکتی۔ دوسرا مصرع پہلی بات کا استعارہ ہے۔ یعنی ماضی کے وہ عظیم مسلمان جن کی وجہ سے ملت دنیا پر چھائی ہوئی تھی' اب پیدا ہوتے نظر نہیں آتے۔ یعنی آج ان جیسے جذبوں اور ولولوں والے مسلمان کہیں نظر نہیں آرہے اور نہ اس کی کوئی توقع ہے۔

(۲)

۱- ہم نشیں! مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں — اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں

۲- نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے — اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

۳- حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا	اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
۴- دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا	حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہوا
۵- میری ہستی پیرہن عریانیِ عالم کی ہے	میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے
۶- قسمتِ عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے	جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے
۷- آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات	کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکارِ حیات
۸- کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے	ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
۹- یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار	فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار
۱۰- ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہدِ کہن رہتا ہوں میں	اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
۱۱- یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے	میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
۱۲- سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں	دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

۱- اے میرے ساتھی! میں مسلمان ہوں اور توحید پر کامل ایمان رکھتا ہوں اور اس سچائی (توحید) پر شروع سے میں ایک انصاف پسند گواہ ہوں۔ توحید ایزدی ایک ازلی صداقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲- کائنات و موجودات کی نبض میں اس کی بدولت حرارت و گرمی ہے اور مسلم کی سوچ اور فکر میں جو قوت و دلیری ہے وہ توحید پر ایمان کامل ہی کی وجہ سے ہے۔ ساری کائنات کا نظام وہی ذات کریم چلا رہی ہے اور مسلمانوں میں جو جوش و ولولہ اور قوت ہے اس کا باعث بھی ان کا مذکورہ ایمان ہے

۳- خدا تعالیٰ نے اسی صداقت کی خاطر یہ کائنات پیدا کی۔ (ارشاد خداوندی ہے کہ جب میں نے خود کو دیکھنا چاہا تو میں نے یہ کائنات پیدا کر دی) اور خدا تعالیٰ نے مجھے یعنی مسلمانوں کو اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا تا کہ وہ دنیا کی باطل قوتوں کو مٹا کر اس کی توحید کا پرچم بلند کریں۔

۴- زمانے میں باطل قوتوں کو تباہ کرنے پر قدرت نے مجھے (مسلمانوں کو) مامور کیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے وجود/ موجودات یا اس ذات کریم کی عظمت و حرمت کا پاسباں مجھے بنایا گیا۔

۵- میرا وجود دنیا کی عریانی کو ڈھانپنے والا لباس ہے۔ اگر میں مٹ جاتا ہوں (مسلمانوں کا وجود ختم ہو جاتا ہے) تو یہ امر بنی نوع انسان کی رسوائی کا باعث بنے

گا۔ (عریانی سے مراد تہذیب سے محروم ہونے کی کیفیت ہے)۔ مسلمانوں ہی کی بدولت انسان صحیح تہذیب و معاشرت کا حامل ہو سکتا ہے۔

۶۔ مسلمان دنیا کے نصیبے کا ایک روشن ستارہ ہے' جس کی چمک کے سامنے صبح کا جادو شرمسار ہے۔ افسونِ سحر سے مراد صبح کی روشنی جو ایک دم سے جادو کی طرح نمودار ہو کر رات کو غائب کر دیتی ہے۔ مسلمان ہی توحید پر ایمانِ کامل کے باعث دنیا کا مقدر سنوار سکتا ہے۔

۷۔ میری آنکھوں پر زندگی کے راز ظاہر ہیں اس لیے میرے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میں زندگی کی جنگ سے ناامید ہوں۔ مسلمان کے نزدیک حقیقی زندگی یہ نہیں کہ وہ عمل سے بیگانہ رہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ جہد و عمل میں مصروف رہ کر اپنی اور دنیا کی قسمت سنوارے اور اپنی بقا کا سامان کرے۔

۸۔ غم کا وقتی منظر مجھے کیونکر ڈرا سکتا ہے (نہیں ڈرا سکتا) اس لیے کہ مجھے ملت کے مقدر پر پورا بھروسا ہے۔ غم ملت کی موجودہ پست حالی کا ہے لیکن یہ عارضی ہے۔ ملت جلد بیدار ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرے گی۔

۹۔ میرا زمانہ ناامیدی کے عنصر سے پاک ہے (میں قطعاً ناامید نہیں ہوں)' کیونکہ جوشِ کارزار مجھے مکمل فتح کی خبر دے رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں میں بیداری کے جو حالات اب نظر آ رہے ہیں اس سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ وہ آج کے سنگین حالات میں بھی (یا دشمنوں، غیر قوموں کی سخت دشمنی وغیرہ کے باوجود) بفضلہ تعالیٰ' کامیاب و کامران ہوں گے۔

۱۰۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میری نگاہیں اپنے قدیم عظیم دور پر لگی رہتی ہیں اور میں اہلِ محفل (ملت) سے پرانی داستان کہتا ہوں۔ ملت کے عظیم و باوقار ماضی کی یاد دلاتا ہوں تاکہ وہ بیدار ہو کر پھر سابقہ عظمت حاصل کرے۔

۱۱۔ پرانے عظیم دور کی یاد میری خاک (یعنی مرنے کے بعد میرے جسم کے ذرات جن کی نس نس میں عشقِ حقیقی سمایا ہوا ہے) کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ میرا ماضی میرے آنے والے دور کی شرح و تفسیر ہے۔ یعنی عظیم ماضی کے حوالے سے مسلمان پھر خود کو صاحبِ عظمت بنانے کے لیے جدوجہد کرے گا اور ایک دن حاصل کر ہی لے گا۔

۱۲۔ میں اپنے پرانے نشاط افزا دور کو سامنے رکھتا ہوں اور میں ماضی کے آئینے میں مستقبل

کو دیکھ رہا ہوں۔ وہی پچھلے شعر والی بات۔

حضور رسالت مآبؐ میں

(۱)

۱۔ گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامہ زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
۲۔ قیود شام و سحر میں بسر تو کی لیکن — نظام کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
۳۔ فرشتے بزم رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو — حضور آیۂ رحمتؐ میں لے گئے مجھ کو

(۲)

۱۔ کہا حضورؐ نے "اے عندلیب باغ حجاز — کلی کلی ہے تری گرمئ نوا سے گداز
۲۔ ہمیشہ سرخوش جام ولا ہے دل تیرا — فتادگی ہے تری غیرت سجود نیاز
۳۔ اڑا جو پستئ دنیا سے تو سوئے گردوں — سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعت پرواز
۴۔ نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا — ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟"

(۳)

۱۔ "حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
۲۔ ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
۳۔ مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
۴۔ جھلکتی ہے تریؐ امت کی آبرو اس میں — طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"

(یہ نظم علامہ نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اس وقت کہی اور پڑھی تھی جب جنگ بلقان کے سلسلے میں ترکوں کی مالی امداد کے لیے مولانا ظفر علی خان مرحوم نے شاہی مسجد لاہور میں جلسہ منعقد کیا تھا۔ یہ رقم اس میڈیکل مشن کی وساطت سے بھیجی گئی تھی جو زخمیوں کی مدد کے لیے قسطنطنیہ گیا تھا)۔

(۱)

۱۔ جب مجھ پر اس زمانے کا ہنگامہ (اذیت ناک حالات) گراں گذرا تو میں دنیا سے اپنا سفر کا سامان اٹھا کر چل پڑا۔

۲۔۳ اگرچہ میں نے دن اور رات کی قید/ پابندیوں میں زندگی بسر کی ہے لیکن پھر بھی اس کائنات کے پرانے نظام سے آگاہ نہ ہو سکا۔ جب میں عالم بالا میں پہنچا تو فرشتے

مجھے حضور اکرمؐ کی محفل میں لے گئے یعنی رحمت للعالمینؐ کے حضور لے گئے۔

(۲)

۱- حضور اکرمؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے باغ حجاز کے بلبل! تیری نغمہ ریزی کی حرارت سے ہر ہر کلی گداز ہے۔ ہر مسلمان تیری جذبوں کی حامل اور اسلام سے عشق کی غماز شاعری سے بہت متاثر ہے۔

۲- تیرا دل ہمیشہ جام ولا سے سرخوش و سرمست رہتا ہے اور تیری عاجزی و خاکساری ایسے سجدوں کے لیے بھی باعث رشک و غیرت ہے جو عاجزی کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔

۳- جب تو نے دنیا کی پستی سے آسمان کی طرف پرواز کی/اڑا تو فرشتوں نے تجھے پرواز کی بلندی سکھائی (یعنی فرشتوں کا آسمان سے آگے بلندی پر حضور اکرمؐ کی محفل میں لے جانا)۔

۴- تو دنیا کے باغ سے خوشبو کی صورت میں آیا ہے۔ یہ بتا کہ دنیا سے تو ہمارے لیے کیا تحفہ لایا ہے؟

(۳)

۱- (حضورؐ کے ارشاد گرامی پر میں نے عرض کیا کہ) حضورؐ زمانے میں سکون و راحت سے ہم محروم ہیں اور ہم جس حقیقی زندگی کی تلاش میں رہتے ہیں وہ کہیں بھی نظر نہیں آتی۔

۲- کائنات/عالم کے باغ میں ہزاروں لالہ و گل ہیں لیکن جس میں وفا کی خوشبو ہو وہ گل کہیں نہیں ملتی۔ انسان وفا سے آشنا ہی نہیں ہیں۔

۳- تاہم میں حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کے لیے ایک آبگینہ لایا ہوں جو شے اس آبگینے میں ہے وہ جنت میں بھی نہیں ملتی۔ (وہ چیز کیا ہے اس کا ذکر اگلے شعر میں ہے)۔

۴- اس میں حضورؐ کی امت کی آبرو جھلک رہی ہے۔ یعنی شیشے کے اس پیالے میں طرابلس کے شہیدوں کا لہو ہے۔ (لغت دیکھیے)

شفاخانہ حجاز

(۱)

۱- اک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا "کھلنے کو جدہ میں ہے شفاخانہ حجاز

۲- ہوتا ہے تیری ذات کا ہر ذرہ بے قرار — سنتا ہے تو کسی سے جو افسانہ حجاز
۳- دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف — مشہور تو جہاں میں ہے دیوانۂ حجاز
۴- دارالشفا حوالیِ بطحا میں چاہیے — نبضِ مریض پنجۂ عیسیٰ میں چاہیے"

(۲)

۱- میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات — پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
۲- تلخابۂ اجل میں جو عاشق کو مل گیا — پایا نہ خضر نے مئے عمرِ دراز میں
۳- اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی — میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں
۴- آئے ہیں آپ لے کے شفا کا پیام کیا؟ — رکھتے ہیں اہلِ درد مسیحا سے کام کیا؟

(علامہ نے یہ نظم حجاز کی بندرگاہ یعنی جدہ میں ایک شفا خانہ کھلنے کے موقع پر کہی تھی۔ یہ بندرگاہ مکہ معظمہ سے ۵۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے)۔

(۱)

۱- قوم کے ایک لیڈر نے اقبال سے کہا کہ حجاز میں ایک شفا خانہ جلد کھلنے والا ہے۔

۲- جب تو کسی سے حجاز کی کوئی بات سنتا ہے تو تیری (علامہ کی) ذات کا ہر ہر ذرہ بے قراری کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ اور اسلام سے اپنے عشق کی بات کی ہے۔

۳- تو اپنے دیوانے ہاتھ کو گریبان کی طرف بڑھا کیونکہ تو دنیا میں دیوانہ حجاز کے نام سے مشہور ہے۔ دیوانے پر جب کوئی خاص کیفیت گزرتی ہے تو وہ اپنے گریبان کو چاک کر لیتا ہے یعنی مذکورہ شفا خانہ کی بات سن کر اسلام سے تیرے عشق کا جذبہ اور بھی بڑھ گیا ہے کیونکہ تجھے عاشق حجاز کہا جاتا ہے۔

۴- دارالشفا بطحا کے آس پاس ہونا چاہیے اور مریض کی نبض عیسیٰ مسیح یعنی طبیب / ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ یعنی طبیب مریض کا علاج کر کے اس کی نئی زندگی کا باعث بنے۔

(۲)

۱- (اس لیڈر کے جواب میں) میں نے کہا کہ موت کے پردے میں زندگی ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی تو فانی ہے لیکن موت کے بعد صحیح زندگی شروع ہوتی ہے جسے فنا نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جس طرح حقیقت مجاز میں چھپی ہو۔

۲- ایک حقیقی عاشق کو موت کے تلخابہ میں جو کچھ مل جاتا ہے خضر کو عمر جاوداں کی شراب

میں بھی وہ کچھ نہیں مل سکا۔ جذبۂ عشق حقیقی سے سرشار انسان جسمانی طور پر تو مر جاتا ہے لیکن روحانی طور پر زندہ رہتا ہے جبکہ حضرت خضرؑ نے تو آبِ حیات پی کر عمر جاوداں پائی۔

۳۔ جناب/ آپ (لیڈر) زندگی کا مذکورہ پیغام دوسرے لوگوں کو دیں' مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے کہ میں تو زمین حجاز میں موت کا خواہش مند ہوں۔ یہ خواہش اسلام اور حضور اکرمؐ سے سچے عشق کے باعث ہے۔

۴۔ جناب! آپ شفا کا کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ جو اہل درد ہیں (عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار انسان) انہیں طبیب یا ڈاکٹر سے کیا کام ہے؟ عشق جسمانی مرض نہیں ہے کہ ڈاکٹر اس کا علاج کرے۔ یہ تو روحانی اور دلی جذبوں سے سرشاری ہے۔

جوابِ شکوہ

(۱)

۱۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
۲۔ قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے — خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے
۳۔ عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا — آسماں چیر گیا نالۂ بیباک مرا

(۲)

۱۔ پیرِ گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی — بولے سیارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی
۲۔ چاند کہتا تھا، نہیں، اہلِ زمیں ہے کوئی — کہکشاں کہتی تھی، پوشیدہ یہیں ہے کوئی
۳۔ کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا — مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

(۳)

۱۔ تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا — عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا
۲۔ تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟ — آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
۳۔ غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں! — شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

(۴)

۱۔ اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے — تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے؟

۲- عالم کیف ہے، دانائے رموز کم ہے ہاں، مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے
۳- ناز ہے طاقت گفتار پہ انساں کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

(نظم پر نوٹ بند نمبر ۳ میں ملاحظہ ہو)۔

(۱)

۱- دل سے جو بھی بات نکلے اس میں بڑی تاثیر ہوتی ہے' اس لیے کہ اس میں کوئی بناوٹ نہیں ہوتی اگرچہ اس کے پر نہیں ہوتے لیکن اس میں پرواز کی طاقت ہوتی ہے۔ وہ بات آسمان اور عرش بریں تک پہنچتی ہے۔

۲- ایسی بات اپنی اصلیت کے لحاظ سے پاک ومقدس ہوتی ہے اور اس کی نظر ہمیشہ بلندی پر رہتی ہے اگرچہ وہ اٹھتی تو زمین سے ہے (انسان زمین پر ہوتا ہے) لیکن اس کا گزر آسمان تک ہوتا ہے۔

۳- میرا عشق بڑا شوخ وسرکش اور چالاک تھا چنانچہ اس کی وجہ سے میری بیباک آہ و فریاد (''شکوہ'') آسمان چیر کرآگے عرش کی طرف بڑھ گئی۔

(۲)

۱-۳ آسمان نے میری یہ آہ وفریاد سن کر کہا کہ یہاں کہیں کوئی ہے۔ سیاروں نے کہا کہ یہاں نہیں' عرش بریں پر کوئی ہے۔ چاند کا کہنا تھا کہ نہیں یہ تو کوئی اہل زمین (انسان) ہے' جبکہ کہکشاں کہہ رہی تھی کہ یہیں کوئی چھپا ہوا ہے۔ میرے اس شکوے کو اگر کوئی سمجھا تو وہ داروغۂ جنت رضواں تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں جنت سے نکالا ہوا انسان/ آدم ہوں۔ (حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا تھا، اس حوالے سے خود کو جنت سے نکالا ہوا انسان کہا ہے۔ کہکشاں: وہ چھوٹے چھوٹے لکیر سے ملتے جلتے ستارے جو انتہائی دوری کے باوجود اس طرح نظر آتے ہیں جیسے دیہی راستے کی لکیر ہو)۔

(۳)

۱-۳ فرشتوں کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ یہاں یہ کیسی آواز ہے۔ پھر عرش والوں پر اس آواز کا راز نہیں کھل رہا تھا۔ بھلا عرش پر بھی انسان کی یہ کیسی بھاگ دوڑ ہے؟ کیا اس خاک کی چٹکی (مٹی سے بنا ہوا انسان، معمولی انسان) کو بھی اڑنا آ گیا ہے جو وہ یہاں تک پہنچ گئی ہے؟ زمین پر رہنے والے یہ لوگ ادب آداب سے کس قدر غافل ہیں، یہ کیسے انسان ہیں؟ یہ پستی/زمین کے باشندے کیسے شوخ اور گستاخ ہیں؟ بھلا

عرش بریں پر اس طرح بے تکلفی سے بات یا آہ و فریاد کرنا کوئی اچھی بات ہے؟

(۴)

۱-۳ وہ شکوہ کرنے والا (انسان) کس قدر شوخ ہے کہ اپنے خالق اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض/ بگڑا ہوا ہے۔ کیا یہ وہی آدم/انسان ہے جسے کبھی فرشتوں نے سجدہ کیا تھا؟ وہ بے شک کیف کا جاننے والا اور کم کو پوری طرح جانتا ہے۔ (لغت دیکھیے) لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ عاجزی و بندگی کے رازوں سے ناواقف ہے۔ انسان کو اپنی بولنے کی طاقت پر بڑا فخر و غرور ہے لیکن درحقیقت ان نادان انسانوں کو بات کرنے کا سلیقہ تک نہیں ہے۔ اگر یہ سلیقہ ہوتا تو یہ شخص کیوں اس قدر گستاخانہ انداز میں اللہ سے بات/شکوہ کرتا۔

(۵)

۱- آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا — اشک بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
۲- آسماں گیر ہوا نعرۂ مستانہ ترا — کس قدر شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا
۳- شکر شکوے کو کیا حسن ادا سے تو نے — ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

(۶)

۱- ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں — راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں
۲- تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں — جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
۳- کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں — ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(۷)

۱- ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں — امتی باعث رسوائی پیغمبرؐ ہیں
۲- بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں — تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
۳- بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے — حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے

(۸)

۱- وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا — نازش موسم گل لالۂ صحرائی تھا
۲- جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا — کبھی محبوب تمھارا یہی ہرجائی تھا
۳- کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو — ملت احمدؐ مرسل کو مقامی کر لو

(۹)

۱- کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے — ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے

۲۔ طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے | تم ہی کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے؟
۳۔ قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں | جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

(۱۰)

۱۔ جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو | نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
۲۔ بجلیاں جس میں ہوں آسودہ، وہ خرمن تم ہو | بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
۳۔ ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے | کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

(۵)

۱-۳ (عرش سے) آواز آئی کہ تیری داستان بڑی غمناک ہے اور تیرا پیمانہ (تیری آنکھیں) بے قرار آنسوؤں سے بھرا پڑا ہے (جو تیرے دکھ درد کا پتا دیتے ہیں)۔ تیرا یہ مستانہ نعرہ (''شکوہ'') آسمان تک پہنچا ہے۔ تیرا یہ دیوانہ دل کس قدر بے باک ہے۔ یہ بھی شکر کی یعنی اچھی بات ہے کہ تو نے یہ شکوہ بہت اچھے انداز میں ادا کیا ہے اور یوں تو نے بندوں کو اللہ (مجھ) سے ہم سخن کر دیا (کہ وہ مجھے یوں مخاطب کریں)۔

(۶)

۱-۳ ہم (اللہ تعالیٰ) تو تم انسانوں پر مہربانی و کرم کرنے پر تیار و آمادہ ہیں لیکن تم میں کوئی سائل ہی نہیں ہے۔ اب اس صورت میں ہم صحیح راستے کسے دکھائیں کہ منزل کی طرف جانے والا ہی کوئی نہیں ہے (گویا خود انسان اپنی فلاح و بہبود کا خیال نہیں کر رہا تو اللہ تعالیٰ اسے کیونکر اس طرف لا سکتا ہے)۔ اگرچہ تم انسانوں میں تربیت تو عام ہے لیکن ان میں قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں یعنی وہ اس مادہ سے محروم ہیں جو تربیت کو قبول کر سکے اور اس کا اثر لے۔ جس سے آدم کی صحیح تعمیر ہو یہ وہ (آج کا انسان) مٹی ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی واقعی صلاحیتوں کا مالک ہو تو ہم اسے شانِ کئی دیتے ہیں۔ (لطف دیکھیے) اور تلاش میں لگے ہوئے انسان کو (کولمبس کی طرح جس نے نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت کیا تھا) نئی دنیا بھی دیتے ہیں۔

(۷)

۱-۳ تم لوگوں / مسلمانوں کے ہاتھوں میں طاقت نہیں (پہلے مسلمانوں کی سی قوت اور جذبے والے نہیں ہیں) جبکہ تمہارے دل کفر و الحاد کے عادی بنے ہوئے ہیں۔ تم آج کے امتی پیغمبر (حضور اکرمؐ) کی رسوائی کا باعث بن رہے ہو۔ تمہارے اسلاف

تو بت شکن تھے لیکن اب جو ہیں وہ بت تراش بنے ہوئے ہیں۔ صورت حال کچھ اس قسم کی ہے کہ باپ تو ابراہیمؑ تھے جنھوں نے کعبہ کے بت توڑے تھے جبکہ آج ان کی اولاد (مسلمان) آزر بنی ہوئی ہے۔ آج شراب پینے والے بھی نئے ہیں شراب بھی اور صراحیاں بھی نئی ہیں۔ یعنی تم شرابِ معرفت سے بالکل بیگانہ ہو کر مغربی/یورپی تہذیب کے دل دادہ بنے ہوئے ہو۔ تمہارے اسلاف کعبہ کے عاشق و پرستار تھے لیکن آج کعبہ بھی نیا اور بت بھی نئے ہیں۔ وہی بات کہ یورپ کو تم نے اپنا کعبہ بنا رکھا ہے اور فرقوں، قومیت اور وطنیت کی پوجا میں لگے ہوئے ہو۔

(۸)

۱-۳ کبھی وہ بھی زمانہ تھا جب اسلام کو حسن و دلکشی کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا (لوگ اسلام کے سچے عاشق تھے) اور موسم بہار کے لیے لالۂ صحرائی باعث فخر تھا (اسلام کا عروج مسلمانوں کے لیے باعث فخر تھا)۔ قدیم دور کا ہر مسلمان اپنے خالق اللہ تعالیٰ (میرا) کا سچا عاشق تھا اور کبھی یہی ہرجائی (شکوہ میں اللہ تعالیٰ کو ہرجائی کہا گیا ہے: بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے) تمہارا محبوب تھا۔ اب اگر ہم ہرجائی ہیں تو تم کسی یکجائی (لغت دیکھیے) کے ساتھ وابستگی پیدا کر لو، اس کی غلامی کا عہد کر لو اور احمد مرسلؐ کی امت کو مرکزی حیثیت دے کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاؤ۔ وطنیت کے چکر میں نہ پڑو۔ اصل مقصد تو ایک قوم بننا ہے، مصری، ایرانی وغیرہ نہیں۔

(۹)

۱-۳ تم (آج کے مسلمانوں) پر صبح سویرے اٹھ کر اللہ کی یاد میں محو رہنا کس قدر دشوار / بھاری ہے، تمہیں ہم سے کب محبت ہے، تمہیں تو بس نیند ہی پیاری ہے (اللہ کی عبادت سے تم بے حد غافل ہو)۔ تمہاری آزاد طبیعت پر رمضان کی پابندی بھی بھاری ہے۔ تم روزے رکھنا مصیبت سمجھتے ہو۔ اب اس صورت حال میں تم خود ہی بتاؤ کیا یہ مجھ سے وفاداری کا طور طریقہ ہے؟ کسی ملت کا وجود مذہب کے حوالے سے ہے، جب مذہب ہی سے بیگانہ ہو جاؤ تو ملت بھی نہ رہی۔ ملت کا شیرازہ بھی بکھر گیا۔ جب باہمی جذب و کشش نہیں تو ستاروں کی محفل بھی نہیں۔ ستارے اسی باہمی کشش کے باعث قائم ہیں ورنہ باہم ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ جائیں۔ سو اسی طرح مذہب کی باہمی کشش کے طفیل قوم کا وجود برقرار رہ سکتا ہے۔

(۱۰)

۱-۳ آج دنیا میں ایسے لوگ صرف تم (مسلمان) ہی ہو جو ہر طرح کے علم و ہنر اور لیاقت سے بے بہرہ ہیں اور جس قوم کو آشیانے کی پروا نہیں وہ تم ہی ہو (تمہاری مثال آشیانے سے بے نیاز پرندے کی سی ہے)۔ تمہاری مثال اس خرمن کی سی ہے جس میں بجلیاں آرام کر رہی ہیں۔ تمہاری غیرت وحمیت کی حالت کچھ ایسی ہے کہ تم اپنے اسلاف / بزرگوں کی قبریں بیچ کھاتے ہو۔ اگر قبروں کی تجارت سے تم خود کو اچھے نام والا سمجھتے ہو تو پھر بھلا تم بت فروشی کرنے میں کیا قباحت محسوس کرو گے۔ گویا وہ بھی تمہارے لیے باعث فخر ہوگا۔ اپنے دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے تم ہر طرح کے غیر اسلامی طور طریقے اختیار کر لیتے ہو یا کرنے پر تیار رہتے ہو۔

(۱۱)

۱- صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ — نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
۲- میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ — میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
۳- تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟ — ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو!

(۱۲)

۱- کیا کہا؟ بہر مسلماں ہے فقط وعدۂ حور — شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
۲- عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور — مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
۳- تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں — جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

(۱۳)

۱- منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
۲- حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
۳- فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

(۱۴)

۱- کون ہے تارک آئین رسولؐ مختار؟ — مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
۲- کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار؟ — ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟
۳- قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں — کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(۱۵)

۱۔ جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب | زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
۲۔ نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب | پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
۳۔ امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے | زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

(۱۱)

۱تا۳۔ زمانے کے صفحے (یعنی زمانے) سے باطل قوتوں کا نام ونشان کس نے مٹایا؟ بنی نوع انسان کو ظالم باطل قوتوں کی غلامی سے کس نے نجات دلائی؟ میرے کعبے کو اپنی جبینوں / پیشانیوں کے سجدوں سے آباد کرنے اور میرے قرآن کو سینوں سے لگانے والے کون لوگ تھے؟ (آگے جواب ہے) یہی عظیم لوگ تمہارے آبا / اسلاف تھے لیکن ان کے مقابلے میں تم اپنی حالت دیکھو، ہاتھ پر ہاتھ دھرے یعنی بیکار بیٹھے آنے والے خوشحال دنوں کے انتظار میں لگے ہوئے یا تقدیر کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ جدوجہد اور سعی و کوشش کے بغیر بھلا ایسے دن آسکتے ہیں، ایسا ممکن ہی نہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

عبث ہے شیوۂ تقدیر یزداں | تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

(۱۲)

۱تا۳۔ تمہارا یہ شکوہ بجا ہے کہ مسلمان کے لیے آخرت میں صرف حور کا وعدہ ہے، یعنی مسلمانوں کو جنت میں حوریں ملیں گی اور یوں انہیں ٹرخا دیا گیا ہے۔ چلو اگر اس قسم کا بجا شکوہ کرنا بھی ہو تو اس کے لیے بھی فہم وشعور کی ضرورت ہے۔ (مجھ) خالق کائنات کا قانون ازل ہی سے عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ لہٰذا جب کوئی غیر مسلم اسلامی اصولوں پر چلے گا تو اس کے لیے حور وقصور ہوں گے۔ (افسوس تو اس بات کا ہے کہ) تم میں حوروں کی خواہش رکھنے والا ہی کوئی نہیں ہے۔ طور سینا کا جلوہ تو آج بھی موجود ہے لیکن تم میں موسیٰ ہی کوئی نہیں ہے۔ یعنی تم لوگ عشق حقیقی کے جذبے سے محروم ہو اور یہ حور وقصور تو صرف مجھ (خدا) سے سچا عشق ومحبت کرنے والوں ہی کے لیے ہیں۔

(۱۳)

۱تا۳۔ ملت اسلامیہ کی یہ بڑی خوبی ہے کہ اس کے افراد کا نفع ونقصان مشترک ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کا نبیؐ (حضور اکرمؐ) بھی ایک اور دین وایمان بھی ایک ہے، پھر خانہ کعبہ، اللہ اور قرآن بھی ایک ہے۔ اس صورت میں اگر تم مسلمان بھی ایک ہو

جاتے تو یہ کوئی مشکل بات نہ تھی لیکن افسوس کہ متحد و متفق ہونے کی بجائے تم فرقہ پرستی (شیعہ، سنی، وہابی، بریلوی وغیرہ) اور ذاتوں (سید و ہاشمی، مغل وغیرہ) کے چکر میں پڑ گئے اور یوں ملت انتشار کا شکار ہو گئی۔ بھلا اس صورت حال میں ترقی و عظمت اور خوشحالی کا سامان ہو سکتا ہے؟ (نہیں ہو سکتا)

(۱۴)

۱-۳ (تم خود ہی بتاؤ کہ) خاتم النبیین حضور اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کس نے چھوڑ دی ہے؟ اور وہ کون ہے جس نے وقت کی مصلحت کو اپنے عمل کا معیار بنا رکھا ہے؟ کون ہے جس کی آنکھوں میں غیر قوموں کے طور طریقے سمائے ہوئے ہیں (مغربی تہذیب کے رسیا کون ہیں؟) اور وہ کون ہے جس کی نگاہ اپنے عظیم اسلاف / بزرگوں کے طور طریقوں اور اصولوں سے بیزار ہو گئی ہے (ان اصولوں پر عمل نہیں کر رہے)۔ ظاہر ہے یہ سب غلط انداز آج کے مسلمانوں کے ہیں۔ تم مسلمانوں کے دلوں میں نہ تو دین و ایمان کا سوز و گداز ہے اور نہ روح ہی میں احساس رہا ہے اور محمدؐ (حضور اکرمؐ) کے پیغام کا بھی تمہیں کوئی لحاظ نہیں ہے جو بلاشبہ بدقسمتی کی بات ہے۔

(۱۵)

۱-۳ آج تم مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ مسجدوں میں صرف غریب لوگ جا کر نماز پڑھتے ہیں اور روزے کی تکلیف بھی غریب مسلمان ہی برداشت کرتے ہیں (جبکہ دولت والے عیش و عشرت ہی کو زندگی کی ضرورت سمجھتے ہیں یا عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور اگر کوئی ہمارا نام لیتا ہے تو وہ بھی غریب لوگ ہیں (انہیں ہی ہم سے محبت ہے) اور وہ تمہارے (امیروں، مالداروں) عیبوں پر پردہ ڈالنے والے بھی غریب لوگ ہی ہیں۔ اس کے برعکس دولتمند اپنی دولت کے نشے میں ہم سے غافل ہیں۔ آج اگر دنیا میں روشن ملت، مراد اسلام زندہ ہے تو وہ غریبوں ہی کے دم سے ہے۔ یعنی مسلمانوں کا اگر کوئی نام و نشان باقی ہے تو وہ ان غریبوں ہی کے طفیل ہے۔

(۱۶)

۱- واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ‏ برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
۲- رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی ‏ فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
۳- مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے ‏ یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

(۱۷)

۱۔ شور ہے ہو گئے دنیا میں مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

۲۔ وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

۳۔ یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

(۱۸)

۱۔ دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی، لوث مراعات سے پاک

۲۔ شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

۳۔ خود گدازی نم کیفیت صہبایش بود
خالی از خویش شدن صورت مینایش بود

(۱۹)

۱۔ ہر مسلماں رگ باطل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

۲۔ جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

۳۔ باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو!

(۲۰)

۱۔ ہر کوئی مست مے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟

۲۔ حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

۳۔ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

(۱۶)

۱-۳ اسلام کا درس دینے والے قوم کے واعظ خود مذہب کی روح و حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان کے خیالات سرسری قسم کے اور پختگی سے خالی ہیں۔ ان کی تقریروں میں خلوص اور سچا جوش و جذبہ نہیں ہے جو لوگوں کے دلوں میں اسلام سے محبت کی آگ بھڑکا دے۔ گو آج بھی مسجدوں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے لیکن اس میں حضرت بلال حبشیؓ جیسا حضور اکرمؐ سے سچا عشق موجود نہیں ہے۔ فلسفہ پر تو بڑا زور ہے، فلسفہ کی کتب پر بڑی توجہ ہے لیکن امام غزالی جیسی تلقین ناپید ہو گئی ہے۔ مسجدیں رو رہی ہیں کہ ان میں نمازی نہیں آ رہے اور وہ خالی پڑی ہیں۔ انہیں اس بات کا افسوس ہے کہ آج ایسے نمازی نہیں آتے جو پہلے مسلمانوں کی طرح سچے مسلمان اور اسلامی اوصاف کا عملی نمونہ تھے۔

(۱۷)

۱-۳ آج ہر طرف یہی شور بلند ہے کہ مسلمان دنیا سے مٹ گئے ہیں، دنیا میں نہیں رہے لیکن اپنا تو یہ کہنا ہے کہ آیا مسلمان کہیں موجود بھی تھے؟ اس صورت میں ان کے نابود ہونے کی بات کیونکر ہو سکتی ہے۔ تم بظاہر تو مسلمان ہو یا خود کو مسلمان کہتے ہو لیکن تمہارے طور طریقے اور ظاہری وضع قطع عیسائیوں کی سی ہے اور تمہارے تہذیب و معاشرت کے انداز ہندوؤں کے سے ہیں۔ کیا یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر یہودی بھی شرما جائیں یعنی یہودیوں سے بھی ان کی حالت بری ہے۔ تم اپنے سید ہونے اور مرزا و افغان ہونے کا تو دعویٰ کرتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم سچے مسلمان بھی ہو؟ (تم وطنیت اور ذاتوں ہی کے چکر میں پڑے ہوئے ہو لیکن مسلمانوں والے اسلامی جذبوں کے حامل طور طریقوں سے دور ہو)۔

(۱۸)

۱-۳ کبھی وہ وقت بھی تھا کہ جب مسلمان حق و صداقت کی حامل تقریر کیا کرتے اور ہر طرح کے خوف سے بے نیاز و بے فکر ہوتے۔ ان کا عدل و انصاف اس اعلیٰ درجے کا تھا کہ اس میں کوئی غرض اور رعایت کا شائبہ تک بھی نہ ہوتا تھا۔ یعنی وہ انصاف کے سلسلے میں کسی سے بھی کوئی رو رعایت نہ کرتے۔ مسلمان کی فطرت کا درخت حیا کے پانی سے تر و تازہ رہتا تھا۔ گویا وہ سراسر حیا تھا اور شجاعت اور دلیری میں وہ اس قدر بے مثل تھا کہ عقل و شعور اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کے غم میں پگھلا دینا ان کی غمخواری کرنا اس کی شراب کی خاصیت تھی اور اپنے آپ سے خالی ہو جانا اس کی صراحی کی خاصیت تھی یعنی دوسروں کے لیے ایثار میں اسے لطف آتا تھا اور اس کی روح ذاتی اغراض سے خالی تھی۔

(۱۹)

۱-۳ ماضی کا ہر مسلمان باطل کی رگ کے لیے گویا نشتر تھا اور جہد و عمل اس کی زندگی کے آئینے کی چمک تھی۔ وہ باطل قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہو کر ان کو ملیا میٹ کر دیتا اور اس کی زندگی سراپا جہد و عمل کا نمونہ تھی۔ اسے اپنی قوت بازو پر پورا بھروسا تھا۔ تم 'آج کے مسلمان' تو موت سے ڈرتے ہو جبکہ اسے صرف خدا تعالیٰ کا ڈر تھا، اگر باپ کا علم و ہنر بیٹے کو زبانی یاد نہ ہو تو اس صورت میں بیٹا اپنے باپ کے ورثے کا حق دار کیونکر ہو سکتا

ہے (نہیں ہو سکتا)۔ گویا قدیم عظیم مسلمانوں (یا تمہارے اسلاف) میں جو خوبیاں / اہلیتیں تھیں اگر تم ان سے محروم ہو تو پھر ان جیسا مقام و مرتبہ تمہیں ملنا ناممکن ہے۔

(۲۰)

۱۔۳ آج تم میں سے ہر کوئی سستی اور آرام طلبی کی شراب سے مست ہے یعنی تن آسانی اور بے عملی و آرام طلبی ہر کسی کا شیوہ بنا ہوا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کیا تم حقیقی مسلمان ہو؟ اور کیا تمہارے یہ طور طریقے مسلمانوں کے سے ہیں؟ (اور یہ افسوسناک صورت حال ہے)۔ نہ تو تم میں حضرت علیؓ جیسا فقر ہے اور نہ تمہارے پاس حضرت عثمان غنیؓ جیسا مال و متاع ہے۔ اس صورت میں تمہیں اپنے اسلاف سے کوئی بھی روحانی نسبت نہیں ہے۔ وہ (تمہارے اسلاف) اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ ہونے کے باعث زمانے میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جبکہ تمہاری صورت حال یہ ہے کہ تم نے قرآن کریم سے اپنا تعلق ختم کر رکھا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل سے بالکل بیگانہ ہو اس لیے ذلت و خواری تمہارا مقدر بن چکی ہے۔

(۲۱)

۱۔ تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم — تم خطا کار و خطا بیں، وہ خطا پوش و کریم

۲۔ چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم — پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

۳۔ تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریرِ کے بھی — یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

(۲۲)

۱۔ خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار — تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار

۲۔ تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار — تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

۳۔ اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی — نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

(۲۳)

۱۔ مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے — بتِ ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے

۲۔ شوق پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے — بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بدظن بھی ہوئے

۳۔ ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا — لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

(۲۴)

۱۔ قیس زحمت کشِ تنہائیِ صحرا نہ رہے — شہر کی کھائے ہوا، بادیہ پیما نہ رہے

۲- وہ تو دیوانہ ہے بستی میں رہے یا نہ رہے　　یہ ضروری ہے حجابِ رخِ لیلا نہ رہے
۳- گلۂ جور نہ ہو، شکوۂ بیداد نہ ہو　　عشق آزاد ہے، کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

(۲۱)

۱-۳ تم آج کے مسلمان نا اتفاقی کا شکار ہونے کے باعث آپس ہی میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہو جبکہ تمہارے اسلاف ایک دوسرے پر بڑے رحم کرنے والے اور مہربان تھے۔ تم خود برائیوں، خطاؤں کے عادی ہو اور دوسروں کی خطاؤں اور عیبوں پر نظر رکھنے والے اور ان کی تشہیر کرنے والے ہو، جبکہ تمہارے بزرگ دوسروں کے عیبوں کو اچھالنا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس لیے ان عیبوں پر پردہ ڈالتے تھے۔ تم اپنے اسلاف کی طرح بلند مرتبگی اور عظمت کی خواہش تو ضرور رکھتے ہو لیکن پہلے ان جیسا سچا اور سادہ دل تو پیدا کرو۔ ان میں اسلامی غیرت وحمیت کمال کی تھی جس کی وجہ سے انہیں چین اور ایران جیسے عظیم ملکوں کی بادشاہی حاصل ہوئی، یعنی بہت بڑی عظمت وشان ان کا نصیبہ بنی۔ تم تو بس باتیں کرنا ہی جانتے ہو تم میں وہ غیرت و حمیت کہاں ہے جو تمہارے اسلاف میں تھی، یعنی نہیں ہے۔

(۲۲)

۱-۳ اے آج کے مسلمانو! تم خود ہی 'اپنے غلط اعمال کے باعث (تمہیں اپنی عزت کا پاس نہیں ہے)' اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار اور اپنی تباہی کا سامان کر رہے ہو جبکہ وہ اسلاف بڑے غیرت مند اور خوددار تھے۔ تمہیں بھائی چارے (ایک دوسرے سے محبت) سے کوئی رغبت نہیں جبکہ وہ بھائی چارے پر جان نثار کرتے تھے (ایک دوسرے کی خاطر جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے تھے)۔ تم سراسر اکمل طور پر باتوں ہی کے دھنی ہو (صرف باتیں کرنا ہی جانتے ہو اور جدوعمل سے بیگانے ہو) جبکہ تمہارے اسلاف سراپا جدوعمل تھے۔ تم تو باغ میں کلی کو ترستے ہو اور ان کے پہلو میں پورا باغ ہوتا تھا۔ دوسری قوموں کو آج تک ان کی جرأت و دلیری کی داستانیں یاد ہیں اور ان کی راست گوئی وصداقت آج تک دنیا کے صفحات پر سنہری حروف میں تحریر ہے۔ یہ ایسے نقش ہیں جنہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔

(۲۳)

۱-۳ تمہارے نوجوان قوم کے افق پر ستاروں کی طرح تو چمکے (ان کی جوانی میں چمک دمک تو

تھی) لیکن ہندوانہ تہذیب سے انہیں اس قدر لگاؤ ہو گیا کہ وہ برہمن کی طرح بتوں کی پوجا کرنے لگے (یا باطل کے عاشق ہو گئے)۔ ان میں پرواز یعنی دنیاوی ترقی کا ایسا جنون پیدا ہوا کہ وہ اپنے نشیمن یعنی اسلام ہی سے دور ہو گئے۔ وہ بے عمل تو تھے ہی (انہیں مذہب سے کوئی لگاؤ نہ تھا) رفتہ رفتہ وہ اپنے دین و مذہب سے بھی بدگمان ہو گئے۔ نئی یا مغربی تہذیب نے انہیں مادر پدر آزاد کر دیا۔ (وہ شریعت سے بیگانہ ہو گئے) اور انہیں کعبہ سے لا کر بت خانے میں آباد کر دیا۔ یعنی انہوں نے اسلامی شریعت ترک کر کے ہندوانہ ذہنیت و تمدن اپنا لیا۔

(۴۴)

۱-۳ قیس / مجنوں صحرا کی تنہائی کی تکلیف برداشت کرنے والے نہ رہے (گویا عشق اور صحرا نوردی لازم و ملزوم ہیں۔ اس کے بغیر عشق بے معنی رہ جاتا ہے)۔ شہر کی ہوا کھانے والے یعنی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والے تو رہ گئے لیکن بادیہ پیمانہ رہے۔ وہ قیس تو دیوانہ (سچا عاشق) ہے شہر / بستی میں رہے یا نہ رہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ لیلا اسے اپنے حسین چہرے کے دیدار سے نوازے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ عظیم مقاصد کے حصول کے لیے اگر بے حد دشواریوں سے بھی گزرنا پڑے تو اسے محسوس نہ کرنے ہی سے بات بن سکتی ہے۔ حسن / لیلیٰ کے جور و ستم کا کوئی گلہ نہ ہو اور بیداد کا بھی شکوہ نہ ہو اس لیے کہ اگر عشق آزاد ہے تو پھر کیوں حسن بھی آزاد نہ رہے۔ اس استعارے میں 'جو کسی قدر طنزیہ انداز کا حامل ہے' غالباً یہ کہنا چاہا ہے کہ مسلمان اگر اسی طرح کوتاہیوں اور بے عملیوں کا شکار رہیں اور اور جہد و عمل کی تکالیف سے خوفزدہ رہیں تو وہ کیونکر عظیم زندگی بسر کر سکتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول میں کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں مقدر کا شکوہ بے جا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۴۵)

۱- عہدِ نو برق ہے آتش زنِ ہر خرمن ہے	ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
- اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے	ملتِ ختمِ رسل شعلہ بہ پیراہن ہے
- آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا	آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(۴۶)

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی	کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

۲-   خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی   گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی
۳-   رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے   یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

(۲۷)

۱-   ایسے ہیں گلشن ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں   اور محروم ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
۲-   سیکڑوں نخل ہیں، کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں   سیکڑوں بطن چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
۳-   نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا   پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

(۲۸)

۱-   پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا   تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
۲-   قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا   غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
۳-   نخل شمع استی و در شعلہ دُوَد ریشۂ تو   عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو

(۲۹)

۱-   نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے   نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
۲-   ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے   پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
۳-   کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے   عصرِ نو رات ہے، دھندلا سا ستارا تو ہے

(۳۰)

۱-   ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا   غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
۲-   تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا   امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا
۳-   کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے   نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

(علامہ کی نظم "شکوہ" سن کر اکثر مسلمان برہم تھے۔ اس برہمی کو دور کرنے نیز "شکوہ" کی تصنیف کے مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے مذکورہ نظم کا جواب خدا تعالیٰ کی زبان سے کہا اور جنگ بلقان کے دوران ۱۹۱۳ء میں موچی دروازہ باغ کے ایک جلسہ عام میں پڑھا)۔

(۲۵)

۱-۳ آج کا/ جدید دور (مادہ پرستی کا دور) ایک آسمانی بجلی کی مانند ہے جو ہر کھلیان کو جلا رہا ہے۔ اس سے نہ تو کوئی صحرا ہی بچا ہوا ہے اور نہ کوئی باغ ہی اس سے محفوظ رہا ہے۔ یہ جو نئی آگ بھڑک اٹھی ہے تو اس میں پرانی قومیں اور ان کی تہذیب ایندھن کی طرح جل رہی ہے۔ حضور خاتم النبیین کی امت بھی اس آگ کی زد میں آئی ہوئی ہے اور اس

کا لباس بھی اس آگ کے شعلے کی نذر ہو رہا ہے۔ اگر آج بھی کوئی ابراہیم (حضرت ابراہیمؑ) پیدا ہو جائے تو یہی آگ باغ / گلزار میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا جو خدا کے حکم سے گلزار بن گئی۔ اس حوالے سے یہ مراد ہے کہ اگر آج بھی مسلمانوں میں صحیح ایمانی جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ باطل قوتوں کی کافرانہ تہذیب سے دامن بچا کر اپنے عظیم مستقبل کا سامان کر سکتے ہیں۔

(۳۶)

۱۔۳ اے مالی! آج جو باغ کی صورت حال ہے اسے دیکھ کر تو پریشان نہ ہو۔ کلی کے ستاروں سے شاخیں چمکنے والی ہیں تیرا باغ خس و خاشاک سے پاک ہو جائے گا۔ شہیدوں کے خون کی سرخی پھول برسانے والی ہے۔ تو ذرا یہ تو دیکھ کہ آسمان کا رنگ سرخ / شفقی ہے جو طلوع ہونے والے سورج کی افق تابی ہے۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ علامہ نے قوم کو امید کی کرن دکھاتے ہوئے یہ کہنا چاہا ہے کہ اب جو حالات نظر آ رہے ہیں ان سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان جلد بیدار ہو کر اپنے عظیم و روشن مستقبل کا سامان کر لیں گے' اس لیے قوم کے رہنما یا رہنماؤں کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔

(۳۷)

۱۔۳ دنیا کے اس باغ میں ایسی قومیں بھی آباد ہیں جنہوں نے اپنی محنت کا ثمر / پھل حاصل کر لیا ہے اور بعض ایسی قومیں بھی ہیں جو پھل سے محروم اور خزاں کا شکار ہیں (اپنی بے عملی و کاہلی کی بنا پر وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی ہیں)۔ یہاں اس باغ (دنیا) میں سینکڑوں پودے ایسے ہیں جو مرجھا گئے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو بڑھ پھول کر اچھے بھلے درخت بن گئے ہیں' اور ابھی سینکڑوں ایسے بھی ہیں جو ابھی تک باغ کی زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ اسلام کا پودا پھولنے پھلنے میں ایک بہت بڑے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سینکڑوں برسوں کی محنت کا پھل ہے۔ صدیوں اس کی حفاظت اور باغبانی کی گئی ہے جس کے نتیجے میں یہ ثمر آور / پھل لانے والا بنا ہے۔ پودوں سے مراد قومیں ہیں جنہوں نے جدوعمل سے کام لیا اور پھل پھول گئیں' جو کاہل تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

(۳۸)

۱۔۳ تیرا (مسلمان) دامن وطن کی گرد سے پاک ہے' تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر تیرا کنعان ہے۔ یعنی مسلمان وطن کی قید سے آزاد ہے۔ وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہے مسلمان ہی

کہلائے گا۔ گویا ساری دنیا اس کا وطن ہے اور اسلام اس کی قومیت ہے۔ تیرا قافلہ کبھی تباہ نہ ہو سکے گا اس لیے کہ تیرے قافلے کا سامان ایک گھنٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ گویا مسلمان کا سارا اثاثہ توحید، قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ ہے۔ وہ دنیاوی مال و متاع اور مفاد سے بے نیاز ہے۔ اے مسلمان! تو چراغوں کا ایک درخت ہے جس کے شعلے/ لو میں تیری بتی/ حرارت دوڑ رہی ہے۔ تیرے خیالات کا سایہ/ روشنی انجام سے بے پروا ہے۔ تیرے فکر کا سایہ ایک دن سوز کی صورت اختیار کرے گا۔

(۲۹)

۱۔۳ بفرضِ محال اگر ایران/ سلطنت ایران مٹ جاتا ہے تو اس سے تو نہیں مٹ سکے گا۔ یعنی اسلام نہیں مٹے گا، یا صفحۂ ہستی سے نابود نہیں ہوگا۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح شراب کے نشے کو جام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی جام ٹوٹ بھی جائے تو نشہ بہر طور برقرار رہتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا وجود کسی بھی اسلامی ملک پر منحصر نہیں ہے۔ یورش تاتار کے افسانے/ واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ بت کدے ہی سے کعبہ کو پاسباں مل گئے۔ (لغت دیکھیے)۔ تو (مسلمان) اس دور میں/ زمانے میں حق و صداقت کی کشتی کا سہارا ہے۔ جدید دور گویا رات ہے اور تو اس میں ایک دھندلا سا (ہلکی روشنی والا) ستارہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ باطل کی تاریکیوں میں تیری حیثیت ایک جگنو کی سی ہے۔

(۳۰)

۱۔۳ بلغاری یورش کا جو ہنگامہ برپا ہے یہ دراصل غفلت کے مارے ہوئے مسلمانوں کے لیے بیداری کا پیغام ہے۔ تو اس حملے کو دل آزاری کا سامان نہ سمجھ بلکہ یہ جان لے کہ قدرت کی طرف سے یہ تیرے ایثار و خودداری کی آزمائش ہے۔ لہٰذا تو دشمن کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے شور سے پریشان و خوفزدہ نہ ہو اس لیے کہ دشمنوں کی پھونکوں سے نورِ حق نہیں بجھ سکتا۔ یوں سمجھ لے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

(۳۱)

۱۔ چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری — ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
۲۔ زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری — کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
۳۔ وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے — نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(۳۲)

۱- عشق بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا　　رخت بر دوشِ ہوائے چمنستاں ہو جا
۲- ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا　　نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
۳- قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

(۳۳)

۱- ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو　　چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
۲- یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو　　بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
۳- خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے　　نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

(۳۴)

۱- دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے　　بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
۲- چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے　　اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
۳- چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے　　رفعتِ شانِ "رفعنا لک ذکرک" دیکھے

(۳۵)

۱- مردمِ چشمِ زمیں، یعنی وہ کالی دنیا　　وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
۲- گرمیِ مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا　　عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
۳- تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح　　غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

(۳۶)

۱- عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
۲- ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
۳- کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(۳۱)

۱-۳ تیری (مسلمان کی) حقیقت دوسری قوموں کی آنکھوں سے ابھی تک پوشیدہ ہے۔ دنیا تیری اہلیتوں، صلاحیتوں سے ناواقف ہے۔ ابھی دنیا کی محفل کو تیری ضرورت ہے۔ تیرے ایمان کی حرارت وگرمی اس دنیا کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ تیری خلافت زمانے کی قسمت کا چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ گویا اگر یہ ستارہ غروب ہو گیا تو دنیا تاریکیوں میں ڈوب جائے گی۔ ابھی تیرے آرام کا وقت نہیں ہے اس لیے کہ ابھی دنیا میں

توحید کے نور کی تکمیل کا کام باقی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب یہ تکمیل ہو جائے گی تو پھر تجھے فراغت حاصل ہوگی۔

(۳۲)

۱-۳ تو آج خوشبو کی طرح غنچے کی قید میں پڑا ہوا ہے۔ اس قید سے آزاد ہو کر بکھر جا اور باغ کی ہوا / فضا کے کندھے پر اپنا ساز و سامان رکھ دے۔ اگر تیرا سرمایہ بہت تھوڑا ہے تو ذرے سے بیابان میں تبدیل ہو جا اور موج کی لے سے طوفان کا ہنگامہ بن جا اور یوں اپنی اہلیتوں صلاحیتوں کو بروئے کار لا۔ تو عشق حقیقی کی قوت سے سرشار ہے۔ اپنی اس قوت سے ہر پستی کو بلندی میں منتقل کر دے اور زمانے میں حضور اکرم محمدؐ کے مبارک نام سے اجالا کر دے۔ ہر طرف اسلام کی روشنی پھیلا دے۔

(۳۳)

۱-۳ اگر یہ (حضور اکرم کا) پھول نہ ہو تو بلبل کے نغمے / چہچہاہٹیں بھی نہ ہوں اور زمانے کے باغ میں کلیاں بھی کھل کر پھول نہ بنیں۔ اگر حضورؐ ساقی نہ ہوں تو شراب پاکیزہ بھی کہیں نظر نہ آئے۔ دنیا میں توحید کی بزم نہ ہو اور تمہارا وجود بھی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ اس کائنات کی تمام تر رونقیں حضور اکرمؐ کے اسم مبارک کی برکت سے ہیں۔ حضورؐ ہی کے اسم مبارک کے طفیل آسمانوں کے خیمے کھڑے ہیں اور اسی اسم مبارک کی بدولت زندگی / وجود کی نبض چل رہی ہے۔ دنیا برقرار و قائم ہے۔

(۳۴)

۱-۳ حضور اکرم کی ذات پاک جنگل میں، پہاڑ کے دامن میں، میدان میں، سمندر میں، موجوں کی گود میں، طوفان میں یعنی ہر جگہ موجود ہے۔ گویا دنیا کا کوئی بھی خطہ حضورؐ کے پیروکاروں سے خالی نہیں ہے ہر جگہ مسلمان آباد ہیں۔ چین کے شہر اور مراکش کے بیابانوں (پوری دنیا) میں حضورؐ کا اسم مبارک گونجتا ہے۔ نیز یہ اسم مبارک مسلمانوں کے ایمان میں بھی چھپا ہوا ہے۔ قوموں کی آنکھیں رہتی دنیا تک یہ نظارہ دیکھتی رہیں گی اور ان پر یہ واضح ہوتا رہے گا کہ "رفعنالک ذکرک" (لغت دیکھیے) کی شان کس قدر بلند ہے۔

(۳۵)

۱-۳ زمین کی آنکھ کی پتلی، جسے کالی دنیا (افریقہ) کہتے ہیں، جس میں تمہارے شہید پلے

ہیں اس دنیا کو سورج کی گرمی نے پالا پوسا ہے اور اس پر ہلال کا پرچم لہراتا ہے جسے ارباب اہل عشق بلالی دنیا کہتے ہیں۔ حضرت بلال حبشیؓ کا تعلق کسی افریقی ملک ہی سے تھا۔ وہ دنیا اسی (حضور اکرمؐ کے) نام مبارک کی وجہ سے پارے کی طرح بیقرار اور تپش اندوز (حضور اکرمؐ کے عشق میں بے چین ہو کر تڑپنے والی) ہے اور آنکھ کی پتلی کی مانند (جو سیاہ ہوتی ہے) نور میں ڈوب گئی ہے۔ گویا حضرت بلال حبشیؓ اسلام کے نور سے منور ہوئے۔

(۳۶)

۱-۳ اے مسلمان! زندگی کے معرکہ میں عقل تیری ڈھال ہے جو تجھے ہر طرح کے خطروں سے بچائے رکھتی ہے اور عشق تیری تلوار ہے جس کی بدولت تو فتوحات حاصل کرتا اور پوری دنیا پر حاوی ہو جاتا ہے۔ ہمارا درویش ہونے کی بنا پر ہم نے ساری دنیا کی سلطنت و خلافت تجھے عطا کر دی ہے۔ تیرے تکبیر کے نعروں نے غیر اللہ یعنی باطل قوتوں کو جلا ڈالا ہے۔ اگر تو سچا مسلمان بن جائے تو تیری ہر تدبیر تقدیر بن جائے گی، مشیت ایزدی سے ہم آہنگ ہو جائے گی اور اگر تو محمدؐ (حضور اکرمؐ) کا وفادار بن جائے تو یہ دنیا تو کیا چیز ہے ہم تجھے لوح و قلم یعنی پوری کائنات کا مالک بنا دیں گے۔

ساقی

۱- نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
۲- جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں — کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی
۳- کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری — سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

(علامہ نے ساقی کے حوالے سے دراصل مصلحین قوم سے خطاب کیا ہے اور انہیں یہ نصیحت کی ہے کہ وہ قوم کو پستی میں بہت ڈال چکے اب خدا کا خوف کریں اور زندگی کا باعث و موجب بننے والے کام انجام دیں)۔

۱- ساقی شراب تو پلا دیتا ہے جس سے پینے والے پر نشہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ گر پڑتا ہے۔ یہ کام (شراب پلانا اور گرانا) تو سب کو آتا ہے۔ لطف تو جب ہے کہ ساقی گرتوں کو تھام لے۔ انہیں سہارا دے کر اٹھا دے۔ قومی رہنما اب قوم کی اصلاح کا کام کریں۔

۲۔ جو پرانے بادہ کش تھے وہ تو اب کوچ کرتے جا رہے ہیں' لہٰذا اے ساقی! تو اب کہیں سے آب حیات حاصل کر۔ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اب قوم میں سچے جذبے پیدا کر۔ ایسے کام انجام دے جو قوم کی بقا کا سامان کریں۔

۳۔ تیری رات تو ہنگامہ گستری میں کٹ گئی ہے' اب صبح قریب ہے تو اللہ کا نام لے (اللہ کا خوف کر)۔ تو نے فتنے فساد پیدا کرنے میں اور قوم کو پستی میں دھکیلنے میں بہت وقت گزار لیا ہے۔ اب خدا کا خوف کر کے اس کی عظمت کا سامان کر۔

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعر ملا عرشی)

۱۔ خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

۲۔ ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

۳۔ گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

۴۔ "تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو — کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو"

(علامہ نے یہ کہنا چاہا ہے کہ ہمیں اپنا انجام بخیر کرنے کی خاطر موجودہ مغربی اور گھناؤنی تہذیب و معاشرت چھوڑ کر از سر نو زندگی کا پاکیزہ اصول اختیار کرنا ہوگا۔ عرشی کے اس شعر کے بارے میں ایک ظریف نے یہ کہا کہ چونکہ ملا کا بیٹا بہت بدصورت ہے اس لیے انہوں نے یہ شعر کہا ہے یعنی تخم سے مراد وہ لڑکا ہے)۔

۱۔ ہم اگرچہ اپنے نوجوانوں کی ترقی پر خوش ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی مسکراتے ہنستے ہونٹوں سے آہ و فریاد بھی نکل جاتی ہے۔ (اس فریاد کی وجہ اگلے شعر میں)

۲۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ آج کی تعلیم ہمارے لیے سکون و اطمینان کا باعث بنے گی لیکن ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ ہمارے نوجوانوں کو یہ کفر و الحاد کی طرف لے جائے گی۔

بقول اکبر الٰہ آبادی:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا — افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

۳۔ اگرچہ پرویز کے گھر میں شیریں نے اپنے حسن کی جلوہ نمائی کی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ فرہاد کا تیشہ بھی لے کر آئی ہے۔ یعنی اگرچہ مسلمان گھرانے میں جدید تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا

ہے لیکن وہ نوجوانوں کے بگاڑنے کا سامان بھی کر رہی ہے۔ (نیز لغت دیکھیے)۔

علامہ ہی کے بقول:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے پیش نظر وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اور بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بل پیش کیجئے"

۴۔ اب ہم دوسرا بیج حاصل کرتے ہیں اور اسے از سر نو بوئیں گے، اس لیے کہ جو کچھ ہم نے بویا ہے وہ ایسا ہے کہ شرمندگی کے باعث اسے کاٹ نہیں سکتے۔ یعنی ہمیں طریقہ تعلیم بدلنا ہوگا جس سے اسلام کی حفاظت ہو۔

قرب سلطان

۱۔ تمیز حاکم و محکوم مٹ نہیں سکتی — مجال کیا کہ گداگر ہو شاہ کا ہمدوش
۲۔ جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا کمال — رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگیں پوش
۳۔ مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو — خطاب ملتا ہے منصب پرست و قوم فروش
۴۔ پرانے طرزِ عمل میں ہزار مشکل ہے — نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش
۵۔ مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسماں رہیے — "ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش"
۶۔ یہی اصول ہے سرمایہ سکونِ حیات — "گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"
۷۔ مگر خروش پہ مائل ہے تو تو بسم اللہ — "بگیر بادۂ صافی، ببانگِ چنگ بنوش"
۸۔ شریک بزم امیر و وزیر و سلطاں ہو — لڑا کے توڑ دے سنگِ ہوس سے شیشۂ ہوش
۹۔ پیام مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے — کہ ہے یہ سرِ نہاں خانۂ ضمیرِ سروش
۱۰۔ "محل نورِ تجلی است رائے انور شاہ — چو قرب او طلبی در صفائے نیت کوش"

(علامہ نے شیخ سعدیؒ شیرازی اور حافظ شیرازیؒ کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ بہتر تو یہ ہے کہ حاکموں کے سامنے خاموشی اختیار کی جائے لیکن اگر کسی وجہ سے بولنا ہی پڑے تو انہیں نیک صلاح دینی چاہیے)۔

۱- حاکم اور محکوم میں جو فرق ہے وہ کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ بھلا گدا گرا بھیک منگے کی کیا مجال ہو سکتی ہے کہ وہ بادشاہ/حاکم کا ہم پلہ بنے۔

۲- دنیا میں حاکم کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرنے ہی کو بندگی کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تو مالک کی خوشنودی ... سر اور یوں خوب رنگ رلیوں اور عیش ونشاط کی زندگی بسر کر۔

۳- البتہ جب حاکم وقت ... خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش ہو تو ایسے شخص کو قوم کی طرف سے منصب/عہدے ... پوجا کرنے والا، جاہ پرست اور قوم فروش کا خطاب ملتا ہے۔

۴- پرانے طرز عمل یعنی پرانے لوگوں یا غلاموں کی خواجہ پرستی یا آقا اور مخدوم کو ہر طرح راضی رکھنے کی کوشش میں بے شمار مشکلات ہیں جبکہ فکر وشعور کی آغوش نئے اصول (حاکموں اور حکومت کی خوشامد، جسے قوم فروشی کہا جاتا ہے) سے خالی ہے۔ سوچ یا فکر اس نظریے کو اچھا نہیں سمجھتی۔

۵- لطف تو جب ہے کہ زیر آسمان (دنیا میں) اس طرح زندگی بسر کی جائے کہ دل میں ہزار باتیں آتی ہیں لیکن چپ رہنا بہتر ہے۔ دوسرا مصرع حافظ شیرازی کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

شد آن کہ اہل نظر بر کنارہ می رفتند　　ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش

۶- یہی اصول زندگی کے سکون وآسایش کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ لہٰذا اے حافظ! تو کہ ایک گوشہ نشین گداگر ہے' اس لیے شور نہ مچا۔ پانچویں شعر والا اصول اپنانے ہی سے زندگی صحیح طور پر پُرسکون گزرتی ہے۔ حافظ کے مقطع کا پہلا مصرع یوں ہے:

رموز مصلحت ملک خسروان دانند　　گدائے گوشہ نشینی ....

۷- اس کے باوجود اگر تو خروش پر ہی مائل ہے' یعنی جو کچھ تیرے دل میں ہے اس کا تو زبان سے اظہار کرنے پر ہی تلا ہوا ہے' تو ٹھیک ہے' بسم اللہ' سب کچھ کہہ ڈال۔ صاف ستھری شراب لے اور گانے بجانے کے ساتھ پینے لگ جا۔ مراد یہ کہ بزموں محفلوں میں خوب ہنگامے مچا کر جو کچھ کہنا چاہتا ہے، کہہ دے۔

۸- جا اور امیر/سردار و وزیر اور بادشاہ کی محفل میں شریک ہو اور اپنے حرص وہوس کے پتھر سے جوش وخروش کا شیشہ توڑ پھوڑ ڈال۔ اپنی ہوس پوری کر لے خواہ جوش وولولہ اور جذبہ وغیرت سے تجھے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ تجھ میں خودداری بھی نہ رہے۔

۹- تاہم تو بیشک اپنی ہوس پوری کر لے لیکن مرشد شیراز حضرت حافظ شیرازی کا یہ پیغام

بھی سن لے جو ایک ایسا راز ہے جو غیبی فرشتے کے خانہ دل میں پوشیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں فرشتہ غیب نے یہ بات بتائی ہے۔ (شعر ۹ والی بات)

۱۰۔ بادشاہ کی روشن رائے تجلی الٰہی کی مظہر ہوتی ہے (اس لیے کہ اسے ظل الٰہی یعنی خدا کا سایہ کہا جاتا ہے)۔ اگر تو اس کے قریب رہنا چاہتا ہے تو اپنے دل کو صاف رکھ اور اسے جو بھی صلاح دے وہ نیک ہو اور ہر طرح کی سیاست سے پاک ہو۔ حافظ کی متعلقہ غزل کا مطلع ہے:

سحرز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش — کہ دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

(صبح غیبی فرشتے کی طرف سے میرے کانوں میں یہ خوشخبری پہنچی کہ اب بادشاہ یا شاہ شجاع کا دور ہے تو بے خوف ہو کر یا دلیری سے شراب نوشی کر۔ حافظ کے دور کے بادشاہ کا نام شجاع تھا)۔

شاعر

(۱)

۱۔ جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے — پی کے شراب لالہ گوں میکدہ بہار سے
۲۔ مست مے خرام کا سن تو ذرا پیام تو — زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے
۳۔ پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر — کرتی ہے عشق بازیاں سبزہ مرغزار سے
۴۔ جام شراب کوہ کے خمکدے سے اڑاتی ہے — پست و بلند کر کے طے کھیتوں کو جا پلاتی ہے

(۲)

۱۔ شاعر دلنواز بھی بات اگر کہے کھری — ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری
۲۔ شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں — کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری
۳۔ اہل زمیں کو نسخہ زندگی دوام ہے — خون جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری
۴۔ گلشن دہر میں اگر جوئے مے سخن نہ ہو — پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو

(اس عنوان سے یہ دوسری نظم ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاعری تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ قوم کی اصلاح کی خاطر کرنا چاہیے اور اس میں ہمیشہ صداقت اور اخلاقی جرأت کو پیش نظر رکھنا چاہیے)۔

(۱)

۱۔ نغمے پیدا کرنے والی ندی موسم بہار کے شراب خانے سے سرخ رنگ کی شراب پی کر

پہاڑ سے آ رہی ہے۔ موسم بہار میں لالہ کے سرخ پھول کھلے ہوتے ہیں اور وہ پہاڑوں پر بھی ہوتے ہیں' اس لیے شراب لالہ گوں کہا۔ ندی کے پہاڑی سے نیچے گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے سرود و نغمہ کہا ہے۔

۲۔ اس مستانہ چال سے چلنے والی ندی کا تو ذرا پیغام تو سن۔ (وہ پیغام یہ ہے کہ) دنیا میں صحیح طور پر زندہ وہی انسان ہے جسے قرار و سکون سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہو۔ یعنی مسلسل جہد و عمل ہی سے انسان اپنی حقیقی زندگی یا بقا کا سامان کر سکتا ہے۔ ندی مسلسل چلتی رہتی ہے۔ اس لیے ایسا کہا ہے۔

۳۔ یہ بادل کی دلکش رفتار والی بیٹی (ندی) کیا مزے سے بانکپنے حسن کے ساتھ وادیوں میں پھرتی (بہتی) ہے اور سبزہ زار سے کیا عشق بازیاں کرتی چلتی ہے۔ بادل برسنے پر وہ پہاڑ سے گر کر وہ پہاڑوں کے درمیانی حصے سے گزرتی ہوئی چراگاہوں کی طرف بڑھتی ہے اور یوں آگے مسلسل چلتی رہتی ہے۔

۴۔ وہ (ندی) پہاڑ کے شراب خانے سے جام شراب اڑا لیتی ہے اور پھر اونچی نیچی زمین طے کر کے وہ جام کھیتوں کو جا پلاتی ہے۔ جو پانی اسے پہاڑ سے میسر آیا ہوتا ہے وہ پھر کھیتوں کو دیا جاتا ہے جو فصلوں کے بڑھنے پھولنے کے کام آتا ہے۔

(۲)

۱۔ اگر ایک دلنواز شاعر (جو دلوں کو غفلت سے چونکاتا اور یوں ان پر نوازش کرتا ہے) بھی صاف صاف اور کھری بات کہے تو اس کی اس بات کے فیض سے زندگی کی کھیتی ہری بھری ہوتی ہے۔ اس کے ایسے پیغام پر عمل کرنے والے کی زندگی عظمت و بزرگی کی حامل بن جاتی ہے۔

۲۔ جب ایسے شاعر کی قوم آزری پیشہ اختیار کر لیتی ہے یعنی توحید اور اسلام سے تعلق ختم کر لیتی ہے اور صرف دنیاوی مفادات کے حصول میں لگی رہتی ہے' جو ایک طرح سے بت گری ہے' تو اس صورت میں ایسے شاعر کی شاعری سے حضرت ابراہیم خلیل کی شان ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے بت توڑے تھے اسی طرح مذکورہ شاعری کرتی ہے۔ قوم کو صحیح راہ پر لاتی ہے۔

۳۔ ایسی شاعری یا ایسے شاعر کی شاعری ایک ایسا نسخہ ہے جو انسانوں کو حقیقی زندگی گزارنے اور صاحب بقا بننے والا بنا دیتا ہے' اس لیے کہ یہ شاعری خون جگر سے

تربیت پاتی ہے (شاعر دلی جذبوں میں ڈوب کر کرتا ہے)۔

۴۔ اگر زمانے کے باغ میں شاعری کی شراب کی ندی نہ ہو تو پھر وہاں نہ تو کوئی پھول ہی ہو، نہ کوئی کلی ہو، نہ سبزہ ہو اور نہ چمن ہی ہو۔ گویا اس قسم کی تعمیری شاعری ہی کی بدولت انسانوں میں جذبے اور ولولے پیدا ہوتے ہیں اور وہ جہاں اپنی عظمت و شان و شکوہ کا سامان کرتے ہیں وہاں دنیا کو بھی سنوارنے میں سراپا عمل بن جاتے ہیں۔ بصورت دیگر انسان بے عملی و کاہلی میں ڈوبے رہتے ہیں۔

نوید صبح

(۱۹۱۲ء)

(۱)

۱۔ آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر — منزل ہستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

۲۔ محفل قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت — دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت

۳۔ چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغام حیات — باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات

۴۔ مسلم خوابیدہ اٹھ! ہنگامہ آرا تو بھی ہو — وہ چمک اٹھا افق گرم تقاضا تو بھی ہو

(۲)

۱۔ وسعت عالم میں رہ پیما ہو مثل آفتاب — دامن گردوں سے ناپیدا ہوں یہ داغ سحاب

۲۔ کھینچ کر خنجر کرن کا، پھر ہو سرگرم ستیز — پھر سکھا تاریکی باطل کو آداب گریز

۳۔ تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے — اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

۴۔ ہاں! نمایاں ہو کے برق دیدۂ خفاش ہو — اے دل کون و مکاں کے راز مضمر فاش ہو

(یہ نظم ۱۹۱۲ء میں تصنیف ہوئی۔ انہوں نے اس میں ایمائی طرز اختیار کر کے یہ کہنا چاہا ہے کہ تم اپنے دل کا نور وسعت عالم میں پھیلانے کے ارادے سے اٹھو اور باطل قوتوں کی تاریکی کو مٹا دو)۔

(۱)

۱۔ صبح جب اپنے دامن میں ہنگامہ لیے مشرق کی طرف سے نمودار ہوتی ہے تو دنیا سے خاموشی سفر کر جاتی ہے۔ سورج جب مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو روشنی پھیل جاتی ہے۔ دنیا والے نیند سے بیدار ہو کر اپنے کام دھندوں پر لگ جاتے ہیں جبکہ اس سے

پہلے رات تاریکی اور خاموشی میں ڈوبی ہوتی ہے۔

۲۔ چنانچہ، صبح طلوع ہونے پر قدرت کی محفل کا (کائنات / دنیا کا) سکوت / خاموشی ختم ہو جاتا ہے اور ہر چیز اپنی زندگی کا ثبوت دینے لگتی ہے۔ گویا صبح کے وقت دنیا کی ہر مخلوق اپنی زندگی کے طور طریقوں پر چلنے لگتی ہے۔

۳۔ صبح کے وقت پرندے بھی بیدار ہو کر گویا زندگی کا پیغام پاتے اور چہچہانے لگتے ہیں۔ ادھر پھول بھی زندگی کا لباس پہن لیتے ہیں۔ کھلنے لگتے ہیں۔

۴۔ اے سوئے ہوئے (غفلت کے مارے) مسلمان! تو بھی اٹھ اور سرگرمی سے جہد و عمل میں لگ جا۔ دیکھ ادھر افق بھی سورج طلوع ہونے پر چمک اٹھا ہے تو بھی اٹھ اور جدو جہد اور سعی و کوشش میں مصروف ہو جا۔

(۲)

۱۔ (اے مسلمان!) تو بھی سورج کی طرح کائنات کی وسعت میں چل پڑ تا کہ آسمان کے دامن سے بادل کے یہ دھبے غائب ہو جائیں۔ یعنی توحید و اسلام پر عمل کر کے دنیا کی باطل قوتوں کو مٹا دے۔

۲۔ جس طرح سورج اپنی کرنوں سے تاریکی دور کرتا ہے تو بھی نور اسلام کی تلوار (اسلامی تعلیمات) کھینچ کر باطل کی تاریکی کو دور کرنے میں سرگرم عمل ہو جا اور یوں باطل کی تاریکی کو بھاگ جانے (ختم ہونے) کے آداب / طور طریقے سکھا دے۔

۳۔ تو مکمل طور پر نور ہے اس لیے تیرا نمایاں ہونا زیادہ اچھا ہے اور تیرے لیے عریاں ہو کے خود کو بکھیرنا لازم ہے۔ گویا ہر پردے یا تاریکی کو ہٹا کر نورانی حیثیت میں سامنے آ جا جس کے بعد لوگ نور سے استفادہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں کھل کر یا واضح انداز میں اسلام کی تعلیم دے۔

۴۔ ہاں! اس طرح نمایاں ہو کر چمگادڑ کی آنکھ (تاریکی / باطل) کے لیے بجلی بن جا (باطل کی تاریکی مٹا دے)۔ اے مسلم! تو کہ اس کائنات و مخلوقات کے دل کا پوشیدہ راز ہے اب ظاہر ہو جا۔ شعر ۳ والی بات نئے استعارے میں۔

دعا

۱- یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے | جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
۲- پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے | پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
۳- محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے | دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
۴- بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل | اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
۵- پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر | اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
۶- اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو | وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
۷- رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر | خودداریِ ساحل دے، آزادیِ دریا دے
۸- بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو | سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے
۹- احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا | امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
۱۰- میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا | تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

(یہ نظم علامہ نے اس دور میں کہی تھی جب ایران اور ترکی مصیبتوں کا شکار تھے اور دنیا کے دوسرے مسلم ملک نصاریٰ سے ساز باز کر رہے تھے۔ علامہ کو اس صورتِ حال پر بے حد صدمہ تھا جب ان کا اضطراب حد سے بڑھا اور حالات کی اصلاح کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے بے قراری کے عالم میں یہ نظم کہی)۔

۱- اے ربِ کریم! تو پھر اپنے فضل و کرم سے دلِ مسلم میں وہ زندہ تمنا پیدا کر دے جو دل میں سرگرمی پیدا کر دے اور روح کو تڑپا دے۔ یعنی جیتی جاگتی اور ہر وقت جہد و عمل کے لیے بے قرار رکھنے والی خواہش جس سے مسلم عمل کے لیے مضطرب ہو کر اٹھ کھڑا ہو۔

۲- تو پھر وادیٔ فاران کے ہر ذرے میں روشنی پیدا کر دے اور پھر مسلم میں نظارے کا شوق اور تقاضے کی تمنا پیدا کر دے۔ (لغت دیکھیے)

۳- محرومِ تماشا مسلم کو پھر دیکھنے والی آنکھ سے نواز۔ میں (علامہ) نے جو کچھ دیکھا ہے وہ تو دوسرے مسلمانوں کو بھی دکھلا دے۔ تیرے جلووں کی فیضیابی سے آج کا مسلمان محروم ہے۔ اس میں پھر اپنا عشق اور توحید و اسلام سے وابستگی پیدا کر دے اور جو حالات آج مجھے نظر آ رہے ہیں دوسرے مسلمان بھی ان سے آگاہ ہو کر خود میں انقلاب پیدا کریں۔

۴- اس راستہ بھولے ہرن یعنی مسلمان کو پھر حرم کی طرف لے جا اور شہر میں رہنے کی عادت رکھنے والے اس مسلمان کو پھر صحرا کی سی وسعت سے نواز۔ مسلمان اسلام سے دور ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں پھر پہلے مسلمانوں کی سی اسلام دوستی پیدا کر دے تاکہ یہ غفلت و کاہلی چھوڑ کر جہد و عمل سے اپنی عظمت و بقا کا سامان کریں۔

۵- اس کے ویران یعنی جذبوں ولولوں سے محروم دل میں پھر محشر کا سا شور پیدا کر دے۔ یعنی عظیم انقلاب اور جذبے پیدا فرما دے اور اس خالی محمل کو پھر لیلیٰ جیسی محبوبہ دے دے۔ ان مسلمانوں کے دلوں میں پھر سے حضور اکرمؐ کی محبت کا جذبہ پیدا فرما دے۔

۶- آج کے دور کی تاریکی میں ہر دل پریشان و بے قرار ہے۔ تو ایسے ہر دل میں اپنی محبت کا ایسا داغ پیدا فرما دے جس کی چمک چاند کو بھی شرما دے۔ باطل قوتیں چھائی ہوئی ہیں جس کے باعث مسلمان بے حد پریشان ہیں۔ تو اے رب کریم! ان کے دلوں میں ایمان و عشق حقیقی کی عظیم روشنی پیدا فرما دے۔ وہ صحیح مسلمان بنیں اور باطل قوتوں سے بے خوف ہو جائیں۔

۷- ان (مسلمانوں) کے مقاصد اتنے عظیم و بلند فرما دے جو ثریا کی سی بلندی کے ہم پلہ ہوں۔ ان میں ساحل کی سی خودداری اور دریا کی سی آزادی کا جذبہ پیدا فرما دے۔ دریا/سمندر جب چاہتا ہے اپنے ساحل/کنارے کو پانی کی لہروں سے کاٹ دیتا ہے لیکن ساحل خودداری کے باعث دریا سے رحم کی التجا نہیں کرتا۔ سمندر کی آزادی یہ ہے کہ وہ' جدھر کو اس کا جی چاہے' بے روک ٹوک بہنے لگتا ہے۔ گویا مسلمان دوسری قوموں اور باطل قوموں کا دست نگر ہونے کی بجائے اپنے جہد و عمل سے اپنے عظیم مقاصد حاصل کرے۔

۸- ان کا دل ہر طرح کی ذاتی غرض سے خالی یعنی خالص محبت سے سرشار ہو اور سچائی میں انھیں کسی کا معمولی سا بھی خوف نہ ہو۔ بے خوف ہو کر سچی بات کہیں۔ ان کے سینوں میں توحید کی روشنی پیدا فرما دے اور انھیں شراب کی صراحی کی طرح کے دلوں سے نواز۔ روشن چمکتے اور جذبوں ولولوں کے حامل دل۔

۹- ان میں آنے والی مصیبت کا احساس پیدا فرما دے (نوٹ دیکھیے)۔ آج کے ہنگاموں میں مستقبل کی فکر پیدا فرما دے۔ یعنی آج جن حالات سے وہ گزر رہے ہیں ان سے سبق حاصل کریں اور اپنے عظیم مستقبل کے بارے میں سوچیں۔ جہد و عمل اور

سعی وکوشش میں لگ جائیں اور اپنا مستقبل عظیم وباشان وشکوہ بنالیں۔

۱۰۔ میں ایک ویران باغ کا ایک آہ وفغاں کرنے والا بلبل ہوں۔ میں تجھ سے تاثیر مانگتا ہوں۔ اے میرے داتا! مجھے وہ تاثیر عطا فرما دے۔ یعنی اپنی ملت کے حالات دیکھ کر مجھے صدمہ ہو رہا ہے۔ میں اپنے اس صدمے کا اظہار اپنی شاعری میں کر رہا ہوں تاکہ اس کا اثر لے کر ملت بیدار ہو جائے۔ سو اے مولا کریم، میرے داتا! میری شاعری میں ایسی تاثیر پیدا فرما دے جس سے اس میں باطل قوتوں سے ٹکرانے اور انہیں مٹانے کی جرأت اور دلیری پیدا ہو جائے۔

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

۱۔ یہ شالامار میں اک برگ زرد کہتا تھا — گیا وہ موسم گل جس کا رازدار ہوں میں
۲۔ نہ پائمال کریں مجھ کو زائرانِ چمن — انہی کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں
۳۔ ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو — چمن میں آ کے سراپا غمِ بہار ہوں میں
۴۔ خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار — خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں
۵۔ اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے مے خانے — گذشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں
۶۔ پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے — ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

(اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ اگست ۱۹۱۵ء میں بدایوں یوپی کے رسالہ "ذوالقرنین" کے ایڈیٹر مولوی نظام الدین حسنین نظامی نے علامہ سے عید کے شمارے کے لیے چند شعر کہنے کی فرمائش کی۔ چونکہ علامہ ان دنوں ترکوں کی زبوں حالی پر بہت مغموم تھے اس لیے انہوں نے حالات کے تقاضا کے مطابق اپنے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے شگفتہ نظم کہنے کی بجائے قوم کا یہ مرثیہ کہہ دیا جو اگست کے مذکورہ رسالے میں شائع ہوا)۔

۱۔ لاہور کے شالامار باغ کا ایک زرد پتا یہ کہہ رہا تھا کہ اب وہ موسم گل/بہار جس کا میں رازدار ہوں ختم ہو گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے عروج کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے۔ کبھی وہ دور بھی تھا جب مسلمان پورے برصغیر پر حکمران تھے۔ یہ گویا ان کا موسم بہار تھا جو اب نہیں رہا۔

۲۔ اب مجھے (مرجھائے ہوئے پتے کو) باغ کی سیر کرنے اور اسے دیکھنے والے اپنے

پاؤں میں نہ روندیں' اس لیے کہ میں انہی کے آشیانے کی شاخ کی یادگار ہوں۔ گویا یہی باغ کبھی ان کے (مسلمانوں کے) عروج کا ایک شاہکار تھا۔ حکمرانوں کا وہاں آنا جانا تھا۔

۳۔ ایک چھوٹے سے بچے کی اس بات نے میرے (علامہ کے) دل کو بے قرار کر دیا۔ چنانچہ یہاں چمن یا اس باغ میں آ کر میں پوری طرح بہار کا غم بن گیا ہوں۔ یعنی مجھے مسلمانوں کے عروج کا دور ختم ہو جانے پر بے حد دکھ ہے۔

۴۔ موسم خزاں میں مجھے موسم بہار کی یاد رلاتی ہے۔ یعنی آج مسلمانوں کی غلامی اور پست حالی دیکھ کر ان کے عروج کا زمانہ یاد آتا ہے تو میرا دل رونے لگتا ہے۔ بھلا اس اذیت ناک صورت حال میں مجھ غمزدہ کو عید کی خوشی کیونکر ہو سکتی ہے؟ (نہیں ہو سکتی)

۵۔ پرانے دور کے سب شراب خانے اجڑ گئے، برباد ہو گئے۔ میں گزشتہ یا ماضی کے میخواروں کی یادگار ہوں۔ وہی بات کہ ماضی کے مسلمانوں والا عروج و حکمرانی اب ختم ہو چکا جس کی بس یاد باقی رہ گئی ہے۔

۶۔ اگرچہ عید کا چاند ہم مسلمانوں کے لیے بے حد خوشی و مسرت کا باعث بنتا ہے لیکن آج وہ ہماری پست حالی اور غلامانہ زندگی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ (اس صورت میں عید پر کیا شعر لکھوں)؟

فاطمہ بنت عبداللہ

(عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی)

(۱۹۱۲ء)

(۱)

۱۔ فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

۲۔ یہ سعادت حورِ صحرائی! تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

۳۔ یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر

۴۔ یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

۵۔ اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

(۲)

۱- فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
۲- رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
۳- ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں — پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں
۴- بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعت مقصد سے میں — آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں
۵- تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور — دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موج نور
۶- جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے — جن کی ضو ناآشنا ہے قید صبح و شام سے
۷- جن کی تابانی میں انداز کہن بھی نو بھی ہے — اور تیرے کوکب تقدیر کا پرتو بھی ہے

(ستمبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت ترکی کے پاس صرف دو جنگی جہاز تھے اور وہ بھی مرمت طلب۔ نہ توپیں تھیں، نہ گولہ بارود اور نہ فوج ہی کا کوئی انتظام تھا، نہ کھانے پینے کا بندوبست۔ یہاں تک کہ مردوں کو کفن دینے اور زخمیوں کا علاج کرنے کو بھی کچھ نہ تھا۔ میدانی فوج کا راستہ انگریزوں نے مصر کی ناکہ بندی کرکے روک دیا تھا اس لیے عربوں کے دینی اور دنیاوی قائد شیخ سنوسی مرحوم نے "جہاد" کا اعلان کر دیا اور نہتے مسلمان سر سے کفن باندھ کر میدان میں آ گئے۔ اس بے کسی کے عالم میں ایک چودہ برس کی لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ جذبۂ دینی میں اپنی جان پر کھیل کر پانی کا مشکیزہ کاندھے پر اٹھائے ہوئے زخمیوں کو پانی پلاتی پھرتی تھی۔ ۱۲ نومبر ۱۹۱۲ء کو اس شیر دل عرب لڑکی کے شہید ہونے کا حال اخباروں میں شائع ہوا۔ علامہ کا دل مسلمانوں کی اس حالت زار سے بے حد متاثر تھا۔ اس خبر نے انہیں اور بھی بے قرار کر دیا اور یہ نظم لکھ دی۔ اس نظم نے فاطمہ کو زندۂ جاوید بنا دیا اور جدید دور کے نوجوانوں کو راہ عمل دکھا دی)۔

۱- اے فاطمہ بیٹی! تو ملت اسلامیہ کی، جس پر اللہ کی رحمت ہے، آبرو ہے اور تو مکمل طور پر معصومیت کی حامل یا معصومیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔
۲- اے صحرا کی حور (فاطمہ) دین کے غازیوں کو تیرا پانی پلانا تیری بہت بڑی خوش بختی تھی اور یہ عمل تیرے مقدر میں تھا۔
۳- اللہ کے راستے میں تلوار اور ڈھال کے بغیر تیرا یہ جہاد اور تیرا یہ شوق شہادت دوسروں میں بھی بے حد دلیری اور جرأت پیدا کرنے والا ہے۔
۴- اے رب کریم! ہمارے اس اجڑے باغ (مسلمانوں کی مذکورہ حالت) میں تو نے ایسی کلی (معصوم لڑکی) بھی پیدا کر دی اور ہماری خاکستر میں ایسی چنگاری بھی پیدا کر

دی۔ یہ تیرا بہت بڑا کرم ہے۔

۵۔ ابھی اپنے صحرا میں بہت سے ہرن چھپے ہوئے ہیں اور برسے ہوئے بادل میں بھی بجلیاں سوئی ہوئی ہیں۔ گویا مسلمانوں میں آج بھی فاطمہ جیسے بہت سے شیر دل اور جذبۂ شہادت سے سرشار افراد موجود ہیں جو موقع ملنے پر اپنے اس جذبے کا عملی مظاہرہ کریں گے۔

(۲)

۱۔ اے فاطمہ بلیا! اگرچہ تیری موت کے غم میں ہماری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں لیکن تیری شہادت کی خوشی و مسرت بھی ہمارے اس نالہ ماتم میں شامل ہے۔

۲۔ تیری خاک کا رقص یا تیرے جسم کا/تیرا اس جنگ میں یوں چلنا پھرنا بڑا ہی مسرت و شادمانی کا باعث بن رہا ہے۔ تیری مٹی کا ذرہ ذرہ (تیرے جسم کا ہر ہر عضو) حقیقی زندگی کے سوز و گداز سے لبریز ہے۔

۳۔ تیری خاموش قبر میں بھی کوئی شور و غوغا ہے، جس کی گود میں ایک نئی قوم تربیت پا رہی ہے۔ اگرچہ تو اب قبر میں ہے لیکن تیرا عظیم جہاد دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی وہ عظیم جذبہ پیدا کر رہا ہے۔

۴۔ اگرچہ میں ان مسلموں/نوجوان مسلمانوں کے مقصد کی وسعت سے بے خبر ہوں لیکن تیری اس تربت/قبر سے میں ان کے وجود میں آنے کی کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ یہ مسلم نوجوان تیرے اس عظیم کارنامے سے سبق حاصل کر کے خود کو تیرے جیسے جذبوں سے سرشار کریں گے۔

۵۔ آسمان کی فضا میں ایسے نئے ستارے ظاہر ہو رہے ہیں یا ہونے والے ہیں جن کی چمک اور روشنی کی لہر سے انسان کی آنکھ بے خبر ہے۔ چوتھے شعر والی بات نئے استعارے میں۔

۶۔ جو (مذکورہ ستارے، مسلم نوجوان) ابھی زمانے کی یا موجودہ دور کی تاریکیوں میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ نیا ایسے ستارے ہیں جو صبح اور شام کی پابندی سے آزاد ہیں۔

۷۔ ان کی روشنی میں پرانا انداز بھی ہے اور نیا بھی۔ ان کے جذبے ماضی کے عظیم مسلمانوں کے سے بھی ہیں اور آج کے حالات کے مطابق بھی ان میں جوش و ولولہ ہے۔ اور یہ ستارے (نوجوان مسلم) تیری تقدیر کے ستارے کا بھی عکس ہیں۔ وہ تیری ہی

راہِ عمل پر چلیں گے اور خود کو زندۂ جاوید بنا لیں گے۔

شبنم اور ستارے

(۱)

۱- اک رات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے ہر صبح نئے تجھ کو میسر ہیں نظارے
۲- کیا جانیے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے جو بن کے مٹے ان کے نشاں دیکھ چکی ہے
۳- زہرہ نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
۴- کہہ ہم سے بھی اس کشورِ دلکش کا فسانہ گاتا ہے قمر جس کی محبت کا ترانہ

(۲)

۱- اے تارو! نہ پوچھو چمنستانِ جہاں کی گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
۲- آتی ہے صبا واں سے پلٹ جانے کی خاطر بیچاری کلی کھلتی ہے مرجھانے کی خاطر
۳- کیا تم سے کہوں کیا چمن افروز کلی ہے ننھا سا کوئی شعلۂ بے سوز کلی ہے
۴- گل نالۂ بلبل کی صدا سن نہیں سکتا دامن سے مرے موتیوں کو چن نہیں سکتا
۵- ہیں مرغِ نوا ریز گرفتار، غضب ہے اگتے ہیں تہِ سایۂ گل خار، غضب ہے
۶- رہتی ہے سدا نرگسِ بیمار کی تر آنکھ دل طالبِ نظارہ ہے، محرومِ نظر آنکھ
۷- دل سوختۂ گرمیِ فریاد ہے شمشاد زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد
۸- تارے شرر آہ ہیں انساں کی زباں میں میں گریۂ گردوں ہوں گلستاں کی زباں میں
۹- نادانی ہے یہ گردِ زمیں طوفِ قمر کا سمجھا ہے کہ درماں ہے وہاں داغِ جگر کا
۱۰- بنیاد ہے کاشانۂ عالم کی ہوا پر فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

(اس نظم میں تاروں کے حوالے سے اس دنیا کے "دلکش" حالات پوچھے گئے ہیں جس پر شبنم نے ان کی امید کے خلاف اس دنیا کا وہ حال سنایا ہے جو مایوسیوں اور محرومیوں سے پُر ہے)۔

(۱)

۱- ایک رات ستارے شبنم/اوس سے یہ کہنے لگے کہ تو ہر روز صبح نت نئے نظارے دیکھتی ہے چونکہ شبنم صبح کے وقت گرتی ہے پھر پھول بھی نئے کھلتے ہیں اس لیے ایسا کہا۔

۲- خدا معلوم تو نے اب تک کتنی دنیائیں دیکھی ہیں اور پھر ایسی دنیائیں بھی تم نے دیکھی

ہیں جو آباد ہوئیں اور کچھ عرصہ بعد ناگوار حالات کے نتیجے میں مٹ گئیں۔

۳- زہرہ ستارے نے ایک فرشتے سے یہ بات سنی ہے کہ انسانوں کی بستی / دنیا آسمان سے بہت دور ہے۔

۴- تو (اے شبنم!) ہمیں اس دل کو لبھانے والے ملک / دنیا کی داستان سنا جس کی محبت کا نقش چاند کا تا رہتا ہے۔ رات کو چاند طلوع ہوتا ہے تو اسکی روشنی دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ گویا چاند دنیا کو یا اس کی دلکشی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

(۲)

۱- (اب شبنم ان کی اس بات کا جواب دیتی ہے) اے ستارو! تم مجھ سے دنیا کے باغ کے حالات نہ پوچھو (بہتر یہی ہے کہ مت پوچھو) اس لیے کہ یہ دنیا ایک باغ نہیں بلکہ آہ و فغاں کی ایک بستی ہے (اوس چونکہ باغ میں گرتی ہے اس لیے باغ کا ذکر ہے) گویا۔
کس نے جہاں میں تم کو دیکھا ہے

۲- صبح کی ہوا اگر آتی ہے تو پلٹ جانے کی لیے آتی ہے۔ کچھ دیر چلی اور پھر ختم۔ اسی طرح بیچاری کلی کھل کر پھول بنتی ہے تو وہ پھول بھی جلد ہی مرجھا جاتا ہے۔ گویا دنیا میں خوشی و مسرت بہت ہی عارضی ہے۔ انسان جلد ہی دکھوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
اس موضوع پر شعرا نے اپنے اپنے انداز میں اشعار کہے ہیں۔ مثلاً ظہیر فاریابی:۔

آسودہ دلی ز بعد مردن ہم نیست — زیرا کہ خطر در آن طرف بسیار است

ذوق کا یہ شعر گویا مذکورہ شعر کا ترجمہ ہے:۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

فغانی:۔

غم بھی گذشتنی ہے خوشی بھی گذشتنی — کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

حافظ:۔

چہ شکر گویمت اے خیل غم عفاک اللہ — کہ روز بیکسی آخر نمی روی ز سرم

داغ:۔

گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے — اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقانِ عدم نکلے

غالب:۔

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے — اردی جو نہیں تو دے نہیں ہے

شادی: خوشی و مسرت، اودی: موسم بہار دے: موسم خزاں

۳۔ (اے ستارو!) میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کلی کیسی چمن کو روشن کرنے والی ہے۔ بس یوں سمجھو کہ یہ کلی ایک ایسا چھوٹا سا شعلہ ہے جس میں کوئی سوز و گداز نہیں۔ پھول کے سرخ رنگ کو شعلہ کہا ہے۔

۴۔ پھول (جس پر بلبل عاشق ہے) بلبل کے نالہ و فریاد کی آواز ہی نہیں سن سکتا اور نہ وہ میرے موتیوں کو (قطروں کو) ہی اپنی جھولی میں ڈال سکتا ہے۔ مختلف استعاروں میں انسانوں کی خوشی وقتی اور بے بسی و بے کسی کی عکاسی ہے۔

۵۔ بڑے ہی دکھ / افسوس کی بات ہے کہ جو پرندے نغمے الاپنے والے ہیں ان کو پکڑ لیا جاتا ہے، جال میں پھنسا لیا جاتا ہے۔ یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ پھول کے سائے تلے کانٹے اگتے ہیں۔

۶۔ نرگس بیمار کی آنکھ ہر وقت تر رہتی ہے (لغت دیکھیے)۔ اگرچہ اس کا دل نظارے کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن اس کی آنکھ نظر سے محروم ہے۔

۷۔ شمشاد کا درخت فریاد کی حرارت و گرمی کے باعث دل سوختہ رہتا ہے۔ بظاہر وہ آزاد ہے لیکن درحقیقت وہ قیدی ہے۔ (لغت دیکھیے)

۸۔ انسانوں کے بقول / مطابق ستارے (یعنی تم) آہ و فریاد کی چنگاری ہیں (ان کی چمک کے حوالے سے یہ کہا ہے)' جبکہ باغ کی زبان میں یا باغ کے بقول میں (شبنم) آسمان کے آنسو ہوں۔ شبنم کے قطروں کو آنسو کہا ہے۔

۹۔ یہ جو چاند زمین کے گرد طواف کرتا (چکر کاٹتا) ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ طواف اس کے داغ جگر کا علاج ہے۔ چاند میں جو داغ سا ہوتا ہے اسے داغ جگر کہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس قسم کے ناگوار حالات کی حامل اس دنیا سے لگاؤ نہیں لگانا چاہیے۔

۱۰۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات / جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔ یہ دنیا عارضی و فانی ہے اور فضا کے کاغذ پر فریاد کی تصویر ہے۔ یعنی یہ دنیا غموں اور دکھوں کا گھر ہے۔ یہاں کسی کو بھی مستقل طور پر مسرت و شادمانی حاصل نہیں ہوتی۔

محاصرۂ ادرنہ

۱- یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑ گئی — حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
۲- گردِ صلیب گردِ قمر حلقہ زن ہوئی — شکری حصارِ درنہ میں محصور ہو گیا
۳- مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوئے تمام — روئے امید آنکھ سے مستور ہو گیا
۴- آخر امیرِ عسکرِ ترکی کے حکم سے — "آئینِ جنگ" شہر کا دستور ہو گیا
۵- ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل — شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا
۶- لیکن فقیہِ شہر نے جس دم سنی یہ بات — گرما کے مثلِ صاعقۂ طور ہو گیا
۷- "ذمی کا مال لشکرِ مسلم پہ ہے حرام" — فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
۸- چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج — مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

(ادرنہ ترکی کا ایک شہر ہے۔ قسطنطنیہ کی فتح سے پہلے یہ ترکی کا دارالخلافہ تھا۔ فروری ۱۹۱۳ء میں یہ شہر ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا' لیکن غازی انور پاشا نے جولائی ۱۹۱۳ء میں دوبارہ فتح کر لیا جس کے بعد ذمی عیسائیوں کے سامان کے سلسلے میں جو واقعہ پیش آیا، علامہ نے اسے نظم میں پیش کر دیا۔ نظم کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان بھوکا مرنا پسند کرتے ہیں لیکن جو مال ان کے لیے شرعاً جائز نہ ہو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس نظم سے ترکوں کے دل میں اسلامی شریعت کے احکام کی عظمت کا پتا چلتا ہے۔ جب یہ نظم پہلی مرتبہ چھپی تو اس کا عنوان "اسلامی رواداری" تھا)۔

۱- جب یورپ میں ترکوں اور باطل (لغت دیکھیے) کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو ترک تلوار اٹھانے اور جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۲- سولی کا گرد و غبار قمر کے گرد چھا گیا اور اس کے باعث یعنی شکری ادرنہ کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ (لغت دیکھیے)

۳- مسلم ترک سپاہیوں کے تمام ذخیرہ (خوراک وغیرہ) ختم ہو گئے اور امید کا چہرہ آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ حالات کے سنبھلنے کی کوئی امید نہ رہی۔

۴- ان حالات نے آخرکار ترک فوج کے سپہ سالار کو شہر میں مارشل لاء کا نظام نافذ کرنے پر مجبور کر دیا، شہر میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔

۵- چنانچہ شہر میں جو کچھ بھی تھا اسے لشکر کے ذخیرے میں منتقل کر دیا گیا۔ گویا شاہین، چڑیا کے دانے کا گداگر بن گیا۔ (لغت دیکھیے)

۶۔ لیکن جب شہر کے فقیہ (شرعی مسائل سے آگاہ اور ان میں اجتہاد کرنے والے) نے یہ بات سنی تو وہ غضب ناک ہو کر طور سینا کی بجلی بن گیا۔ انتہائی جوش و غضب میں اس نے یہ فتویٰ دیا کہ ''مسلم لشکر پر ذمی کا مال حرام ہے۔'' چنانچہ اس کا یہ فتویٰ پورے شہر اور شہر میں مشہور ہو گیا۔

۷۔ اس فتوے کا یہ اثر ہوا کہ مسلم فوج نے یہود و نصاریٰ کی اشیا وغیرہ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ یہ فتویٰ چونکہ خدائی حکم کے باعث تھا اس لیے ترک فوجیوں نے خدا کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیا اور بھوکا مرنا پسند کر لیا لیکن کسی بھی شے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

غلام قادر رہیلہ

۱۔ رہیلہ کس قدر ظالم، جفا جو، کینہ پرور تھا
نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے

۲۔ دیا اہلِ حرم کو رقص کا فرماں ستمگر نے
یہ اندازِ ستم کچھ کم نہ تھا آثارِ محشر سے

۳۔ بھلا تعمیل اس فرمانِ غیرت کش کی ممکن تھی
شہنشاہی حرم کی نازنینانِ سمن بر سے؟

۴۔ بنایا آہ! سامانِ طرب بیدرد نے ان کو
نہاں تھا حسن جن کا چشمِ مہر و ماہ و اختر سے

۵۔ لرزتے تھے دلِ نازک، قدم مجبورِ جنبش تھے
رواں دریائے خوں شہزادیوں کے دیدۂ تر سے

۶۔ یونہی کچھ دیر تک محوِ نظر آنکھیں رہیں اس کی
کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بارِ مغفر سے

۷۔ کمر سے، اٹھ کے تیغِ جاں ستاں، آتش فشاں کھولی
سبق آموزِ تابانی ہوں انجم جس کے جوہر سے

۸۔ رکھا خنجر کو آگے، اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا
تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشمِ احمر سے

۹۔ بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی دردانگیز منظر سے

۱۰۔ پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
شکایت چاہیے تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے

۱۱۔ مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
کہ غفلت دور ہے شانِ صف آرایانِ لشکر سے

۱۲۔ یہ مقصد تھا مرا اس سے، کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

۱۳۔ مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

(غلام قادر خاں، نواب ضابطہ خاں کا بیٹا اور امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کا پوتا تھا جس نے مرہٹوں کا اقتدار ختم کرنے کے لیے احمد شاہ ابدالی سے کمک لی تھی۔ چنانچہ پانی پت کی تیسری لڑائی ۱۷۶۱ء کے بعد بھارت میں مرہٹوں کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا تھا۔ جب تک نواب نجیب الدولہ زندہ رہے

مرہٹوں کو سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ ۱۷۷۰ء میں نواب فوت ہوئے تو مرہٹوں نے پہلے شاہ عالم ثانی کے وزیر بخت علی خاں کو اپنی طرف ملا لیا، پھر شاہ عالم کو بھی کسی طور ہموار کر لیا۔ چنانچہ شاہ عالم نے مرہٹوں کا آلۂ کار بن کر ۱۷۷۲ء میں روہیلوں پر حملہ کر دیا اور پتھر گڑھ کے قلعے کا اتنا سخت محاصرہ کیا کہ آخر روہیلوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اب مرہٹے اور شاہ عالم کے فوجی روہیلہ عورتوں کو گھسیٹ کر اپنے خیموں میں لے گئے اور ان کی شدید بے حرمتی کی۔ غلام قادر خاں نے یہ دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا' لیکن ۱۲، ۱۳ سال کا بچہ ہونے کے باعث کچھ نہ کر سکا تاہم انتقام کے لیے موقع کا منتظر رہا۔ ۱۷۶۶ء میں قدرت نے جب اسے موقع دیا تو اس نے شاہ عالم کی آنکھیں تو نکال دیں لیکن اس کے کنبے کی عورتوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کی)۔ (وفات ۱۷۸۸ء)

۱- اے رہیلہ! تو تو بڑا ظالم، جفا جو اور کینہ پرور نکلا اس لیے کہ تو نے تیموری بادشاہ (شاہ عالم ثانی) کی آنکھیں خنجر سے نکالیں۔ (اس نظم کے مشکل الفاظ کے معنی لغت میں دیکھیے)۔

۲- پھر تو نے اہل حرم کو رقص کرنے/ناچنے کا حکم دیا جو ان خواتین کی ذلت کا باعث تھا۔ تیرا ظلم و ستم کا یہ انداز قیامت کے آثار/علامتوں سے کسی صورت بھی کم نہ تھا۔ باعزت خواتین کو بازاری عورتوں کی طرح نچوانا ان کے لیے قیامت ہی تھی۔

۳- (تو خود ہی سوچ کر) اس غیرت کش حکم کی تعمیل بھلا شاہی حرم کی سمن بر نازنینوں سے ممکن ہو سکتی تھی؟

۴- بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس (رہیلہ) ظالم و ستمگر نے ان خواتین کو اپنی عیاشی کا سامان بنایا جن کا حسن سورج، چاند اور ستاروں تک کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ وہ بہت باپردہ خواتین تھیں۔

۵- اس کے اس حکم کی بنا پر ان شہزادیوں کے نازک دل کانپ رہے تھے اور پاؤں حرکت کرنے (ناچ کرنے) پر مجبور تھے اور ان کی آنکھوں سے گویا خون کے دریا بہہ رہے تھے۔

۶- کچھ دیر تک رہیلہ کی نظریں اس (افسوسناک) منظر پر جمی رہیں۔ پھر گھبرا کر اس نے اپنے سر پر سے مغفر اتار دیا۔

۷- پھر اٹھ کر اس نے اپنی کمر سے جاں ستاں آتش فشاں تلوار کھولی۔ اس کی یہ تلوار اتنی چمکدار تھی کہ ستاروں کی چمک بھی اس کے آگے ماند تھی۔ ستارے اس کی چمک سے چمکنے کا سبق لیتے تھے۔

۸- اس نے خنجر اپنے آگے رکھا اور پھر کچھ سوچ کر لیٹ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے نیند اس کی

سرخ آنکھوں سے تقاضا کر رہی ہے۔ بظاہر لگتا تھا کہ اسے نیند آ رہی ہے لیکن دراصل وہ کچھ آزمانے کی خاطر دکھاوے کی نیند کرنے لگا تھا۔

۹۔ نیند کے پانی نے اس کی آنکھوں کی چنگاریاں بجھا دیں۔ آنکھوں کی سرخیاں ٹھنڈی پڑ گئیں (ختم ہو گئیں)۔ شہزادیوں کے رقص کا یہ دردناک منظر دیکھ کر اس ظالم کی نظر شرما گئی۔

۱۰-۱۱ پھر وہ اٹھا اور ان افغان شہزادیوں سے یوں کہنے لگا کہ تمہیں اپنے مقدر/نصیبے کی شکایت نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ میں جو مسند پر سو گیا تو یہ دراصل محض ایک تکلف تھا، بناوٹ تھی' کیونکہ لشکر کے صف آراؤں کا غافل رہنا ان کی شان کے خلاف ہے۔

۱۲-۱۳ میرا اس دکھاوے کی نیند سے یہ مقصد تھا کہ کوئی تیمور کی بیٹی (افغان شہزادی) مجھے غافل سمجھ کر میرے اس خنجر سے مجھے مار ڈالے' لیکن آخر یہ راز ساری دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ جس چیز کا نام غیرت و حمیت ہے وہ اب تیمور یعنی مغلیہ خاندان میں نہیں رہی۔ اگر تم میں غیرت ہوتی تو تم فوراً مجھ کو قتل کر دیتیں۔

ایک مکالمہ

۱۔ اک مرغ سرا نے یہ کہا مرغ ہوا سے — پردار اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پردار؟
۲۔ گر تو ہے ہوا گیر تو ہوں میں بھی ہوا گیر — آزاد اگر تو ہے' نہیں میں بھی گرفتار
۳۔ پرواز خصوصیت ہر صاحب پر ہے — کیوں رہتے ہیں مرغان ہوا مائل پندار!
۴۔ مجروح حمیت جو ہوئی مرغ ہوا کی — یوں کہنے لگا سن کے یہ گفتار دل آزار
۵۔ کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی — حد ہے تری پرواز کی لیکن سر دیوار
۶۔ واقف نہیں تو ہمت مرغان ہوا سے — تو خاک نشیمن' انھیں گردوں سے سروکار
۷۔ تو مرغ سرائی، خورش از خاک بجوئی — ما در صدد دانہ بہ انجم زدہ منقار

(اس میں علامہ نے کوے اور شاہین کی گفتگو بیان کر کے اس استعارہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کی عظمت و بزرگی اس کی بلند ہمتی پر موقوف ہے)۔

۱۔ ایک مرغ سرا نے فضا میں اڑنے والے ایک پرندے سے یہ کہا کہ اگر تو پروں والا ہے تو کیا میرے پر نہیں ہیں؟ میں بھی پروں والا اور اڑ سکتا ہوں۔

۲۔ اگر تو فضا میں اڑنے والا ہے تو میں بھی تو فضا میں اڑتا ہوں اور اگر تو آزاد ہے تو میں

تو کسی کی قید میں نہیں ہوں، آزادی سے اڑ سکتا ہوں۔

۳- بات یہ ہے کہ جو بھی پروں والا ہے' اڑنا اس کی خصوصیت ہے۔ پھر تم فضا (کی بلندیوں) میں اڑنے والے غرور و تکبر میں کیوں رہتے ہو؟

۴-۵ مرغ سرا کی یہ دل آزار بات سن کر فضا کے پرندے کی غیرت و حمیت کو سخت ٹھیس پہنچی۔ چنانچہ جواب میں وہ بولا کہ ٹھیک ہے پرواز میں تو بھی آزاد ہے لیکن یہ بھی تو دیکھ کہ تیری پرواز صرف گھروں کی دیواروں تک ہی محدود ہے۔ اس سے اونچا نہ تو اڑتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے۔

۶- تجھے یہ خبر ہی نہیں ہے کہ فضا میں اڑنے والے پرندے کس قدر بلند ہمت ہیں' اس لیے کہ تو تو خاک نشین ہے (تیرا گھونسلا یا ٹھکانا زمین کے قریب ہی ہوتا ہے) جبکہ وہ آسمان سے سروکار رکھتے ہیں۔ یعنی بلند فضاؤں میں اڑتے ہیں۔

۷- تو تو ایک مرغ سرا ہے اور اپنا دانہ دنکا مٹی میں تلاش کرتا ہے جبکہ ہم مرغان ہوا اپنے دانے دنکے کی خاطر ستاروں پر چونچ مارتے ہیں۔ گویا ہر صورت میں بلند پروازی ہماری عادت و خصلت ہے جس سے تو محروم ہے۔

میں اور تو

۱- مذاقِ دید سے نا آشنا نظر ہے مری
ترِی نگاہ ہے فطرت کی راز داں' پھر کیا؟

۲- رہینِ شکوۂ ایام ہے زباں مری
تری مراد پہ ہے دورِ آسماں، پھر کیا؟

۳- رکھا مجھے چمن آوارہ مثلِ موجِ نسیم
عطا فلک نے کیا تجکو آشیاں، پھر کیا؟

۴- فروں ہے سود سے سرمایۂ حیات ترا
مرے نصیب میں ہے کاوشِ زیاں، پھر کیا؟

۵- ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے
مرا جہاز ہے محرومِ بادباں، پھر کیا؟

۶- قوی شدیم، چہ شد، ناتواں شدیم چہ شد؟
چنیں شدیم، چہ شد، یا چناں شدیم، چہ شد؟
بہ ہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست
تو گر بہار شدی، ما خزاں شدیم، چہ شد؟

(اس عنوان سے علامہ نے دو نظمیں کہی ہیں، یہ پہلی نظم ہے اس میں انہوں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ دنیا میں کوئی آرام سے یا تکلیف سے زندگی گزارے آخر کار دونوں کا انجام یہی ہے کہ وہ زندہ نہیں رہیں گے اور دونوں کے نصیب میں قبر کی دو گز زمین کے سوا کچھ نہ ہوگا)۔

۱۔ اگر میری نظریں دیکھنے یا نظارہ کرنے کے ذوق سے ناواقف ہیں اور تیری نگاہیں فطرت/قدرت کی راز دار ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لیے کہ انجام تو دونوں کا ایک ہے۔

۲۔ اگر میری زبان ہر وقت زمانے کی شکایت پر لگی رہتی ہے (میری مرادیں پوری نہیں ہوتیں) اور آسمان کی گردش تیری مراد و خواہش کے مطابق ہے تو پھر کیا ہوا۔ کوئی بات نہیں۔

۳۔ اگر آسمان/مقدر نے مجھے ہوا کی لہر کی طرح چمن میں آوارہ رکھا ہے اور آسمان نے تجھے آشیانہ عطا کیا ہے، تو کیا ہوا، جس کا کوئی ٹھکانا نہیں اور جو صاحب کاشانہ ہے دونوں کا انجام موت ہے۔ بقول میرزا شوق لکھنوی:

موت سے کس کو رستگاری ہے | آج وہ کل ہماری باری ہے
اونچے اونچے مکان تھے جن کے | آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

(مثنوی زہر عشق)

بقول علی احسان:

کرائے ہمارے چلتے گویاں سب بیٹھے ہیں | بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

۴۔ اگر تیری زندگی کا سرمایہ سراسر نفع و فائدہ سے بھرپور ہے یعنی تیری زندگی بڑی خوشحالی میں گزر رہی ہے اور میرے نصیب میں اگر نقصان کی تکلیف ہے (میری زندگی مصیبتوں میں گزر رہی ہے) تو پھر کیا ہوا۔ انجام تو ہم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۵۔ اگر فضا میں تیرے ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں اور میری کشتی بادبان سے بھی محروم ہے تو کیا ہوا (شعر ۳ والی بات)

۶۔ اگر ہم مضبوط و طاقتور ہو گئے تو کیا ہوا اور اگر ناتوان و کمزور ہو گئے تو کیا ہوا۔ ہم اگر ایسے ہو گئے تو کیا ہوا اور ویسے ہو گئے تو کیا ہوا (اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس لیے کہ) اس باغ/دنیا میں کسی صورت بھی قرار و بقا نہیں ہے۔ اگر تو بہار ہو گیا تو کیا ہوا، ہم خزاں ہو گئے تو کیا ہوا۔ ہم دونوں کا انجام تو ایک ہی ہے۔

تضمین بر شعر ابوطالب کلیم

۱۔ خوب ہے تجھ کو شعار صاحب یثرب کا پاس | کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
۲۔ جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں گردوں تھا اسیر | اے سلیماں! تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں

۳۔ وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح ہو گئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبیں
۴۔ دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں
۵۔ تیرے آبا کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے ہے وہی باطل ترے کاشانۂ دل میں مکیں
۶۔ غافل! اپنے آشیاں کو آکے پھر آباد کر نغمہ زن ہے طورِ معنی پر کلیم نکتہ بیں
۷۔ ”سرکشی باہر کہ کردی رام او باید شدن شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی آنجا نشیں“

(اس نظم میں علامہ نے مسلمانوں کو ان کی اس غفلت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے اسلامی شریعت کی صحیح سمتوں میں پیروی سے کیوں بے اعتنائی کی ہے۔ اسی غفلت و بے اعتنائی کے باعث وہ زبوں حال ہیں۔ اگر وہ پھر سچے مسلمان کے اوصاف پیدا کر لیں تو انہیں پھر وہی سابقہ عزت وعظمت حاصل ہو جائے گی)۔

۱۔ اے آج کے مسلمان! تجھے حضور اکرمؐ کے شعار (شریعت) کا قطعاً کوئی خیال/لحاظ نہیں ہے۔ تیری زندگی یعنی تیرے زندگی گزارنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تو ایک سچا مسلمان نہیں ہے۔

۲۔ اے سلیماں (آج کے مسلم) کبھی وہ وقت بھی تھا جب آسمان تیری انگوٹھی کے حلقے میں اسیر تھا، یعنی ماضی کے مسلمانوں نے اپنے جہد وعمل سے اپنی تقدیر سنواری اور صاحب بنا ہے؛ لیکن آج تیری غفلت سے وہ نگیں ہی گم ہو گیا ہے۔ تو پستی و ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

۳۔ کبھی (ماضی میں) مسلمان سچے اور مخلص جذبے کے ساتھ خدا کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔ ان کے سجدوں کے نشان ستاروں کی طرح روشن/چمکدار ہوتے تھے لیکن اب تیری پیشانی ہی ایسے سجدوں سے ناآشنا ہے۔ تیرے سجدے محض دکھاوے کے رہ گئے ہیں ان میں دلی خلوص کی چمک نہیں رہی۔

۴۔ ذرا تو اپنے اعمال پر تو نظر ڈال اور دیکھ کہ ان میں تجھے وہ صداقت نظر آتی ہے جس کی بیباکی بڑی حیرت کی حامل ہوتی تھی۔ یعنی تو ماضی کے مسلمانوں کے سے اور شریعت کے مطابق اعمال سے دور ہو گیا ہے۔

۵۔ تیرے اسلاف کی نگاہ جس باطل کے لیے بجلی کی صورت تھی (انہوں نے غیر اللہ سے سروکار نہ رکھا اور مادی و باطل قوتوں کو مٹایا) آج وہی باطل تیرے دل کے محل میں مقیم ہے۔ تو مادی فوائد کے حصول میں محو ہے اور باطل قوتوں ہی سے تعلق رکھا ہوا ہے۔

۶- اے آج کے غافل مسلمان! تو پھر آ کر اپنا آشیاں آباد کر (پھر شریعت پر عمل پیرا ہو کر اپنی عظمت کا سامان کر لے۔ حق گوئی کی روشن بلندی پر نکتہ بیں کلیم (ابو طالب کلیم) شاعر بڑی زوردار بات کہہ رہا ہے۔

۷- جس (یعنی اللہ و رسول اکرمؐ) سے تو نے سرکشی کی ہے' تجھے اس کا مطیع ہو جانا چاہیے اور شعلے کی طرح تو جس جگہ سے اٹھا ہے وہیں بیٹھ جا (شعلہ جس لکڑی وغیرہ سے اٹھتا ہے بجھ کر اسی میں بیٹھ جاتا ہے)۔ گویا پھر توحید و شریعت پر عمل پیرا ہو جا تاکہ تجھے عزت و عظمت حاصل ہو۔

شبلی اور حالی

۱- مسلم سے ایک روز یہ اقبال نے کہا
"دیوانِ جزو وکل میں ہے تیرا وجود فرد

۲- تیرے سرودِ رفتہ کے نغمے علوم نو
تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد

۳- پتھر ہے اس کے واسطے موجِ نسیم بھی
نازک بہت ہے آئینۂ آبروئے مرد

۴- مردانِ کار ڈھونڈ کے اسبابِ حادثات
کرتے ہیں چارۂ ستم چرخِ لاجورد

۵- پوچھ ان سے جو چمن کے ہیں دیرینہ رازدار
کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن سے ہم نبرد"

۶- مسلم مرے کلام سے بیتاب ہو گیا
غماز ہو گئی غمِ پنہاں کی آہِ سرد

۷- کہنے لگا کہ "دیکھ تو کیفیتِ خزاں
اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد

۸- خاموش ہو گئے چمنستاں کے رازدار
سرمایۂ گداز تھی جن کی نوائے درد

۹- شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہلِ گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

۱۰- "اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد"

(علامہ نے ان دو مشہور ادیب و مورخ مولانا شبلیؒ اور مایہ ناز شاعر اور نقاد مولانا حالی کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ پہلے شبلیؒ نے وفات پائی' پھر ڈیڑھ ماہ بعد حالی بھی دنیا سے رخصت ہو گئے)۔

۱- ایک روز اقبال نے مسلمان (آج کے مسلم) سے یہ کہا کہ کائنات / عالم کی کتاب میں تیرا وجود بے مثل ہے۔ ایک سچا مسلمان توحید و شریعت پر عمل کے باعث عزت و عظمت میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

۲- یہ آج کے علوم تیرے سرود رفتہ کے نغمے ہیں (لغت دیکھیے)' اور آج کی تہذیب تیرے پرانے قافلوں کی گرد ہے (لغت دیکھیے)۔

۳- آدمی کی آبرو کا آئینہ بہت نازک ہے' چنانچہ اس کے واسطے ہوا کی لہر بھی پتھر کی مانند ہے۔ معمولی سی غفلت اور بے عملی بھی اس کے وقار کو بے حد ٹھیس پہنچاتی ہے۔

۴- جو باعمل اور بہادر و غیرت مند انسان ہیں وہ حادثات کی وجوہات پر توجہ کر کے اس نیلے آسمان کے ظلم وستم کا علاج کرتے ہیں۔ وہ اپنے جہد و عمل سے اپنا مقدر خود سنوارتے ہیں۔ آسمان کی گردش یا نصیبے کی شکایت نہیں کرتے۔

۵- ذرا تو چمن کے ان پرانے رازداروں سے یہ معلوم کر کہ خزاں کیوں تیرے باغ سے جنگ آزما ہوئی۔ تو جو آج ذلت و پستی اور غلامی کا شکار ہے تو اس کی وجہ تجھے ان حضرات (شبلی و حالی) کی کتابوں سے معلوم ہو جائے گی۔

۶- میری یہ بات سن کر مسلم بے قرار ہو گیا اور اس کی ٹھنڈی آہ اس کے دلِ غم کا پتا دے رہی تھی۔

۷- وہ بولا کہ ذرا تو خزاں کی کیفیت تو دیکھ کہ زندگی کے درخت کے پتے پیلے پڑ گئے ہیں۔ اشارہ ہے شبلی اور حالی کی طرف۔

۸- باغ کے راز دان خاموش ہو گئے ہیں' جن کی نوائے درد سوز و گداز کا سرمایہ تھی۔ یعنی یہ دونوں جو عاشقانِ رسول اکرمؐ، توحید پر عمل پیرا اور قوم کے ہمدرد تھے، فوت ہو گئے ہیں۔

۹- ابھی اہل باغ (اہل ملت) شبلیؒ کی وفات کے غم میں رو رہے تھے کہ حالیؔ بھی فردوس کو چل دیئے۔

۱۰- اب ان دونوں مرحومین کے غم مفارقت / جدائی میں کس کو اتنا ہوش ہے کہ وہ باغباں سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا۔ گویا باغ / ملت کے حالات سے باخبر رہنے کا کسی کو ہوش نہیں۔ مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات پر قوم کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔

ارتقا

۱- ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

۲- حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز | سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
۳- سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی | ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی
۴- کشاکشِ زم و گرما، تپ و تراش و خراش | ز خاکِ تیرہ دروں تابہ شیشۂ حلبی
۵- مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشید | میانِ قطرۂ نیسان و آتشِ عنبی
۶- اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام | یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی
۷- ”مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند | ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“

(اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ترقی / ارتقا دنیا کا ایک فطری قانون ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان مسلسل جہد و عمل اور سعی و کوشش میں لگا رہے۔ اس کے ثبوت میں علامہ نے کائنات کے فطری نظام کو پیش کیا ہے)۔

۱- ازل سے آج تک شرار بولہبی، چراغ مصطفوی سے برسرپیکار رہا ہے (لغت دیکھیے)۔ گویا باطل قوتیں ہر دور میں حق کے خلاف نبرد آزما رہی ہیں اور آج بھی ہیں۔

۲- زندگی (حقیقی زندگی) شعلے کی طرح گرم، غیرت مند اور شور پیدا کرنے والی یعنی قوت عمل کو جوش میں لانے والی ہے۔ ایسی زندگی فطرتاً مشکلوں دشواریوں کو پسند کرتی اور ظلم و سختی کو دعوت دیتی ہے۔ وہ دلیری سے جور و جفا کا مقابلہ کرتی ہے۔

۳- شام / رات کی خاموشی سے لے کر صبح کے وقت کے نغمے / رونق تک آدھی رات میں اٹھ کر آہ و فغاں کرنے کے ہزاروں مرحلے ہیں۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ جہد و عمل کی راہ پر جب انسان گامزن ہو جائے تو اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں رہتی، وہ مسلسل اس میں لگا رہتا ہے کہ اسی سے عظمت و بقا کا سامان ہوتا ہے۔

۴- تاریک باطن والی مٹی (جس کا دل یا باطن کالا اور جو اندر سے بھی سیاہ ہے) سے شیشۂ حلبی تک سردی اور گرمی کے موسموں کی کشمکش اور متضاد قسم کی اثر اندازی اور چھیلنے اور کھرچنے کا عمل (جو حلبی مٹی کو آئینہ بنانے تک اس مٹی کے ساتھ کیا جاتا ہے) جاری رہتا ہے۔ (شیشۂ حلبی: ملک شام کا ایک شہر حلب، جہاں کی مٹی سے کیمیاوی عمل کے ذریعے شیشہ بنایا جاتا تھا۔ حلب کی مٹی سے بنا ہوا آئینہ)۔ مراد جہد و عمل سے معمولی انسان بھی باعظمت بن جاتا ہے۔

۵- قطرۂ نیساں اور آتش عنبی (لغت دیکھیے) میں باہمی بست و شکست اور فشار اور سوز و کشید کا مقام ہے (لغت دیکھیے)۔ (ان مثالوں کے حوالے سے اب اصل موضوع

کی بات ہے)۔

۶۔ اسی کشاکشِ مسلسل (لگاتار جدوجہد) ہی کے باعث قومیں زندہ ہیں اور یہی ملت اسلامیہ کے جوش و خروش/سرگرمی اور ان کی ترقی کا راز ہے۔

۷۔ شراب فروش جو دانۂ انگور سے شراب بناتے ہیں تارے (انگور) کو کچلتے ہیں اور اسے آفتاب بنا دیتے ہیں (آفتاب کے ایک معنی شراب کے بھی ہیں) پچھلے شعر والی بات نئے استعارے میں۔ یہ شعر ایرانی شاعر فرح اللہ شوشتری کا ہے۔

صدیقؓ

(۱)

۱۔ اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحابؓ سے کہا ——— "دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار"
۲۔ ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے ——— اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
۳۔ دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور ——— بڑھ کے رکھے گا آج قدم میرا راہوار
۴۔ لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس ——— ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
۵۔ پوچھا حضورِ سرورِ عالمؐ نے "اے عمرؓ! ——— اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
۶۔ رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟ ——— مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار"
۷۔ کی عرض "نصف مال ہے فرزند و زن کا حق ——— باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار"

(۲)

۱۔ اتنے میں وہ رفیقِ نبوتؐ بھی آ گیا ——— جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
۲۔ لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت ——— ہر چیز، جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
۳۔ مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس ——— اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
۴۔ بولے حضورؐ "چاہیے فکرِ عیال بھی" ——— کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
۵۔ "اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر ——— اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
۶۔ پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ——— صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس"۔

(جیسا کہ واضح ہے علامہ نے اس نظم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایثار کا مشہور واقعہ پیش کیا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اس سلسلے میں ان سے بڑھ کر خدمت اسلام کرنا چاہتے تھے لیکن بات نہ بن سکی)۔

(۱)

۱۔ ایک روز رسول پاکؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے یہ فرمایا کہ "تم میں جو کوئی بھی مال دار امیر ہے وہ خدا کی راہ میں کچھ مال دے"۔

۲۔ حضور اکرم کا یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت عمرؓ بڑی خوشی و مسرت کے ساتھ اٹھے۔ اس روز ان کے پاس کئی ہزار درہم تھے۔

۳۔ وہ (حضرت عمرؓ) دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ آج میرا گھوڑا بہر طور صدیقؓ سے بڑھ کر قدم رکھے گا۔ یعنی راہ حق میں مال ادا کرنے میں ان سے بڑھ جاؤں گا۔

۴۔ چنانچہ وہ اپنا مال لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قربانی اور سخاوت کسی کام کے آغاز کی محتاج ہے۔ اس کا آغاز ہو جائے تو دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کام (ایثار) میں شامل ہونے لگتے ہیں۔

۵-۶ حضور اکرم سرور عالمؐ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اے عمرؓ! جوشِ حق کی بنا پر تیرا دل قرار پاتا ہے' کیا تو نے اپنے بال بچوں کے لیے بھی کچھ رکھا ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ ایک مسلمان اپنے عزیز و اقارب کے حق کا بھی خیال رکھتا ہے، یا اسے خیال رکھنا چاہیے۔

۷۔ حضورؐ اکرم کے اس ارشاد گرامی کے جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ اپنے پاس (مال و دولت) ہے اس کا نصف / آدھا زن و فرزند کا حق ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ اپنی ملت بیضا (روشن ملت، ملت اسلامیہ) پر نثار ہے۔

(۲)

۱۔ اسی دوران میں حضور اکرمؐ کے خاص ساتھی (حضرت صدیقؓ) بھی آ گئے' جن سے عشق و محبت کی بنیاد مضبوط ہے۔ انہیں حضور اکرمؐ سے بے حد محبت تھی۔

۲۔ وہ بے حد وفادار دلیر انسان اپنے ساتھ ہر وہ چیز (سب کچھ) لے آیا جس سے دنیا کی آنکھوں میں کسی کی ساکھ بن سکتی ہے۔ (ان چیزوں کا ذکر اگلے شعر میں)

۳۔ غلام اور درہم و دینار، ساز و سامان، غلہ، اناج، قسم قسم گھوڑا، اونٹ، خچر اور گدھا: یہ سب کچھ لا کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۴-۶ حضورؐ نے فرمایا کہ بال بچوں کا بھی کچھ خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس پر وہ عشق و محبت کے رازدار (سراپا عشق و محبت صدیقؓ) بولے کہ اے (حضور اکرمؐ) آپؐ ہی کی بدولت چاند ستارے روشن ہیں اور آپؐ ہی کے طفیل یہ کائنات وجود میں آئی۔ جس طرح پروانے کے

لیے چراغ اور بلبل کے لیے پھول ہی سب کچھ ہے (ایک عاشق کے لیے محبوب کی ذات ہی سب کچھ ہے) اسی طرح صدیقؓ کے لیے خدا کے رسول اکرمؐ ہی سب کچھ ہیں۔

تہذیب حاضر

(تضمین بر شعر فیضی)

۱۔ حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں — بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی

۲۔ کیا ذرہ کو جگنو دے کے تاب مستعار اس نے — کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی

۳۔ نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے — یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بیباکی

۴۔ تغیر آ گیا ایسا تدبر میں، تخیل میں — ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

۵۔ کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن — مناظر دل کشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

۶۔ حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا — رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

۷۔ فروغ شمع نو سے بزم مسلم جگمگا اٹھی — مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ ادراکی

۸۔ "تو اے پروانہ! ایں گرمی ز شمع محفلے داری — چو من در آتش خود سوز اگر سوز دلے داری"

(اس نظم میں علامہ نے مغربی/ یورپی تہذیب کی خرابیاں بیان کی ہیں اور یہ کہا ہے کہ مسلمان اسے نہ اپنائیں۔ اس سے دور ہی رہیں)۔

۱۔ جدید تہذیب کی شراب میں حد سے زیادہ گرمی ہے۔ اس سے مسلم کا جسم شعلہ بن کے بھڑک اٹھا ہے، یورپی تہذیب نے مسلمانوں کو بالخصوص نوجوانوں کو بہت بری طرح متاثر کیا اور ان کا طرز زندگی غیر اسلامی کر دیا ہے۔

۲۔ اس نے ادھار کی چمک دے کر ذرے کو جگنو بنا دیا، ذرا اس چمک دمک دکھانے والے سورج کی کوئی شوخی تو دیکھے۔ جگنو ادھر چمکتا ہے ادھر فوراً تاریک ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس تہذیب کی ظاہری اور عارضی چمک سے مسلمان کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گیا ہے اور یہ اچھی بات نہیں۔

۳۔ اس تہذیب کو اپنا کر مسلم نوجوانوں کی طبیعت میں نئے انداز/ طور طریقے پیدا ہو گئے ہیں؛ جو کچھ اس طرح ہیں: ظاہری خوبصورتی/ چمک دمک، بیداری، مادر پدر آزادی اور بیباکی، ایسی بے خوفی کہ بڑوں کی عزت و احترام کا بھی انہیں کوئی خیال نہیں ہوتا۔

۴- ان (مسلموں) کے غور و فکر اور سوچ بچار میں اس قدر تبدیلی آ گئی ہے کہ وہ باغ میں کلیوں کی جگہ چاپی کو بھی ہنسی سمجھتے ہیں۔ انہیں کسی کی تکلیف کا بھی احساس نہیں ہے۔

۵- تہذیب حاضر کا نیا نیا شوق رکھنے والے نوجوانوں نے اپنے گھروں کے طور طریقے یکسر بھلا دیئے' لیکن جادوگر کی چالاکی انہیں دل کشا منظر دکھا گئی۔ اس تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے ہمارے نوجوانوں کو کچھ زیادہ ہی اپنا فریفتہ بنا لیا ہے۔

۶- نئی تہذیب کی زندگی اپنے ساتھ کیسی کیسی لذتیں لائی ہے (طنزاً ایسا کہا ہے کیونکہ اگلے مصرع میں ان برائیوں کا ذکر ہے جنہیں لذتیں کہا گیا ہے)۔ مثلاً باہمی دشمنی و کینہ، خود فروشی، ناشکیبائی اور ہوسناکی (لغت دیکھیے)۔

۷-۸ نئی شمع (تہذیب حاضر) کی چمک سے بزم مسلم جگمگا اٹھی ہے (طنزیہ بات) لیکن اس شمع کے پروانوں (مسلم نوجوانوں) سے میری کہنہ اور اک یہ کہتی ہے اکہہ رہی ہے کہ اے پروانے! تیری یہ سرگرمی ایک دوسری محفل (تہذیب مغرب) سے مستعار / ادھار لی ہوئی ہے، اگر تیرے دل میں واقعی کوئی لگن ہے تو اپنی آگ میں خود کو جلا ڈال۔ یعنی مغربی تہذیب سے کنارہ کشی اختیار کر اور اسلامی تعلیمات و روایات پر عمل پیرا ہو جا۔ فیضی کا یہ شعر اس کی اس مقطع والی غزل سے ہے:

شدی فیضی شہید یار' شرمت باد اگر نالی
بحشر ایں خونبہایت بس کہ چون او قاتلی داری

والدہ مرحومہ کی یاد میں

(۱)

۱- ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے — پردۂ مجبوری و بیچارگی تقدیر ہے
۲- آسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں — انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
۳- ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں — سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں
۴- نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر — ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر

(۲)

۱- آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں — خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں

۲- قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں　　نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
۳- علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے　　یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے
۴- گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں　　آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عنابی نہیں
۵- جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز　　ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
۶- میرے لب پر قصۂ نیرنگیِ دوراں نہیں　　دل مرا حیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
۷- پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے　　آہ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے

(اس نظم میں جیسا کہ واضح ہے اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے اور ضمناً حیات و موت کے فلسفہ پر بھی روشنی ڈالی ہے جسے استعاروں میں لیکن عام فہم لفظوں میں بیان کر دیا ہے)۔

(۱)

۱- کائنات کا ہر ہر ذرہ تقدیر کا پابند ہے اور یہ تقدیر مجبوری اور بے بسی کا پردہ ہے۔ اس تقدیر میں مخلوق اور انسانوں کی بے اختیاری چھپی ہے۔

۲- آسماں بھی مجبور ہے اور سورج اور چاند بھی مجبور ہیں۔ سیماب پا ستارے گردش کرنے پر مجبور ہیں۔ گویا اس کائنات میں سب کچھ اس مختارِ کل کی رضا کے مطابق ہوتا ہے۔

۳- باغ میں پھول (گل) کے پیالے کا انجام اس کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ہے۔ کلی کھل کر پھول بنتی ہے پھر وہ پھول مرجھا جاتا ہے۔ سبزہ اور پھول بھی باغ میں کھلنے پھولنے پر مجبور ہیں۔

۴- خواہ وہ بلبل کی چہچہاہٹ ہو اور خواہ ضمیر کی خاموش آواز (دل یا ضمیر میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں) ہر شے اسی عالمگیر زنجیر (تقدیر) میں جکڑی ہوئی ہے۔ سب کچھ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲)

۱- جب آنکھ پر اس مجبوری کا بھید ظاہر ہو جاتا ہے تو دل میں آنسوؤں کا رواں طوفان خشک ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان ہر بات کو اپنا مقدر سمجھتے ہوئے ”سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے“ کا نمونہ بن جاتا ہے۔

۲- انسان کے دل میں خوشی و مسرت اور غم و الم کا رقص نہیں رہتا۔ بس یوں سمجھو کہ نغمہ رہ جاتا ہے اس کے نیچے اونچے سُر نہیں رہتے۔ گویا دل رہتا ہے اور مسرت و غم کا سلسلہ تقدیر کے حوالے سے ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں ایسے جذبات نہیں رہتے۔

۳- علم و حکمت اشک و آہ کا لٹیرا ہے۔ گویا دلِ آگاہ محض الماس کا ایک ٹکڑا ہے۔ علم و

حکمت اور اس کی بنا پر اسباب و حقائق سے باخبر دل انسان کو کسی بھی غمگین موقع پر رونے اور آہیں بھرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے کہ تقدیر میں ایسا لکھا تھا۔

۴۔ اگرچہ میرے باغ میں شبنم کی تروتازگی نہیں ہے' لیکن میری آنکھ سرخ آنسوؤں سے نہیں بھری ہوئی۔ والدہ مرحومہ کے بہت بڑے غم کی بنا پر میں اسی تقدیر کے حوالے سے روتا نہیں ہوں۔ شبنم استعارہ ہے خوشی کا۔

۵۔ چونکہ میں انسانوں کے رنج و غم کے راز سے آگاہ ہوں' اس لیے میری فطرت کا ساز شکوہ و شکایت کے نغمے سے خالی ہے۔ جب رنج و غم مقدر میں لکھا گیا ہے تو پھر اس کا شکوہ بے جا ہے۔ اسی لیے میں والدہ مرحومہ کی وفات پر مقدر کا شکوہ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

۶۔ میرے ہونٹوں پر زمانے کے رنگ بدلنے (تبدیلیاں واقع ہونے) کی داستان نہیں ہے۔ اسی لیے میں اس بہت بڑے حادثے پر نہ تو حیران ہوں، نہ ہنستا مسکراتا ہوں اور نہ روتا ہی ہوں۔

۷۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اے میری پیاری والدہ مرحومہ! آپ کی تصویر میرے لیے رونے کا قاصد/ سامان بن رہی ہے۔ افسوس کہ میری یہ حالت و کیفیت میری ٹھوس اور مضبوط حکمت و دانش کی تردید کر رہی ہے۔ اس بہت بڑے غم کے باعث میرے مذکورہ خیالات باطل نظر آنے لگے ہیں۔

(۳)

۱۔ گریۂ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے — درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے
۲۔ موجِ دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا — گنجِ آبِ آورد سے معمور ہے دامن مرا
۳۔ حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا — رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
۴۔ رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا — عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
۵۔ جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں — بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
۶۔ اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے — بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار میں

(۴)

۱۔ علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور — دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
۲۔ زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم — صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
۳۔ بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں — پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

(۵)

۱- کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟ — کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار؟
۲- خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا — اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا؟
۳- تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا — گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
۴- دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات — تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
۵- عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی — میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
۶- وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند — تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
۷- کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا — وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
۸- تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست و پا روتا ہے وہ — صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ
۹- تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی — شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

(۶)

۱- آہ! یہ دنیا، یہ ماتم خانۂ برنا و پیر — آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
۲- کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت — گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت
۳- زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں — کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!
۴- کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت — دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
۵- موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں — ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
۶- نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے — زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے
۷- قافلے میں غیرِ فریادِ درا کچھ بھی نہیں — اک متاعِ دیدۂ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

(۳)

۱- دل/ جی کھول کر گریہ وزاری کرنے سے جان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ دل سے غم کا غبار دھل جاتا ہے اور رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور جب سنگدل/ پتھر دل والی عقل دکھ درد کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتی ہے تو شرمسار ہو جاتی ہے۔ گویا رنج و غم بھی ایک بہت بڑی دولت ہے۔

۲- میرے غمزدہ دل کا آئینہ آہ و فریاد کے دھوئیں کی لہروں سے چمک رہا ہے اور میرا دامن پانی/ آنسوؤں کے لائے ہوئے خزانے سے بھرا پڑا ہے۔ آنسوؤں سے تر ہے، آہوں کے ساتھ ساتھ میرے آنسو بھی بہنے لگتے ہیں۔

۳۔ اے والدہ مرحومہ! میں آپ کی تصویر کے اس معجزے پر حیران ہوں جس نے وقت کی پرواز کا رخ ہی بدل ڈالا ہے۔ وقت کی رفتار انجن ختم گئی ہے۔

۴۔ اس (تصویر) نے گزرے ہوئے دنوں کو موجودہ دور کے سامنے کھڑا کر دیا ہے (ماضی کو حال میں لے آئی ہے) اور مجھے اپنے بچپن کے واقعات یاد دلا دیئے ہیں۔

۵۔ جب میری کمزور جان آپ کی گود میں پل رہی تھی اور جب میری زبان نے اچھی طرح بات کرنا نہیں سیکھا تھا۔

۶۔ اور آج پیاری والدہ مرحومہ! میری گفتگو/ شاعری کی شوخی یعنی فصاحت و بلاغت کے چرچے دنیا میں ہیں اور میری آنکھ سے برسنے والے موتی بڑے قیمتی ہیں۔

(۴)

۱-۳ علم حاصل کرنے سے انسان میں متانت و سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے، پھر بڑھاپے کا احساس بھی انسان کو سنجیدہ بنا دیتا ہے' جبکہ دنیاوی عزت کی شان و شوکت اور جوانی کا غرور اسے رعب دار بنا دیتا ہے لیکن جب انسان اپنی والدہ محترمہ کے سامنے جاتا ہے تو وہ تمام ترمذکورہ بلندیوں سے نیچے اتر آتا ہے اور والدہ محترمہ کی خدمت میں ایک سادہ و معصوم بچہ بن کر رہ جاتا ہے اور یوں وہ اپنی کھوئی ہوئی جنت میں پھر آباد ہو جاتا ہے۔ یعنی پھر معصوم بچہ بن جاتا ہے۔

(۵)

۱۔ میری پیاری والدہ آپ تو اللہ کو پیاری ہو گئیں، افسوس کہ اب وطن میں میری آمد کا کسے انتظار ہوگا اور بیرون ملک سے میرا خط نہ آنے پر کون بے قرار ہوگا۔ کسی دوسرے کو مجھ سے آپ جیسی محبت و شفقت نہ ہوگی۔

۲۔ اب میں آپ کی قبر پر یہ فریاد لے کر آؤں گا کہ اب یہاں کوئی نہیں ہے جسے آپ کی طرح آدھی رات کی دعاؤں میں یاد آؤں گا۔

۳۔ یہ آپ ہی کی تربیت و پرورش کا نتیجہ ہے کہ آج میں ستاروں کا ہم قسمت ہوں، ستاروں جیسی عظمت و بلندی مجھے حاصل ہوئی اور یوں میرے آباؤ اجداد کے گھرانے کو عزت و شہرت میسر آئی۔

۴۔ اس دنیا کی زندگی کی کتاب میں آپ کا وجود مبارک ایک سنہری ورق تھا اور آپ کی زندگی پورے طور پر دین و دنیا کا سبق تھی۔ یعنی آپ کی زندگی ہی سے میں نے دین و

دنیا کا سبق حاصل کیا۔

۵- آپ کی شفقت و محبت ساری زندگی میری خدمت میں رہی اور جب میں آپ کی خدمت کے لائق ہوا تو آپ اللہ کو پیاری ہو گئیں اور میں آپ کی خدمت کی سعادت حاصل نہ کر سکا۔

۶-۸ وہ بلند قد جوان (علامہ کا بڑا بھائی) جس کا قد سرو کی طرح بلند ہے اور جو آپ کی خدمت کرنے میں مجھ سے زیادہ بہرہ مند ہوا اور جو زندگی کے کاروبار میں میرا برابر کا شریک ہے' وہ محبت میں آپ کا عکس (آپ کی طرح مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے) اور میرا ایک طرح سے بازو ہے؛ وہ آپ کے غم میں ایک مجبور و بے بس معصوم بچے کی طرح روتا ہے۔ اسے صبر ہی نہیں آ رہا، چنانچہ وہ صبح و شام روتا اور بے قرار رہتا ہے۔

۹- جس الفت و محبت کا بیج آپ نے ہم دونوں کی جان کی کھیتی میں بویا تھا' آپ کے غم میں شرکت کرنے سے (دونوں کا بے حد غمگین ہونا) وہ اور بھی مضبوط اور محکم ہو گئی ہے۔

(۶)

۱- افسوس ہے کہ یہ دنیا جوان / جوانوں اور بوڑھے / بوڑھوں کے لیے ماتم کا ایک گھر ہے۔ ہر کوئی موت کے غم کا شکار ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ انسان ماضی اور مستقبل کے جادو میں کیوں گرفتار ہے۔ وہ ماضی کو یاد کرتا اور مستقبل کے سہانے خواب دیکھتا ہے لیکن حال پر اس کی نظر نہیں جبکہ بقول شاعر:

سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

۲- زندگی کس قدر مشکل اور موت کس قدر آسان ہے۔ موت تو یوں سمجھو کہ زندگی کے باغ میں صبح کی ہوا کی طرح سستی ہے' یعنی ہر جگہ موجود ہے۔

۳- یہ زلزلے، یہ بجلیاں، یہ قحط اور یہ رنج والم یہ سب زمانے کی ماں کی کیسی کیسی بیٹیاں ہیں۔ ان آفات کو' جو موت اور تباہی کا باعث بنتی ہیں اور جن سے دنیا کا کوئی بھی کونا خالی نہیں ہے، مادر ایام کی عجیب بیٹیاں کہا ہے۔

۴- کیا غریب کی جھونپڑی اور کیا امیروں رئیسوں اور بادشاہوں کے محل' ہر جگہ موت کا ٹھکانا ہے' کوئی اس سے محفوظ نہیں، دشت و در ہو کہ شہر و باغ ہو، سبھی موت کا شکار ہیں۔

بقول شوق لکھنوی:

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے
اونچے اونچے مکان تھے جن کے آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

انشاؔ

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں ۔۔۔ بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

۵۔ موت خاموش سمندر میں بھی ہنگامے برپا کرتی رہتی ہے' چنانچہ کئی کشتیاں سمندر کی لہروں میں ڈوب کر موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔

۶۔ موت ایک ایسا نظام ہے جس کے خلاف نہ تو کچھ شکایت کرنے میں ہمت ہے اور نہ کچھ کہنے ہی کی طاقت ہے۔ زندگی اس لحاظ سے محض ایک طوقِ گلو افشار ہے۔

۷۔ زندگی کے قافلے میں گلشن کی فریاد کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ درحقیقت زندگی آنسو بہانے والی آنکھ کی دولت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اول و آخر فنا ہے اور زندگی گویا موت پر آنسو بہانے کا ہی نام ہے۔

(۷)

۱۔ ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی ۔۔۔ ہیں پسِ نُہ پردۂ گردوں ابھی دور اور بھی

۲۔ سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا؟ ۔۔۔ نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا؟

۳۔ جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آوازِ خزاں ۔۔۔ سبز کر دے گی انھیں بادِ بہارِ جاوداں

۴۔ خفتۂ خاکِ پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا؟ ۔۔۔ عارضی محمل ہے یہ مشتِ غبار اپنا تو کیا؟

۵۔ زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں ۔۔۔ ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

(۸)

۱۔ زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے ۔۔۔ ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

۲۔ موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات ۔۔۔ عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات

۳۔ ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں ۔۔۔ جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

۴۔ آہ غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے ۔۔۔ نقش کی ناپائداری سے عیاں کچھ اور ہے

۵۔ جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب ۔۔۔ موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب

۶۔ موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ ۔۔۔ کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۷۔ پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا ۔۔۔ توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا

۸۔ اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر؟ ۔۔۔ یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر

۹۔ فطرتِ ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو ۔۔۔ خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

(۹)

۱- آہ! سیماب پریشاں، انجمِ گردوں فروز | شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
۲- عقل جس سے سر بزانو ہے وہ مدت ان کی ہے | سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعت ان کی ہے
۳- پھر یہ انساں، آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر | قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
۴- جو مثالِ شمع روشن محفلِ قدرت میں ہے | آسماں اک نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے
۵- جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے | جس کا ناخن سازِ ہستی کے لیے مضراب ہے
۶- شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟ | کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟

(۱۰)

۱- تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے | کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
۲- زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے | خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
۳- سردیِ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں | خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
۴- پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ | موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
۵- ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند | ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند
۶- موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے | خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
۷- خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں | موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

(۷)

۱- آخرکار آزمائش کا یہ دور بھی ختم ہو جائے گا' اس لیے کہ تو آسمانوں کے پردوں کے پیچھے ابھی اور دور بھی آنے والے ہیں۔ اس دنیا کے بعد انسان کی نئی زندگی شروع ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

۲- آج اگر اس باغ میں لالہ وگل کے سینے پھٹے ہوئے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور اگر بلبل نالہ وفریاد پر مجبور ہے تو کیا ہوا! کوئی بات نہیں۔ بہرحال آخرکار ندکورہ دور آئے گا۔

۳- وہ جھاڑیاں جن کے پنجرے میں خزاں کی آہیں چھپی ہیں (جھاڑیاں جو آج خزاں کا شکار ہیں) ہمیشہ ہمیشہ کی بہار انھیں سرسبز وشاداب کر دے گی۔ گویا اس دنیا کے بعد مردہ دلوں میں نئی اور ہمیشہ ہمیشہ کی تازگی (زندگی) پیدا ہو جائے گی۔

۴-۵ اگر اپنی چنگاری راستے میں اڑنے والی خاک میں سوئی پڑی ہے تو کوئی بات نہیں اور اگر ہماری یہ مٹی بھر مٹی (جسم) ایک عارضی وفانی محمل ہے تو پھر کیا ہوا؟ کوئی غم کی بات نہیں۔ زندگی کی

آگ کا انجام راکھ نہیں ہے اور یہ زندگی ایسا موتی نہیں ہے جس کے مقدر میں ٹوٹنا ہو۔

(۸)

۱۔ قدرت کی نگاہوں میں زندگی اس قدر محبوب / پیاری ہے کہ اس نے ہر شے کی فطرت میں اپنی زندگی کے تحفظ کا ذوق و جذبہ پیدا کر رکھا ہے۔

۲۔ اگر زندگی کا نقش موت کے ہاتھوں مٹ سکتا تو نظامِ کائنات اسے یوں عام نہ کر دیتا۔ گویا اس صورت میں ہر شے مٹنے یا مرنے پر آمادہ نہ ہوتی۔

۳۔ اگر موت اس قدر سستی / عام ہے تو یوں سمجھو کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ عام ہو جانے والی چیز کی کوئی قدر و وقعت نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح جس طرح سو جانے سے زندگی میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔ موت گویا نیند ہے اور اصل زندگی دنیا کے بعد شروع ہوگی۔

۴۔ آہ! افسوس! اے غافل انسان! موت کا پوشیدہ راز کچھ اور ہے۔ اس نقش کی ناپائیداری سے کچھ اور ہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

۵-۶ پانی کی سطح پر ہوا سے جو نقش بنتا ہے وہ ایک طرح سے جنت کا سا نظارہ پیش کرتا ہے؛ اس لیے کہ وہ بے قرار لہروں کو توڑ کر بلبلے بناتی ہے۔ پھر وہ (ہوا) تھوڑی ہی دیر بعد خود ہی بلبلوں کو توڑ / پھاڑ دیتی اور لہروں کے دامن میں چھپا دیتی ہے۔ ہوا اپنا بنایا ہوا نقش کس قدر بیدردی سے مٹا دیتی ہے۔

۷۔ اگر ہوا اپنا بنایا ہوا بلبلا پھر نہ بنا سکتی تو وہ اس کے توڑنے میں اس بے پروائی کا مظاہرہ نہ کرتی۔

۸۔ ہوا کے اس انداز کا تعمیر (بلبلے بنانے) پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ تو ہوا کی قوتِ تعمیر پر ایک دلیل ہے۔ یعنی وہ مزید ایسے ہزاروں نقش تعمیر کر سکتی ہے۔

۹۔ اس صورتِ حال سے تو یہ لگتا ہے کہ زندگی کی فطرت کہیں کسی خوب تر / عمدہ تر نقش بنانے کی آرزو میں مصروفِ عمل نہ ہو (مصروفِ عمل ہے) اسی لیے وہ نقش بناتی اور مٹاتی رہتی ہے تاکہ کوئی اچھا نقش سامنے آئے۔

(۹)

۱۔ افسوس کہ آسمان کو روشن کرنے والے ستارے کچھ اس طرح ہیں جیسے قدرت نے پارہ بکھیر دیا ہو جس کے قطرے جگہ جگہ لشکاتے ہیں۔ یہ ستارے گویا چھوٹی چھوٹی

چنگاریاں ہیں جن کی چمک رات کی تاریکی کی احسان مند ہے۔ مدھم روشنی کے باعث ان کی روشنی رات ہی کو نظر آتی ہے۔

۲۔ عقل اس بات پر حیران ہے کہ خدا جانے یہ ستارے کب سے یوں جگمگاتے آ رہے ہیں اور انسان کی زندگی ان ستاروں کی طویل زندگی کے مقابلے میں محض ایک پل کی ہے۔

۳ یہ انسان جس کی نظر آسمان سے بھی پرے دیکھتی ہے' جس کے مقاصد فرشتوں سے بھی زیادہ پاکیزہ ہیں' جو (انسان) قدرت کی محفل میں شمع کی صورت روشن ہے اور جس کی فطرت کی وسعت میں یہ وسیع آسمان محض ایک نقطہ ہے (ایک نقطے کی حیثیت رکھتا ہے)' جسے نادان / ناسمجھ کہا جاتا یا سمجھا جاتا ہے' لیکن یہی نادان انسان سچائی کا جلوہ دیکھنے کے لے بیقرار ہے اور اسی کے ناخن سے زندگی کا ساز نغمے الاپتا ہے؛ تو کیا یہ شعلہ (انسان) آسمان کی چنگاریوں (ستاروں) سے بھی کم تر درجے کا ہے؟ اور کیا یہ سورج (انسان) قیمت میں ستاروں سے بھی کم ہے؟ جبکہ نظام کائنات میں جو حسن و خوبی ہے وہ اسی اشرف مخلوقات کے باعث ہے۔

(۱۰)

۱۔۲ پھول کے بیج کی آنکھ مٹی میں بھی بیدار رہتی ہے' جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی نشوونما' کھلنے پھولنے کے لیے کس قدر بے قرار ہے۔ اس بیج میں زندگی کا جو شعلہ چھپا ہوا ہے وہ اپنی خودنمائی اور اپنے وجود کو بڑھانے کے لیے مجبور ہے۔ بیج زمین سے باہر آ کر پودا بنتا ہے اور اس پر پھول لگتے اور کھلتے ہیں۔

۳۔۴ یہ قبر کی ٹھنڈک' یعنی مٹی کے نیچے دب کر بھی یہ شعلہ نہیں بجھتا۔ بیج کے کھلنے پھولنے کی قوت ختم نہیں ہوتی۔ مٹی میں دب کر بھی وہ اپنی جلن / حرارت سے محروم نہیں رہتا۔ یعنی یہی بیج ایک روز اپنی مٹی کی قبر سے پھول بن کر نمایاں ہو جاتا ہے۔ گویا موت سے وہ زندگی حاصل کرتا ہے۔

۵۔ اس کی زندگی' موت کی آغوش میں پھلتی پھولتی اور پرورش پاتی ہے۔ بیج مٹی میں رہ کر اپنی بکھری ہوئی طاقت جمع کر لیتا ہے اور پھر وہ وقت آتا ہے جب وہ مٹی سے نکل کر ایک ایسے اونچے درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو گویا آسمان کی گردن میں کمند ڈال دیتا ہے۔ بہت اونچا درخت بن جاتا ہے۔

۶۔ موت در حقیقت زندگی کا نیا ذوق پیدا کرنے کا نام ہے۔ نئی زندگی (اگلی دنیا کی) اس

سے وجود میں آتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ موت اصل میں نیند کے پردے میں ایک چھپی ہوئی بیداری ہے۔ موت کے بعد بھی انسانی روح زندہ رہتی ہے۔

۷- جس پرندے کو اڑنے کی عادت ہوتی ہے اسے پرواز میں کوئی ڈر محسوس نہیں ہوتا۔ دراصل موت اس باغ / دنیا میں عالمِ بالا کی طرف جانے کے لیے تیار رہنے کا عمل ہے۔

(۱۱)

۱-	کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ اجل ہے لا دوا	زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
۲-	دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے	حلقۂ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے
۳-	وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں	وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
۴-	سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں	اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
۵-	ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے	خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے
۶-	آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے	اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے
۷-	جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں (ق)	آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
۸-	رختِ ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے	سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
۹-	آہ یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں	آگہی ہے یہ دل آسائی، فراموشی نہیں

(۱۲)

۱-	پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح	داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
۲-	لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ	بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
۳-	سینۂ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے	سیکڑوں نغموں سے بادِ صبح دم آباد ہے
۴-	خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رود بار	ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار
۵-	یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح	مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

(۱۳)

۱-	دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفاق گیر	کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
۲-	یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے	جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
۳-	وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات	جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
۴-	مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے	آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
۵-	ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے	سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے

۶- نورِ فطرت ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں | تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں
۷- زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر | خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
۸- مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا | نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
۹- آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے | سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(۱۱)

۱- دنیا والوں کا کہنا ہے کہ موت کے دکھ/مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ موت ہر طور پر آ کر رہتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی عزیز کی موت/فرقت کا زخم شفا پا جاتا ہے۔ پسماندگان کو صبر آ جاتا ہے۔

۲- تاہم جس دل میں مرنے والوں کے غم کا شہر آباد ہے (اسے بے حد غم ہے) وہ صبح و شام کی زنجیر سے آزاد ہوتا ہے۔ ایسے دل کا غم وقت کے گزرنے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا، برقرار رہتا ہے۔

۳- وقت کے جادو سے غم والم اور نالۂ ماتم ختم نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ وقت جدائی/موت کی تلوار کے زخم کے لیے مرہم ہے' صحیح نہیں ہے۔ دوسرے شعر والی بات

۴- جب انسان پر اچانک کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہنے لگتے ہیں (اپنی والدہ مرحومہ کی اچانک وفات پر علامہ نے دراصل اپنی کیفیت بیان کی ہے)۔

۵- دل کو نالہ و فریاد سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور دل کا خون، آنسو بن کر آنکھوں کے راستے بہنے لگتا ہے۔ بے حد صدمے کے باعث یہ کیفیت ہوتی ہے۔

۶-۷ انسان اگرچہ صبر کی طاقت سے محروم ہے تاہم اس کی فطرت میں یہ ایک نامعلوم احساس ضرور موجود رہتا ہے کہ انسان کا جوہر کبھی فنا/موت کا شکار نہیں ہوتا۔ گو وہ آنکھوں سے تو دور ہو جاتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا (اس دنیا کے بعد اگلی دنیا میں وہ زندہ رہتا ہے یا رہے گا اس کی روح زندہ و پائندہ ہے)۔

۸- زندگی کا سامان غم کے شعلے بکھرنے سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے لیکن غم کے شعلوں کی آگ اسی احساس کے پانی سے بجھ جاتی ہے کہ انسان کبھی فنا نہیں ہوتا۔

۹- آہ! جب انسان ضبط سے کام لیتا اور اپنی آہ و فغاں کو روک لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا یہ عمل غفلت اور خاموشی و فراموشی کے باعث ہے۔ بس یہ سمجھو کہ وہ یہ جانتا ہے کہ انسان کبھی فنا نہیں ہوتا اور یہی یقین اس کی خاموشی اور دل کے سکون و قرار کا باعث ہے۔

(۱۲)

۱۔ مشرق کے پردے سے جب صبح جلوہ نما ہوتی ہے (طلوع ہوتی ہے) تو اپنی روشنی سے دنیا کے دامن سے رات کا سیاہ داغ (رات کی تاریکی) دھو ڈالتی ہے (ختم کر دیتی ہے)۔

۲۔ یہ (صبح) بجھے ہوئے یعنی مرجھائے ہوئے لالہ کے پھول کو آتش قبا کر دیتی ہے اور خاموش پرندوں کو چہچہانے میں مست کر دیتی ہے۔

۳۔ بلبل کے سینے میں قید نغمے آزاد ہو جاتے ہیں۔ بلبلیں بھی چہچہانے لگتی ہیں' چنانچہ سینکڑوں قسم کے نغموں سے صبح کی ہوا / فضا بھر جاتی ہے۔ ہر طرف ہر طرح کے پرندے چہچہانے لگتے ہیں اور ہر طرف رونق چھا جاتی ہے۔

۴۔ لالہ زار / باغ' پہاڑیوں اور ندیوں کے سوئے ہوئے آخر زندگی کی دلہن سے بغل گیر ہو جاتے ہیں۔ باغوں میں ہر طرف پھول کھلنے لگتے ہیں اور چرندے، پرندے، درندے بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ نیند میں تھے تو گویا مردہ تھے، صبح ہونے پر وہ جاگے تو گویا زندگی سے ہمکنار ہو گئے۔

۵۔ اگر اس کائنات کا یہ دستور ہے کہ ہر شام صبح میں بدل جاتی ہے۔ ہر شام کے بعد صبح ہوتی ہے تو پھر انسان کی قبر کی رات کا انجام کیوں صبح نہ ہوگا۔ جب دنیا کی ہر چیز صبح کو نیند سے بیدار ہو جاتی ہے، گویا مر کر دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے تو پھر انسان مر کر کیوں دوبارہ ... میں اسے نئی زندگی ملے گی۔

۱۔ ... سے بلند ... افکار و خیالات کا جال کل عالم پر چھا گیا ہے' اور اے والدہ مرحومہ! میں نے اپنے ہی خیالات کے جال میں آپ کی یادوں کو قید کر لیا ہے۔

۲۔ والدہ مرحومہ! آپ کی یاد سے میرا درد آشنا دل کچھ اس طرح بھرا پڑا ہے جس طرح کعبہ کی فضا مسلمانوں کی دعاؤں سے بھری رہتی ہے۔

۳۔ زندگی کیا ہے؟ زندگی فرائض کے تسلسل کا نام ہے جس کے جلوے لاکھوں ناپائیدار / فانی یا عارضی دنیاؤں میں نظر آتے ہیں۔

۴۔ زندگی کی ہر منزل کے مختلف طور طریقے ہیں۔ اسی طرح آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے یا زندگی کی جولانیاں دکھانے کا ایک میدان ہے۔

۵۔ آخرت میں موت کی کھیتی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا (موت وہاں بے مراد رہتی ہے)۔ اس میدان (آخرت) کی آب و ہوا عمل کے بیج کے لیے بڑی سازگار ہے۔ گویا:۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۶۔ یہاں فطرت کا نور جسم کی تاریکی کا قیدی نہیں ہے اور نہ انسانی افکار و خیالات کا دائرہ ہی تنگ ہے، بلکہ وسعت کا حامل ہے۔

۷۔ اے والدہ مرحومہ! آپ کی زندگی چاند سے بھی زیادہ روشن تھی اور آپ کا آخرت کا سفر صبح کے ستارے سے بھی زیادہ دلکش تھا۔

۸۔ خدا کرے کہ آپ کی قبر صبح کے گل (یعنی صبح) کی طرح روشن رہے اور مٹی کا یہ شبستان (رات گزارنے کی جگہ، مراد آخری آرام گاہ) ہمیشہ نور سے بھرپور رہے۔ سدا منور رہے۔

۹۔ آسماں آپ کی قبر پر ہمیشہ شبنم برساتا رہے اور تازہ اگا ہوا سبزہ ہمیشہ آپ کے اس گھر (قبر) کی حفاظت کرتا رہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں اور آپ کی قبر ہمیشہ پھولوں اور سبز پتوں سے بھری رہے۔

شعاعِ آفتاب

۱۔ صبح جب میری نگہ سودائیِ نظارہ تھی آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی

۲۔ میں نے پوچھا اس کرن سے "اے سراپا اضطراب تیری جانِ ناشکیبا میں ہے کیسا اضطراب؟

۳۔ تو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے کہ جس کو آسماں کر رہا ہے خرمنِ اقوام کی خاطر جواں

۴۔ یہ تڑپ ہے یا ازل سے تیری خو ہے، کیا ہے یہ رقص ہے، آوارگی ہے، جستجو ہے، کیا ہے یہ؟"

۵۔ "خفتہ ہنگامے ہیں میری ہستیِ خاموش میں پرورش پائی ہے میں نے صبح کی آغوش میں

۶۔ مضطرب ہر دم مری تقدیر رکھتی ہے مجھے جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے

۷۔ برقِ آتش خو نہیں، فطرت میں گو ناری ہوں میں مہرِ عالمتاب کا پیغامِ بیداری ہوں میں

۸۔ سرمہ بن کر چشمِ انساں میں سما جاؤں گی میں رات نے جو کچھ چھپا رکھا تھا دکھلاؤں گی میں

۹۔ تیرے مستوں میں کوئی جویائے ہشیاری بھی ہے سونے والوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟"

(پہلی جنگ یورپ میں اتحادیوں کی فتح کے موقع پر لاہور میں ۱۵ دسمبر 1918ء کو ایک

سرکاری مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈ کی فرمائش پر علامہ نے یہ نظم پڑھی تھی۔)

۱- صبح کے وقت جب میری نگاہیں قدرتی مناظر دیکھنے میں محو تھیں تو آسمان پر سورج کی ایک شعاع گھوم رہی تھی۔

۲-۳: میں نے اس کرن سے پوچھا کہ تو جو پورے طور پر بیقرار ہے تو تیری بے صبر جان میں اس بیقراری کا سبب کیا ہے' یا کیوں بیقرار ہے؟ کیا تو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے جسے قوموں کے کھلیان پر گرانے کے لیے آسمان جوان کر رہا ہے؟

۴- تیرا یہ انداز کوئی تڑپ ہے یا ازل سے تیری خصلت ہی ایسی ہے' آخر یہ انداز کیا ہے' کیا یہ رقص ہے' آوارگی ہے یا کسی کی تلاش و جستجو ہے' آخر یہ کیا ہے؟

۵- (میرے اس سوال پر کرن بولی کہ) میرے خاموش وجود میں ہنگامے سوئے پڑے ہیں۔ میں نے صبح کی گود میں پرورش پائی ہے۔ سورج طلوع ہونے پر دن چڑھتا ہے اور انسان کاروبار میں لگ جاتے ہیں جو گویا ہنگامے کی صورت ہیں۔

۶- میری تقدیر ہر لمحہ مجھے بیقرار رکھتی ہے اور روشنی کی لذت مجھے تلاش و جستجو میں رکھتی ہے۔ چونکہ کرن روشن ہوتی ہے' اس لیے اس حوالے سے ایسا کہا ہے۔

۷- اگرچہ میں ناری ہوں (یعنی روشن ہوں) لیکن میری فطرت آگ کی خصلت والی بجلی (جو خرمن جلا ڈالتی ہے) کی سی نہیں ہے۔ میں دنیا کو روشن کرنے والے سورج کی طرف سے بیداری کا پیغام ہوں۔ (صبح ہو گئی ہے اب اٹھ کھڑے ہو)

۸- میں سرمہ بن کر انسان کی آنکھوں میں سما جاؤں گی اور رات کی تاریکی نے جو کچھ چھپا رکھا تھا وہ دکھلا دوں گی۔ دن چڑھنے پر ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے' یہ گویا انسان کی آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ہے جس سے نظر تیز ہو جاتی ہے۔

۹- اے سوال کرنے والے' مجھے یہ تو بتا کہ کیا تیرے مستوں (غافل انسانوں) میں کوئی ایسا بھی ہے جو چوکنا اور باخبر ہو اور کیا سونے والوں میں بیدار ہونے کا ذوق وجذبہ بھی ہے؟ مطلب یہ کہ تیری قوم تو غفلت اور بے عملی کی ماری ہوئی ہے۔ اسے عظمت و مرتبہ کے حصول کی کوئی لگن ہی نہیں ہے۔

عرفی

۱۔ محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تخیل نے
تصدق جس پہ حیرت خانۂ سینا و فارابی

۲۔ فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نوا ایسی
میسر جس سے ہیں آنکھوں کو اب تک اشک عنابی

۳۔ مرے دل نے یہ اک دن اس کی تربت سے شکایت کی
نہیں ہنگامۂ عالم میں اب سامانِ بیتابی

۴۔ مزاجِ اہلِ عالم میں تغیر آ گیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی

۵۔ فغانِ نیم شب شاعر کی بارِ گوش ہوتی ہے
نہ ہو جب چشمِ محفل آشنائے لطفِ بے خوابی

۶۔ کسی کا شعلۂ فریاد ہو ظلمت ربا کیونکر
گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی آسماں تابی

۷۔ صدا تربت سے آئی "شکوۂ اہلِ جہاں کم گو
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

۸۔ حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی"

(عرفی کی بلند خیالی اور پرزور اسلوبِ بیان کے حوالے سے اسے بوعلی سینا اور ابونصر فارابی جیسے بلند پایہ فلسفیوں کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔)

۱۔ عرفی کے بلند خیالات و افکار نے ایک ایسا محل تیار کیا (ایسی بلند خیالی اپنی شاعری میں پیش کی) کہ اس پر ابنِ سینا اور فارابی جیسے عظیم فلسفی بھی بے حد حیران و متحیر ہیں۔

۲۔ اس نے عشق کی فضا پر ایک ایسی تحریر رقم کی (پرسوز شاعری) جس سے اب تک آنکھوں کو سرخ آنسو حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی پرسوز شاعری پڑھ کر دل پر شدید اثر ہوتا ہے۔

۳۔ ایک دن میرے دل نے اس کی قبر سے یہ شکایت کی کہ اب (آج کے دور میں) دنیا کے ہنگاموں میں بیقراری کا کوئی سامان نہیں رہا۔ ایسے حالات نہیں رہے کہ انسانوں میں جہد و عمل کے جذبے اور ولولے پیدا ہوں۔

۴۔ دنیا والوں کے مزاج میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کہ دنیا سے اب وہ بیقراری و اضطراب کی کیفیت ہی جاتی رہی ہے۔ (زیادہ تر مسلمانوں ہی کے بارے میں یہ کہا ہے)

۵۔ جب اہلِ محفل کی آنکھیں بیداری کے لطف ہی سے ناآشنا ہوں تو ان کے لیے شاعر کی آدھی رات کے وقت کی آہ و فغاں بارِ گوش ہو جاتی ہے۔ یعنی ملت جب جذبہ بیداری اور جہد و عمل ہی سے بیگانہ ہو جائے تو بھلا ایسے شاعر کی ایسے جذبوں کی حامل شاعری پر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔

۶۔ جب شب کے پجاریوں (غافل و بے عمل) پر صبح کے وقت آسمان کی چمک اور روشنی (بیداری) گراں گزرتی ہو تو ایسی صورت میں کسی شاعر کا شعلۂ فریاد (شاعری) تاریکی کو کیونکر دور کر سکتا ہے۔ غفلت کی ماری قوم کو اس کی شاعری کیونکر جہد و عمل کی طرف لا سکتی ہے۔

۷۔ میری اس شکایت کے جواب میں قبر سے آواز آئی کہ اگر تو یہ دیکھے کہ تیرے مخاطبوں میں نغمہ سننے کا ذوق وشوق اور جذبہ نہیں ہے تو تُو اپنی آواز کو تیز تر یا بلند تر کر دے۔ جب تو یہ دیکھے کہ محمل میں زیادہ بوجھ ہے جس کی وجہ سے اونٹ سست چل رہے ہیں تو حدی کو تیز تر کر دے۔ یعنی اونٹوں کے سامنے اس نغمے کو جوش وخروش سے پڑھنے لگ جا جو انہیں مست کر کے تیز چلانے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اونٹ استعارہ ہے ملت کا۔ یہ شعر عرفی کا ہے۔

ایک خط کے جواب میں

۱۔ ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں ہمتِ تگ و تاز
حصولِ جاہ ہے وابستۂ مذاقِ تلاش

۲۔ ہزار شکر، طبیعت ہے ریزہ کار مری
ہزار شکر، نہیں ہے دماغ فتنہ تراش

۳۔ مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثالِ سحابِ دریا پاش

۴۔ یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں
کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

۵۔ ہوائے بزمِ سلاطیں دلیلِ مُردہ دلی
کیا ہے حافظِ رنگیں نوا نے راز یہ فاش

۶۔ "گرت ہواست کہ با خضر ہم نشیں باشی
نہاں ز چشمِ سکندر چو آبِ حیواں باش"

(علامہ کے ایک دوست نے، جس کا نام انہوں نے ظاہر نہیں کیا، ایک بار اپنے خط میں مشورہ دیا کہ حاکموں سے تعلقات پیدا کیجئے۔ کبھی ان کی دعوت کر دی، کبھی کسی اور تقریب سے قربت پیدا کر لیں۔ چیف جسٹس کو کسی طرح قابو میں لائیے تا کہ آپ کی وکالت اور زیادہ چمکے، وغیرہ...... اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حاکموں کی صحبت سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے۔ ان کی قربت میں نفس امارہ تو زندہ ہوتا ہے لیکن دل مردہ ہو جاتا ہے۔)

۱۔ اگر مجھ میں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی ہوس ہو بھی تو بھی مجھ میں اس کے حصول کے

لیے بھاگ دوڑ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ اور اس مرتبے کے حصول کا تعلق تو تلاش و جستجو سے ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔

۲- خدا کا بے حد شکر ہے کہ میری طبیعت ریزہ کار ہے اور اس پر بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا دماغ قصّے تراشنے والا نہیں ہے۔

۳- میری شاعری ایسی ہے جس سے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہو جاتی ہیں' یعنی دلوں میں بیداری اور گنجِ زندگی کے جذبے پیدا کرتی ہے۔ اس دنیا میں میری مثال دریا پاش بادل کی سی ہے۔

۴- یہ سیاست کی حال گتھیاں تجھے مبارک ہوں' اس لیے کہ میں ان سے بے نیاز ہوں اور عشق کے فیض سے میرا ناخن سینے چھیلنے والا ہے۔ یعنی میں ہر وقت قوم کی زبوں حالی کے خیال میں تڑپتا رہتا ہوں۔

۵- سلطانوں / حکمرانوں کی محفل کی فضا مردہ دلی کی دلیل ہے۔ یہ راز حافظؔ شیرازی جیسے عظیم اور رنگین نوا شاعر نے فاش کیا ہے۔ (جو یوں ہے)

۶- اگر تیرے دل میں یہ خواہش ہے کہ تو حضرت خضرؑ جیسے اہل اللہ کی صحبت میں رہے تو پھر تو آبِ حیات کے چشمے کی طرح سکندر یونانی کی نظروں سے پوشیدہ ہو جا' یہ چشمہ سکندر نہ دیکھ سکا تھا۔ یعنی حکمرانوں کی محفل سے دور رہ۔ یہ شعر حافظؔ کی اس غزل کا ہے جس کا مطلع ہے:

اگر رفیقِ شفیقی درست پیماں باش
حریفِ خانہ و گرمابہ و گلستاں باش

نانک

۱- قوم نے پیغامِ گوتم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی

۲- آہ! بدقسمت رہے آوازِ حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

۳- آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا

۴- شمعِ حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی

۵- آہ! شودر کے لیے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

۶۔ برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں — شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
۷۔ بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا — نورِ ابراہیمؑ سے آزر کا گھر روشن ہوا
۸۔ پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے — ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

(سکھوں کے پیشوا گرونانک جی جنہوں نے پنجاب میں توحید کا درس دیا اور جنہیں ان کے پیرو غیر مسلم اور اکثر مسلمان انہیں مسلم خیال کرتے ہیں' اور جن کے اسلام لانے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان کے کُرتے پر آج تک سورۂ فاتحہ اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔[واللہ اعلم بالصواب] اس کُرتے کو سکھ "چولا صاحب" کہتے ہیں۔)

۱۔ قوم نے گوتم بدھ کے پیغام کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ گوتم ایک گوہر یکدانہ اعظیم شخصیت تھے جن کی اہل ہند نے قدر نہ پہچانی۔

۲۔ افسوس کہ یہ بدقسمت لوگ آوازِ حق سے بے خبر رہے۔ ان کی حالت درخت کی سی ہے جو اپنے پھل کی مٹھاس سے بے خبر ہوتا ہے۔ پہلا مصرع اس استعارے میں دہرایا ہے۔

۳۔ گوتم نے حقیقی زندگی کا راز آشکار کردیا لیکن اہل ہند اپنے خیالی فلسفے پر ہی نازاں رہے۔

۴۔ یہ (اہل ہند) وہ محفل نہ تھی جو حق کی شمع سے روشن ہو۔ اس (ہند) پر (گوتم کی صورت میں) رحمت کی بارش ہوئی لیکن یہ زمین اس قابل نہ تھی۔ گوتم بدھ کو حق کی شمع اور رحمت کی بارش کہا ہے۔

۵۔ افسوس کہ شودر کے لیے ہندوستان دکھ درد اور غموں کا گھر ہے۔ اس بستی (ہند یعنی اہل ہند) کا دل انسانی رنج والم سے بے خبر ہے۔

۶۔ ہندو برہمن اپنی شرابِ غرور وتکبر سے اب تک مست وبےخود ہے جبکہ گوتم کی شمع دوسری قوموں میں جل رہی ہے۔ گوتم کا مذہب یعنی بدھ مت زیادہ تر جاپان اور چین میں رائج ہے۔

۷۔ بہرحال ایک مدت کے بعد بت کدۂ ہند پھر روشن ہوگیا ہے۔ گویا ابراہیمؑ کے نور سے آزر کا گھر روشن ہوگیا ہے۔ گورونانک توحید پرست تھے۔ انہوں نے اہل ہند کو وحدت کا درس دیا جسے دوسرے مصرعے کے استعارے میں بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ آخر پنجاب سے پھر توحید کی آواز بلند ہوئی اور اہل ہند کو ایک مردِ کامل (نانک) نے نیند سے بیدار کردیا' یعنی انہیں (ہندوؤں کو) بت پرستی چھوڑ کر توحید پرستی کا درس دیا۔ اسی درس کی بدولت سکھ قوم وجود میں آئی جس کے افراد پہلے ہندو تھے۔

کفر و اسلام

(تضمین بر شعر میر رضی دانش)

۱- ایک دن اقبالؔ نے پوچھا کلیم طور سے / اے کہ تیرے نقش پا سے وادیِ سینا چمن
۲- آتشِ نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز / ہوگیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوزِ کہن
۳- تھا جوابِ صاحبِ سینا کہ مسلم ہے اگر / چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
۴- ذوقِ حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمانِ خلیلؑ / ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن
۵- ہے اگر دیوانۂ غائب تو کچھ پروا نہ کر / منتظر رہ وادیِ فاراں میں ہو کر خیمہ زن
۶- عارضی ہے شانِ حاضر، سطوتِ غائب مدام / اس صداقت کو محبت سے ہے ربطِ جان و تن
۷- شعلۂ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کیا / "شمع خود را می گدازد درمیانِ انجمن
نورِ ما چوں آتشِ سنگ از نظر پنہاں خوش است"

۱-۲: ایک دن اقبالؔ نے کلیم طور سے یہ کہا کہ آپ کے نقش پا سے وادی سینا چمن بن گئی تھی' آخر یہ کیا وجہ ہے کہ نمرود کی آگ (کفر و شرک) آج تک دنیا میں شعلے بکھیر رہی ہے۔ (کفر و شرک زوروں پر ہے) آخر آپ کی جذبۂ عشق سے سرشار باتیں کیوں انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوگئی ہیں' یعنی وہ ان پر توجہ نہیں دے رہے۔

۳- حضرت موسیٰؑ نے بڑے واضح انداز میں یہ فرمایا کہ اگر تو صحیح معنوں میں مسلمان ہے تو غائب (خدا تعالیٰ) کو چھوڑ کر موجودہ باطل قوتوں کا شیدائی نہ بن۔

۴- اگر "حاضر" ہی سے دلچسپی و وابستگی ہے تو پھر حضرت ابراہیمؑ کے سے ایمان والا ہونا بہت ضروری ہے' جنھوں نے نمرود کی آگ میں بیٹھنا منظور کر لیا لیکن توحید کی تبلیغ نہ چھوڑی۔ اگر تو اس ایمان سے دور ہے تو پھر یہ سمجھ لے کہ تیری زندگی کا لباس راکھ ہے۔ بیکار اور بے مقصد زندگی راکھ کی مانند ہے جو کسی کام نہیں آتی۔

۵- اگر تو "غائب" کا عاشق ہے تو پھر ہر طرح کے خوف و خطر سے بے پروا ہو جا اور وادیٔ فاران میں خیمہ لگا کر انتظار کر۔

۶- "حاضر" کی شان عارضی و فانی ہے' جبکہ "غائب" کی شان و شوکت اور عظمت لافانی ہے' اسے زوال و فنا نہیں ہے۔ یہ صداقت وحقیقت کی محبت سے ایسا ہی تعلق و واسطہ ہے جیسے روح اور بدن کا باہمی تعلق ہوتا ہے۔ یعنی عشقِ حقیقی سے سرشاری

میری بات کی تصدیق کرتی ہے۔

۷۔ اگر زمانے میں نمرود کا شعلہ (کفر و شرک) بھڑک رہا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شمع محفل میں اپنی ہستی کو پگھلا پگھلا کرنا کر دیتی ہے مگر روشنی پہنچانا ترک نہیں کرتی' یعنی اسی طرح تو بھی شعلۂ نمرود سے خوف نہ کھا بلکہ نور اسلام آگے پہنچاتا رہ۔ ہمارا نور اسی طرح نگاہوں سے پوشیدہ رہتا بہتر ہے جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے' کہ اس کا وجود دائمی ہے اور اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

بلالؓ

(۱)

۱۔ لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے — اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا
۲۔ جولاں گہِ سکندر رومی تھا ایشیا — گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
۳۔ تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے — دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے' خام تھا
۴۔ دنیا کے اس شہنشہِ انجم سپاہ کو — حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا
۵۔ آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں — تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

(۲)

۱۔ لیکن بلالؓ، وہ حبشی زادۂ حقیر — فطرت تھی جس کی نور نبوتؐ سے مستنیر
۲۔ جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ — محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
۳۔ ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
۴۔ ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
۵۔ اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے — رومی فنا ہوا' حبشی کو دوام ہے

(علامہ کو حضرت بلالؓ سے اس بنا پر والہانہ محبت تھی کہ وہ حضور اکرمؐ کے عاشق صادق تھے۔ یہاں پر علامہ کی دوسری نظم ہے۔)

۱-۲: ایک یورپی حق شناس (حقیقت سے باخبر) اہل قلم نے' جس کا یورپ میں بہت احترام تھا' یہ لکھا کہ ایشیا سکندر رومی کی بھی جولاں گاہ (دخل و عمل کا میدان) تھا اور اس کا مقام آسمان سے بھی زیادہ بلند تھا۔

۳۔ تاریخ کے مطابق سکندر رومی کے مقابلے میں پورس اور دارا نے جو دعویٰ کیا تھا' وہ خام / بیکار تھا۔

۴۔ دنیا کے اس لاتعداد فوج والے بادشاہ (سکندر) کو نیلا آسمان بڑی حیرت سے دیکھتا تھا۔

۵۔ لیکن آج یہ صورت حال ہے کہ ایشیا میں اسے کوئی جانتا ہی نہیں' حتیٰ کہ مورخ / تاریخ دان بھی اس کو نہیں پہچانتا۔ اس کی اس عارضی شان و شوکت پر کچھ نہیں لکھتا۔

(۲)

۱۔۲: جبکہ حضرت بلالؓ جو ایک معمولی حبشی تھے' لیکن جن کی فطرت نور نبوت (حضور اکرمؐ سے بے حد عشق) سے منور تھی' وہ نور جس کا سینۂ بلال ازل سے امانت دار رہا' ان کی آواز (اذان) کے آج بھی شاہ و گدا محکوم ہیں۔

۳۔ جس سے سیاہ و سرخ میں باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔ نسلی امتیاز نہیں رہتا اور جو غریب کو امیر کا ہم پلہ بنا دیتی ہے' علامہ ہی کے بقول:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے ۔۔۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

۴۔ حضرت بلالؓ کی وہ دلوں کو پگھلا دینے والی آواز (اذان) آج تک برقرار ہے جسے یہ بوڑھا / قدیم آسمان صدیوں سے سن رہا ہے۔

۵۔ اقبال یہ کس کی ذات گرامی (حضور اکرمؐ) کے عشق کا فیض عام ہے کہ سکندر رومی جیسا بہت بڑا بادشاہ تو فنا ہو گیا لیکن بلال حبشی حیات جاوید پا گئے۔

مسلمان اور تعلیم جدید

(تضمین بر شعر ملک قمی)

۱۔ مرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلم شوریدہ سر ۔۔۔ لازم ہے رہرو کے لیے دنیا میں سامان سفر
۲۔ بدلی زمانے کی ہوا' ایسا تغیر آ گیا ۔۔۔ تھے جو گراں قیمت کبھی اب ہیں متاع کس مخر
۳۔ وہ شعلۂ روشن ترا' ظلمت گریزاں جس سے تھی ۔۔۔ گھٹ کر ہوا مثل شرر تارے سے بھی کم نور تر
۴۔ شیدائی غائب نہ رہ' دیوانۂ موجود ہو ۔۔۔ غالب ہے اب اقوام پر معبود حاضر کا اثر
۵۔ ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو بار آور تری ۔۔۔ فرسودہ ہے پھندا ترا' زیرک ہے مرغ تیز پر

۶۔ اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر
۷۔ رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے واجب ہے صحرا گرد پر تعمیلِ فرمانِ خضر
۸۔ لیکن نگاہِ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی مری "رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد"

(اس میں علامہ نے رمز و کنایہ کے پردے میں جدید تعلیم کی برائیوں اور خرابیوں پر مضامین تخلیق کیے ہیں)

۱۔ لیڈر / رہنما کی یہ تعلیم تھی کہ اے دیوانے مسلم / مسافر کے لیے راستے / سفر کا سامان ضروری ہے۔ آج کی تعلیم حاصل کر کے اپنی زندگی گذارنے کا صحیح سامان کرو۔

۲۔ زمانے کی فضا آج بدل گئی ہے اور اس میں ایسا تغیر آ گیا ہے کہ جو بھی بے حد قدر و قیمت والے تھے' آج وہ حقیر ہو کر رہ گئے ہیں۔

۳۔ وہ تیرا روشن شعلہ جس سے تاریکی دور بھاگ گئی تھی' آج وہ گھٹ کر چنگاری کی طرح ہو گیا ہے اور اس میں ستارے سے بھی کم روشنی ہے۔ تعلیم جدید حاصل نہ کرنے کے باعث تیری اہلیتیں ختم ہو گئی ہیں۔

۴۔ تو غائب (خدا تعالیٰ) کا شیدائی / دیوانہ نہ بن بلکہ جو کچھ آج ہے (مراد باطل) تو اس کا فریفتہ بن جا۔ آج دوسری قوموں پر اسی معبودِ حاضر کا اثر ہے۔ قومیں دنیاوی مفادات کے حصول میں لگی ہوئی ہیں اور مادی ترقی کر رہی ہیں۔

۵۔ آج ممکن نہیں کہ اس باغ (دنیا) میں تیری کوشش کامیاب ہو' اس لیے کہ تیرا جال پھٹا پرانا ہے اور پرندہ بڑا تیز اڑنے والا ہے۔ تیری سوچیں پرانی ہیں جبکہ آج دنیاوی و مادی ترقی کے لیے جدید تعلیم کا حصول ضروری ہے' ورنہ تیری کوئی عزت نہ ہو گی۔

۶۔ آج کے دور میں تعلیم (جدید / یورپی تعلیم جو سراسر مادیات کا درس دیتی ہے) قوم کی بیماریوں مصیبتوں کا علاج / دوا ہے۔ گندے خون کے لیے یہ تعلیم نیشتر کا حکم رکھتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں پہلے مصرعے والی بات نئے استعارے میں۔

۷۔ چنانچہ اس لیڈر / رہنما کے ایما / حکم پر مجھے جدید تعلیم کے حصول کا جنون پیدا ہو گیا' اس لیے کہ صحرا نوردی کرنے والے (دوسری قوموں کی تعلیم کے حصول میں پیروی نہ کرنے والے) پر خضر (لیڈرز موجودہ سیاسی رہنما) کے فرمان پر عمل کرنا ضروری و لازم ہے۔

۸۔ لیکن جدید/ یورپی تعلیم حاصل کرنے کے نتیجے میں میں بدقسمتی/ بدبختی کا شکار رہا۔ اگر کوئی گہری نظر والا دیکھے تو وہ کچھ اس طرح ہے کہ میں نے چاہا کہ میں پاؤں سے کانٹا نکال لوں' اتنے میں محبوبہ کا محمل نظروں سے دور ہو گیا۔ میں ایک لمحہ غافل ہوا تھا' میرا سو سالہ راستہ دور ہو گیا۔ گویا قافلہ بہت آگے نکل گیا اور میں پیچھے رہ گیا۔

پھولوں کی شہزادی

(۱)

۱۔ کلی سے کہہ رہی تھی ایک دن شبنم گلستاں میں — رہی میں ایک مدت غنچہ ہائے باغِ رضواں میں
۲۔ تمہارے گلستاں کی کیفیت سرشار ہے ایسی — نگہ فردوس در دامن ہے میری چشمِ حیراں میں
۳۔ سنا ہے کوئی شہزادی ہے حاکم اس گلستاں کی — کہ جس کے نقشِ پا سے پھول ہوں پیدا بیاباں میں
۴۔ کبھی ساتھ اپنے اس کے آستاں تک مجھ کو تو لے چل — چھپا کر اپنے دامن میں برنگِ موجِ بو لے چل

(۲)

۱۔ کلی بولی' سریر آرا ہماری ہے وہ شہزادی — درخشاں جس کی ٹھوکر سے ہوں پتھر بھی نگیں بن کر
۲۔ مگر فطرت تری افتندہ اور بیگم کی شان اونچی — نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم نشیں بن کر
۳۔ پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شاہزادی تک — کسی دکھ درد کے مارے کا اشکِ آتشیں بن کر
۴۔ نظر اس کی پیامِ عید ہے اہلِ محرم کو — بنا دیتی ہے گوہر غمزدوں کے اشکِ پیہم کو

(اس تمثیلی نظم میں علامہ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت/ قدرت کی نظر میں دکھ درد میں مبتلا کسی انسان کے آتشیں آنسو بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتے ہیں)

(۱)

۱۔ ایک روز شبنم/ اوس' باغ میں کلی سے کہہ رہی تھی کہ میں ایک مدت تک باغِ رضواں میں مقیم رہی:

۲۔ (لیکن وہاں ایسی کیفیت نہ تھی جیسی) تمہارے باغ کی کیفیت سرشار ہے۔ یہاں تو میری حیران نظروں میں نگاہ کچھ اس طرح ہے جیسے اس کے دامن میں فردوس ہو۔

۳۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی شہزادی اس باغ کی حاکم ہے' جس کے پاؤں کے نشانوں سے بیابان میں پھول پیدا ہوتے ہیں۔ شہزادی سے مراد فطرت ہے۔

۴۔ ذرا تو (گل) مجھے (شبنم کو) اس شہزادی کے آستان تک تو کبھی لے چل اور وہ اس طرح کہ تو مجھے خوشبو کی لہر کی صورت میں 'خود میں چھپا کر وہاں لے جائے۔

(۲)

۱۔ شبنم کے جواب میں گل بولی کہ ہماری وہ شہزادی' جس کی ٹھوکر سے پتھر بھی نگینہ بن کر چمکنے لگتا ہے' تخت نشین ہے' تخت کی زیبائش ہے۔

۲۔ لیکن (مسئلہ تو یہ ہے کہ) تیری فطرت افتادہ ہے جبکہ بیگم/شہزادی کی شان بلند ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ تو ہماری ہم نشین بن کر اس تک پہنچ سکے۔

۳۔ ہاں! اس صورت میں تو ہماری شہزادی تک پہنچ سکتی ہے کہ تو کسی دکھ درد کے مارے کا اشکِ آتشیں بن کر چلے۔

۴۔ اس شہزادی کی نظر غمزدہ اور دکھ درد کے ماروں کے لیے گویا عید (بے حد خوشی) کا پیغام ہے۔ وہ غمزدہ انسانوں کے مسلسل بہنے والے آنسوؤں کو گوہرا سوتی بنا دیتی ہے۔

تضمین بر شعر صائب

۱۔ کہاں اقبالؔ تو نے آ بنایا آشیاں اپنا	نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامانِ رسوائی
۲۔ شرارے وادیِ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن	نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمیں سے تخمِ سینائی
۳۔ کلی زورِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی	جہاں ہر شے ہو محرومِ تقاضائے خود افزائی
۴۔ قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہلِ گلستاں کی	نہ ہے بیدار دل پیری' نہ ہمت خواہ برنائی
۵۔ دلِ آگاہ جب خوابیدہ ہو جاتے ہیں سینوں میں	نوا گر کے لیے زہراب ہوتی ہے شکر خائی
۶۔ نہیں ضبطِ نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے	کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرا کی تنہائی
۷۔ "ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد	ندارد تنگنائے شہر تابِ حسنِ صحرائی"

(مرکزی خیال یہ ہے کہ قوم مردہ ہو چکی ہے اور محض نام کی مسلمان رہ گئی ہے۔ ایسی حالت میں علامہ کے کلام کی طرف وہ کیونکر توجہ مبذول کر سکتی ہے۔)

۱۔ اے اقبالؔ تو نے کیسے باغ میں اپنا آشیانہ بنایا ہے' جہاں بلبل کے لیے نغمہ الاپنا رسوائی کا باعث ہے۔ یعنی قوم کی اصلاح سے متعلق تیری شاعری کی طرف کوئی بھی توجہ دینے کو تیار نہیں۔

۲۔ اگرچہ تو وادیِ ایمان والے شرارے بوتا ہے' بڑی روشن اور قوم کی عظمت کے لیے شاعری کرتا ہے لیکن اس زمین (افرادِ قوم) سے تخمِ سینائی کا پھوٹنا ممکن نہیں۔ وہی عدمِ توجہ کی بات۔

۳۔ جس جگہ (قوم میں) ہر شے (ہر فرد) خود افزائی کے تقاضا سے محروم ہو۔ وہاں سانس کے زور سے بھی کلی پھول نہیں بن سکتی۔ شاعری کتنی ہی بامقصد ہو کوئی بھی اثر نہیں لے گا۔

۴۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ اہلِ باغ (افرادِ ملت) کی فطرت ہی سو گئی ہے۔ نہ تو کسی بوڑھے ہی میں بیدار دل رہا ہے اور نہ کوئی نوجوان ہی صاحبِ ہمت و جذبہ رہا ہے۔

۵۔ جب آگاہ دل سینوں میں سو جاتے ہیں (بیکاری و بےعملی کے جذبے سے محروم ہو جاتے ہیں) تو نغمہ الاپنے والے (یعنی شاعر) کے لیے اس کی شکر خائی (شیریں کلامی) زہراب بن کے رہ جاتی ہے۔

۶۔ اگر تجھ (اقبال) میں نوا / شاعری کا ضبط ممکن نہیں ہے تو تو اس باغ سے اڑ جا (شاعری چھوڑ دے یا قوم سے رابطہ نہ رکھ)' اس لیے کہ ایسی محفل (قوم) سے کسی صحرا کی تنہائی کہیں زیادہ اچھی ہے۔

۷۔ بہتر یہی ہے کہ لیلیٰ کسی بیاباں میں جلوہ نما ہو' اس لیے کہ شہر کی تنگ جگہ صحرائی حسن کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

فردوس میں ایک مکالمہ

۱۔ ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالیؔ سے مخاطب ہوئے یوں سعدیؔ شیراز

۲۔ اے آنکہ ز نورِ گہرِ نظمِ فلک تاب
دامن بہ چراغِ مہ و اختر زدہ ای باز

۳۔ کچھ کیفیت مسلمِ ہندی تو بیاں کر
واماندۂ منزل ہے کہ مصروفِ تگ و تاز

۴۔ مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں؟
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیِ آواز"

۵۔ باتوں سے ہوا شیخ کی حالیؔ متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ "اے صاحبِ اعجاز

۶۔ جب پیرِ فلک نے ورقِ ایام کا الٹا
آئی یہ صدا' پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

۷۔ آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی' طائرِ دیں کر گیا پرواز

۸۔ دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیرِ زمیں تاز

۹۔ مذہب سے ہم آہنگیِ افراد ہے باقی — دیں زخمہ ہے جمعیتِ ملت ہے اگر ساز
۱۰۔ بنیاد لرز جائے جو دیوارِ چمن کی — ظاہر ہے کہ انجامِ گلستاں کا ہے آغاز
۱۱۔ پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
۱۲۔ یہ ذکر حضورِ شہِ یثربؐ میں نہ کرنا — سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
۱۳۔ "خرماں نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم — دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم"

(جنت میں حالیؔ پانی پتی نے سعدیؔ شیرازی کے ایک سوال کے جواب میں آبدیدہ ہو کر یہ عرض کیا ہے کہ آپ حضور اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ عرض کریں کہ جب ہمارے نوجوان کافروں کے مقرر کردہ نصابِ تعلیم پڑھ رہے ہیں تو ان میں اسلام کا جذبہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔)

۱-۳: ہاتف نے مجھے بتایا کہ ایک روز جنت میں سعدی شیرازیؒ حالیؔ سے یوں مخاطب ہوئے کہ اے وہ شاعر (حالی) کہ تو نے اپنی آسمان کو چمکا دینے والی نظموں (شاعری) کے موتیوں سے چاند تاروں کے چراغ گل کر دیے ہیں/ بجھا دیے ہیں، ذرا مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کی تو کچھ حالت و کیفیت بتا۔ کیا وہ واماندۂ منزل ہیں یا بھاگ دوڑ (جہد و عمل) میں مصروف ہیں۔

۴۔ کیا مسلم ہندی کی رگوں میں مذہب کی بھی کچھ گرمی/ سوز و گداز ہے؟ وہ مذہب جس کی گرمیِ آواز بھی آسمان کو بھی جلا دینے والی تھی۔ ایسا عظیم مذہب جس سے کبھی باطل قوتیں خوفزدہ رہتی تھیں۔

۵-۶: حالیؔ شیخ سعدیؔ کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوا اور رو رو کر ان کی باتوں کا یوں جواب دیا کہ اے صاحبِ اعجاز! جب بوڑھے آسمان نے زمانے کی کتاب کا ورق الٹا، باطل اور مادی قوتیں برسرِ اقتدار آ گئیں، تو آواز بلند ہوئی کہ (جدید/ یورپی) تعلیم کے حصول ہی سے تم عزت پا سکو گے۔

۷۔ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ اس یورپی تعلیم کے نتیجے میں) مسلمانوں کے دینی و اسلامی عقیدے زوال کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہیں دنیاوی و مادی فائدے تو پہنچے ہیں لیکن دین کا پرندہ اڑ گیا ہے۔ مسلمانوں کو دینِ اسلام سے کچھ رغبت نہیں رہی۔

۸۔ جب دین سے عمل اور عملی وابستگی ہو تو مقصد بھی بلند و عظیم ہوتے ہیں، لیکن (افسوس کی بات ہے کہ ہمارے) نوجوانوں کی فطرت زمین گیر اور زمین تاز ہو کے رہ گئی ہے۔

۹۔ مذہب سے دلی وابستگی و مطابقت (ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کا جذبہ) ہی

سے افراد کا بھی وجود باقی / برقرار رہتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ملت کی جمعیت ایک ساز ہے تو دین اس کا مضراب ہے۔

۱۰۔ اگر چمن کی دیوار مل جائے تو ظاہر ہے کہ باغ کی ویرانی کا آغاز ہو گیا ہے۔ دیوار مسلم نوجوانوں کا اور گلستان ملت اسلامیہ کا استعارہ ہے۔ جب ملت کے نوجوان مذہب سے بیگانے ہو جائیں گے تو ظاہر ہے' ملت کا وجود جلد ختم ہو جائے گا۔

۱۱۔ چونکہ نئی مسلم نسل کو زمزم ملت سے پانی نہیں ملا' (انھیں ملت اور دین اسلام سے کوئی رغبت نہیں رہی) اس لیے اس میں کفر و الحاد کے انداز پیدا ہو گئے ہیں۔

۱۲۔ آپ (سعدیؔ) حضور اکرمؐ شہ یثرب کی خدمت اقدس میں میری یہ باتیں / یہ ذکر نہ کریں۔ اس لیے کہ ہند کے مسلم کہیں مجھے چغل خور ہی نہ سمجھ لیں۔

۱۳۔ ہم نے جو کانٹے بوئے ہیں ان سے کھجور کا پھل حاصل نہیں کر سکتے' اسی طرح ہم نے جو اُون کاتا / بُنا ہے اس سے ریشم اور مخمل نہیں بن سکتے۔ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس استعارے میں بیان کیا ہے۔)

مذہب

(تضمین بر شعر میرزا بیدل)

۱۔ تعلیم پیر فلسفۂ مغربی ہے یہ ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
۲۔ پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش
۳۔ محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی اس دور میں ہے شیشۂ عقاید کا پاش پاش
۴۔ مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
۵۔ کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
۶۔ "با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ہر چند عقلِ کل شدہ ای بے جنوں مباش"

(اس نظم میں اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت پر ہے' اس لیے مسلمان صرف عقل سے اسلامی حقیقتوں سے روشناس نہیں ہو سکتا' بلکہ اس کے لیے اس میں عشق کے جنون کا جذبہ ضروری ہے۔)

۱۔ یورپ کے بڑے فلسفی کی یہ تعلیم ہے' یا اس کا نظریہ یہ ہے کہ وہ لوگ بیوقوف / کم عقل

ہیں جو اس ہستی کی تلاش میں رہتے ہیں جو غائب ہے یا جس کا کوئی وجود نہیں ہے
(ہستی غائب یعنی اللہ تعالیٰ)۔

۲۔ اگر کوئی وجود نظر سے آشنا ہی نہ ہو یعنی نظر نہ آتا ہو تو وجود کیا ہے' کچھ بھی نہیں' چنانچہ شیخ / مسلمان بھی برہمن کی طرح بت تراش ہی ہے۔

۳۔ جدید علوم کی بنیاد محسوس پر ہے۔ اس جدید دور میں عقیدوں کا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے وجود سے متعلق جو عقیدہ ہے' وہ بے معنی اور بے حقیقت ہے۔

۴۔ جس شے کو مذہب کا نام دیا جاتا یا مذہب کہا جاتا ہے وہ ایک خام / کچا یا فضول قسم کا جنون ہے۔ اس جنون کی وجہ سے آدمی کا تخیل بلند ہے۔ مذہب کی بات کرنا سراسر ایک بیکار خیال ہے۔

۵-۶: لیکن زندگی کا فلسفہ کچھ اور ہی کہتا ہے۔ وہ کیا کہتا ہے یہ راز مجھ پر مرشد کامل (بیدلؔ) نے فاش کیا ہے کہ ہر کمال کے ساتھ تھوڑا بہت عاشقانہ رنگ بہتر ہے' لہٰذا خواہ تو عقل کل (یعنی حضرت جبرئیلؑ) کے مرتبے کو پہنچ جائے پھر بھی خو میں کسی قدر جنوں (عشق مذہب) کی کیفیت ضرور پیدا کر۔

جنگ یرموک کا ایک واقعہ

۱۔ صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام

۲۔ اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام

۳۔ "اے بوعبیدہ! رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکوں کا جام

۴۔ بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

۵۔ جاتا ہوں میں حضورِ رسالتؐ پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام"

۶۔ یہ ذوق و شوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغ بے نیام

۷۔ بولا امیر فوج کہ "وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

۸۔ پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام

۹۔ پہنچے جو بارگاہِ رسولِؐ امیں میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

۱۰۔ ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے"

(اس نظم میں ایک صحابیِ رسولِ اکرمؐ حضرت ابو عبیدہ کے شوقِ شہادت کا حال نظم کیا ہے۔)

۱- تلواروں سے مسلح عرب کے نوجوان (جنگ کے لیے) صفیں باندھے کھڑے تھے اور ملکِ شام کی سرزمین کی دلہن مہندی کے انتظار میں تھی۔ یعنی آغاز جنگ کا اسے انتظار تھا جس میں خون بہایا جاتا تھا۔

۲-۳: پارے کی طرح بیقرار ایک نوجوان عرب اپنے سپہ سالار کی خدمت میں پہنچا اور ان سے کہنے لگا کہ "اے ابو عبیدہ مجھے رخصتِ پیکار دے کیونکہ میرے صبر و قرار کا جام لبریز ہو گیا ہے۔ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔

۴- میں حضور اکرمؐ کے فراق میں بہت بیقرار ہوں' محبت میں ایک پل کا جینا بھی حرام ہے۔

۵- میں حضور اکرمؐ رسالت پناہ کی خدمت اقدس میں جاتا ہوں۔ اگر آپ کی طرف سے کوئی پیغام ہو تو میں خوشی خوشی لے جاؤں گا۔"

۶- اس جوان کا یہ ذوق و شوق دیکھ کر (حضرت ابو عبیدہؓ) کی آنکھ' جس کی نگاہ بے نیام تلوار کی مانند تھی' پرنم ہو گئی (آنکھوں میں آنسو آ گئے)

۷- سپہ سالار (ابو عبیدہؓ) بولے کہ "کہ تو ایک ایسا نوجوان ہے جس کے اس جذبہ عشق کا احترام بوڑھوں کے لیے واجب/لازمی ہے۔

۸- حضور اکرم محمدؐ کا خدا تعالیٰ تیری مراد پوری فرمائے' تیری محبت کا مقام کتنا بلند ہے۔ (بہت بلند ہے)

۹-۱۰: جب تو رسولِ امینؐ کے حضور/بارگاہ میں پہنچے تو میری طرف سے سلام عرض کر کے یہ کہنا کہ ہم پر خدائے غیور نے بڑا کرم کیا ہے اور حضورؐ نے جو وعدے کیے تھے' وہ پورے ہو گئے ہیں۔"

مذہب

۱- اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

۲- اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

۳- دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

("مذہب" پر اس دوسری نظم میں علامہ نے یہ واضح کیا ہے کہ دنیا والوں کی قومیت

"وطن" سے ہے مگر مسلمانوں کی قومیت رشتۂ اسلام سے بنتی ہے۔ ایک مرتبہ مولانا حسین احمد مدنی مرحوم نے دلی میں یہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں وطنوں سے بنتی ہیں' اس لیے ہندو اور مسلم دونوں مل کر ایک قوم ہو سکتے ہیں۔ یہ نظم یقیناً ان کی تقریر کا جواب ہے۔)

۱۔ اے مسلم یورپی قوموں کا ملت سے متعلق جو نظریہ ہے تو اسے اپنی ملت کا نظریہ نہ سمجھ' اس لیے کہ رسول ہاشمی کی ملت کی اپنی ایک خاص ترکیب ہے۔ یعنی بقول علامہ:

چین و عرب ہمارا' ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا

۲۔ یورپی قوموں کا انحصار رنگ و نسل اور ملک پر ہے' جبکہ تیری (مسلمانوں کی) جمعیت مذہب سے مستحکم مضبوط ہے۔

۳۔ اگر تو نے دین / مذہب کا دامن چھوڑ دیا (دین و مذہب سے وابستگی نہ رکھی) تو پھر جمعیت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور ملت کا وجود بھی نہ رہے گا۔ وہ انتشار و افتراق کا شکار ہو کر مٹ جائے گی۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

۱۔ ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
۲۔ ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے
۳۔ ہے تیرے گلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دور — خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے
۴۔ جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور — رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
۵۔ شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو — نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے
۶۔ ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ — پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

(اس میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ قوم کی زندگی اسی میں ہے کہ شخصی و ذاتی وقار یا مفاد کا تصور چھوڑ کر ہر کام اجتماعیت سے کیا جائے۔)

۱۔ جو ڈالی موسم خزاں میں درخت سے ٹوٹ کر گر گئی' پھر اس کا موسم بہار میں ہرا اور سرسبز ہونا ممکن نہیں رہتا۔ گویا جو فرد اپنی ملت سے وابستگی نہیں رکھتا' اسے عزت و وقار

حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ ایسی ڈالی (فرد) کے لیے موسم خزاں کا دور لازوال ہو جاتا ہے' ختم نہیں ہوتا اور پھر اسے پھل پھول سے کوئی نسبت نہیں رہتی۔ پہلے شعر والی بات......

۳۔ تیرے (مسلم کے) باغ میں بھی موسم خزاں کا دور جاری ہے (افراد ملت اتحاد کی بجائے انتشار و افتراق کا شکار ہیں)' چنانچہ پھول کی جیب خالص سونے سے خالی ہے۔ ملت دین سے دور ہو گئی ہے۔

۴۔ جو پرندے پتوں کی تنہائی میں نغمے الاپ رہے تھے' وہ تیرے سایہ دار درخت سے اُڑ چکے ہیں۔ وہ قوم و ملت جس کے سائے میں لوگ بیٹھے تھے' وہ اب نہیں رہی۔

۵۔ تو کٹی ہوئی شاخ سے درس و عبرت حاصل کر' کیونکہ تو زمانے کے دستور سے ناآشنا ہے۔ اپنی اور اپنی قوم کی موجودہ صورت حال پر غور کر اور اس کی اصلاح پر توجہ دے ورنہ اس کا انجام برا ہو گا۔ دین و ملت سے وابستہ رہ۔

۶۔ تو (اے مسلم!) اپنی ملت سے مضبوط تعلق و رابطہ رکھ۔ درخت سے پیوستہ رہ کر موسم بہار کی امید رکھ۔ دین و ملت سے وابستگی ہی سے تجھے عزت ملے گی ورنہ ذلت و رسوائی تیرا مقدر بن جائے گی۔

شبِ معراج

۱۔ اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز ۔۔۔ سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات

۲۔ رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں ۔۔۔ کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

(اس میں حضور اکرمؐ کے واقعہ معراج شریف کے حوالے سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمان کو بلند ہمتی سے کام لینا چاہیے۔)

۱۔ آسمان سے شام کے ستارے کی یہ آواز آئی ہے کہ آج کی شب وہ شب ہے جسے صبح بھی سجدہ کرتی ہے۔ شب معراج کے بے حد منور ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ ایک صاحب ہمت کے لیے عرش بریں کا فاصلہ / راستہ فقط ایک قدم کا ہے۔ معراج کی رات مسلمان کو یہ بات بتا رہی ہے (جو پہلے مصرعے میں ہے)

پھول

۱۔ تجھے کیوں فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی — تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

۲۔ تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں — تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

۳۔ صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے — انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

۴۔ تنک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے — نہ رہ منت کشِ شبنم نگوں جام و سبو کر لے

۵۔ نہیں یہ شانِ خودداری، چمن سے توڑ کر تجھ کو — کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

۶۔ چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم — مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

۷۔ اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا — جہانِ رنگ و بُو سے، پہلے قطعِ آرزو کر لے

۸۔ اسی میں دیکھ مضمر ہے کمالِ زندگی تیرا — جو تجھ کو زینتِ دامن کوئی آئینہ رو کر لے

(اس نظم میں رمزیہ انداز میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح باغ میں پھول بہت حسین ہے اسی طرح مسلمان بھی ساری دنیا میں حسین تر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پھول کا حسن ظاہری ہے اور مسلم کا باطنی۔ اگر مسلمان کا باطن وہ خو بُو اختیار کر لے جو پھول میں ہے تو لگاو باطن میں وہ اتنی ہی محبوبیت حاصل کر سکتا ہے جتنی پھول کو لگاو ظاہر میں حاصل ہے۔)

۱۔ اے پھول تجھے بلبل کے بہت پھٹے ہوئے / زخمی دل کی فکر کیوں لاحق ہے، تو پہلے اپنا پھٹا ہوا لباس تو سی لے۔

۲۔ اگر زندگی / دنیا کے باغ میں تجھے عزت و آبرو کی تمنا ہے تو تو کانٹوں میں الجھ کر زندہ رہنے کی عادت بنا لے۔ دنیاوی مشکلات سے ٹکراتا ہوا اور جہد و عمل سے آگے بڑھتا جا اور حیاتِ جاوید حاصل کر لے۔

۳۔ صنوبر / سرو کا درخت باغ میں آزاد بھی ہے اور اس کے پاؤں (جڑیں) مٹی میں بھی پھنسے ہوئے ہیں۔ تو بھی اسی قسم کی پابندیوں میں آزادی حاصل کر لے۔

۴۔ تو خود میں بے نیازی کی فطرت پیدا کر کے تنک بخشی کے لیے شرمندگی کا سامان کر دے۔ تو شبنم کا احسان مند نہ بن، اپنا جام و سبو الٹا کر دے۔ مراد مسلمان دوسری قوموں کا یا انگریز حکمرانوں کا احسان مند نہ ہو بلکہ اپنا مستقبل و مقام خود اپنے جہد و عمل سے بنائے۔

۵۔ یہ خودداری کی شان نہیں ہے کہ تجھے باغ سے توڑ کر کوئی تو تجھے اپنی پگڑی میں رکھ لے

اور کوئی ہار بنا کر اپنے گلے کی سجاوٹ کا سامان کرے۔

۶- باغ میں پھول کی کلی سے شبنم/اوس یہ کہہ کر اڑ گئی کہ اگر تجھے پھول توڑنے والے کے جور وستم برداشت کرنے کا ذوق وشوق ہے تو تو خود میں رنگ اور خوشبو پیدا کرلے (کلی میں پھول بن کر رنگ و بو پیدا ہوتا ہے۔)

۷- اگر تجھے یہ آرزو ہے یا تو یہ چاہتا ہے کہ تو موسم خزاں سے نا آشنا رہے (تو موسم خزاں کا شکار نہ رہے) تو پہلے اس دنیائے رنگ و بو/مادی دنیا سے اپنی آرزو ختم کرلے۔ تو (مسلم) مادی مفادات کی بجائے دین اور عشق رسول اکرمؐ کے جذبے سے خود کو سرشار کرلے۔

۸- تیری زندگی کا کمال اسی میں پوشیدہ ہے کہ کوئی آئینہ رو تجھے اپنے پہلو کی زینت بنالے۔ (یعنی اے مسلم) تو اپنے باطن کو پاکیزہ رکھ اور ہر طرح کی برائیوں وغیرہ سے دور رہ تاکہ حضور اکرمؐ کی ذات گرامی کا تو محبوب بن جائے۔

شیکسپیئر

(۱)

۱- شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ — نغمۂ شام کو خاموشی شام آئینہ
۲- برگ گل آئینۂ عارضِ زیبائے بہار — شاہدِ مے کے لیے حجلۂ جام آئینہ
۳- حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن — دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئینہ
۴- ہے ترے فکرِ فلک رس سے کمالِ ہستی — کیا تیری فطرتِ روشن تھی مآلِ ہستی

(۲)

۱- تجھ کو جب دیدۂ دیدار طلب نے ڈھونڈا — تابِ خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا
۲- چشمِ عالم سے تو ہستی رہی مستور تری — اور عالم کو تری آنکھ نے عریاں دیکھا
۳- حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا — رازداں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

(اس نظم میں انگلستان کے محبوب ڈراما نویس شاعر کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔)

(۱)

۱- صبح کی سرخی/شفق کے لیے دریا کا چلنا/بہاؤ آئینہ کی طرح ہے' پانی کی لہروں میں وہ

سرخی نظر آتی ہے اور شام کے نغمہ کے لیے شام کی خاموشی آئینہ ہے۔ شام کو ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔

۲۔ پھول کی پتی موسم بہار کے حسین چہرے کی آئینہ ہے۔ بہار میں خوبصورت پھول کھلتے ہیں اور شراب کے محبوب (شراب کی حسینہ) کے لیے جام کا مجلّہ آئینہ ہے۔ شراب کو حسینہ سے اور جام کو مجلّہ سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ حسنِ حق کا آئینہ ہے اور دل حسن کا آئینہ ہے اور انسان کے دل کے لیے تیرا (شیکسپیئر کا) خوبصورت و دلکش کلام آئینہ ہے۔

۴۔ تیرے انتہائی بلند فکر سے وجود کا کمال ہے، وجود کا کامل ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے تیری روشن فطرت زندگی / وجود کا انجام ہے۔

(۲)

۱۔ جب تیرے دیدار کی آرزو مند میری آنکھوں نے تجھے ڈھونڈا تو یوں سمجھو کہ میں نے سورج کی روشنی میں سورج کو چھپا دیکھا۔ یعنی تیرے حسنِ کلام / شاعری میں مجھے تیری شخصیت کی عظمت کا پتا چلا۔

۲۔ دنیا والوں کی آنکھوں سے تو تیرا وجود پوشیدہ رہا لیکن تیری آنکھوں نے دنیا کو عریاں یا واضح طور پر دیکھا۔ شیکسپیئر کو اگرچہ ساری دنیا نے تو نہیں دیکھا لیکن اس کے کلام میں جو نکتہ بینی اور گہرائی ہے، وہ اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ دنیا کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا۔

۳۔ قدرت / فطرت کو اپنے راز چھپانے کی کچھ ایسی لگن ہے کہ وہ ہر کسی پر اپنے راز فاش نہیں ہونے دیتی۔ شاعری کے حوالے سے تیری شخصیت فطرت کی ایسی رازداں ہے کہ لگتا ہے پھر وہ کوئی تجھ سا رازداں پیدا نہ کرے گی۔

میں اور تو

۱۔ نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا	میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری
۲۔ میں نوائے سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو	میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دل بری
۳۔ مرا عیش غم مرا شہد سم مری بود ہم نفس عدم	ترا دل حرم گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری

۴- دم زندگی رم زندگی، غم زندگی سم زندگی — غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

۵- تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر — کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

۶- کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا — کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری

۷- گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے — کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

۸- نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے — وہی فطرت اسد اللہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

۹- کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم — وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

(خلاصۂ نظم یہ ہے کہ پوری ملت تباہ ہو چکی ہے اور کفر و طاغوت کی طاقتیں اس سے برسر پیکار ہیں۔ جس طرح مرحب و عنتر جیسے شہرۂ آفاق پہلوانوں کو حضرت علیؓ نے عشق رسول اکرمؐ کی بنا پر زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اسی طرح آج کے مسلمان بھی کفر و طاغوت کی قوت کو مٹی میں ملا سکتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل میں رسول اکرمؐ کا سچا عشق پیدا کریں۔

۱- نہ تو مجھ میں کلیمؑ کا سا کوئی سلیقہ ہے اور نہ تجھ میں خلیلؑ کا سا کوئی قرینہ ہے۔ میں جادوئے سامری کا فریفتہ ہوں تو تو شیوۂ آزری کا قتیل / شیدائی ہے۔ ہم دونوں (ہم مسلمان) اسلام سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ (لغت پیش نظر رکھیے)

۲- میں گلے میں نوائے سوختہ کی مانند ہوں تو تو پریدہ رنگ اور رمیدہ بو ہے۔ میں آرزوؤں کے غم کی حکایت ہوں۔ (مادی آرزوؤں کا شکار ہوں) اور تو دل بری کے ماتم کی کہانی ہے (محبوب سے جدا ہونے کا ماتم اور رنج و غم تجھے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔)

۳- میرا عیش و مسرت غم، میرا شہد زہر اور میرا وجود عدم کا ہم نفس / ساتھی ہے۔ (میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے) تیرا دل جو حرم ہے (تو مسلمان ہے لیکن تو) غیر اسلامی تہذیب کا شیدائی بنا ہوا ہے، جبکہ تیرا دین کفر کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔ طرز زندگی کافروں کا سا ہے۔

۴- زندگی کا وجود عارضی و فانی ہے، زندگی کا غم گویا زندگی کے لیے زہر ہے۔ تو زندگی کے فانی ہونے کا غم نہ کر، اور نہ غم کا زہر ہی کھا، کہ قلندری کی یہی شان ہے۔ یعنی وہ ان سب باتوں سے بے نیاز اور بے فکر رہ کر خود کو عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار رکھتا ہے۔

۵- اگر تیری خاک میں کوئی چنگاری ہے (عشق حقیقی و رسول اکرمؐ کی حرارت ہے) تو پھر تو محتاجی اور دولتمندی کا خیال / فکر نہ کر، اس لیے کہ دنیا میں نان شعیر پر ہی حیدری قوت کا دار و مدار ہے۔

۶۔ اے حرم کے چراغ! مجھے تو طواف کرنے (عظمت کے اعتراف کرنے یا قربانی کے ارادے سے تیرے گرد چکر لگانے) کا کوئی ایسا انداز بتا کہ تیرے پتنگے (اسلام کے شیدائی) کو پھر وہی سمندر کی سی فطرت حاصل ہو جائے۔

۷۔ حرم / کعبہ (دین اسلام) کو اہل حرم سے بظاہر وفا نظر آنے والی جفا کا جو گلہ / شکایت ہے اگر اسے میں کسی بت خانے میں بھی بیان کروں تو بت بھی "ہری ہری" کہنے لگے۔ ملت کی تباہ حالی کی طرف اشارہ ہے۔

۸۔ نہ تو دنیا کی ستیزہ گاہ ہی نئی ہے اور نہ پنجہ فگن حریف (دشمن) ہی نئے ہیں۔ تاہم آج بھی وہی اسد اللہی فطرت برقرار ہے۔ (مسلمان حضرت علیؓ کی سی قوت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں) اور وہی مرحب و عنتری موجود ہیں۔ (نوٹ دیکھیے)

۹۔ اے شاہِ عرب و عجم (حضور اکرمؐ) ہم مسلمان آپؐ کے کرم کے انتظار میں ہیں ہم پر کرم فرمایئے۔ ہم وہ گدا ہیں جنہیں آپؐ نے دماغ سکندری عطا فرمایا ہے۔ مسلمانوں میں پھر سے پہلے والا اتحاد و اتفاق اور باطل سے ٹکر لینے اور اسے مٹانے کی قوت پیدا ہو جائے۔

اسیری

۱۔ ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند	قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند
۲۔ مشکِ اذفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے	مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
۳۔ ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت، مگر	کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
۴۔ "شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست	ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند"

(مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی (علی برادران) تحریک خلافت میں حصہ لینے کے باعث قیدِ فرنگ میں تھے۔ جب وہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہا ہوئے تو امرتسر میں ان کی آمد پر وہاں کی خلافت کمیٹی نے ایک عظیم جلسہ منعقد کیا۔ اس میں علامہ نے انہیں مخاطب کر کے یہ نظم پڑھی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جس میں شرافت کے جوہر موجود ہوں، اسیری اس کی قدر کم نہیں کر سکتی۔ چیل، کوے کو کوئی قید نہیں کرتا بلکہ یہ سعادت باز اور شاہین ہی کو حاصل ہے۔)

۱۔ اگر انسان کی فطرت بلند ہو اور جذبے عظیم ہوں تو اسیری اس کی قدر و منزلت میں

اضافہ کرنے والی بن جاتی ہے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح نیساں کا قطرہ سیپی کے قید خانے میں (سیپی میں پڑ کر کچھ عرصہ بند رہنے سے) بڑا گراں قیمت موتی بن جاتا ہے۔

۲۔ اذفر کی مشک کیا چیز ہے؟ وہ محض لہو کی ایک بوند ہے۔ جب یہ ہرن کے نافہ میں بند ہو جائے تو نہایت خوشبودار ہو جاتی ہے۔ (مشک: ہرن کی ناف سے نکلے ہوئے خون کی جمی ہوئی بوند جو نہایت خوشبودار ہوتی ہے۔)

۳۔ تاہم قدرت ہر کسی کی (اس قسم کی) تربیت نہیں کرتی۔ وہ پرندے بہت کم ہیں جو جال اور پنجرے سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔

۴۔ کوے اور چیل کے بڑے پرِ قید اور شکار کی بندش سے آزاد ہیں۔ یہ سعادت صرف باز اور شاہین کی قسمت میں ہے۔

دریوزۂ خلافت (خلافت کی بھیک)

۱۔ اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے — تو احکام حق سے نہ کر بیوفائی
۲۔ نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
۳۔ خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
۴۔ "مرا از شکستن چناں عار ناید — کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

(لغت دیکھیے)

۱۔ اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے (پاس نہیں رہتا) تو جائے اس کی کوئی پروا نہیں لیکن تو (اے مسلم!) خدائی احکام سے بیوفائی نہ کر خدائی حکموں سے سرکشی نہ کر۔

۲۔ کیا تجھے تاریخ سے آگاہی نہیں ہے جو تو خلافت کی بھیک مانگنے لگا ہے۔ خبیث اور ظالم انگریزوں سے جو مسلمانوں کے بڑے دشمن ہیں خلافت کے طلبگار ہونا ایک طرح سے گداگروں والی بات ہے جو ملت کے لیے بہت بڑی ذلت کا باعث ہوگی۔

۳۔ ہم مسلمان جس پادشاہی کو اپنے لہو سے نہ خریدیں ہمارے لیے وہ ذلت و رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ باطل کے خلاف جہاد کر کے ہی اپنا عظیم مقصد حاصل کرنا چاہیے۔

۴۔ مجھے ہڈی ٹوٹنے سے اس قدر صدمہ نہیں ہوتا جس قدر کسی دوسرے سے مومیائی مانگنے

میں شرم آتی ہے۔ (مومیائی: ہڈی کو جوڑنے کی ایک مجرب و پرتاثیر دوا)۔ تیسرے شعر کی بات اس استعارے میں آ گئی ہے۔

ہمایوں (مسٹر جسٹس شاہ دین مرحوم)

۱۔ اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی — تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی

۲۔ گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار و دردمند — تھی ستارے کی طرح روشن تری طبعِ بلند

۳۔ کس قدر بیباک دل اس ناتواں پیکر میں تھا — شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

۴۔ موت کی لیکن دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں — شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

۵۔ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی — ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

(مرحوم ہمایوں علامہ کے محترم دوست تھے۔ ان کی وفات پر علامہ نے ان کی یاد میں یہ نظم کہی)

۱۔ اے ہمایوں! تیری زندگی پورے طور پر سوز و گداز کی حامل تھی اور تیری چنگاری محفل/ قوم کے چراغ کو روشن کرنے والی تھی۔ تجھے قوم سے بے حد محبت تھی اور اس کا درد تھا۔

۲۔ اگرچہ تیرا جسم کمزور، لاغر اور درد رکھنے والا تھا لیکن تیری بلند فطرت ستارے کی طرح روشن تھی۔ فطرتاً تو ایک عظیم شخصیت تھا۔

۳۔ تیرے اس لاغر و کمزور بدن میں جو دل تھا، وہ بڑا ہی بے خوف اور دلیر تھا۔ بس یوں سمجھو کہ خاک کی مٹھی (جسم) میں وہ (دل) ایک گردوں نورد شعلہ تھا۔ بڑے بڑوں پر چھا جانے والا تھا۔

۴۔ لیکن دانا دل کو موت کی کچھ پروا نہیں ہوتی ہے، اسے معلوم ہے کہ (بقول میر؍ شوق لکھنوی:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اور بقول انشاء:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت سے آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

رات کی خاموشی میں آنے والے کل کے ہنگامے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ رات

طلوع ہوئی' پھر ختم ہوئی تو صبح ہوگئی۔ گویا انسان کی موت اس کی آنے والی مستقل زندگی کا باعث بنتی ہے۔

۵- غافل و نادان لوگ موت کو زندگی کا انجام سمجھتے ہیں۔ یہ شام زندگی (یعنی موت) تو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے' یا دوامی زندگی کا باعث بنتی ہے۔

خضرِ راہ (شاعر)

(۱)

۱- ساحلِ دریا پہ میں اک رات تھا محوِ نظر — گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
۲- شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر — تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
۳- جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار — موجِ مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب
۴- رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر — انجم کم ضو گرفتارِ طلسمِ ماہتاب
۵- دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں پیما خضر — جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر رنگِ شباب
۶- کہہ رہا ہے مجھ سے "اے جویائے اسرارِ ازل! — چشمِ دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب"
۷- دل میں یہ سن کر بپا ہنگامۂ محشر ہوا — میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخن گستر ہوا

(۲)

۱- اے تری چشمِ جہاں بیں پر وہ طوفاں آشکار — جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
۲- "کشتیِ مسکین" و "جانِ پاک" و "دیوارِ یتیم" — علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
۳- چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد — زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش
۴- زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے؟ — اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟
۵- ہو رہا ہے ایشیا کا خرقۂ دیرینہ چاک — نوجواں اقوامِ نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
۶- گرچہ اسکندر رہا محرومِ آبِ زندگی — فطرتِ اسکندری اب تک ہے گرمِ ناؤ نوش
۷- بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰ — خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
۸- آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے — کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

(اس وقت [۱۹۱۹ء میں] ترکوں کے خلاف انگریزوں نے جو ظالمانہ رویے اختیار کیے اور عربوں نے انگریزوں کے فریب میں آ کر ترکوں سے کھلی غداری کی تھی' یہ نظم

اس حوالے سے ہے۔ علامہ نے یہ نظم ۱۹۲۲ء میں انجمن حمایت اسلام' لاہور کے سالانہ اجلاس میں بڑے شدید جذبے کے ساتھ پڑھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پڑھتے وقت بار بار ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر اتنا روئے کہ آواز گلوگیر ہوگئی اور ہچکی بندھ گئی' سامعین کا بھی یہی عالم رہا۔)

۱۔ ایک رات میں دریا/سمندر کے کنارے پر کچھ اس حالت میں محوِ نظر (دیکھنے میں مصروف) تھا کہ میرے دل کے گوشے/کونے میں بیقراری کی ایک دنیا چھپی ہوئی تھی۔ دلی طور پر بہت بیقرار تھا۔

۲-۳: اس وقت منظر کچھ ایسا تھا کہ رات سناٹا/خاموشی بڑھانے والی اور راحت افزا تھی' جبکہ دریا آہستہ چل/بہہ رہا تھا۔ دریا کا یہ آہستہ چلنا دیکھ کر نظر حیران تھی کہ یہ دریا ہے یا پانی کی کوئی تصویر ہے۔ جس طرح پنگھوڑے میں ایک دودھ پیتا بچہ سو جاتا ہے' اسی طرح بیقرار (تیز چلنے والی) موج دریا کی گہرائیوں میں سوئی پڑی تھی۔ موجوں کا نہ اٹھنا یا بالکل آہستہ چلنا مراد ہے۔

۴۔ رات کے جادو کی وجہ سے پرندے اپنے آشیانوں میں قید تھے' سوئے ہوئے تھے اور تھوڑی روشنی والے ستارے چاند/چاندنی کے جادو کا شکار تھے۔ چاندنی کی وجہ سے ان کی روشنی تھوڑی نظر آتی تھی۔

۵-۶: اچانک میری نظر جو پڑی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ دنیا کو ناپنے والے یعنی ہر وقت چلتے پھرتے رہنے والے وہ حضرت خضرؑ جن کے بڑھاپے میں بھی صبح روشن کی مانند جوانی کا رنگ ہے' مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اے ازل کے رازوں سے آگاہی حاصل کرنے والے (دریا یعنی قدرتی مناظر دیکھنے میں محو انسان) اگر دل کی آنکھ کھلی ہو تو کائنات کی تقدیر بالکل بے پردہ ہے۔ صاحب بصیرت پر قدرت کے راز واضح ہو جاتے ہیں۔

۷۔ جب میں نے ان کی یہ بات سنی تو میرے دل میں قیامت کا سا ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ میں چونکہ تلاش و جستجو کا شیدائی تھا اس لیے ان کے جواب میں یوں عرض کیا کہ (دوسرے بند میں ملاحظہ ہو):

(۲)

۱۔ اے وہ ہستی کہ جس کی جہاں بیں نظروں میں وہ طوفان ظاہر ہیں' جن کے ہنگامے ابھی دریا/سمندر میں خاموش سوئے پڑے ہیں۔ آنے والے واقعات پر بھی آپ کی

نظر ہے۔

۲- "کشتیِ مسکین" "جانِ پاک" اور "دیوارِ یتیم" (لغت......) کے واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے حضرت موسیٰ کا علم بھی حیرت کا شکار ہے۔

۳- آپ شہری آبادیاں چھوڑ کر صحرا نوردی میں لگے رہتے ہیں اور آپ کی زندگی دن اور رات نیز آنے والے کل اور گزرے ہوئے کل سے بالکل بے نیاز ہے۔ آپ مسلسل چلتے اور جاگتے رہتے ہیں۔ (آپ کی زندگی موت سے نا آشنا ہے۔)

۴- آپ یہ فرمائیں کہ زندگی کی حقیقت / راز کیا ہے اور سلطنت کسے کہتے ہیں۔ نیز سرمایہ داری اور محنت و مزدوری میں یہ کیسا باہمی جھگڑا اور فساد ہے؟ اس کا باعث کیا ہے؟

۵- ایشیا کا پرانا خرقہ چاک ہونے کو ہے یا ہو رہا ہے' جبکہ یہاں کے نوجوان نئی ابھرنے والی قوموں (یورپ اور امریکہ وغیرہ) کا لباس پہن رہے ہیں یعنی ان کی پیروی و نقالی کر رہے ہیں۔

۶- اگرچہ سکندر آبِ حیات سے محروم رہا (وہ حضرت خضر کے ساتھ اس کی تلاش میں گیا تھا' لیکن خضر تو اس چشمے تک پہنچ گئے اور انہوں نے پانی پی کر حیاتِ جاوید پالی' جبکہ سکندر راستے ہی میں رہ گیا' آگے نہ بڑھ سکا) لیکن سکندری فطرت آج بھی پینے پلانے میں مگن اور محو ہے۔ گویا بادشاہت آج بھی بڑھ پھول رہی ہے۔

۷- ہاشمی (لغت....) دینِ مصطفیٰ کی عزت و ناموس بیچ رہا یعنی گنوا رہا ہے' جس کی وجہ سے سخت جدوجہد کرنے والا ترک خاک و خون میں مل رہا ہے۔ ترک دینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر یورپی قوموں سے برسرِپیکار تھے۔

۸- نمرود کی جلائی ہوئی آگ' اولادِ ابراہیم اور نمرود آج بھی موجود ہیں' کیا پھر کسی کو کسی (مسلمانوں) کی آزمائش مقصود ہے۔ یعنی مسلمانوں کے لیے ہر طرف مصیبتوں کا طوفان برپا ہے اور دوسری طرف طاغوتی / باطل قوتیں انہیں مٹانے اور تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ گویا وہ مسلمانوں کی قوتِ برداشت کا جائزہ لے رہی ہیں۔ (ان سوالوں کا جواب ذیلی عنوانوں کے تحت دیا گیا ہے۔)

جوابِ خضر

(صحرانوردی) یعنی صحرانوردی کیا ہے

۱۔ کیوں تعجب ہے مری صحرانوردی پر تجھے / یہ تگا پوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
۲۔ اے رہینِ خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں / گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل
۳۔ ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام / وہ حضر بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل
۴۔ وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صبح / یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبرئیل
۵۔ وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب / جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل
۶۔ اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں / اہلِ ایماں جس طرح جنت میں گردِ سلسبیل
۷۔ تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش / اور آبادی میں تو زنجیریِ کشت و نخیل
۸۔ پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی / ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

۱۔ تجھے (علامہ کو) میری صحرانوردی پر حیرانی کیوں ہے؟ یہ مسلسل بھاگ دوڑ / چلتے رہنا تو حقیقی زندگی کی دلیل ہے۔ عارضی و فانی زندگی کو حقیقی اور سدا والی بنانے کے لیے مسلسل جہد و عمل کی ضرورت ہے۔

۲۔ اے رہینِ خانہ تو نے وہ منظر نہیں دیکھا جب دشت / صحرا میں کوچ کی آواز گونجتی ہے۔ یہی گونج دلوں میں نت نئی منزلوں کی طرف آگے بڑھنے کا جوش و ولولہ پیدا کرتی ہے۔ مسلسل سعی و کوشش حیاتِ جاوید کے لیے ضروری ہے۔

۳۔ ہرن کا ریت کے ٹیلے پر مزے مزے اور بے پروائی سے چلنا / ٹہلنا (چوکڑیاں بھرنا) اور وہ سر و سامان کے بغیر ہی اہلِ قافلہ جہاں پانی اور سایہ دیکھتے ہیں وہاں پڑاؤ ڈال لیتے (کچھ دیر کے لیے رک جاتے) ہیں۔ ان کا سفر بڑا طویل ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سفر کے راستے میں کوئی میلوں کی نشان دہی کرنے والا پتھر نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ یہ قافلے پیغامِ الٰہی دور دور تک پہنچانے کے لیے طویل ترین سفر کرتے ہیں۔

۴۔ صحرا / دشت میں صبح کے وقت طلوع ہونے والے اور جلد غروب ہونے والے ستارے کا ظاہر ہونا اس کا جھلملانا کچھ ایسا منظر پیش کرتا ہے کہ لگتا ہے جیسے آسمان کی چھت پر سے حضرت جبرئیلؑ کی نورانی پیشانی نمایاں ہو رہی ہے۔ ستارے کو مذکورہ پیشانی سے تشبیہ دی ہے۔

۵- وہ صحرا کی شام کی خاموشی میں سورج غروب ہونے کا منظر کچھ ایسا دلکش ہوتا ہے کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی آنکھ روشن ہونے والے منظر کی یاد آ جاتی ہے۔ (انہوں نے جب سورج طلوع ہوتے دیکھا تو اسے اپنا خدا سمجھا لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے فرمایا' یہ میرا خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ذات تو لافانی ہے۔ یہی نئی روشنی ان کی آنکھوں میں پیدا ہوئی۔)

۶- ذرا وہ روح پرور منظر بھی پیش نظر رکھ (یاد رکھنے والا ہوتا ہے) جب پانی کے چشمے کے گرد قافلہ والے کچھ اس انداز میں ہجوم کرتے ہیں جس طرح سلسبیل کے گرد اہلِ ایماں جمع ہوتے ہیں یا ہوں گے۔

۷- محبت کا جنون نت نئے ویرانوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے' جبکہ تو (شاعر) آبادی میں کھیتی باڑی کرنے اور درخت وغیرہ لگانے میں لگا ہوا ہے۔ تجھے نت نئی منزل تک پہنچنے اور آگے بڑھنے کا ذرا سا بھی شوق و ذوق نہیں ہے۔ گویا تو بے عملی اور ایک ہی مقام پر بسے رہنے کا شوقین ہے۔

۸- یاد رکھ کہ زندگی کا جام درحقیقت مسلسل گردش ہی سے زیادہ پختہ و مضبوط ہوتا ہے۔ یعنی حقیقی زندگی اور بقائے دوام لگاتار جہد و عمل ہی سے حاصل ہوتی / بنتی ہے لیکن تو تو دوام زندگی کے اس راز سے بالکل آگاہ ہی نہیں ہے۔

زندگی

(اب خضر حقیقی زندگی کی وضاحت کرتے ہیں)

(۱)

۱- برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

۲- تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی

۳- اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے' ضمیرِ "کن فکاں" ہے زندگی

۴- زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

۵- بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

۶- آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

۷۔ قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
۸۔ خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

(ا)

۱۔ حقیقی زندگی نفع و نقصان کے تصور سے بہت بلند ہے۔ زندگی سے محبت کرنا اور اسے اللہ کی راہ میں اور ملک و ملت کی خاطر جان قربان کر دینے ہی سے زندگی کو دوام حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ تو زندگی کو آج اور کل یا مہینوں اور سالوں کے حساب سے نہ شمار کر اس لیے کہ حقیقی زندگی تو مسلسل و پیہم جہد و عمل اور سعی و کوشش ہی سے ہر پل جوان رہتی ہے۔ اسے فنا نہیں ہے۔

۳۔ اگر تو خود کو صحیح معنوں میں زندہ سمجھتا ہے تو پھر اپنی دنیا آپ پیدا کر' کسی کی محتاجی اختیار کرنا کوئی زندگی نہیں ہے۔ زندگی' در حقیقت کائنات کا ضمیر اور حضرت آدم کی تخلیق کا راز ہے۔ اس راز کو پا جانے والے ہی بقائے دوام کا مستحق بنتے ہیں۔

۴۔ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اگر تو یہ جاننا چاہتا ہے تو فرہاد کے دل سے پوچھ کہ حقیقی زندگی کیا ہے؟ اس سے تجھے معلوم ہوگا کہ زندگی بھاری بھرکم پتھروں کو توڑ کو دودھ کی ندی بہانے کا نام ہے۔ (فرہاد نے نوشیرواں بادشاہ کے ایما پر پہاڑ کھود کر جاری کی تھی)۔ وہی مسلسل اور لگاتار جہد و عمل کی بات۔

۵۔ غلامی میں زندگی کی حالت اس ندیا کی سی ہوتی ہے جس میں پانی بہت کم ہوتا ہے' جبکہ آزادی میں وہ ایک ایسا سمندر بن جاتی ہے جس کا کوئی ساحل / کنارہ نہیں ہوتا۔ غلامی میں زندگی ترقی اور عزت و عظمت سے محروم ہو جاتی ہے لیکن آزادی میں وہ ترقی کی بلند منزلوں تک پہنچ جاتی ہے۔

۶۔ اگرچہ زندگی مٹی کے ایک وجود یعنی جسم میں پنہاں ہے لیکن وہ اپنی قوتِ تسخیر سے نمایاں ہے۔ (لغت......)

۷۔ تو ہستی / زندگی کے سمندر سے بلبلے کی مانند ابھرا ہے۔ اس زیاں خانے میں زندگی گویا تیری آزمائش ہے۔ بلبلا ذرا سی ہوا چلنے یا لہر کی تیزی سے پھٹ جاتا ہے۔ سو اگر تو خود کو جہد و عمل سے مستحکم اور مضبوط بنا لے تو تو اس آزمائش میں کامیاب رہے گا۔

۸۔ تو اس وقت تک محض مٹی کا ایک ڈھیر ہے جب تک تو کچا اور کمزور ہے۔ جب تجھ میں پختگی پیدا ہو جائے گی تو تو ایک بے زنہار تلوار بن جائے گا۔ مصیبتوں اور دشواریوں

سے ڈرنے کی بجائے ان کا مقابلہ کر کے ہی زندگی پختہ ہوتی ہے اور بقائے دوام کا باعث بنتی ہے۔

(۲)

۱۔ ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ	پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
۲۔ پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار	اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
۳۔ زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکار	تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے
۴۔ خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب	تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے
۵۔ سوئے گردوں نالۂ شبگیر کا بھیجے سفیر	رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
۶۔ یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصۂ محشر میں ہے	پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

(۲)

۱۔۲: (خضراب مزید وضاحت کرتے ہیں) جس انسان کے دل (انسان) میں صداقت/ سچائی کی خاطر جان تک دینے کا جذبہ ہو' اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے مٹی کے بنے جسم (مادی جسم) میں جان پیدا کرے۔ (لغت)۔ وہ یہ زمین و آسمان' جو گویا اسے ادھارے ملے ہوئے ہیں' کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے اور پھر اس راکھ سے اپنے لیے نئے زمین و آسمان پیدا کرے۔ یعنی مادی و دنیاوی فائدوں کے چکر میں پڑنے کی بجائے خدا اور رسول اکرمؐ کے عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی سعی و کوشش اور جدوجہد و عمل سے اپنا مقام و مرتبہ بلند کرے۔

۳۔ زندگیِ حقیقی کی وہ طاقت و قوت جو اس کے جسم میں ہے' اسے ظاہر کر دے تا کہ اپنی اہلیتوں اور قابلیتوں سے کام لے کر اس چنگاری (قوت) میں ہمیشہ قائم رہنے والی روشنی پیدا کرے۔ گویا مسلسل جدوعمل سے انسان اپنے لیے ایک نئی دنیا پیدا کر لے گا' اس پر کائنات کے راز کھل جائیں گے۔ حیاتِ جاوید اس کا مقدر بن جائے گی۔

۴۔ وہ (مسلمان) مشرق کی سرزمین پر سورج کی طرح چمکے تا کہ بدخشاں پھر وہی پہلے جیسے گراں قیمت موتی پیدا کرے۔ گویا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی مسلسل جدوجہد اور سعی و کوشش سے سرزمینِ مشرق (مشرقی مسلمان ملکوں) کو رشکِ بہشت بنا دیں۔ لوگوں میں ایسے جذبے اور ولولے پیدا کریں کہ پھر پہلے جیسے مجاہد اور دلیر پیدا ہو کر باطل قوتوں کو مٹا دیں۔

۵۔ اس کے علاوہ وہ (مسلمان' سب مسلمان) آدھی رات کے وقت اپنی دعا و فریاد کا سفیر آسمان کی طرف بھیجا کریں اور یوں ستاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے / کریں۔ یعنی مسلسل جدوعمل کے ساتھ ساتھ آدھی رات کے وقت خدا تعالیٰ کے حضور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اور گڑگڑا کر دعا مانگے کہ اس سے خدا کی تائید حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں دنیاوی محنت و کاوش کے ساتھ ساتھ روحانی کوشش و جذبہ سے بھی کام لے کہ اسی سے اس کی کامیابی کی بات بنتی ہے۔

۶۔ اے غافل مسلمان! یہ دور گویا قیامت کی گھڑی ہے اور تو محشر کے میدان میں کھڑا ہے۔ اور اے غافل اگر تیری کتاب میں کوئی عمل ہے (یعنی تیرا کوئی اچھا عمل) ہے تو پیش کر۔ یہاں تیرے اعمال کا حساب کتاب ہونے والا ہے۔ جس طرح قیامت میں حساب کتاب عمل ہوگا' اسی طرح آج کے مسلمان اگر جدوعمل اور سعی و کوشش کا حوصلہ رکھتے ہیں تو زندگی ان کی سرخ روئی کا باعث بنے گی (جس طرح قیامت میں نیک اعمال سے ہوگی) ورنہ ان کی زندگی سراسر عذاب بن جائے گی جو گویا دوزخ کے برابر ہوگی۔

سلطنت

۱۔ آ بتاؤں تجھ کو رمز آیہ "ان الملوک" — سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
۲۔ خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
۳۔ جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
۴۔ خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں — توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری
۵۔ سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی' باقی بتانِ آزری
۶۔ از غلامی فطرتِ آزاد را رسوا مکن — تا تراشی خواجہ اے از برہمن کافر تری
۷۔ ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
۸۔ دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
۹۔ مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
۱۰۔ گرمیِ گفتارِ اعضائے مجالس' الاماں — یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

۱۱- اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو　　آہ! اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

۱- (اب سلطنت سے متعلق سوال کا جواب ہے) اے شاعر! تو ادھر آ تا کہ میں تجھے "آیہ إن الملوک" کے معنی یا راز بتاؤں۔ سلطنت' درحقیقت' غالب آنے والی قوموں کی ایک طرح سے جادوگری ہے۔ (لغت......)

۲- یہ جادوگر (یعنی بادشاہ/حکمران) اپنے جادو کا کچھ ایسا چکر چلاتے ہیں کہ اگر غلام نیند سے ذرا بیدار ہو جاتا ہے (اس میں آزادی کے حصول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے) تو وہ اسے پھر سلا دیتے ہیں۔ حکمران چالبازی سے اسے سہانے خواب دکھاتا ہے یا اسے فائدے پہنچانے کا جھوٹا وعدہ کرتا ہے جس پر غلام پھر سے غلامی پر رضامند ہو جاتا ہے۔

۳- محمود غزنوی (حکمران) کے جادو کی تاثیر سے ایاز (غلام' محمود غزنوی کا خوبصورت غلام) کی آنکھیں گردن کے حلقے میں دلبری کا ساز دیکھتی ہیں۔ غلامی کے طوق کو وہ محبوبیت کا ساز و سامان سمجھتا ہے۔

۴- آخر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسرائیل کا خون جوش میں آ جاتا ہے اور کوئی موسیٰ' سامری کے جادو کا توڑ کر دیتا ہے۔ اسرائیل سے مراد غلام قوم اور موسیٰ سے مراد کوئی ایسا رہنما جو حکمرانی و بادشاہت کے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور یوں قوم کو غلامی سے نجات دلاتا ہے۔

۵- سروری و حکمرانی صرف خدائے واحد ہی کو زیبا ہے۔ صرف اسی کی ذات اقدس صحیح معنوں میں حکمران ہے باقی سب (دنیاوی حکمران) ایک طرح سے آزری کے بت ہیں' جو کسی طرح بھی حکمرانی کے لائق نہیں ہیں۔

۶- (اے مسلمان!) تو اپنی آزاد فطرت کو (سوائے خدا تعالیٰ کے) کسی کا غلام بن کر ذلیل و رسوا نہ کر۔ اگر تو نے کسی کو اپنا آقا بنایا تو پھر تو برہمن سے بدتر کافر ہو جائے گا۔

۷- آج کا جو یورپی نظام جمہوریت ہے' درحقیقت یہ وہی پرانا ساز ہے جس کے راگوں میں قدیم بادشاہت والے نغمے ہی پھوٹتے ہیں۔ آج کی جمہوریت' پرانی بادشاہت ہی کا روپ ہے۔ (راقم یزدانی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

یہ ڈاکے' یہ دھماکے اور یہ قتلِ نسلِ انسانی
عوام اس صورتِ حالات سے تنگ ہیں اور بیزار بیٹھے ہیں
مگر یہ مغربی جمہوریت کے' عیش میں ڈوبے ہوئے ہر دم

بنے ہیں راہزن جمہور کے اور درپئے آزار بیٹھے ہیں

۸- ظلم و جور کا بھوت جمہوری لباس پہنے ناچ رہا ہے' جسے تو آزادی کی نیلم پری سمجھ رہا ہے۔ یعنی وہی بادشاہت اب جمہوریت کی صورت میں ہے جسے نادان لوگ آزادی سمجھ رہے ہیں۔

۹- حکمرانوں نے قانون ساز مجلس قائم کر کے عوام کے لیے اصلاحات و رعایات وغیرہ کے حقوق دیئے ہیں۔ اہل ہند کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسا انداز ہے جس سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں' بس یوں سمجھو کہ یورپی دوا ایک ایسی دوا ہے جس کا ذائقہ تو میٹھا ہے لیکن اس کا اثر خواب آور ہے۔ یہ انداز محکوم قوم کو طویل مدت تک غلام رکھنے کی چال ہے۔

۱۰- قانون ساز مجلسوں (اسمبلیوں) میں اراکین کچھ ایسی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ ہے۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ساری قوم کا درد ان کے دل میں ہے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ تو سرمایہ داروں کے یہ حربے بھی زرگری کی جنگ ہے۔ عوام کو جمہوریت کے نام پر بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔

۱۱- اے آج کے انسان! تو اس رنگ اور خوشبو کے سراب / دھوکے کو باغ سمجھ رہا ہے جو تیری سادہ دلی کا پتا دیتا ہے۔ افسوس اے نادان تو نے اس پنجرے (جمہوریت) کو آشیانہ سمجھ رکھا ہے۔

سرمایہ و محنت

(۱)

۱- بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے — خضر کا پیغام کیا' ہے یہ پیام کائنات
۲- اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر — شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
۳- دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی — اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
۴- ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش — اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات
۵- نسل' قومیت' کلیسا' سلطنت' تہذیب' رنگ — "خواجگی" نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
۶- کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے — سُکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات

۷۔ مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار — انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

۸۔ اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے — مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

۱۔ (اب خضر سرمایہ داری اور مزدوری کی وضاحت کرتے ہیں) تو جا کر مزدور کو میرا پیغام دے۔ یہ میرا نہیں بلکہ کائنات کا پیغام ہے' کائنات کی دل کی آواز ہے۔ (بعد کے شعروں میں پیغام ہے)

۲۔ اے مزدور! تجھے مکار سرمایہ دار کھا گیا ہے۔ صدیوں سے تیری قسمت/ تیرا رزق ہرن کے سینگ پر رہی/ رہا ہے۔ یعنی تجھے تیری انتہائی محنت کا پورا پورا پھل/ اجر نہیں مل رہا۔

۳۔ دولت پیدا کرنے والے ہاتھ (مزدور) کو محنت کی اجرت کچھ اس طرح ملتی رہی (مل رہی ہے) جیسے مال دار لوگ غریبوں' مفلسوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کارخانوں وغیرہ میں محنت اور جان ماری مزدور کرتا ہے' کھیتی باڑی میں بھی وہی جان ماری کرتا ہے لیکن فائدہ کارخانے کے مالک اور زمیندار اٹھاتے ہیں۔ مزدور کو پوری اجرت نہیں ملتی۔

۴۔ المختصر کے جادوگر (سرمایہ دار) نے تجھے بھنگ کی بوٹی پلا دی ہے تاکہ تو مست رہے اور تو ایسا بے خبر ہے کہ اس بوٹی کو شاخ نبات سمجھ رہا ہے۔ حاکموں نے غلاموں کو چند رعایتیں دے کر انہیں غلامی کی زنجیروں میں مزید جکڑ لیا ہے۔

۵۔ آقاؤں/ حکمرانوں نے عوام کو غلام رکھنے کی خاطر خوب چن چن کر نشہ آور چیزیں تیار کی ہیں' جیسے نسل' قومیت' کلیسا' سلطنت' تہذیب اور رنگ۔ یعنی عوام انہی کے چکروں (رنگ و نسل وغیرہ) میں پڑے رہیں اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش نہ کریں۔

۶۔ اے نادان! تو خیالی دیوتاؤں (وہی رنگ و نسل وغیرہ) کی خاطر یا فرضی تعصبات کی کی وجہ سے آپس میں لڑ لڑ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ خیالی دیوتاؤں کے نشے کی اس لذت نے تجھے تباہ کر دیا ہے۔

۷۔ سرمایہ دار اپنی مکاریوں اور چالبازیوں سے بازی جیت گیا جبکہ مزدور اپنی انتہائی سادہ دلی کی وجہ سے مار/ شکست کھا گیا۔

۸۔ تو (اے مزدور!) اب اٹھ کھڑا ہو' ہوشیار اور چوکنا ہو جا' آج دنیا کی محفل کا اور ہی

انداز ہے۔ آج کی جو صورت حال ہے وہ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اب مشرق و مغرب یعنی پوری دنیا میں تیرے ہی برسر اقتدار آنے کا دور ہے۔ اب سرمایہ دار کی مکاری اور فریب کاری مزدور کو چکمہ نہ دے سکے گی۔

(۲)

۱۔ ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول — غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک
۲۔ نغمۂ بیداری جمہور ہے سامان عیش — قصۂ خواب آور اسکندر و جم کب تلک
۳۔ آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا — آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک
۴۔ توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام — دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تلک
۵۔ باغبان چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار — زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک
۶۔ کرمک ناداں! طواف شمع سے آزاد ہو — اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

۱۔ بلند ہمت والے انسان کو تو اگر دریا / سمندر بھی ملے تو وہ اسے قبول نہیں کرتا' لیکن اے غافل یا نا سمجھ تو (مزدور) کب تک اپنے دامن میں اوس کے چند قطرے رکھ کر (تھوڑی سی اجرت) قناعت کرتا رہے گا۔ تو اپنی ہمت و قوت سے خود اپنی عظمت و ترقی کا سامان کر۔

۲۔ جمہور / عوام کی بیداری کے نغمے دل کی فرحت و مسرت کا باعث ہیں۔ بادشاہ سکندر یونانی اور جمشید بادشاہ کی سُلا دینے والی کہانی کب تک سنتے رہو گے۔ بیداری کے نغمہ / ترانہ سے روح و دل بیدار ہو جاتے ہیں' جبکہ مذکورہ کہانی جدوجہد سے روک لیتی ہے۔

۳۔ اب دنیا کے بطن / پیٹ سے نیا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ اے آسماں' ہم غروب شدہ ستاروں کا کب تک ماتم کرتے رہیں گے۔ کب تک اپنے اسلاف کی جرأت و دلیری اور بے خوفی کے قصے دہراتے رہیں گے۔ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق ہمیں اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لینا ہو گا۔

۴۔ آج انسان نے ہر طرح کی زنجیریں (رنگ و نسل' سلطنت وغیرہ) توڑ ڈالی ہیں۔ اب جنت سے دور رہنے کے باعث آدم کی آنکھ کب تک آنسو بہاتی رہے گی یعنی کب تک ہم اپنے عظیم ماضی کو یاد کرتے رہیں گے۔ ہمیں آج کے تقاضے پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

۵۔ پھول کے زخم کے لیے باغبان کی کوشش اور تدبیر دیکھ کر بہار اسے کہتی ہے کہ تو کب تک

پھولوں کے زخموں پر مرہم لگاتا رہے گا۔ بہار خود زخموں پر مرہم لگائے گی۔ یعنی زمانہ بہت بڑا معالج ہے جو وقت کے مرہم سے گہرے زخم پُر کر دیتا ہے۔ وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر جہد و عمل سے عظمت حاصل ہوتی ہے۔ زخم گل مزدور کا استعارہ ہے۔

۶۔ اے ناسمجھ پروانے تو شمع کے گرد چکر لگانے سے اب آزاد ہو جا (پروانہ یعنی مزدور اور شمع یعنی سرمایہ دار)۔ تو اپنی فطرت کے تجلی زار (یعنی مستقبل) میں آباد ہو جا۔ سرمایہ دار کی خوشامد وغیرہ چھوڑ اور اپنی قوتوں/صلاحیتوں سے اپنا مستقبل خود سنوار۔

دنیائے اسلام

(خضراب اس موضوع پر بات کر رہے ہیں اور علامہ کے سوال کا جواب دے رہے ہیں)

(۱)

۱۔ کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

۲۔ لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

۳۔ ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیاز

۴۔ لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستاں سے پارس
وہ مئے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز

۵۔ حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

۶۔ ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

۷۔ گفت رومی "ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند"

۱۔ تو مجھے ترکوں کے ذلیل و رسوا ہونے اور عرب کے مذکورہ سربراہ کی کیا داستان سناتا ہے۔ میں مسلمانوں کے عروج و زوال اور ان کی مصیبتوں سے بے خبر نہیں ہوں۔

۲۔ مسلمانوں کا تمام ورثہ تثلیث کے فرزند (عیسائی) لے گئے۔ انہوں نے حجاز/عرب کی مٹی سے کلیسا کی بنیاد کے لیے اینٹیں بنالیں۔ گویا انہوں نے (جو از منۂ مظلمہ (Dark Ages) میں تھے) مسلمانوں سے علم و ہنر اور فن و تہذیب وغیرہ سیکھا، پھر اسے بنیاد بنا کر زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر کے عروج حاصل کر لیا۔

۳۔ جبکہ سرخ ٹوپی یعنی ترک دنیا میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔ ان کی حکومت و سلطنت جاتی رہی اور وہ غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ جو بھی پورے طور پر فخر و ناز والے تھے وہ اب عاجز

اور قاصر ہو گئے ہیں۔ گویا ان سے حکومت اور تہذیب وعلوم وفنون سب کچھ چھن گیا ہے۔

۴- لیکن فارس یعنی ایران یورپ کے شراب فروشوں سے ایسی تند و تیز شراب لے رہا ہے جس کی گرمی سے صراحی بھی پگھل جاتی ہے۔ اہل ایران خود کو یورپی تہذیب وتمدن اور افکار ونظریات سے رنگ رہے ہیں' حالانکہ یہ سب کچھ بے بنیاد اور کھوکھلے پن کا شکار ہے جو آنے والی نسلوں کو بگاڑ کے رکھ دے گی۔

۵- یورپ کی عیاری ومکاری کا شکار ہو کر ملتِ اسلامیہ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی ہے جس طرح گاز سونے کو کر دیتا ہے۔ یعنی وہ مختلف رنگ ونسل اور فرقوں وغیرہ میں تقسیم ہو کر انتشار وافتراق کا شکار ہو گئی ہے۔

۶- آج مسلمانوں کا خون پانی کی طرح ارزاں/سستا ہو گیا ہے۔ (ان حالات کی بنا پر اے شاعر!) تیرا دل اس لیے بیقرار ہے کہ وہ اصل راز وحقیقت سے بے خبر ہے۔ جب یہ راز تجھ پر کھل گیا تو تیرا یہ اضطراب جاتا رہے گا۔

۷- (وہ راز یہ ہے کہ) مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی پرانی عمارت کو نئے سرے سے آباد کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے اس کی بنیاد اکھاڑ ڈالتا ہے۔ یعنی مذکورہ تباہی سے مسلمان آگاہ ہو کر پھر سے اپنی عظمت وسربلندی کے حصول کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مثنوی رومی کا یہ شعر دفتر چہارم میں بعنوان: بیان آنکہ عمارت در ویرانیست وجمعیت در پریشانی...." کے تحت آیا ہے۔ صحیح شعر یوں ہے:

ہر بنائے کہنہ کآبادان کنند — نے کہ اول کہنہ را ویران کنند

(۲)

۱- "ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں" — حق ترا چشمے عطا کردست غافل در نگر

۲- موسیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست — مور بے پرا حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

۳- ربط وضبطِ ملت بیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

۴- پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو — ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر

۵- ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

۶- جو کرے گا امتیاز رنگ وخوں مٹ جائے گا — ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

۷- نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی — اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گذر

۸۔ تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
۹۔ اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش — اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

۱۔ ملک اور حکومت پر تو دشمن نے قبضہ کر لیا ہے لیکن اس سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ انھیں اپنی بے عملی اور سعی و کوشش نہ کرنے کا احساس ہو گیا ہے۔ اے غافل (مسلمان) تجھے خدا نے آنکھ/بصیرت عطا کی ہے تو ہر شے کو ذرا غور سے دیکھ۔ آنے والے حالات مسلمانوں کے لیے سازگار ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ پوری طرح دین و مذہب پر عمل پیرا ہو جائیں۔

۲۔ ٹڈی جوڑنے کے لیے مومیائی کی بھیک مانگنے سے تو ہڈی کا ٹوٹا رہنا ہی بہتر ہے۔ اے بے پر چیونٹی! تو اپنی ضرورت سلیمانؑ کے پاس مت لے جا۔ چیونٹی مسلمان کا اور سلیمان دوسرے ملکوں کا استعارہ ہے۔ دوسروں سے مدد مانگنا ذلت و رسوائی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

۳۔ مشرق کی (مسلمانوں کی) اس ذلت و رسوائی یا مصائب سے نجات کا واحد حل ملت میں اتحاد و اتفاق میں ہے لیکن افسوس کہ ایشیا کے مسلمان اس گہری بات سے بے خبر ہیں۔ جب ان میں باہمی ربط و ضبط پیدا ہو گیا تو وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ حاصل کر لیں گے۔

۴۔ لہٰذا اے مسلم! تو پھر سیاست کے چکر سے باہر نکل اور دین اسلام کے قلعہ میں داخل ہو جا۔ یہ ملک اور حکومت وغیرہ تو خانہ کعبہ کی حفاظت کا پھل/نتیجہ ہے۔ دین اسلام سے مکمل طور پر وابستگی اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے ہی سے ماضی والا مقام و مرتبہ مل جائے گا۔

۵۔ ضروری ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان دریائے نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر کی سرزمین تک ایک ہو جائیں۔ ملت واحد بن کر پھر سے خانہ کعبہ کی حفاظت کریں کہ اسی سے انھیں عظمت حاصل ہو گی۔ دین اسلام پر عملاً قائم ہوں۔

۶۔ تم مسلمانوں میں جو کوئی بھی رنگ و نسل اور وطنیت وغیرہ کے چکر میں پڑے گا، وہ تباہ ہو جائے گا۔ خواہ وہ ترک خرگاہی ہو اور خواہ وہ اعلیٰ خاندان کا عرب ہو۔ صرف اتحاد ملت اور دین اسلام کی پابندی ہی عزت و عظمت کا سبب بن سکتی ہے۔

۷۔ اگر مسلمانوں نے رنگ و نسل کو مذہب پر ترجیح دی تو یہ حقیقت غور سے سن لو کہ تم مسلمان دنیا سے اس طرح اڑ جاؤ گے (تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا) جس طرح

راستے کی مٹی ہوا سے اڑ جاتی ہے۔

۸۔ اس خاطر کہ دنیا میں خلافت (مسلمانوں کی حکومت وسلطنت) کی بنیاد پھر سے مضبوط ومحکم ہو جائے تو اپنے قدیم اور عظیم بزرگوں والا قلب وجگر خود میں پیدا کر۔ یعنی ان اسلاف کا سا جوش وولولہ اور ہمت وحوصلہ نیز دین اسلام سے والہانہ عشق کا جذبہ پیدا کر۔

۹۔ اے مسلمان! اگر تجھے یہ معلوم نہیں کہ کون سی بات دل میں رکھنے والی اور کون سی منہ پر لانے والی ہے تو ہوشیار رہو جا۔ (یعنی تیری تباہی کا سامان ہو جائے گا) تو ابھی تک اس بحث میں پڑا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہیں یا حضرت علیؓ۔ اگر تمہارا یہ بحث مباحثہ یوں ہی جاری رہا تو دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر تمہیں مٹا دے گا۔

(۳)

۱۔ عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی ۔۔۔ اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

۲۔ تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج ۔۔۔ موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

۳۔ عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے ۔۔۔ اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

۴۔ اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود ۔۔۔ مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ

۵۔ کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں ۔۔۔ آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

۶۔ آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس ۔۔۔ سامنے تقدیر کے رسوائیِ تدبیر دیکھ

۷۔ مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار ۔۔۔ ہر زماں پیشِ نظر "لا یخلف المیعاد" دار

۱۔ عشق کے لیے لازم تھا کہ وہ ان خطرناک اور مصائب وآلام والے حالات کے ختم ہونے کے لیے خدا کے حضور فریاد کرتا۔ سو عشق نے ایسا کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ تو اب ذرا دل تھام کر اس فریاد کی تاثیر دیکھ۔ یہ فریاد دل کی گہرائی سے نکلی ہے۔ اس لیے ضرور قبول ہوگی۔

۲۔ تو نے دریا کی رفتار کی شان وشوکت دیکھی ہے۔ اب ذرا اس منظر کا بھی نظارہ کر کہ بے قرار موج کس طرح دریا کے پاؤں کی زنجیر بنتی ہے۔ دریا استعارہ ہے یورپ اور طاقتور مخالفین اسلام کی خوفناک ریشہ دوانیوں اور موجِ مضطر غیر مسلموں کی شورش کا جو خود ان طاقتوں کے لیے تباہی کا باعث بن جائے گی۔

۳۔ اسلام نے عام آزادی کا جو خواب دیکھا تھا' اے مسلماں! تو آج اس خواب کی تعبیر دیکھ' یعنی ملت اسلامیہ اب بیدار ہو رہی ہے اور وہ جلد عظمت وسربلندی حاصل کرے گی۔

۴- سمندر کے کیڑے کے لیے اس کی اپنی راکھ ہی اس کے وجود کا باعث بنتی ہے۔ جس طرح یہ کیڑا آگ میں پیدا ہوتا' آگ کھاتا' پھر اسی آگ میں مر جاتا ہے اور اس کی راکھ سے ایک نیا سمندر پیدا ہوتا ہے' اسی طرح یہ بوڑھا / قدیم جہان اب مر کر دوبارہ زندہ ہو رہا ہے یا اپنی راکھ میں سے دوبارہ پیدا ہو رہا ہے۔

۵- اے مسلمان! تو آنکھیں کھول کر میری باتوں کے آئینے میں آنے والے دور کی ایک دھندلی سی تصویر دیکھ۔ یعنی جو کچھ میں (خضر) نے اب تک کہا ہے' اس پر توجہ کر' تجھے پتا چل جائے گا کہ اب انقلاب آ رہا ہے جو ملت اسلامیہ کی سربلندی کا باعث بنے گا۔

۶- آسمان کے پاس ایک اور آزمایا ہوا فتنہ بھی ہے' لہٰذا تو ہوشیار رہ کہ وہ فتنہ ضرور ایک نہ ایک دن برپا ہوگا اور کوئی تدبیر بھی اس کے سامنے کارگر نہ ہو سکے گی' گویا یہ تدبیر کی تقدیر کے آگے رسوائی ہوگی۔

۷- تو مسلمان ہے (مایوس نہ ہو) اور دل کو ترقی اور فلاح کی تمنا سے آباد رکھ۔ ہر وقت تیرے پیش نظر یہ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ حق آئے گا اور باطل کو ملیامیٹ کر دے گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ملت اسلامیہ خدا کے احکام کی تعمیل کرے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی صلاح و فلاح کے سامان مہیا فرمائے گا۔

طلوعِ اسلام

(۱)

۱- دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا' گیا دورِ گراں خوابی

۲- عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

۳- مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

۴- عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی' ذہنِ ہندی' نطقِ اعرابی

۵- اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوارا تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"

۶- تڑپ صحنِ چمن میں' آشیاں میں' شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیرِ سیمابی

۷- وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی

۸۔ ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے　　چمن کے ذرے ذرے کو شہیدِ جستجو کر دے

(۱)

(علامہ نے نہایت پُر امید لہجے میں یہ نظم کہی ہے۔ انہیں یقین ہے کہ اگر مسلمان ایمانی جوش و جذبہ سے کام لیں تو وہ پھر ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ اس نظم کا پس منظر ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے جب مصطفیٰ کمال پاشا نے سقاریہ کی جنگ میں یونانیوں کو شکست دی اور ایک بار پھر پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ ترک اب بھی زندہ ہیں اور دوسری طرف سمرنا فتح کر کے مسٹر گلیڈسٹن کے خاندان میں صفِ ماتم بچھا دی۔ مختصر یہ کہ یہ نظم علامہ نے اس وقت کہی جب ترکوں کی کامیابی سے انہیں بے حد مسرت ہوئی۔)

۱۔ رات کا آخری پہر ہے اور ستاروں کی روشنی مدھم پڑ چکی ہے۔ افق (مشرق) سے سورج طلوع ہونے کے باعث گہری نیند کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ گویا اب انگریزوں کے غلبے / تسلط کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے' مسلمان بیدار ہو چکے ہیں۔

۲۔ مشرق کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون پھر گردش کرنے لگا ہے۔ اس راز کو سینا و فارابی جیسے فلسفی نہیں سمجھ سکتے۔ (اس قسم کے الفاظ کے لیے لغت دیکھیے)

۳۔ یورپ کے طوفان نے مسلمانوں کو اسلام سے محبت کرنا سکھا دیا ہے۔ سمندر کے طوفانوں ہی سے موتی پرورش پاتا ہے۔ موتی استعارہ ہے مسلمانوں کی دین اسلام سے محبت کا۔

۴۔ اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مومنوں / مومن کو پھر ترکمانی یعنی ترکوں کی سی شان و شوکت اور دانائی وزیری نیز عربوں جیسی فصاحت و بلاغت عطا ہونے والی ہے۔

۵۔ اے بلبل! اگر باغ کے غنچوں میں نیند کا کچھ خمار باقی ہے تو تو اپنی آواز اونچی کر دے تاکہ وہ بیدار ہو جائیں۔ بلبل یعنی اقبال غنچے یعنی مسلمان۔ یعنی اقبال تو اپنی شاعری میں اور گرمی و تندی پیدا کر تاکہ برصغیر کے مسلمان پوری طرح بیدار ہو جائیں۔ دوسرا مصرع عرفی کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

۶۔ آج کل چمن میں آشیاں میں اور شاخوں میں بیقراری اور تڑپ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح پارے کے مقدر میں تڑپ ہے۔ یعنی

قدیم مسلمانوں میں جو جوش و ولولہ تھا' وہ آج پھر مسلمانوں میں پیدا ہونے لگا ہے جو یقیناً ان کی آزادی کا باعث ہوگا۔

۷- جو پاکیزہ اور دور بین نظریں مرد غازی کے دل میں جھانک کر اس کا باطنی سوز و گداز دیکھ سکتی ہیں' انہیں جنگی لباس کی خوبصورتی اور گھوڑے کی سج دھج دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج مسلمانوں میں جو غازیانہ جذبے ولولے پیدا ہو رہے ہیں' ان کے ہوتے ہوئے کسی جنگی سامان کی انہیں ضرورت نہیں ہے۔

۸- اے خدائے کریم! تو لالہ یعنی مسلمانوں کے سینوں میں پھر سے آرزوؤں اور تمناؤں کا چراغ روشن کر دے اور چمن کے ذرے ذرے کو جستجو کا شیدائی بنا دے۔ ان میں عشق حقیقی کا سچا جذبہ پیدا ہو اور وہ کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے دین پر عمل پیرا ہو جائیں۔

(۳)

۱- سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا　　خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
۲- کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے　　یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
۳- ربود آں ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را　　صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
۴- اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے　　کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
۵- جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی　　جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
۶- ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
۷- نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے　　کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
۸- ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے　　مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہہ دے

(۳)

۱- مسلمان کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسوؤں کے قطرے اپنے اندر بہار کے بادل کی سی تاثیر رکھتے ہیں۔ (اس بادل کے برسنے سے سیپی میں جو قطرے جاتے ہیں وہ موتی بن جاتے ہیں)۔ یعنی ان آنسوؤں کے قطرے بڑی قدر و قیمت اور صلاحیت والے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی امت کے دریا/سمندر میں پھر موتی یعنی بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوں گے۔

۲- ملت بیضا کی کتاب پھر سے شیرازہ بند ہو رہی ہے۔ (ملت اسلامیہ جو انتشار کا شکار ہو چکی تھی' اب پھر سے اتحاد و یکجہتی کی طرف آ رہی ہے۔) بنو ہاشم کی شاخ سے پھر پھل

پھول ضرور ابھریں گے۔ حضور اکرمؐ کی اُمت پھر عظمت و شکوہ حاصل کرے گی۔

۳۔ وہ شیرازی ترک (غالباً حافظ شیرازی مراد ہے بعض کے نزدیک غازی مصطفیٰ کمال پاشا) تبریز اور کابل کے دل موہ کر لے گیا۔ مراد یہی ہو سکتی ہے۔ مذکورہ غازی نے تمام دنیائے اسلام کے دلوں کو اپنی سرگرمیوں کی بدولت قابو میں کر لیا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح باغ / چمن میں چلنے والی ہوا پھولوں کی خوشبو کو اپنا ہم سفر بنا لیتی اور اسے اپنے ساتھ اڑانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

۴۔ اگر ترکوں پر غموں کا پہاڑ ٹوٹا ہے تو یہ کوئی غم کی بات نہیں ہے (شروع کا نوٹ دیکھیے) اس لیے کہ لاکھوں ستاروں کے خون سے صبح پیدا ہوتی ہے۔ ستارے غروب ہوتے ہیں تو صبح طلوع ہو جاتی ہے۔ گویا قربانیاں پیش کرنے ہی سے آزادی و عظمت حاصل کی جاتی ہے۔ مسلمان پھر جدوجہد اور عمل پیہم نیز مجاہدانہ جذبوں سے اپنی کھوئی ہوئی آزادی و عظمت حاصل کریں گے۔

۵۔ دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں پر نگاہ رکھنا حکومت کرنے کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ سخت محنت و ریاضت اور جگر کا خون کرنے ہی سے دل کی آنکھ میں دیکھنے والی نظر یعنی گہری بصیرت پیدا ہوتی ہے جس سے انسان کائنات کے تمام اسرار سے آگاہ ہو جاتا اور قوموں کے عروج و زوال کو پیش نظر رکھ کر اپنی راہ کا تعین کرتا ہے۔

۶۔ نرگس کا پھول (انسانی آنکھ سے اسے تشبیہ دی جاتی ہے) ہزاروں سال اپنی بے نوری (بینائی نہ ہونا) پر روتا ہے۔ جب کہیں جا کر یا بڑی مشکل سے چمن میں کوئی صاحب نظر (صاحب بصیرت) پیدا ہوتا ہے۔ یعنی مجاہد و صاحب بصیرت انسان صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

۷۔ اے بلبل! تو اپنی شیریں نغمگی / چہچہاہٹ کا سلسلہ جاری رکھ تا کہ تیرے اس ترنم سے کبوتر کے کمزور جسم میں شاہین کا جگر پیدا ہو۔ بلبل مراد علامہ اقبال، ترنم یعنی شاعری اور کبوتر مسلمان۔ یعنی تو اپنی جذبوں ولولوں کی حامل شاعری جاری رکھ تا کہ کمزور قوم میں مجاہدانہ ولولے پیدا ہو جائیں۔

۸۔ تیرے (شاعر / اقبال) سینے میں زندگی / حقیقی زندگی کا جو راز ہے وہ تو قوم کو بتا دے

اور یوں مسلمانوں کو زندگی کے سوز و ساز گداز سے آگاہ کر دے تاکہ وہ بیدار ہو کر اپنی سابقہ عظمت و سربلندی کا پھر سے سامان کریں۔

(۳)

۱۔ خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو' زباں تو ہے — یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
۲۔ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی — ستارے جس کی گردِ راہ ہوں' وہ کارواں تو ہے
۳۔ مکاں فانی' مکیں آنی' ازل تیرا' ابد تیرا — خدا کا آخری پیغام ہے تو' جاوداں تو ہے
۴۔ حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا — تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے
۵۔ تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی — جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
۶۔ جہانِ آب و گِل سے عالمِ جاوید کی خاطر — نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
۷۔ یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا — کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
۸۔ سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا — لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(۳)

۱۔ اے مسلمان! تو اس دنیا میں اس لافانی خدا کا نائب و خلیفہ ہے۔ اس لیے تجھ میں کسی قدر اللہ تعالیٰ کی صفات موجود ہیں۔ تیرے ہاتھ قدرت کی قوت بازو اور تیری زبان سے خدا کا فرمان جاری ہوتا ہے۔ تیرا ہر عمل خدا کی رضا کے لیے ہوتا ہے' اس لیے اے غافل! تو دل میں یقین پیدا کر اور خدا اور رسولؐ خدا پر مکمل ایمان رکھ اور ہر طرح کے شک و شبہ سے خود کو بچالے۔

۲۔ مسلمان کا مقام تو اس نیلے آسمان سے بھی بلند ہے۔ اور تو ایک ایسا قافلہ ہے' ستارے جس کی راہ کی گرد/خاک ہیں۔ مسلمان صرف دنیاوی مفاد کے لیے پیدا نہیں ہوا' وہ عشقِ حقیقی کے جذبہ سے سرشار ہو کر بہت بڑی عظمت اور حیاتِ جاوید حاصل کرنے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے لیے وجود میں آیا ہے۔

۳۔ یہ دنیا فانی ہے' اس کے باشندے بھی فانی ہیں' جبکہ جذبہ عشقِ حقیقی سے سرشاری کی بدولت ازل اور ابد سب تیرا ہے۔ تو تو خدا کا آخری پیغام اور لافانی ہے۔ اسلام تا قیامت ایک مکمل دین رہے گا' کیونکہ حضور اکرمؐ آخری نبیؐ ہیں۔ اس مذہب کا حقیقی اور باعمل پیروکار ہونے کے باعث تو لافانی رہے گا۔

۴۔ تو (مسلمان) اپنے خونِ جگر سے لالہ کی دلہن کے ہاتھوں پر مہندی لگانے والا ہے۔

یعنی جہد و عمل سے اس کائنات کی آراستگی تجھ پر منحصر ہے۔ تیرا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے ہے جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ تو بھی کائنات کی آرائش کے لیے اپنی قوتوں صلاحیتوں سے کام لے۔

۵- تیری فطرت زندگی کے امکانات کی امانت دار ہے۔ دنیا کے پوشیدہ جوہر کا تو ایک طرح سے امتحان/آزمائش ہے۔ گویا قدرت نے تجھے وہ قوت و صلاحیت عطا کی ہے جس سے تو پردۂ راز میں پوشیدہ ان چیزوں کو سامنے لا سکتا ہے جو دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان چیزوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

۶- ملت بیضا/اسلامیہ کی سرگزشت (قدیم کے عظیم کارناموں) سے یہ گہری بات واضح ہے کہ سرزمین ایشیا کی قوموں کا تو پاسبان ہے۔ دین پر ایمان کامل اور باطل قوتوں کے خلاف تو ہی جہاد کر کے ان قوموں کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔

۸- لہٰذا اے مسلمان! تو پھر سے اپنے اسلاف والا صداقت اور عدل و انصاف کا سبق پڑھ یعنی یہ صفات خود میں پیدا کر۔ اس لیے کہ تجھ سے دنیا کی رہنمائی کا کام لیا جائے گا۔ تو ہی انسانوں کو حقیقی زندگی سے آگاہ کر کے ان کی فلاح و بہبود کا سامان کر سکے گا۔

(۳)

۱- یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی	اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
۲- بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا	نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
۳- میان شاخساراں صحبت مرغ چمن کب تک	ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہستانی
۴- گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا	بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
۵- مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے	وہ کیا تھا؟ زور حیدرؓ فقر بوذرؓ صدق سلمانیؓ
۶- ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تجمل سے	تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
۷- ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں	کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی
۸- جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا	تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

(۳)

۱- قدرت کا تخلیق کائنات کرنے کا سب سے بڑا مقصد اور مسلمانی/اسلام کی بھی یہی رمز ہے کہ دنیا کے تمام انسان مل جل کر بھائیوں کی طرح رہیں اور دنیا میں محبت/انسان دوستی حد سے زیادہ بڑھے۔

۲۔ تم (اے مسلمانو!) رنگ و نسل اور ذات پات وغیرہ کے امتیازات مٹا کر ایک عظیم ملت کی صورت اختیار کرو۔ تم میں نہ تو خود کو تورانی ہونے پر کوئی فخر کرے نہ ایرانی اور نہ افغانی ہونے پر فخر کرے۔ تم سب صرف مسلمان بنو خواہ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہو۔

۳۔ اے مسلمان! تو کب تک شاخوں کے درمیان چمن کے پرندے کی چہچہاہٹ / نغمہ سننے میں مصروف رہے گا۔ تیرے بازوؤں میں تو پہاڑی علاقہ کے شاہین کی سی قوت ہے جو بہت بلندیوں پر اڑتا ہے۔ یعنی عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ کر جہد و عمل کی طرف آ اور اپنی عظمت و بقا کا سامان کر۔

۴۔ گمانوں کی دنیا کی بستی میں' جس کے لوگ عموماً یقین / یقین محکم سے محروم ہوتے ہیں' ایک مرد مومن کا یقین ایسا ہی ہے جیسے بیابان کی تاریک رات میں کسی عیسائی زاہد کا چراغ ہو۔ اس چراغ کی روشنی میں (جو مذکورہ زاہد ترک دنیا کر کے بیابان میں زندگی بسر کرتے اور رات کو چراغ جلاتے تھے) گذرنے والوں کو صحیح راستہ کا پتا چل جاتا تھا۔ اسی طرح مسلمان کا حق الیقین اسے صراط مستقیم کی طرف لے جاتا ہے۔

۵۔ وہ قوت جس نے قیصر و کسریٰ جیسے بڑے بادشاہوں (روم اور ایران جیسی عظیم سلطنتوں کو فتح کر لیا) کے ظلم و ستم کا خاتمہ کیا' وہ عظیم مسلمانوں یعنی حضرت علیؓ کی قوت و دلیری تھی' حضرت ابوذر غفاری جیسی درویشی اور حضرت سلمان فارسی جیسی صداقت تھی۔ ضرورت ہے کہ آج کے مسلمان ایسی صلاحیتیں اور قوتیں پیدا کر کے باطل قوتوں کا خاتمہ کریں تاکہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا سامان ہو۔

۶۔ ملت کے احرار کس شان و شکوہ اور عظمت سے اپنی راہ پر چلے (لغت.....)۔ تماشائی دروازے کے سوراخ سے انہیں صدیوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی وہ بھی اسلام تو نہیں لائے لیکن بڑے شوق اور غور سے انہیں دیکھ رہے ہیں۔

۷۔ دنیا میں اگر مضبوط و محکم زندگی کی خواہش ہو تو یہ صرف ایمان کی بدولت ممکن ہے۔ جتنا ایمان پختہ اور اس پر عمل ہوگا' اتنا ہی صاحب ایمان ثبات و بقا والا بن جائے گا۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ ترکستان کے مسلمان' جرمنوں سے زیادہ پختہ اور ثابت قدم نکلے۔ ایمان ہی کی بدولت ترکوں نے دوبارہ اپنی مضبوط حکومت قائم کر لی۔

۸۔ جب اس خاکی انگارے یعنی انسان میں یقین کا نور پیدا ہوتا ہے تو اس میں روح الامین حضرت جبرئیلؑ جیسے بال و پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کی سی بلند

پروازی عطا ہو جاتی ہے جو (جبرئیلؑ) عرش بریں تک پرواز کر سکتے تھے۔

(۵)

۱۔ غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

۲۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

۳۔ ولایت' پادشاہی' علمِ اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

۴۔ براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

۵۔ تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

۶۔ حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

۷۔ یقیں محکم' عمل پیہم' محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

۸۔ چہ باید مرد را طبعِ بلندے' مشربِ نابے
دلِ گرمے' نگاہِ پاک بینے' جانِ بیتابے

(۵)

۱۔ غلامی میں' جو ایک بہت بڑی لعنت ہے' انسان نہ تو تلوار سے کام لے سکتا ہے اور نہ اس کی تدبیریں ہی بارآور ہوتی ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے بے بس ہوتا ہے لیکن اگر اس میں پختہ یقین و ایمان کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ غلامی کی زنجیروں سے نجات پا جاتا (آزاد ہو جاتا ہے)۔

۲۔ مردِ مومن کی نگاہیں تو اتنی زبردست ہیں کہ وہ جس پر بھی پڑیں اس کی تقدیر بدل دیتی ہیں۔ اس صورت میں ایسے مردِ مومن کے بازو کی قوت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ وہ قوتِ بازو سے تو دنیا کو الٹ پلٹ کر سکتا ہے۔

۳۔ انسان کی مختلف خواہشیں' مثلاً ولی بننا' بادشاہ بننا یا وحی/الہام یا تعلیم رسول اکرمؐ کے ذریعے چیزوں کی حقیقت سے آگاہی پانا' یہ سب کیا ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب نکتۂ ایمان کی شرحیں ہیں۔ پختہ ایمان والے کو یہ حاصل ہو سکتی ہیں۔

۴۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی سی بصیرت ونظر بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ آتشِ نمرود سے بالکل خوف زدہ نہ ہوئے تھے۔ وہ حرص و ہوس سے پاک تھے۔ ہوس و حرص تو چھپ چھپ کر سینوں میں تصویریں بنا لیتی ہے یعنی انسان حرص و ہوس کا شکار ہو کر ان کا پجاری بن جاتا ہے۔ حرص و ہوس میں الجھ کر قوتِ ایمانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

۵۔ غلام اور آقا میں امتیاز/فرق کرنا انسانیت کی تذلیل/بگاڑ ہے' لہٰذا اے دوسروں سے زبردستی کام لینے والو! خبردار رہو' بچو' کیونکہ قدرت کی سزائیں بڑی شدید ہیں۔

قدرت نے سب انسانوں کو ایک جیسا بنایا ہے' اس لیے ایسا امتیاز خدا کے حکم کی نافرمانی ہے جس پر شدید عذاب ملے گا۔

۶- ہر شے کی اصلیت ایک ہی ہے' خواہ وہ مٹی سے بنی ہو یا نور سے تخلیق ہوئی ہو۔ (اس کا خالق و مالک ایک ہے)۔ سب انسان حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ذرے کا دل چیریں تو اس میں سے سورج کا خون ٹپکے گا۔ یہی مطلب ہے کہ زمین سے آسمان تک ہر چیز کی تخلیق و اصلیت ایک ہے۔

۷- مضبوط و محکم یقین' مسلسل اور پیہم جہد و عمل اور دنیا کو فتح کرنے والی محبت' یہ سب زندگی کے جہاد میں دلیروں/ بہادروں اور مجاہدوں کی تلواریں ہیں۔ یعنی ان اخلاق اور قوتوں سے دنیا کو فتح کیا جا سکتا ہے۔

۸- دلیر/ بہادر کو' خدا کی راہ میں جہاد کے لیے یہ چند چیزیں درکار ہیں' ایک یہ کہ اس کی فطرت بلند ہو اور وہ وسیع نظر والا ہو' دوسرے یہ کہ محبت الٰہی کی شراب سے سرشار ہو' تیسرے یہ کہ اس کے دل میں جوش و ولولہ ہو' چوتھے اس کی نگاہ خواہش دنیا سے پاک ہو اور پانچویں یہ کہ اس کی روح میں سوز و گداز اور تڑپ ہو۔

(۶)

۱- عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
۲- ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بن کر گہر نکلے
۳- غبارِ رہگذر ہیں' کیمیا پر ناز تھا جن کو جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
۴- ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
۵- حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
۶- زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے یہ خاکی زندہ تر' پایندہ تر' تابندہ تر نکلے
۷- جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
۸- یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

(۶)

۱- جو عقاب کی سی شان کے ساتھ ترکوں پر حملہ آور ہوئے تھے (لفت) وہ آخر کار بے بال و پر ثابت ہوئے۔ یونانی فوجیں ترکوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔

۲- جن قوموں کی آب دوزیں سمندر کے نیچے رواں دواں تھیں' وہ سمندر ہی میں غرق / دفن

ہو گئیں' اس کے برعکس جو سمندر کی لہروں کے تھپیڑ کھا رہے تھے' وہ گوہر بن کر نکلے۔ وہی یونانیوں اور ترکوں کے واقعہ کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔ ترکی فوجیوں نے دشمن کی یہ کشتیاں پانی میں ڈبو دی تھیں اور یوں وہ کامیاب و فتح مند رہے۔

۳- جن کو/جس قوم کو اپنے سائنسی علوم پر بڑا فخر و ناز تھا (یونانی) وہ راستے کا غبار بن کے رہ گئی۔ اس کی طاقت ختم ہو گئی۔ اس کے برعکس جو خاک پر پیشانیاں رکھتے تھے' یعنی اللہ کے حضور سجدے کرتے تھے (ترک) وہ سونا بنانے والے نکلے' فتح مند ہوئے۔

۴- ہمارا آہستہ/است چلنے والا قاصد زندگی کا پیغام لے کر آیا۔ گویا اپنے قدموں سے پیدل چلنے والے ترک جو برقی طاقت پر بھروسا کرنے والی حملہ آور یونانی فوج کے مقابل صف آرا تھے' انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے اور وہ ہے باطل قوتوں کے خلاف جہاد کرنا۔ اسی جہاد کی بدولت ترک فاتح ٹھہرے اور دشمن کی تباہی ہو گئی۔ اسے دوسرے مصرعے میں اس استعارے میں بیان کیا ہے کہ جنہیں (یونانیوں کو) بجلیاں خبر دیتی تھیں' وہ بے خبر ثابت ہوئے۔

۵- پیر حرم (کعبے کے متولی شریف حسین) کی کوتاہ نظری کے باعث کعبہ رسوائی کا شکار ہو گیا (ذکر آ چکا ہے) اس کے برعکس تاتاری یعنی ترک نوجوانوں نے حقیقت حال کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے ہمت و دلیری سے کام لیا اور یوں اپنی روشن ضمیری و بلند نظری سے کام لے کر بزور بازو اپنی آزادی منوالی۔

۶- آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرنے والے فرشتے زمین سے کہہ رہے تھے کہ یہ خاکی انسان یعنی ترک فوجی تو ہم سے بھی زیادہ زندہ و پائندہ اور چمک دمک والے/روشن ثابت ہوئے۔ ترکوں کی بے حد جواں مردی و دلیری کی طرف اشارہ ہے۔

۷- جن انسانوں/مسلمانوں کا یقین و ایمان بے حد پختہ ہے۔ وہ دنیا میں سورج کی مانند بڑی روشن و منور زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی حرص و ہوس اور ہر طرح کی برائیوں وغیرہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سورج صبح طلوع ہوتا ہے' شام کو غروب ہو جاتا ہے۔ ایک براعظم میں غروب ہوتا ہے تو دوسرے میں طلوع ہو جاتا ہے' یعنی مسلمان اگر ایک ملک میں شکست کھا جاتے ہیں تو دوسرے ملک پر ان کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔ وہ مٹتے نہیں پاتے۔

۸- افراد کا یقین محکم ملت کی تعمیر و ترقی کا باعث بنتا ہے اور یہی وہ قوت و طاقت ہے جو

ملت کی تقدیر کو سنوارتی ہے۔ گویا علامہ ہی کے بقول:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

(۷)

۱- تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا | خودی کا رازداں ہو جا' خدا کا ترجماں ہو جا
۲- ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو | اخوت کا بیاں ہو جا' محبت کی زباں ہو جا
۳- یہ ہندی' وہ خراسانی' یہ افغانی' وہ تورانی | تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
۴- غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے | تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
۵- خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سرِ زندگانی ہے | نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
۶- مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر | شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
۷- گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے | گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا
۸- ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی | نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

(۷)

۱- اے مسلمان! تو "کن فیکون" کا اصل راز ہے (لفت) اپنی آنکھوں پر ظاہر ہو جا۔ تو خودی سے پوری طرح آگاہ ہو کر خدا تعالیٰ کا ترجمان بن جا۔ گویا اپنی اہلیت واصلیت اور صلاحیتوں سے باخبر ہو کر "جس نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا" کے مطابق تیرا ہر فعل رضائے الٰہی کے تابع ہو گا اور تو صحیح معنوں میں "خلیفۃ اللہ" ہو جائے گا۔

۲- حرص و ہوس اور مادی فوائد کے چکر میں پڑ کر بنی نوعِ انسان بری طرح انتشار و افتراق کا شکار ہو چکی ہے۔ تو (مسلمان) بنی نوعِ انسان میں اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کر اور محبت کی زبان بن جا۔ انسان دوستی کا عملی صورت میں درس دے۔

۳- مسلمان جغرافائی حدود اور لسانی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی خود کو ہندی کہہ کر فخر کرتا ہے تو کوئی خراسانی و افغانی اور تورانی وغیرہ ہونے پر نازاں ہے جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمان کسی بھی ملک میں ہو' وہ بھائی بھائی ہے۔ لہٰذا مذکورہ چکروں سے نکل (جو ساحل پر کھڑے ہونے کی کیفیت ہے) اور موج کی طرح اچھل کر بیکراں ہو جا۔ ان حدود کو توڑ کر ایک ملت کی صورت اختیار کر۔

۴- تیرے بال و پر رنگ و نسب کے غبار سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ یعنی تو رنگ و نسل اور

ذات پات میں الجھا ہوا ہے۔ اے حرم کے پرندے (مسلمان) تو پھڑ پھڑا کر اس غبار کو صاف کر اور باہمی اتفاق' اتحاد و یگانگت کا سامان کرتا کہ دنیا میں تو عظمت و سربلندی کی زندگی بسر کر سکے۔

۵- اے غافل مسلمان! تو خود کو اور اپنی خودی کو پہچان۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے آگاہ ہو کر حقیقی زندگی اسی سے بنتی ہے۔ تو شام و سحر کے حلقے سے نکل کر اپنی بقا و جاودانی ہونے کا سامان کر۔ خودی کو بلند کر اور اس طرح زمانے کی قید سے آزاد ہو جا کہ اسی سے تو حیاتِ جاوید حاصل کر سکے گا۔

۶- زندگی کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرنے کے لیے خود میں فولاد کی سی قوت پیدا کر اور محبت کی خوابگاہ میں حریر و پرنیاں ہو جا۔ باطل قوتوں سے ٹکرانے کے لیے فولاد کی طرح مضبوط ہو جا لیکن جب مسلمان بھائیوں کی بزم میں جائے' ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے تو سراپا محبت و الفت بن جا۔

۷- اگر تیرے راستے میں پہاڑ اور جنگل آ جائیں تو تو تند و تیز سیلاب بن کر گذر جا اور اگر تیرے راستے میں گلستاں آئے تو نغمے الاپنے والی ندی بن جا۔ یعنی خود میں باطل قوتوں اور اسلام دشمنوں سے ٹکر لینے کی قوت و دلیری و جرأت پیدا کر اور دوستوں یعنی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بہت پیار اور محبت کے ساتھ پیش آ۔

۸- تیرا (اے مسلمان!) علم بھی بے حد وسیع ہے اور تیری محبت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ قدرت کے ساز و سامان میں تجھ سے بڑھ کر اور کوئی نے اور نغمہ نہیں ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے صرف تجھے ان نعمتوں سے نوازا ہے' جس کی وجہ سے تیرا مقام' دوسری قوموں کی نسبت زیادہ بلند ہے۔ (علم جو انبیاء کی وساطت سے مسلمانوں کو حاصل ہوا اور محبت سے مراد عشقِ حقیقی یعنی خدا سے محبت ہے۔)

(۸)

۱- ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے	قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
۲- نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی	یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
۳- وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو	ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کارزاری ہے
۴- تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا	جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
۵- عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۶- خروش آموز بلبل ہو گرہ غنچے کی وا کر دے | کہ تو اس گلستاں کے واسطے باد بہاری ہے

۷- پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی | زمیں جولانگہ اطلس قبایانِ تتاری ہے

۸- بیا پیدا خریدار است جانِ ناتوانے را | "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"

(۸)

۱- آج کی تہذیب و ترقی کے باوصف ایک ایسی افسوسناک صورت حال ہے کہ انسان ابھی تک بادشاہت کا خستہ حال اور زار و زبوں شکار (تابع فرمان) ہے۔ انسان ہی دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنا رہا ہے۔ بڑی عجیب اور دکھ کی بات ہے کہ انسان ہی انسان کا شکاری بنا ہوا ہے۔

۲- اگرچہ جدید دور کی تہذیب کی چمک آنکھوں کو چندھیا رہی ہے' لیکن درحقیقت یہ کاریگری جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔ یعنی اس تہذیب سے نوجوان بے حد متاثر ہو رہے ہیں' جبکہ یہ (مغربی) تہذیب دیکھنے میں بڑی پرکشش ہے لیکن حقیقت میں بڑی کھوکھلی اور انسانیت سے عاری ہے۔

۳- وہ حکمت و دانائی جس پر مغرب / یورپ کے فلسفیوں اور عقلمندوں کو فخر و ناز تھا' وہ اصل میں حرص و ہوس کے ہاتھوں میں تیغ کارزاری ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ ان کا وضع کردہ سرمایہ دارانہ نظام حقیقت میں غریبوں' مزدوروں اور کسانوں کی خون آشامی ہے' ان کا خون پیتا ہے۔ اس میں خطرناک جنگی ہتھیاروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو انسان کی تباہی کا باعث بنے۔

۴- نیا تمدن / تہذیب جس کی بنیاد سرمایہ داری پر ہو وہ تدبر یا عقل و خرد کی جادوگری سے مضبوط نہیں بن سکتا۔ یعنی ایک وقت آئے گا جب یہ نظام ملیامیٹ ہو جائے گا۔

۵- انسانی زندگی (کی عظمت) کا دارومدار عمل / اعمال پر ہے۔ اپنے نیک عملوں ہی سے وہ زندگی کو جنت بنا سکتا ہے (سکون و قرار حاصل کر سکتا ہے۔) اور برے عملوں سے وہ گویا جہنم کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ مٹی کا پتلا یعنی انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے نہ تو نوری ہے اور نہ ناری ہی ہے۔ گویا وہ نہ تو فرشتوں کی طرح گناہوں سے پاک ہے اور نہ بھوتوں وغیرہ ہی کی مانند سراپا گناہ ہے۔

۶- اے بلبل (اقبال) تو باغ کی بلبلوں یعنی مسلمانوں کو گیت گانا سکھا دے' اس لیے کہ اس باغ کے واسطے تیری کیفیت موسم بہار کی ہوا کی سی ہے جس سے پھول خوب کھلتے

ہیں۔ یعنی اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو جو گویا سوئے ہوئے ہیں' آزادی کے حصول کے لیے بیدار کر دے۔ ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔

۷۔ ایشیا کے دل سے پھر محبت کی چنگاری بلند ہوئی ہے' چنانچہ اطلس کا لباس پہننے والے تاتاریوں کے گھوڑے زمین پر خوب دوڑ رہے ہیں۔ یعنی ترک نوجوانوں میں آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ مسلسل فتوحات کرتے جا رہے ہیں۔

۸۔ اے مسلمانو! آؤ اور اٹھو کہ تمہاری کمزور ہستی کا خریدار (یعنی ہمدرد) پیدا ہوا ہے اور ایک مدت کے بعد ہماری طرف سے ایک قافلہ گذر رہا ہے۔ یعنی اگلے مجاہدین کے ایک عرصہ کے بعد ترک میدان میں آئے ہیں۔ دوسرا مصرع نظیری نیشاپوری کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

بہر جنسے کہ می گیرند اخلاص و وفا خوب است
پس از عمرے گذار افتاد بر ما کاروانے را

(۹)

۱۔ بیا ساقی نوائے مرغِ زار از شاخسار آمد	بہار آمد' نگار آمد' نگار آمد' قرار آمد
۲۔ کشید ابرِ بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا	صدائے آبشاراں از فرازِ کوہسار آمد
۳۔ سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی	کہ خیلِ نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد
۴۔ کنار از زاہداں برگیر و بیباکانہ ساغر کش	پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگِ ہزار آمد
۵۔ بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور	تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
۶۔ دگر شاخِ خلیل از خونِ ما نمناک می گردد	ببازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد
۷۔ سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم	کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد
۸۔ "بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم	فلک را سقف بشکافیم و طرحِ دیگر اندازیم"

(۹)

۱۔ اے ساقی (جوشِ اسلامی) آ کہ شاخ سے ایک ناتواں پرندے کی یہ آواز آ رہی ہے کہ بہار آ گئی' محبوب آ گیا اور جب محبوب آ گیا تو بیقرار دل کو سکون آ گیا۔ یعنی حالات مسلمانوں کے حق میں جا رہے ہیں۔

۲۔ بہار کے بادل نے جنگل کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کر دیا ہے اور پہاڑ کی چوٹی سے چشموں کے بہنے کی (دل کش) آوازیں آ رہی ہیں۔ اس سارے بند میں ایک ہی بات مختلف استعاروں/تشبیہوں میں کی گئی ہے۔

۳۔ اے ساقی! میں تیرے قربان جاؤں' اب تو بھی وہی پرانا یعنی اگلے مجاہدوں کا ساز چھیڑ' کیونکہ آج کے نغمے سنانے والوں کی جماعت / گروہ قطار در قطار چلی آ رہی ہے۔ مسلمانوں میں پھر مجاہد پیدا ہونے لگے ہیں۔

۴۔ اے (مسلمان!) تو زاہدوں (یا نام نہاد ملاؤں) کا ساتھ چھوڑ اور بے خوف ہو کر عشقِ حقیقی کا جام پی' کیونکہ ایک مدت کے بعد اس پرانی شاخ سے بلبل کی آواز آئی ہے۔ یعنی ایک مدت کے بعد مردِ مجاہد کی آواز سنی ہے۔

۵۔ عاشقوں کو جنگِ بدر اور جنگِ حنین کے سردار (حضور اکرمؐ) کا ذکر سنا دے' جن کے باطنی تصرفات اس وقت میری آنکھوں کو صاف صاف نظر آ رہے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو پھر سے جو کامیابی حاصل ہوئی ہے' وہ حضور اکرمؐ کے روحانی تصرف (اختیار) کا ہی پھل / ثمرہ ہے۔

۶۔ اب پھر گلزارِ ابراہیمی ہمارے خون سے تر ہونے والا ہے۔ (یعنی ہم اس کے تحفظ کی خاطر جان دینے پر بالکل تیار ہیں)۔ اس صورت میں ہمارا نقدِ جاں محبت کے بازار میں کھرا نکلا ہے۔

۷۔ میں اس شہید کی خاک پر لالہ کے پھول چڑھاتا ہوں جس کے خون نے ہماری ملت کے درخت کو سرسبز کر دیا۔ غالباً حضرت امام حسینؓ کے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے' جنھوں نے باطل قوت سے ٹکرا کر جان دینا قبول کر لیا لیکن اس کے آگے جھکے نہیں۔

۸۔ (اے مسلمان!) آ تاکہ ہم سب مل کر پھولوں کی بارش کریں' یا پھول برسائیں اور دل کے پیالے کو محبت کی شراب سے لبریز کر لیں۔ یعنی پھر اپنے نعرہ ہائے تکبیر سے آسمان کی چھت میں شگاف ڈال دیں اور ایک نئی زندگی کی بنیاد رکھیں۔ آخری شعر حافظ شیرازی کی ایک غزل کا مطلع ہے۔ اس غزل کا مقطع یوں ہے:

سخن دانی و خوش خوانی نمی ورزند در شیراز
بیا حافظ کہ تا خود را بہ ملکے دیگر اندازیم

---

maablib.org

غزلیات

(۱)

۱۔ اے بادِ صبا! کملی والےؐ سے جا کہیو پیغام مرا   قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

۲۔ یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا — ہے دور وصال بحر ابھی تو دریا میں گھبرا بھی گئی
۳۔ عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجاب محمل سے — محمل جو گیا عزت بھی گئی غیرت بھی گئی لیلا بھی گئی
۴۔ کی ترک تگ و دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی — آوارگی فطرت بھی گئی اور کشمکش دریا بھی گئی
۵۔ نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانئے کس کی ہے یہ صدا — پیغام سکوں پہنچا بھی گئی دل محفل کا تڑپا بھی گئی

۱۔ اے باد صبا! میری طرف سے کملی والے (حضور اکرمؐ) تک میرا یہ پیغام لے جا (آپ تک پہنچا دے) کہ آپ کی بیچاری امت کا دین اور دنیا دونوں زوال کا شکار ہو گئے ہیں۔ مسلمان انگریز کا غلام ہو گیا ہے اور وہ دین کی محبت سے محروم ہو گیا ہے۔ اسے دین سے کوئی وابستگی نہیں رہی۔

۲۔ منتشر یا انتشار کی شکار موج (یعنی امت مسلمہ) کو سمندر کے کنارے نے یہ پیغام دیا کہ سمندر کا قرب تو بڑی دور ہے اور تو ابھی سے گھبرا گئی ہے۔ گویا اپنی پہلی عظمت و شکوہ سے تو محروم ہے جس کی بنا پر تو پریشانی کا شکار ہے۔ اس عظمت کے لیے اپنے اسلاف والا جذبہ و ولولہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ اے قیس! محبت کی عزت محمل کے پردے سے قائم رہتی ہے۔ جب محمل گیا تو عزت بھی گئی' غیرت بھی نہ رہی اور لیلا بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ یعنی اے مسلمان تیری عزت و غیرت شعار اسلام اختیار کرنے' ان پر عمل کرنے ہی سے قائم رہ سکتی ہے۔ جب یہ نہیں تو تیری زندگی بھی ایک بیکار زندگی ہے۔

۴۔ جب قطرے نے اپنی بھاگ دوڑ ترک کی تو اسے موتی کی آبرو حاصل ہو گئی۔ نیساں کی بارش کا کوئی قطرہ سیپی کے منہ میں چلا جائے تو وہ موتی بن جاتا ہے۔ اس (قطرے) کی بے جا آوارگی بھی اس سے ختم ہو گئی' اس کی وہ فطرت (سمندر میں غرق ہو جانا' وجود قائم نہ رہنا) بھی ختم ہو گئی اور اس کے لیے دریا کی کھینچا تانی بھی نہ رہی۔ یعنی دنیاوی آب و تاب اور اعزاز کی خاطر دوڑ دھوپ سے بقا کا سامان نہیں ہو سکتا' اس کے لیے روحانی جذبے کی ضرورت ہے۔

۵۔ یہ آواز نکلی تو اقبال کے ہونٹوں سے ہے لیکن خدا معلوم حقیقت میں یہ کس کی آواز ہے۔ اس آواز نے سکون کا سامان بھی کر دیا ہے اور محفل کا دل بھی تڑپا دیا ہے۔ اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے جو گویا ایک الہامی صورت میں ہے اور جس میں جو پیغام ملت کو دیا گیا ہے' اس نے ملت کو بے حد متاثر کیا ہے۔ وہ یہ کہ بیدار ہو جاؤ'

عشق حقیقی کا جذبہ پیدا کرو، حضور اکرمؐ اور دین اسلام سے دلی وابستگی پیدا کرو اور مسلسل جہد و عمل سے کام لے کر اپنی بقا کا سامان کرو۔

(۲)

۱۔ یہ سرودِ قمری و بلبل فریبِ گوش ہے | باطنِ ہنگامہ آبادِ چمن خاموش ہے
۲۔ تیرے پیمانوں کا ہے یہ اے مئے مغرب اثر | خندہ زن ساقی ہے، ساری انجمن بیہوش ہے
۳۔ دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں | جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
۴۔ آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے، وہ دل نہیں | پہلوئے انساں میں اک ہنگامۂ خاموش ہے
۵۔ زندگی کی رہ میں چل، لیکن ذرا بچ بچ کے چل | یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے
۶۔ جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے | آہ اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہے

۱۔ یہ قمری اور بلبل کے نغمے (چہچہاہٹیں) کانوں کے لیے محض فریب ہیں۔ ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ چمن کا ہنگامے برپا کرنے والا باطن خاموش ہے۔ مراد یہ کہ ظاہری شور و غوغا یا دلچسپیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، باطن انسان یا انسانی روح میں پیدا ہونے والے جذبے اور ولولے عظمت کا باعث بنتے ہیں۔

۲۔ اے یورپ! تیرے شراب کے جاموں کا یہ اثر ہے کہ ساقی تو ہنسی اڑا رہا ہے اور ساری محفل بیہوش پڑی ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن اور تعلیم وغیرہ نے انسانوں کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے اور اس بگاڑ اور خرابی پر یورپ والے خندہ زن ہیں۔

۳۔ (اے خالق کائنات!) زمانے کے غم خانے (دکھوں کے گھر) میں تیرا کچھ پتا نہیں مل رہا کہ تو کہاں ہے۔ کیا کائنات کو تخلیق کرنا بھی کوئی جرم تھا جو تو نے خود کو (عرش پر) روپوش کر رکھا ہے۔ خدا سے محبت کا ایک انداز ہے۔ یعنی سامنے آ کر اپنے جلوہ سے ہمیں نواز۔

۴۔ افسوس کہ دنیا جس چیز کو دل سمجھتی ہے، وہ دل نہیں ہے، بلکہ انسان کے پہلو میں ایک خاموش ہنگامہ ہے۔ انسانی دل محض گوشت کا لوتھڑا یا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ جذبوں اور ولولوں کی ایک خاموش دنیا ہے جو انسان ان جذبوں ولولوں سے کام لیتا ہے وہ صاحب بقا بن جاتا ہے۔

۵۔ تو زندگی کی راہ میں (زندگی سنوارنے کے لیے) چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل، بس یہ سمجھ کر چل کہ کوئی مینا خانہ کندھوں کا بوجھ بن جائے گا۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ زندگی کی راہ میں ہر طرح کے فساد، بگاڑ اور خرابیوں سے بچ کر چلو۔ اسی بچاؤ سے تم حقیقی زندگی

کے مالک بن سکتے ہو۔

۶۔ جس کے دم یا جس کے طفیل دہلی اور لاہور ایک دوسرے کے ساتھی بنے' ارے اقبال! بڑے دکھ کی بات ہے کہ اب وہ بلبل بھی خاموش ہے۔ بلبل سے مراد میرزا ارشد گورگانی دہلوی ہیں جن کے دم سے لاہور میں شعر و شاعری کا چرچا رہا۔ یہ شعر ان کی وفات پر کہا گیا۔

(۳)

۱۔ نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی

۲۔ پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

۳۔ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق!
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۴۔ عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

۵۔ شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زناریٔ بت خانۂ ایام ابھی

۶۔ عذرِ پرہیز پہ کہتا ہے بگڑ کر ساقی
ہے ترے دل میں وہی کاوشِ انجام ابھی

۷۔ سعیٔ پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات
تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

۸۔ ابرِ نیساں! یہ تنک بخشیٔ شبنم کب تک
مرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی

۹۔ بادہ گردانِ عجم وہ، عربی میری شراب
مرے ساغر سے جھجکتے ہیں مے آشام ابھی

۱۰۔ خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
نو گرفتار پھڑکتا ہے تہِ دام ابھی

۱۔ اے دیوانی بلبل تیرا نالہ ابھی خام / کچا یا فضول سا ہے۔ تو اسے ابھی اپنے سینے میں ذرا اور تھام کر رکھ۔ غالباً خود کو کہا ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ تیری شاعری میں ابھی پختگی نہیں آئی' اسے مناسب وقت تک ذرا محفوظ رکھ۔ (واللہ اعلم)

۲۔ ۳: اگر عقل مصلحت اندیش ہو تو اس میں پختگی آ جاتی ہے' لیکن عشق بھی مصلحت اندیشی اختیار کرلے تو وہ خام رہے گا۔ اس کی مثال اس قرآنی حوالے سے دی گئی ہے کہ عشق نمرود کی آگ میں بے خطر کود پڑا۔ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈال دیا تھا اور وہ خوشی خوشی اس آگ میں داخل ہو گئے' جسے اللہ تعالیٰ نے گلزار بنا دیا۔ یہ سب عشق حقیقی کے جذبے سے سرشاری کی وجہ سے تھا' جبکہ اس موقع پر عقل سے کام لیا جاتا تو بات بگڑ جاتی' وہ سوچ میں پڑی رہتی۔ جو گویا چھت پر کھڑے ہو کر تماشا دیکھتا ہے۔

۴۔ عشق' حضور اکرمؐ کے حکم پر عمل کی راہ میں تیز رفتاری سے چلنے والا ہے' جبکہ عقل ابھی حضور اکرمؐ کے پیغام کو سمجھی ہی نہیں۔ عشق اور عقل کا موازنہ مختلف صورتوں میں کر کے

عشق کی عقل پر برتری ثابت کی ہے۔

۵۔ آزادی اور دنیا میں انقلاب لانا عشق کا طور طریقہ ہے' جبکہ تو (عقل پر بھروسا کرنے والے) دنیا کے بت کدے میں پوجا پاٹ کرنے والا یعنی دنیا میں انقلاب لانے سے کوسوں دور ہے۔

۶۔ جب ساقی مجھے شراب دینے لگتا ہے تو میں اس سے پرہیز کرنے / بچنے کی خاطر ساقی سے معذرت کر لیتا ہوں' جس پر وہ مجھ سے کہتا ہے کہ تیرے دل میں ابھی تک انجام سے بچنے کی وہی یا پہلی سی فکر سمائی ہوئی ہے۔ شراب سے عشق مراد ہے۔ گویا ہم عشق کا جذبہ پیدا کرنے سے دور ہیں۔

۷۔ مسلسل اور لگاتار سعی و کوشش' جہد و عمل زندگی کے کیف و کم کی کسوٹی ہے' جبکہ ابھی تیرا تراز و صبح و شام کی گنتی ہے۔ گویا تو بقول شاعر:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

کا قائل ہے' جبکہ مسلسل سعی و کوشش سے انسان صاحب بقاو حیات جاوید بن جاتا ہے۔

۸۔ اے نیساں کے بادل! یہ شبنم دینے کی کنجوسی کب تک۔ میرے پہاڑ کے لالہ کے پھول تو بالکل خالی پیالے والے ہیں۔ لالہ کا پھول پیالے کی مانند ہوتا ہے۔ شبنم چند قطروں کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی لیے کنجوسی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۹۔ وہ یعنی ایسے مسلمان ہیں جو غیر عرب ملکوں کی شراب علم پینے والے ہیں۔ (غیر اسلامی درس گاہوں میں تعلیم پاتے ہیں) جبکہ میری شراب عربی ہے' یعنی میں اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی تعلیمات کا درس / پیغام دیتا ہوں۔ میری مذکورہ شراب سے آشام یعنی مغرب زدہ لوگ ابھی جھجکتے ہیں / ڈرتے ہیں۔

۱۰۔ صبح کی ہوا باغ سے اقبال کے بارے میں یہ خبر لائی ہے کہ وہ تو گرفتار ابھی جال کے نیچے پھڑک رہا ہے۔ (لغت)

(۴)

۱۔ پردہ چہرے سے اٹھا' انجمن آرائی کر	چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر
۲۔ تو جو بجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک	بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر
۳۔ نفس گرم کی تاثیر ہے اعجاز حیات	تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر
۴۔ کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم!	اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر
۵۔ ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیر حرم	دل کو بیگانۂ انداز کلیسائی کر

۶- اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا   ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر
۷- پہلے خوددار تو مانندِ سکندر ہو لے   پھر جہاں میں ہوسِ شوکتِ دارائی کر
۸- مل ہی جائے گی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبالؔ   کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

۱- اے محبوب! (مسلمان) تو اپنے چہرے سے پردہ اٹھا کر محفل کو آراستہ کر۔ (لغت.....) اور یوں سورج، چاند اور ستاروں کو اپنا تماشائی بنا۔ خدمت اسلام سے اپنی عظمت کا سامان کر۔

۲- اگر تو بجلی ہے تو کب تک تو چشمکِ پنہاں سے کام لیتا رہے گا۔ تو بے تکلفی کے ساتھ، کسی جھجک کے بغیر میرے دل سے واقفیت حاصل کر۔ میری شاعری میں جن جذبوں ولولوں کا درس یا پیغام دیا گیا ہے، اس پر غور اور عمل کر اور اپنی بقا و سربلندی کے لیے بر سرِ عمل ہو جا۔

۳- عشق کا سوز و گداز ایک ایسا سوز ہے جس میں زندہ کر دینے کا معجزہ ہے۔ اس سے حیاتِ جاوید اور حقیقی زندگی کا سامان ہوتا ہے۔ اگر یہ سوز و گداز تیرے سینے میں ہے تو اٹھ اور اس سے اپنے مردہ / بیکار جسم یا اپنی زندگی کو صحیح زندگی بنا۔

۴- تو کب تک حضرت موسیٰ کی طرح طور پر جلوے کی بھیک مانگتا رہے گا۔ تو اپنی ہستی یا اپنے وجود سے طورِ سینا والا شعلہ پیدا کر۔ دوسروں یا غیر قوموں کی مدد کے سہارے جینے کا عمل صحیح نہیں یا بہت برا ہے۔ تو خود اپنی پوشیدہ صلاحیتوں، اہلیتوں اور قوتوں اور سوزِ عشقِ حقیقی سے کام لے کر عظیم اور صاحبِ بقا بن جا۔

۵- تیری خاک کے ہر ہر ذرے سے حرم / کعبے کی تعمیر ہو۔ تو (مسلمان) اپنے دل کو عیسائیوں یا غیر مسلموں کے سے طور طریقوں سے باز رکھ۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کر کر انہی سے دنیا و آخرت سنورتی ہے۔ غیر اسلامی طریقے یا مغربی تہذیب و تمدن اپنانے سے تیری رسوائی ہوگی۔

۶- اس باغ / دنیا میں حد سے گزرنا اچھا نہیں، اپنی حد میں رہنا ضروری ہے۔ اگر تو کوئی ناز اور فخر کرنا بھی چاہتا ہے تو اپنے حسن و جمال کے مطابق کر۔ اپنی حد سے بڑھنا اچھا نہیں۔ اپنی خوبیوں یا قوتوں کی حد سے باہر نکلنا نقصان کی بات ہے۔

۷- پہلے تو سکندرِ اعظم کی طرح خوددار تو ہو لے پھر دنیا میں دارا بادشاہ جیسی شان و شوکت کی ہوس کر۔ گویا اپنے ہر عمل میں اپنی عزتِ نفس کو ملحوظ و محفوظ رکھ پھر عظمت و شوکت کی طرف آ۔

۸- اے اقبالؔ! تجھے لیلیٰ کی منزل کبھی مل ہی جائے گی۔ ضروری ہے کہ تو ابھی کچھ دن اور بادیہ پیمائی کر۔ یعنی ضروری ہے کہ تو جدوجہد کرتا رہے یا قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا

رہے اس کے نتیجے میں ایک نہ ایک دن تیرا مقصد اور تیری تمنا و آرزو پوری ہو جائے گی۔

(۵)

۱- پھر باد بہار آئی' اقبال غزل خواں ہو	غنچہ ہے اگر گل ہو' گل ہے تو گلستاں ہو
۲- تو خاک کی مٹھی ہے' اجزا کی حرارت سے	برہم ہو' پریشاں ہو' وسعت میں بیاباں ہو
۳- تو جنس محبت ہے' قیمت ہے گراں تیری	کم مایہ ہیں سوداگر' اس دیس میں ارزاں ہو
۴- کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری	تو نغمۂ رنگیں ہے' ہر گوش پہ عریاں ہو
۵- اے رہرو فرزانہ' رستے میں اگر تیرے	گلشن ہے تو شبنم ہو' صحرا ہے تو طوفاں ہو
۶- ساماں کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی	مقصد ہے اگر منزل' غارت گر ساماں ہو

۱- موسم بہار کی ہوا پھر آ گئی ہے۔ اے اقبال تو اب غزل خوانی شروع کر دے۔ اگر تو کلی ہے تو پھول بن جا اور پھول ہے تو گلستان بن جا۔ یعنی حالات کا تقاضا ہے کہ تو شاعری جاری رکھ اور اس میں قوم کو عظیم مقاصد کے حصول کا پیغام دے۔

۲- تو مختلف اجزا کی حرارت اگرمی سے خاک کی مٹھی ہے۔ تیرا وجود مختلف اجزا کے باہم جڑنے اور ان میں گرمی کے باعث برقرار / قائم ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تو پھیل جا' بکھر جا اور خود میں اتنی وسعت پیدا کر لے کہ تو بیاباں کی صورت ہو جائے۔ سوز و گداز اور عظیم مقاصد کے حصول کے لیے تگ و دو کرنے ہی سے انسان کی وسعت و عظمت کا سامان ہوتا ہے۔

۳- تو (علامہ نے خود کو مخاطب کر کے یہ بات کہی ہے) محبت کا سودا ہے' تیری قیمت بڑی بھاری ہے۔ اس دیس میں سوداگر تھوڑی پونجی والے ہیں تو سستا ہو جا۔ یعنی اپنے وطن کے مسلمانوں یا لوگوں میں باہمی محبت و الفت کا جذبہ بہت کم ہے' تو ایسا ذریعہ اختیار کر یا اپنی شاعری میں ایسے جذبوں کا اظہار کر جن سے متاثر ہو کر لوگوں میں باہمی الفت و محبت عام ہو جائے۔

۴- تیری نے / شاعری ساز کے پردے میں کیوں چھپی رہے۔ تو تو ایک رنگین / دلکش نغمہ ہے۔ (تیری شاعری بڑی دلنشین ہے) اس لیے ہر کان پر نمایاں ہو جا۔ وہی بات کہ اپنی شاعری میں اہم و بلند جذبوں کا کھل کر درس و پیغام دے۔

۵- اے دانا مسافر! اگر تیرے راستے میں گلشن ہے تو تو شبنم بن جا اور صحرا ہے تو تو طوفان بن جا۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق پیغام عمل دیتا جا۔

۶۔ ساماں (دنیاوی مفادات) کی محبت تن آسانی/ست الوجودی کی علامت ہے۔ اگر تو منزل تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے تو سامان کو تباہ کر دے یعنی عظمت و بقا کے لیے جہد و عمل کی ضرورت ہے اور دنیاوی و ذاتی مادی مفادات سے بچنا لازمی ہے۔

(۶)

۱۔ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

۲۔ طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرمِ گوش ہو — وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

۳۔ تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ — کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

۴۔ دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن — نہ تری حکایتِ سوز میں نہ مری حدیثِ گداز میں

۵۔ نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی — مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

۶۔ نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں — نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

۷۔ جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا — ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

۱۔ اے حقیقتِ منتظر! کبھی تو لباسِ مجاز میں بھی نظر آ جا' اپنا جلوہ کھل کر دکھا کیونکہ میری جبینِ نیاز (تعظیمی سجدہ کرنے والی پیشانی) میں ہزاروں سجدے بیقرار ہیں۔ تیرے جلوے کا بے حد شیدائی ہوں۔

۲۔ تو جذبہ عشق کی دھوم مچا دینے کی لذت سے آگاہ ہو جا اور تو جو آواز ہے' کانوں کے لیے آشنا ہو جا۔ غالباً اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے کہ تو اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں جذبہ عشقِ حقیقی پیدا کر۔

۳۔ تو اپنے آئینے (دل) کو بچا بچا کر نہ رکھ اس لیے کہ یہ ایک ایسا آئینہ ہے کہ جتنا بھی ٹوٹ پھوٹ والا ہوگا اتنا ہی آئینہ ساز کی نگاہ میں زیادہ عزیز ہوگا۔ دل کو ہر طرح کے غرور و تکبر سے پاک رکھ۔ وہ سراپا عجز و انکسار ہو اس لیے کہ خالقِ کائنات کو ایسا ہی دل پیارا لگتا ہے۔

۴۔ پروانے نے شمع کے گرد چکر لگاتے ہوئے اس (شمع) سے یہ کہا کہ نہ تو تیرے سوز (جلنا' روشنی) میں وہ پہلا سا اثر رہا ہے اور نہ میرے پگھل جانے کی بات ہی میں پہلی سی تاثیر رہی ہے۔ دنیا میں حالات بہت بدل گئے یا انقلاب آ گئے ہیں۔

۵۔ میرے گھر ویران کرنے والے جرم کو دنیا میں کہیں بھی پناہ نہ مل سکی' اگر ملی بھی تو صرف عفوِ بندہ نواز میں ملی۔ گویا صرف ذاتِ کریم ہی انسانوں کے گناہ بخش سکتی ہے۔

۶۔ نہ تو عشق میں پہلے کی سی سرگرمیاں رہیں اور نہ حسن میں پہلے کی سی شوخیاں نظر آ رہی

ہیں۔ نہ غزنوی (سلطان محمود غزنوی' آقا) میں بیقراری رہی اور نہ ایاز (محمود غزنوی کا محبوب غلام) کی زلفوں ہی میں وہ بل رہے ہیں جو دلکشی کا باعث بنتے ہیں۔ دنیا میں پہلے سے تعمیری حالات نہیں رہے۔ اب ہر طرف مختلف طریقوں سے تخریب ہو رہی ہے۔ (زلفوں کی دلکشی کے بارے میں یہ شعر ملاحظہ ہوں:

حافظ شیرازی — گردم زنی زطرۂ مشکینو آں نگار — فکرے کن اے صبا ز مکافات غیرتم

میر تقی میر کا یہ شعر — آوے گی اک بلا ترے سر سُن لے اے صبا — زلفِ سیہ کا اس کے اگر تار جائے گا

گویا ترجمہ ہے:

مومن خاں مومن — ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرا — ان کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے)

۷۔ جب بھی میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں پڑا تو زمین سے یہ صدا آنے لگی کہ تیرا دل تو صنم آشنا ہے' تجھے اس ظاہری / دکھاوے کی نماز سے کیا ملے گا۔ یعنی تو تو مادی و باطل قوتوں کی محبت میں گرفتار ہے۔ تیرے یہ سجدے اور تیری یہ نمازیں محض دکھاوا ہیں اور خلوصِ قلب سے محروم ہیں۔

(۷)

۱۔ ترے دام بھی غزل آشنا رہے طائرانِ چمن تو کیا — جو فغاں دلوں میں تڑپ رہی تھی نوائے زیرِ لبی رہی

۲۔ ترا جلوہ کچھ بھی تسلیِ دلِ ناصبور نہ کر سکا — وہی گریۂ سحری رہا' وہی آہِ نیم شبی رہی

۳۔ نہ خدا رہا نہ صنم رہے' نہ رقیبِ دیر و حرم رہے — نہ رہی کہیں اسد اللٰہی' نہ کہیں ابولہبی رہی

۴۔ مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا — وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

۱۔ اگر جال کے اندر بھی چمن کے پرندے غزل آشنا رہیں (نغمے سنانے / چہچہانے والے) تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' اس لیے کہ ان کے دلوں میں جو آہ و فغاں تڑپ رہی تھی وہ نوائے زیرِ لبی ہی رہ گئی۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ غلامی میں انسان کی سب قوتیں اور اُمنگیں دبی رہ جاتی ہیں' وہ ان کا اظہار عملاً نہیں کر سکتا۔

۲۔ میرے بیقرار دل کے لیے تیرا جلوہ تسلی کا سامان نہ کر سکا۔ حالانکہ آج بھی تیرے حضور وہی صبح سویرے کی گریہ و زاری اور وہی آدھی رات کے وقت کی آہ و فریاد جاری ہے۔ تسلی تو جبھی ممکن ہے جب محبوبِ حقیقی سامنے آ جائے۔

۳۔ آج نہ تو وہ پہلے والا خدا رہا ہے' نہ بت ہی رہے ہیں اور نہ دیر (مندر) و حرم کے رقیب (باہمی دشمن) ہی رہے ہیں۔ نہ آج کے مسلمانوں میں پہلے سے اسلامی

جذبے رہے ہیں اور نہ ہندو/کافر اپنے مذہب پر قائم ہیں۔ نہ مسلمانوں میں اسد اللّٰہی رہی ہے اور نہ کافروں میں ابولہبی رہی ہے۔ (لغت......)

۴۔ میرا ساز اگرچہ عجمی مضرابوں کے ستم میں جھنکار رہا لیکن پھر بھی میں ذوقِ وفا کا ایک ایسا شیدا/شیدائی ہوں کہ میرا نغمہ عربی ہی رہا۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ اگرچہ میں نے غیر اسلامی اداروں (یورپ وغیرہ) میں تعلیم حاصل کی لیکن اس کے باوجود اسلام اور تعلیمات سے میری محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

(۸)

۱۔ گرچہ تو زندانیِ اسباب ہے — قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
۲۔ عقل کو تنقید سے فرصت نہیں — عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
۳۔ اے مسلماں ہر گھڑی پیشِ نظر — آیۂ لا یخلف المیعاد رکھ
۴۔ یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے — "اِنّ وعد اللّٰہ حق یاد رکھ"

۱۔ اگرچہ تو اسباب (مادی مفادات) کا قیدی ہے یعنی تو دنیاوی مفادات میں بری طرح کھویا ہوا ہے لیکن اپنے دل کو ذرا آزاد رکھ۔ تیرے دل میں ان مفادات وغیرہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ عقل تو محض تنقید (لغت......) ہی میں کھوئی رہتی ہے تو اپنے اعمال کی بنیاد عشق پر رکھ۔ عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار ہو کر ایسے جہد و عمل سے کام لے جو تیری عظمت و بقا کا باعث بنیں۔

۳۔ اے مسلمان! تو ہر لحظہ قرآنی آیت "لا یخلف المیعاد" کو پیشِ نظر رکھ۔ (لغت دیکھیے)

۴۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی کا یہ پیغام یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ یعنی وہ جو بھی وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے اور وعدہ یہی ہے کہ جو کچھ اور جتنا کچھ تم کرو گے اتنا ہی تمہیں ملے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے نیک اعمال ضروری ہیں۔

---

madbib.org

ظریفانہ

(۱)

مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں

رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے!
وہاں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

(۲)

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

(۳)

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

(۴)

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوشمند
غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

(۱)

= مشرق والے اصولوں ہی کو دین بنا لیتے ہیں' جبکہ یورپ میں اصول مشین کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ کوئی ایک اصول بھی ہمارے پلے نہیں رہتا جبکہ وہاں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں۔ یعنی ہم خدائے واحد پر یقین رکھتے ہوئے بھی اس پر عمل سے دور ہیں جبکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق ایک خدا کے تین خدا ہیں (باپ' بیٹا اور روح القدس) جو عموماً یورپ میں آباد ہیں۔

(۲)

= اس قطعہ میں انگریزی تعلیم کے نتیجے میں مسلم لڑکیوں پر جو بے حیائی وغیرہ کے اثرات ہوتے ہیں' ان کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمان لڑکیاں انگریزی پڑھ رہی ہیں۔ قوم نے گویا فلاح کی راہ ڈھونڈلی ہے۔ آج مسلمانوں کے پیشِ نظر یورپی تہذیب و تمدن اور طور طریقہ ہے اور وہ مشرقی طور طریقوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ انداز گویا ایک ڈرامہ ہے' دیکھیں پردہ اٹھنے پر اس کا کیا سین نظر آتا ہے۔ یعنی اس تعلیم کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

(۳)

= شیخ صاحب بھی پردے (عورتوں کا پردے میں رہنا) کے کوئی حامی نہیں ہیں۔ کالج کے لڑکے بلاوجہ ان سے بدگمان ہو گئے ہیں۔ کل شیخ صاحب (واعظ) نے وعظ میں

صاف طور پر یہ فرما دیا کہ آخر پردہ کس سے ہو جب مرد ہی عورت بن چکے ہیں۔ طنزاً یہ کہا ہے کہ آج کے مردوں نے عورتوں کے سے مختلف طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۴)

= اے دانا انسان! چند دن ہی کی بات ہے جب نہ تو تجھ میں کوئی غیرت رہے گی اور نہ عورت ہی پردے کی حامی ہوگی۔ مغربی/ یورپی تہذیب کی پیروی کرنے کے نتیجے کی طرف اشارہ ہے۔ اب وہ دور آ رہا ہے کہ عورت اولاد کی خواہش کرنے کی بجائے اس بات کی آرزومند ہو جائے گی کہ وہ کسی نہ کسی طرح پارلیمنٹ کی ممبر بن جائے۔ واقعی آج یہی کچھ ہو رہا ہے۔

(۵)

۱۔ تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں — پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ
۲۔ بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ
۳۔ میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں — ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پہ نہ رینگ
۴۔ کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھدا سا جانور! — اچھی ہے گائے رکھتی ہے کیا نوکدار سینگ

(۶)

کچھ غم نہیں جو حضرتِ واعظ ہیں تنگ دست — تہذیبِ نو کے سامنے سر اپنا خم کریں
رد جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا — تردید حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

(۷)

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ! — دفعِ مرض کے واسطے پل پیش کیجیے
تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجیے!

(۸)

انجام بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک — چھتریاں، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے، کفن جاپان سے

(۵)

۱۔ (اس میں بھی طنزیہ انداز ہے) مغربی/ یورپی تعلیم بڑی جرأت پیدا کرنے والی ہے۔ اس کا پہلا سبق یہی ہے کہ کالج میں جب آپس میں مل کر بیٹھو تو خوب ڈینگیں مارو، شیخیاں بگھارو۔

۲- چونکہ ہندوستان میں ہی ہینگ کے خریدار بستے ہیں' اس لیے افغانی پٹھان ہینگ اپنے وطن سے یہاں لے آتے ہیں۔

۳- میرا تو یہ حال ہے کہ میں حاکم کے بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں' جبکہ حاکم کا یہ حکم ہے کہ دیکھ میرے فرش پر مت رینگ۔ (لغت)

۴- وہ کہنے لگے کہ اونٹ ایک بھدا سا جانور ہے۔ (اونٹ غیر منقسم ہند کے مسلمان مراد ہیں) جبکہ گائے اچھی ہے جس کے سینگ نوکدار ہیں۔ گائے سے مراد ہندو جو اچانک مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

(۶)

= اگر حضرت واعظ تنگدست ہیں تو یہ کوئی غم کی بات نہیں' انہیں چاہیے کہ وہ جدید تہذیب کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیں۔ انہوں نے جہاد کے خلاف تو بہت کچھ لکھا ہے' اب انہیں چاہیے کہ وہ حج کی تردید پر کوئی رسالہ رکھیں۔ (لغت دیکھیے)

(۷)

= تہذیب کے مریض (یورپی تہذیب کے پیروکار) کو گولی سے فائدہ؟ (کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے یہاں کی بنی ہوئی ہے اور اس کا نام بھی اپنی زبان میں ہے) اس کے لیے بھی انگریزی دوا کی ضرورت ہے جسے Pill کہتے ہیں (طنزیہ)۔ کبھی وہ زمانہ بھی تھا جب شاگرد اپنے استاد کی خدمت / تدریس کے بدلے میں دلی طور پر انہیں اپنے دل کا ہدیہ / تحفہ پیش کرنا چاہا کرتے تھے۔ استاد کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے' لیکن اب زمانہ ایسا (بے ادب) آ گیا ہے کہ لڑکا استاد سے سبق پڑھنے کے بعد اس سے کہتا ہے کہ بل پیش کیجیے (کتنے پیسے دوں)

(۸)

= بڑی انتہا کی بات ہے کہ چھتریاں' رومال' مفلر اور لباس تک جاپان سے آ رہے ہیں (امپورٹ ہو رہے ہیں)۔ آخر ہم کب تک یہ چیزیں اس سے خریدیں گے۔ اگر ہماری غفلت کی یہ حالت برقرار رہی (کہ ہم ایسی ضرورت کی چیزیں یہاں نہیں بنا رہے) تو پھر یہی صورتحال ہو گی کہ ہمارے مُردوں کو نہلانے والے تو کابل سے آئیں گے جبکہ کفن جاپان سے امپورٹ ہوں گے۔

(۹)

۱۔ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنتر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
۲۔ اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے
۳۔ اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
۴۔ یا باہم پیار کے جلسے تھے دستور محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے

(۱۰)

۱۔ ”اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے“
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا؟
۲۔ کیوں اے جنابِ شیخ سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبہ والوں سے کل اہلِ دیر کیا؟
۳۔ ہم پوچھتے ہیں مسلمِ عاشق مزاج سے
الفت بتوں سے ہے تو برہمن سے بیر کیا

(۱۱)

ہاتھوں سے اپنے دامنِ دنیا نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
قانون وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جائیداد بھی؟

(۱۲)

وہ مس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے
مہذب ہے تو اے عاشق قدم باہر نہ دھر حد سے
نہ جرأت ہے نہ خنجر ہے تو قصدِ خودکشی کیسا؟
یہ مانا دردِ ناکامی گیا تیرا گزر حد سے
کہا میں نے کہ ”اے جانِ جہاں کچھ نقد دلوا دو
کرائے پر منگا لوں گا کوئی افغان سرحد سے“

(۹)

۱۔ ہم اہلِ مشرق' مغربی تہذیب کے بڑے دلدادہ/شیدائی ہو چکے ہیں۔ وہاں تو سب ڈبے شیشے کے بنے ہوئے ہیں جبکہ ہمارے یہاں محض ایک پرانا مٹکا ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ انگریز دولت میں کھیل رہے ہیں اور ہم اہلِ ہند مفلسی کا شکار ہیں۔

۲۔ آج کے دور میں صرف وہی قائم و برقرار رہ سکے گا جو اپنی راہ پر چل رہا ہے اور ضد کا پکا ہے اس کے علاوہ دوسرے سب لوگ جو اس جیسے نہیں ہیں اپنا وجود کھو بیٹھیں گے مٹ جائیں گے۔

۳۔ اے شیخ و برہمن! جو کچھ اہلِ بصیرت کہہ رہے ہیں کیا تم اس پر توجہ کر رہے ہو/سن رہے ہو؟ اور وہ یہ کہ آسمان نے کس قدر بلندی سے نیچے دے پٹکا ہے۔ مسلمان اور ہندو کی باہمی کشمکش اور غلامی کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ کبھی وہ وقت بھی تھا جب دونوں قومیں باہم پیار محبت سے رہتی تھیں اور محبت کا قانون

برقرار تھا یا اب اردو اور ہندی زبان کے بارے میں اور قربانی اور جھٹکے کے مسئلے پر بحث وغیرہ رہتی ہے۔ (سکھ قوم جانور کو ذبح کرتے وقت ایک ہی ضرب سے اس کا گلا اڑا دیتے ہیں جسے جھٹکا کہا جاتا ہے)

(۱۰)

۱- غالب کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ مشہود و شاہد اور مشہود کی اصل ایک ہی ہے۔ یعنی غالب نے وحدت و توحید کا جو ذکر کیا ہے' وہ بجا ہے۔ اس کے بعد غیر اللہ کی بات کیوں کی جائے۔ غالب کا پورا شعر یوں ہے:

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

۲-۳: اے جناب شیخ! کل اہل دیر (ہندو) کعبہ والوں (مسلمانوں) سے جو کچھ کہہ رہے تھے' کیا آپ نے بھی وہ سنا ہے؟ (وہ یہ کہ) ہم عاشق مزاج مسلمان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر تجھے بتوں (مراد حسینوں) سے محبت و الفت ہے تو پھر برہمن سے دشمنی کس لیے ہے۔ بت سے مراد مادی فائدے بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۱)

= آج اپنی صورت حال یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں سے دنیا کا دامن بھی چھوٹ گیا ہے اور ہمارے دلوں سے آخرت کا خیال بھی ختم ہو گیا ہے۔ آج کے مسلمان اپنے غلط اعمال کی وجہ سے نہ دنیا کے رہے ہیں' نہ دین کے۔ شیخ صاحب حاکموں سے قانون وقف کے لیے لڑ رہے تھے لیکن ان سے یہ پوچھا جائے کہ وقف کے لیے ان کے پاس (مسلمانوں کے پاس) کوئی جائیداد بھی ہے؟ یعنی مسلمان تو مفلس ہیں انھیں ایسے قانون سے کیا فائدہ یا نقصان پہنچے گا۔

(۱۲)

= جب میں نے خودکشی کا ارادہ کیا تو وہ مس بولی کہ اے (میرے) عاشق تو مہذب ہے۔ اس لیے حد سے باہر قدم نہ رکھ۔ چلو میں یہ مان لیتی ہوں کہ تیرا درد دل کا بھی حد سے بڑھ چکا ہے لیکن تیرے پاس نہ تو کوئی خنجر ہے' نہ تجھ میں کوئی جرأت ہے تو ایسی صورت میں خودکشی کا کیا تک بنتا ہے۔ اس کے جواب میں میں نے اس سے کہا کہ اے جان جہاں مجھے کچھ پیسے دلوا دو میں سرحد سے کوئی پٹھان کرائے پر منگوا لوں گا یعنی اسے بھاری اجرت دے کر کہوں گا کہ وہ مجھے مار ڈالے کیونکہ اس کے پاس خنجر ہوتا ہے۔

(۱۳)

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر — حاصل ہوا یہی، نہ بچے مار پیٹ سے
مغرب میں ہے جہازِ بیاباں شتر کا نام — ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

(۱۴)

ہندوستاں میں جزوِ حکومت ہیں کونسلیں — آغاز ہے ہمارے سیاسی کمال کا
ہم تو فقیر تھے ہی، ہمارا تو کام تھا — سیکھیں سلیقہ اب امرا بھی "سوال" کا

(۱۵)

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں — ووٹ تو مل جائیں گے، پیسے بھی دلوائیں گے کیا؟
میرزا غالب خدا بخشے، بجا فرما گئے — "ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟"

(۱۶)

۱۔ دلیلِ مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا ہوگی — نہ ہو حضور سے الفت، تو یہ ستم نہ کہیں
۲۔ مُصر ہے حلقہ، کمیٹی میں کچھ کہیں ہم بھی — مگر رضائے کلکٹر کو بھانپ لیں تو کہیں
3۔ سند تو لیجیے، لڑکوں کے کام آئے گی — وہ مہرباں ہیں، اب، پھر رہیں، رہیں نہ رہیں
۴۔ زمین پر تو نہیں ہندیوں کو جا ملتی — مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں
۵۔ مثالِ کشتیِ بے حس مطیعِ فرماں ہیں — کہو تو بستہ ساحل رہیں، کہو تو بہیں

(۱۷)

۱۔ فرما رہے تھے شیخ طریقِ عمل پہ وعظ — کفارِ ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوش
۲۔ مشرک ہیں وہ جو رکھتے ہیں مشرک سے لین دین — لیکن ہماری قوم ہے محرومِ عقل و ہوش
۳۔ ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی — سن لے اگر ہے گوشِ مسلماں کا حق نیوش
۴۔ اک بادہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک — جس کے لیے نصیحتِ واعظ تھی بارِ گوش
۵۔ کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی — پابند ہو تجارتِ سامانِ خورد و نوش
۶۔ میں نے کہا کہ "آپ کو مشکل نہیں کوئی — ہندوستاں میں ہیں کلمہ گو بھی مے فروش"

(۱۳)

= ترک بڑے نادان تھے کہ انہوں نے عرب کی قدر نہ جانی، جس کے نتیجے میں وہ مار پیٹ سے نہ بچ سکے۔ یورپ والے اونٹ کو "جہازِ بیاباں" کہہ کر پکارتے ہیں۔ افسوس کہ انہوں (ترکوں) نے اس فلیٹ سے کوئی کام نہ لیا۔ عربوں نے ترکوں کے

خلاف انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ اس طرف طنزیہ اشارہ ہے۔

(۱۴)

= ہندوستان میں کونسلیں حکومت کا جزو ہیں۔ یہ گویا ہمارے سیاسی آغاز کا کمال ہے۔ ہم تو غریب و مفلس تھے ہی اس لیے ہم حکمرانوں سے کچھ مانگتے تھے لیکن موجودہ صورتحال میں امیر لوگ بھی "سوال" کرنے کا سلیقہ سیکھیں۔ کونسلیں حکومت سے مختلف قسم کے فنڈز کا تقاضا کریں گی۔

(۱۵)

= امپیریل کونسل (لغت......) کی رکنیت کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ووٹ تو ہمیں مل جائیں گے لیکن اس ممبری کی وجہ سے ہمیں کچھ مال بھی ملے گا یا نہیں؟ خدا بخشے میرزا غالب بالکل بجا فرما گئے ہیں کہ ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہم دہلی ہی میں رہیں لیکن یہاں کیا کھائیں گے کہ غربت کا شکار ہیں۔ غالب کا پورا شعر:

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟

(۱۶)

۱- اس سے بڑھ کر ہمارے مہر و وفا (حکمرانوں کی چاپلوسی وغیرہ) کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اگر ہمیں حضور (حکمران وقت انگریز) سے الفت نہ ہو تو ہم اس کے یہ ستم نہ سہیں۔ طنزاً انگریزوں کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے۔

۲- ہمارا حلقہ/ علاقہ اس بات پر مُصر ہے (حلقے کے لوگ اصرار کر رہے ہیں) کہ ہم بھی میونسپل کمیٹی میں کچھ کہیں۔

۳- آپ (حلقے کے رکن ہونے کی) سند تو لے لیں آپ کے لڑکوں کے کام آئے گی (وہ ہر ایک کو دکھاتے پھریں گے کہ میرے ابو کونسل کے ممبر ہیں)۔ وہ (حاکم) آج مہربان ہیں، کل ممکن ہے وہ مہربان نہ رہیں۔

۴- اہل ہند کو زمین پر تو جگہ نہیں ملتی، البتہ دنیا کے سمندروں کی تہوں میں خالی جگہیں ہیں۔ اس غلامی کی زندگی سے بہتر ہے غرق ہو جائیں۔

۵- ہم بے حس کشتی کی طرح (جسے ملاح جدھر چاہے لے جائے) حاکم کے فرمان کے مطیع ہیں۔ اگر تم (حاکم) کہو تو ہم ساحل سے لگے رہیں۔ اگر کہو تو نہ لگیں۔ حاکم جس طرح چاہے ہم سے کام لے۔

(۱۷)

۱۔ شیخ صاحب عمل پر وعظ فرما رہے تھے کہ ہندوستان کے کافر (ہندو) تجارت میں بڑی محنت کرنے والے ہیں۔

۲۔ جو مسلمان مشرکوں سے لین دین / کاروبار رکھتے ہیں' وہ بھی مشرک ہیں' لیکن افسوس کہ ہماری قوم عقل و ہوش سے محروم ہے۔ ہندوؤں سے سودا خریدتے ہیں۔

۳۔ اگر مسلمان کے کان بھی بات سن سکتے ہیں تو وہ یہ سن لیں کہ کافر کے ہاتھ کی چیز ناپاک ہوتی ہے۔

۴۔ شیخ صاحب کی اس محفل میں ایک شرابی بھی بیٹھا تھا جس پر شیخ کی یہ نصیحت ناگوار گذر رہی تھی۔

۵۔ وہ شرابی بولا کہ یہ بڑے ستم کی بات ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت پر اس قسم کی پابندیاں ہوں۔

۶۔ میں نے اس شرابی سے کہا کہ آپ کے لیے کوئی مشکل کی بات نہیں ہے' کیونکہ ہندوستان میں مسلمان بھی شراب بیچتے ہیں۔ مسلمانوں کی مے فروشی تو پاکستان بننے کے بعد بھی جاری رہی ہے۔

(۱۸)

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
شیشہ دیں کے عوض جام و سبو لیتا ہے
ہے مداوائے جنوں نشتر تعلیم جدید
میرا سرجن رگِ ملت سے لہو دیتا ہے

(۱۹)

گائے اک روز ہوئی اونٹ سے یوں گرمِ سخن
نہیں اک حال پہ دنیا میں کسی شے کو قرار
میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
سنتی ہوں آپ نے بھی توڑ کے رکھ دی ہے مہار
ہند میں آپ تو از روئے سیاست ہیں اہم
ریل چلنے سے مگر دشتِ عرب میں بیکار
کل تلک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
تھی نکلتے ہوئے ہونٹوں پہ صدائے زنہار
آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
نہ رہا آئینۂ دل میں وہ دیرینہ غبار
جب یہ تقریر سنی اونٹ نے شرما کے کہا
ہے ترے چاہنے والوں میں ہمارا بھی شمار
رشکِ صد غمزۂ اشتر ہے تری ایک کلیل
ہم تو ہیں ایسی کلیلوں کے پرانے بیمار
ترے ہنگاموں کی تاثیر یہ پھیلی بن میں
بے زبانوں میں بھی پیدا ہے مذاقِ گفتار
ایک ہی بن میں ہے مدت سے بسیرا اپنا
گرچہ کچھ پاس نہیں چارہ بھی کھاتے ہیں ادھار

گوسفند و شتر، گاؤ، پلنگ و خرلنگ | ایک ہی رنگ میں رنگیں ہوں تو ہے اپنا وقار
باغباں ہو سبق آموز جو یک رنگی کا | ہمزباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار
دے وہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی | تو بھی سرشار ہو، تیرے رفقا بھی سرشار
"دلق حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگیں کن | وانگہش مست و خراب از رہ بازار بیار"

(۱۸)

= دیکھیں اہل مشرق کی یہ تجارت کب تک چلتی ہے کہ وہ دین کے شیشہ / برتن کے عوض جام و سبو لے رہے ہیں۔ یعنی دین نے شراب حرام قرار دی ہے لیکن مسلمان پی رہے ہیں۔ جنون / پاگل پن کا علاج جدید تعلیم کے نشتر سے ہے۔ میرا سرجن / جراح ملت کی رگوں سے خون لے رہا ہے۔ جدید تعلیم پر طنز ہے۔

(۱۹)

= ایک روز گائے نے بڑی سرگرمی سے اونٹ سے یہ کہا کہ دنیا میں کوئی شے بھی ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔ میں تو اپنی رسی توڑ کر بدنام ہو گئی ہوں' میں نے سنا ہے کہ آپ (اونٹ) نے اپنی لگام توڑ کر رکھ دی ہے۔ (گائے استعارہ ہندو کا اور اونٹ مسلمان کا)۔ ہند میں سیاست کی رُو سے تو آپ کی اہمیت ہے لیکن ریل چلنے سے آپ عرب کے جنگلوں میں بیکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ کل تک آپ گائے کی محفل سے دور رہتے تھے اور آپ کے لٹکے ہوئے ہونٹوں پر "بچ' بچ" کی آواز ہوتی تھی' لیکن آج یہ کیا بات ہے کہ ہم پر اتنی مہربانی ہے کہ ہمارے دل کے آئینے میں پرانا غبار نہیں رہا۔

جب اونٹ نے اس کی یہ تقریر سنی تو شرما کے کہا کہ ہم بھی تیرے چاہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تیری ایک کلیل ہی اونٹ کے سینکڑوں غمزہ (فریب' چالاکی) کے لیے باعث رشک ہے۔ ہم تو ایسی کلیلوں کے پرانے شیدائی ہیں۔ تیرے ہنگاموں کی تاثیر جنگل میں کچھ ایسے انداز میں پھیلی ہے کہ بے زبان بھی بولنے چالنے کے ذوق سے آشنا ہو گئے ہیں۔ اپنا بسیرا تو ایک مدت سے ایک ہی بن میں ہے' اگرچہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے' چنانچہ ہم چارا بھی ادھار ہی کھاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اگر بکرا' اونٹ اور گائے اور چیتا اور خرلنگ ایک ہی رنگ میں رنگے جائیں تو اپنا وقار قائم ہو سکتا ہے۔ غالباً برصغیر کی تمام قوموں کا استعارہ ہے کہ وہ اگر باہم اتفاق و محبت سے نہ رہیں تو غلامی سے نجات پا کر باوقار زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ اگر باغبان یک رنگی / اتحاد و اتفاق کا درس

دینے والا ہو تو باغ کے پرندے پھر کیوں نہ ہم زبان ہو کے رہیں گے۔ (باغبان رہنما اور طیور قوموں کا استعارہ ہے)۔ تو ہمیں بھی وہی اپنے والا جام دے' کیونکہ یہی بات مناسب ہے کہ تو بھی ذوق و نشہ سے سرشار رہے اور تیرے ساتھی بھی رہیں۔ حافظ کی گدڑی کتنے میں بکے گی (یعنی اس کی خاص قیمت نہیں ملے گی) البتہ اسے شراب سے رنگ دو پھر اسے (حافظ کو) بازار لے جاؤ اس حالت میں کہ وہ مدہوش و دیوانہ ہو۔ حافظ شیرازی کی متعلقہ غزل کا مطلع ہے:

اے صبا! نکہتے از خاک رہ یار بیار   ببر اندوہ دل و مژدۂ دلدار بیار

(۴۰)

رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے   ماجرا اپنی ناتمامی کا
مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو   صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
اور یہ بسوہ دار بے زحمت   پی گیا سب لہو اسامی کا

(۴۱)

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر   گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا
کیا خوب ہوئی آشتیِ شیخ و برہمن   اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا
مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے "بدری"   مسجد سے نکلتا نہیں، ضدی ہے "مسیتا"

(۴۲)

جان جائے ہاتھ سے جائے نہ ست   ہے یہی اک بات ہر مذہب کا تت
چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں   ساہوکاری' بسوہ داری' سلطنت

(۴۳)

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے   دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز   ٹل نہیں سکتا وقد کنتم بہ تستعجلون
"کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام   چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون"

(۴۴)

شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل   رکھ کے میخانے کے سارے قاعدے بالائے طاق
یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام   رنگ اک پل میں بدل جاتا ہے یہ نیلی رواق
حضرت کرزن کو اب فکر مداوا ہے ضرور   حکم برداری کے معدے میں ہے درد لا یطاق

فنڈِ ہندوستاں سے کرتے ہیں سر آغا خاں طلب　　　کیا یہ چورن ہے پئے ہضمِ فلسطین و عراق؟

(۳۰)

■ رات اک مچھر نے اپنی ناتمامی (نامکمل جدوجہد) کا ماجرا مجھ سے بیان کر دیا اور وہ یہ کہ مجھے (انسان) رات بھر کی پیاس کا صلہ خون کی صرف ایک بوند دیتے ہیں' جبکہ یہ بسوہ دار کوئی تکلیف اٹھائے بغیر کسان کا سارا خون پی گیا۔ زمینداروں پر طنز ہے۔

راقم یزدانی نے کوئی اڑتالیس برس پہلے مچھر پر یہ مزاحیہ نظم کہی تھی:

اے آمدنت باعثِ آزارِ/بیماری ما

(اے کہ تیری آمد ہماری تکلیف یا بیماری کا باعث بنی ہے)

(تضمین بر شعرِ حافظ)

ایک مچھر سے یہ کل میں نے کہا　　"اے کہ میرا خون ہے تیری غذا
اس نکمّے خون سے کیا خاک ہو　　پرورش تیری یہ۔ تیرا ارتقا
رنگا رنگ آنے کے باعث یہ غلام　　ہر گھڑی دردوں میں ہے بس مبتلا
پیٹ کے اندر بھی اور باہر بھی درد　　سلسلہ دردوں کا کچھ یوں ہے چلا
لیکن اے جانِ جہاں' جانِ بہار　　من نمی خواہم کنم با تو دغا
تو کہ ہے نوخیز' کلیوں کی طرح　　اور ابھی تجھ کو ہے دنیا۔ دیکھنا
اس لیے اس گندے خوں سے کر حذر　　اور جا کر دیکھ کوئی گھر نیا
فرض کر بل بھی اگر جائے تجھے　　جستجو سے قطرہ خالص خون کا
فائدہ کیا ایسی محنت سے کہ ہو　　جس میں خطرہ جاں کا ظاہر اور کھلا
تو تو محوِ جستجو ہو اور اُدھر　　دیکھ لے تجھ کو کوئی دشمن ترا
چپکے سے جا کر وہ دے اس کی خبر　　کارپوریشن کے عملے کو ذرا
ڈنڈے ہاتھوں میں لیے وہ دوڑے آئیں　　اور تیرا مارنا سمجھیں روا"
میرا مقصد اس خوشامد سے فقط　　تھا اُسے مقصد سے اس کے ٹالنا
خوشی قسمت کہ وہ ظالم کہیں　　فارسی سے تھا بہت ہی آشنا
سن کے میری چاپلوسی' اس نے یہ　　شعرِ حافظ کا ترنم سے پڑھا
"من نہ آں رندم کہ ترکِ شاہد و ساغر کنم　　محتسب داند کہ من ایں کارہا کمتر کنم"

(میں شاہد و ساغر کو چھوڑنے والا رند نہیں ہوں۔ کوتوال کو پتہ ہے کہ میں یہ کام نہیں کیا

کرتا۔ نہیں چھوڑوں گا)۔

(۴۱)

= (لغت دیکھیے) تخیل میں مجھ پر یہ نئی آیت نازل ہوئی ہے کہ قرآن اور گیتا کی تعلیم یکساں ہے۔ شیخ اور برہمن (مسلمان اور ہندو) میں کیسی عمدہ صلح صفائی ہوئی ہے کہ اس جنگ میں آخر کار نہ یہ (برہمن) ہارا ہے اور نہ وہ (مسلمان) جیتا ہے۔ بدری تو پہلے ہی سے مندر سے بیزار تھا' لیکن مسیتا (ملا) ایسا ضدی ہے کہ وہ مسجد سے نکلتا ہی نہیں ہے۔

(۴۲)

= جان اگر ہاتھ سے جاتی ہے تو جاتی رہے' کوئی پروا نہیں ہے لیکن سچائی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ یہی بات/ اصول ہر مذہب کا تت/ اصول ہے۔ خواہ سا ہو کاروں یا بسوہ دار یا سلطان/ حکمران ہوں' سب کی اصلیت ایک ہی ہے۔

(۴۳)

= محنت (مزدور) اور سرمایہ (مزدوروں سے کام لینے والے دولت مند) دنیا میں ایک دوسرے کے مقابل آ کھڑے ہوئے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس جنگ میں کس کس کی تمناؤں کا خون ہوتا ہے۔ یہ ہنگامے اور فساد پھیلانے والا فتنہ عقل و تدبیر سے دور نہیں کیا جا سکتا' اس لیے کہ قرآنی ارشاد ہے کہ تم اس (عذاب) کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہو۔ یا جوج اور ماجوج کے تمام لشکر کھل گئے ہیں۔ مسلمانوں کی آنکھ حرف "ینسلون" کی تفسیر دیکھ لے (لغت دیکھیے) اس قطعہ میں غالباً کمیونزم وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۴)

= (وضاحت کے لیے لغت دیکھیے) اور ہو عملِ بزل یعنی مذاق کے سارے قانون/ قاعدے بالائے طاق رکھ کر شام کی سرحد سے روانہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ آسمان ایک پل میں رنگ بدل جاتا ہے تو پھر یہ تو بڑا ہی عبرت ناک مقام ہے۔ اب حضرت کرزن کو یقیناً علاج کی فکر ہے کیونکہ حکم برداری کے معدے میں ایسا درد اٹھا ہوا ہے جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔
ادھر سر آغا خان ہندوستان سے وفد طلب کر رہے ہیں۔ کہیں یہ ایسا چورن تو نہیں جس سے فلسطین اور عراق کو ہضم کر لیا جائے۔ (ان پر قبضہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔)

(۴۵)

تکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز دونو کہہ رہے تھے مرا مال ہے زمیں

کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اسی کا کھیت
کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں

پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقیں

مالک ہے یا مزارعِ شوریدہ حال ہے
جو زیرِ آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے

(۳۶)

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

(۳۷)

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار
عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اسے ناسازگار

حکمِ حق ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(۳۸)

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا

مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

(۳۹)

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کیا خوب امیرِ فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

(۳۵)

= ایک روز کسان اور زمیندار میں یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ دونوں زمین کو اپنا مال کہہ رہے تھے۔ کسان کا یہ کہنا تھا کہ جو کوئی کھیتی باڑی کرے کھیت اسی کا ہوگا' جبکہ زمیندار اسے کہہ رہا تھا کہ تیری عقل ٹھکانے نہیں ہے (تیری "مت" ماری گئی ہے)۔ جب میں نے زمین سے پوچھا تو کس کی ملکیت ہے تو وہ جواب میں بولی کہ مجھے تو صرف اس بات کا یقین ہے کہ خواہ زمیندار ہے یا پریشان حال کسان' کوئی بھی ہو یعنی زمین پر جو کوئی بھی ہے وہ صرف دھرتی / زمین ہی کا مال ہے۔

(۳۶)

= نئی یعنی یورپی تہذیب تمدن کے انڈے بڑے گندے ہیں انہیں اٹھا کر باہر گلی میں پھینک

دو۔ اس گندی تہذیب سے بچو۔ الیکشن (انتخابات) ممبری کونسل اور صدارت بڑے عجیب پھندے ہیں جو آزادی نے بنائے ہیں۔ انگریزوں نے اہل ہند کو بناوٹی آزادی دی تھی۔ یورپ کے زمرے اتنے تیز ہیں کہ خود میاں نجار (انگریز) بھی ان سے چھیلے گئے ہیں۔ گویا بناوٹی آزادی سے اہل ہند میں حقیقی آزادی کے حصول کے لیے بیداری پیدا ہونے لگی۔

(۲۷)

= کارخانے کا مالک کام سے ناواقف (جاہل) ہے۔ وہ گویا عیش و عشرت کا ایسا پتلا ہے جسے محنت سازگار نہیں ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان کو صرف وہی چیز مل سکتی ہے جس کی وہ کوشش کرے۔ اس صورت میں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار کیوں کھائے۔ یہ عمل تو غیر اسلامی ہوگا۔

(۲۸)

= میں نے سنا ہے کہ کل کارخانے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ دستکاروں کا ٹھکانا پرانے جھونپڑوں میں ہے۔ (محنت کاریگر کر رہے ہیں لیکن غریب ہیں' جبکہ کارخانے کا مالک محنت کیے بغیر ان کے ذریعے خوب دولت کما رہا ہے)۔ لیکن حکومت نے کیسا عمدہ کونسل ہال بنوا دیا ہے۔ (کونسل ہال وہ بڑا کمرہ جس میں کونسل کا اجلاس منعقد کیا جائے)۔ کیا اس شہر میں سرمایہ داروں کا کوئی تکیہ نہ تھا؟ (طنزاً ایسا کہا ہے۔ تکیہ آرام کی جگہ نیز قبرستان' یہاں دوسرے معنی سے مزاح پیدا ہو گیا ہے)۔

(۲۹)

= (لغت دیکھیے) ایمان کی حرارت / جوش و جذبہ والے مسلمانوں نے مسجد تو رات بھر میں بنا دی' لیکن اپنا دل ایسا پاپی ہے کہ برسوں میں وہ نمازی کی طرف نہیں آ سکا۔ سنوسی نے امیر فیصل کو کیسا شاندار پیغام دیا ہے' جو یہ ہے کہ تو (امیر فیصل) نام و نسب کے لحاظ سے تو حجازی (مسلمان) ہے لیکن دلی طور پر تو مسلمان نہیں ہے۔

آنکھیں رونے سے گیلی تو ہو جاتی ہیں لیکن جب آنسو خون جگر کی آمیزش سے سرخ نہ بن سکا تو ایسے رونے میں کیا مزا ہو سکتا ہے۔

اقبال بڑا واعظ بنا پھرتا ہے' لوگوں کے دل اپنی باتوں سے موہ لیتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ باتوں کا غازی یا دھنی تو بن گیا ہے لیکن عمل و سعی کا غازی نہ بن سکا۔

تمت بالخیر

لغت بانگ درا

= بانگِ درا: گھنٹے کی آواز جو قافلے میں اس کی روانگی کے وقت بجایا جاتا ہے۔

ہمالہ

= ہمالہ: دنیا کے سب سے بڑے اور اونچے پہاڑ کا نام جو ہندوستان کے شمال میں واقع ہے اور جس کی بعض چوٹیوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے اسے کوہ ہمالیہ بھی کہتے ہیں۔

(پہلے تا آٹھویں بند تک)

= فصیل: قلعے یا شہر وغیرہ کی دیوار جو عموماً چوڑی ہوتی ہے دیرینہ روزی: پرانا پن، بہت پرانا ہونا کلیم: حضرت موسیٰ کلیم اللہ جنہیں سینا کے پہاڑ پر خدا کا جلوہ نظر آیا تھا امتحانِ دیدۂ ظاہر: مراد ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی حالت مطلع: طلوع ہونے کی جگہ، یہاں مراد غزل کا پہلا شعر دیوان: شعروں کا مجموعہ دامن کش: دامن کھینچنے والا، اپنی طرف مائل کرنے والا دستارِ فضیلت: عظمت یا بڑائی کی پگڑی خندہ زن: ہنسی اڑانے والی مہرِ عالمتاب: دنیا کو روشن کرنے والا سورج عہدِ کہن: پرانا زمانہ/دور ثریا: چھ ستاروں کا ایک گچھا جو آسمان پر زمین سے بہت بلند ہوتا ہے آئینہ سیال: بہنے والا آئینہ رہوار: گھوڑا تازیانہ: چابک عناصر: جمع عنصر، چار عنصر، آگ، پانی، مٹی اور ہوا جن سے اس کائنات کی تخلیق ہوئی ہے فرطِ طرب: بیحد خوشی گہوارہ: جھولا گویا: بولنے والی دستِ گل چیں: پھول چننے یا توڑنے والے کا ہاتھ کنج: گوشہ، کونا کاشانہ: محل فرازِ کوہ: پہاڑ کی بلندی کوثر: جنت میں شیریں پانی کی ندی تسنیم: جنت میں شیریں پانی کا چشمہ شاہد: محبوب، معشوق عراقِ دلنشیں: دل پر اثر کرنے والا نغمہ لیلیٰ شب: رات

کی لیلیٰ، رات کی حسینہ، تاریکی، لیلیٰ، مجنوں کی محبوبہ کا رنگ سیاہ تھا زلفِ رسا: لمبے اور گھنے گیسو تکلم: گفتگو، بات چیت تفکر: سوچ میں محو ہونے کی حالت، اداسی غازہ: سرخی جو عورتیں چہرے پر لگاتی ہیں رنگِ تکلف بناوٹ کا رنگ

گل رنگین

(پہلا تا چوتھا بند)

= شناسا: واقف، آگاہ خراش: کھرچ، نوچ عقدہ: گتھی، گرہ الجھیڑا: جھگڑا، جھنجٹ سوز و ساز آرزو: مراد عاشقانہ زندگی کا مزہ صورت بیں: ظاہر کو دیکھنے والی دستِ جفا جو: ظلم کا بہانہ ڈھونڈنے والا ہاتھ مستور: چھپا ہوا برگِ ریاضِ طور: کوہ طور (سینا) کے درختوں جیسے درخت کا پتا جمعیت: اطمینان و سکون جامِ جم: ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کا پیالہ جس میں دنیا کا عکس نظر آتا تھا جہاں افروز: دنیا کو روشن کرنے والی توسنِ ادراک: (توسن: گھوڑا) مراد انسانی عقل جو گھوڑے کی طرح تیز رفتار ہے خرام آموز: رفتار سکھانے والا، آگے بڑھانے والا

عہدِ طفلی

طفل: بچپن

(ا تا ۲ بند)

= دیارِ نو: نیا ملک، نئی بستی، نامانوس جگہ آغوشِ مادر: ماں کی گود حرفِ بے مطلب: ایسے الفاظ جن کے کوئی معنی نہ بنتے ہوں، ادھورے بول شورش: شور دروغِ مصلحت آمیز: وہ جھوٹ جس میں کوئی بھلائی چھپی ہو استفسار: پوچھنے کا عمل، سوال

مرزا غالب

= مرزا غالب: اردو و فارسی کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خان، غالب تخلص، ولادت آگرہ ۱۷۹۷ء، وفات ۱۸۶۹ء دہلی، قبر دہلی کی بستی نظام الدین اولیا میں مقام "چونسٹھ کھمبے" کی

دیوار سے متصل ہے۔

(ا تا ۵ بند)

مرغِ تخیل: تخیل کا پرندہ۔ رسائی: پہنچ۔ پیکر: وجود۔ بربط: ایک باجا جس کی شکل بطا ایسا کی طرح ہوتی ہے۔ سکوت: خاموشی۔ کشت: کھیتی۔ مضمر: چھپی ہوئی۔ تابِ گویائی: بولنے کی قوت۔ نطق: زبان۔ لب۔ اعجاز: ایسا شعر کہنے والی زبان جو اپنے کلام میں معجزہ دکھائے۔ رفعت: بلندی۔ تصدق: قربان۔ گلِ شیراز: ایران کے مشہور شہر شیراز کا پھول، مراد سعدیؒ اور حافظؒ کا کلام۔ آرامیدہ: آرام کر رہا یعنی دفن ہے۔ ویمر: جرمنی کا ایک مشہور شہر جس میں گوئٹے (ولادت ۱۷۴۹ء، وفات ۱۸۳۲ء) کی قبر ہے، وہ شاعری میں غالب کا ہم پلہ تھا۔ خوابیدہ: سویا ہوا، یعنی مدفون۔ ہمسری: برابری۔ نظارہ آموز: مشاہدے کا انداز بتانے والا، یعنی نظارہ کس طرح اور کس نگاہ سے کیا جائے۔ منت پذیر: احسان اٹھانے والا۔ شانہ: کنگھی۔ جہاں آباد: دلی کا قدیم نام جو شاہجہان کے دور میں رکھا گیا تھا، شاہجہان آباد کی تخفیف۔ آبدار: چمکیلا۔ گہوارہ: مراد مرکز۔

ابرِ کوہسار

(ا تا ۳ بند)

فلک بوس: آسمان کو چومنے والا، بہت بلند۔ گل پاش: پھول بکھیرنے والا۔ مسکن: ٹھکانا۔ بن: جنگل۔ دُرافشاں: موتی لٹاتا/بکھیرتا، مراد بارش کے قطرے۔ ناقہ: اونٹنی۔ حدی خواں: حدی گانے والا (حدی وہ شعر جو قافلے میں اونٹوں کے سامنے خاص لہجے میں پڑھتے ہیں جس سے اونٹ مست ہو کر تیز چلنے لگتے ہیں)۔ شاہدِ رحمت: مراد رحمت کی بارش (شاہد: محبوب، حسینہ)۔ غم زدا: غم مٹانے یا دور کرنے والا۔ دلِ افسردہ: بجھا ہوا یعنی رنجیدہ دل۔ جوانانِ گلستاں: باغ کے جوان یعنی پھول۔ موجۂ صرصر: تیز ہوا/آندھی کی لہر۔ بالیاں: گیہوں، بالی، مرکان کے بندے۔ مزرعِ نوخیز: تازہ تازہ اگی کھیتی۔ پروردہ: پالا ہوا۔ قم: اٹھ کھڑا ہو، اُگ کھڑا ہو۔ شبستان: بادشاہوں اور

امیروں کی رات کو آرام کرنے کی جگہ، رات کو سجائی ہوئی محفل

ایک مکڑا اور مکھی

(۱ تا ۳ بند)

= ماخوذ: اخذ کیا گیا، کسی دوسرے شاعر کے اشعار کے مضمون اپنے انداز میں اور کسی قدر بدل کر بیان کرنے کا عمل کٹیا: غریب کی معمولی سی جھونپڑی بھنچ کے رہنا: دور دور رہنا رتبا: رتبہ، مرتبہ، شعری ضرورت کے لیے ہ کی بجائے الف استعمال کیا ہے، اسی طرح بندا، اصل میں بندہ ہے کنیاں: کنی کی جمع، ریزہ ڈھیلی: نرم پڑ گئی، اس کی درشتی ختم ہو گئی

ایک پہاڑ اور گلہری

ایمرسن: رالف والڈو ایمرسن (RALPH WALDO EMERSON) مشہور امریکی شاعر اور انشاپرداز، ولادت بمقام بوسٹن، ۲۵ مئی ۱۸۰۳ء، وفات ۲۷ اپریل ۱۸۸۲ء اس کے خطبات کا مجموعہ اور شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔

(۱ تا ۲ بند)

= پانی میں ڈوب مرنا: غیرت سے مرجانا یا منہ چھپا لینا چیز بننا: عزت دار بننا بساط: حیثیت آن بان: شان و شوکت، سج دھج چھالیا: سپاری جو کتر کر پان میں کھاتے ہیں منہ سنبھال کے بولنا: سوچ سمجھ کے بات منہ سے نکالنا، زبان کو قابو میں رکھ کر بولنا

ایک گائے اور بکری

(۱ تا ۲ بند)

= چراگہ: چراگاہ، جہاں جانور گھاس کھاتے ہیں جان پر آ بننا: جان کا سخت عذاب میں ہونا، جان کا خطرے میں پڑنا پالا پڑنا: واسطہ پڑنا، ساتھ ہونا ہتھکنڈا: چالاکی، عیاری، فریب خدا لگتی کہنا: انصاف کی بات کہنا دم: وجود، ہستی دل کو لگنا: دل پر اچھا اثر کرنا

بچے کی دعا

(۱تا۶)

= اجالا: روشنی　زینت: سجاوٹ، آرائش　حمایت: مدد، طرفداری

ہمدردی

ولیم کوپر: WILLIAM COWPER مشہور انگریزی شاعر، ولادت ۲۶ اپریل ۱۷۳۱ء وفات ۲۵ اپریل ۱۸۰۰ء: اٹھارہویں صدی میں انگلستان میں اس کی نظمیں بہت مقبول تھیں، اس کی نظموں میں TO MY MOTHERS' PICTURE اور MY MARY شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔

(۱تا۸)

= سر پہ آ جانا: قریب آنا　مشعل: لوہے وغیرہ کے پنجے پر تیل میں بھیگا ہوا کپڑا لپیٹ کر جلایا ہوا چراغ، مراد چراغ

ماں کا خواب

۱-۱۵= اضطراب: بے چینی، بیقراری　لرزنا: کانپنا　بال بال: ایک ایک رُوواں، رُوواں رُوواں　وحشت: ڈر، خوف　محال: مشکل　زمرد: ایک سبز رنگ کا قیمتی پتھر، مراد چمکتا ہوا سبز رنگ　پسر: بیٹا　پیچ و تاب: اضطراب، بے قراری

پرندے کی فریاد

(۱تا۳ بند)

= مسکرانا: مراد کھلنا　کامنی: نازک اور حسین　ہنس رہی ہیں: کھل رہی ہیں　صورت: مراد جیسے، شکل و صورت

خفتگانِ خاک سے استفسار

= خفتگان: جمع خفتہ، سوئے ہوئے، مراد قبر میں دفن　استفسار: پوچھنے کا عمل، سوال

(۱تا۳بند)

= مہر: سورج روئے شام: شام کا چہرہ شانۂ ہستی: وجود کا کندھا، زمین اور کائنات کی فضا کا سراپا جو وجود کے کندھے پر سوار ہے، مراد کائنات کی کل مخلوقات مگر: شاید ساحر: جادوگر درا: وہ گھنٹی جو قافلے کے کوچ کے وقت بجائی جاتی ہے (یا بھی بجائی جایا کرتی تھی) نفور: نفرت کرنے والا، متنفر حرماں نصیبی: نامرادی و ناکامی (ان خاک میں سوئے ہوؤں کی جو زندگی و دنیا کی نعمت سے محروم ہو گئے ہیں) حیرت خانۂ امروز و فردا: آج اور آنے والے کل یعنی مستقبل کا حیرت خانہ، مراد یہ دنیا جس کا ہر پل گزر تا رہتا اور تعجب میں ڈالنے والا ہے اور کسی شے کو بقا نہیں پیکارِ عناصر: چار عنصروں (آگ، پانی، مٹی اور ہوا) کی باہمی جنگ جس سے پیدائش اور فنا ظہور میں آتے ہیں حصار: قلعہ محصور: گھرا ہوا، قید ولایت: ملک رشتہ و پیوند: رشتہ داریاں اور تعلقات آزار: تکلیف، دکھ معیشت: روزی، کمائی افتاد: حادثہ، مصیبت، غیر ضروری بوجھ رخشت وگل: اینٹ اور مٹی امتیاز: فرق، دو چیزوں میں فرق کرنے کا عمل حسنِ ازل: وہ حسن جو ہمیشہ سے ہے، قدرت کا حسن و جمال جو مخلوق میں نظر آتا ہے معصیت سوزی: گناہوں کو جلانا، گناہ کے عمل کو ختم کرنا تادیب: ادب سکھانے کے لئے ڈرانے کا عمل، گناہ سے دور رہنے کی تربیت ہست و بود: رہنا سہنا، بود و باش دلِ مجبور: ہجر میں مبتلا دل "لن ترانی": تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، اشارہ ہے حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر جانے اور خدا سے اپنا جلوہ دکھانے کی خواہش کی طرف جس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا جستجو: تلاش، نت نئی چیز یا مقصود کی تلاش، تحقیق قتیل: مارا ہوا، قتل کیا ہوا' کسی بات کے حسن پر مر مٹنے والا کشور: ملک، خطہ معمور: بھرا ہوا، آباد گنبدِ گرداں: گھومنے والا گنبد، گردش کرنے والا آسمان

شمع و پروانہ

(۱تا۸)

= سیماب وار: پارے کی طرح، بہت بیقرار، بے چین طواف: کسی چیز کے گرد چکر لگانا

زندگی جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی جسے فنا نہیں ضیا: روشنی تفتہ دل: دل جلا، عاشق طور: طور سینا جہاں حضرت موسیٰ (کلیم، کلیم اللہ) کو اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آیا تھا حسن قدیم: پرانا حسن، خدا تعالیٰ کا جلوہ

عقل و دل

(ا تا ۱۳)

رسا: پہنچنے والی خضر خجستہ پا: برکت والے قدموں والے خضر (حضرت خضر، ایک روایت کے مطابق انہوں نے آبِ حیات پیا تھا جس کی وجہ سے وہ قیامت تک زندہ رہیں گے، وہ کسی کو نظر نہیں آتے لیکن کسی نہ کسی صورت میں وہ بھولے بھٹکے انسان کی رہنمائی کرتے ہیں، ساری خشکی میں ان کا عمل دخل ہے مفسر: تفسیر یا تشریح کرنے والی مظہر: آئینہ، ظاہر ہونے کا مقام/ جگہ غیرت: قابلِ رشک لعلِ بے بہا: بے حد قیمتی لعل/ موتی پر: لیکن مظاہر: جمع مظہر خدا جو: خدا کی تلاش کرنے والی/ والا خدا نما: خدا کا دکھانے والا، خدا تک پہنچانے والا عقل صداقت: سچائی، راست بازی رشتہ بپا: جس کے پاؤں میں دھاگا بندھا ہوا ہو، مقید، خاص حد تک پہنچنے والی/ والا طائر سدرہ آشنا: سدرہ درخت سے آشنا یعنی اس تک پہنچنے والا (سدرہ: بیری کا درخت جو عرش الٰہی سے پہلے جبرئیل فرشتے کی پرواز کے لئے آخری حد بتایا گیا ہے، اگر وہ اس سے آگے بڑھیں تو تجلیات الٰہی سے ان کے پر جل جائیں گے)

صدائے درد

(ا تا ۲ بند)

کل پڑنا: چین/ آرام کرنا محیط: دریا کا پاٹ، دریا گنگا: بھارت کے ایک مشہور دریا کا نام جو کوہ ہمالیہ کے مقام گنگوتری سے نکل کر بھارت کے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا مشرقی بنگال میں پہنچ کر خلیج بنگال میں گرتا ہے، ہندوؤں کا مقدس دریا نفاق انگیز: پھوٹ اور جھگڑا پیدا کرنے والی، دوغلے پن (بظاہر دوستی، باطن میں دشمنی) کو جنم دینے والی قربِ فراق آمیز: ایسی دوستی جس میں جدائی ملی ہوئی

ہے، اشارہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کے ایک ظاہری عمل ہونے اور باطناً کشیدگی ہونے کی طرف   یک رنگی: ایک رنگ کا ہونا، اتحاد و اتفاق ہونا اخوت: بھائی چارہ، دوستی، اتحاد   نغمہ پیرائی: ترانے/گانے سنانا   اختلاط موجہ و ساحل: کنارے سے لہر کے ملنے کی کیفیت جس میں ٹکراؤ/تصادم کی صورت ہوتی ہے   دانہ خرمن نما: ایسا دانہ جسے دیکھ کر پورے کھلیان کا اندازہ ہو جائے، دانہ استعارہ ہے شاعر کا اور خرمن قوم کا   معجز بیاں: مراد بڑے فصیح و بلیغ اشعار کہنے والا   آتش پیکار: باہمی لڑائی جھگڑے کی آگ   جوہر: چمک دمک

آفتاب

گائتری (گ ای ت ری): علامہ نے رسالہ مخزن لاہور اگست ۱۹۰۲ء میں اپنی اس نظم کے حوالے سے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے مطابق "یہ اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں جس کو گائتری کہتے ہیں۔ یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے جنہوں نے نظام عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البنیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا۔ اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و النحل کے عالموں کے لئے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کے ابتدائی مراحل کا پتا چلتا ہے۔ یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں..............."۔

(۱تا۱۰)

آفتاب: مراد خالق کائنات جو سراپا نور ہے   روح رواں: مراد جان اور حیات انسانی کا دارومدار   شیرازہ بند: انتظام کو مضبوط و محکم کرنے والا، اجزا کو انتشار سے محفوظ کرنے اور مرتب رکھنے والا   دفتر: کتاب   دفتر کون و مکاں: کائنات کی کتاب   عدم: نیستی (ہستی کی ضد)   نمود: ظہور، آغاز   ہست و بود کا چمن: کائنات کا چمن، کائنات   سبزہ: مراد رونق   تقاضا: صلاحیت   ثبات: قرار، مراد زندگی اور حیات   ضیائے شعور: جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت کی روشنی   ساماں طراز: سامان بہم پہنچانے والا، منتظم   یزداں: خدا   ساکنان نشیب و فراز: بلندی اور پستی پر رہنے والے یعنی

زمینی دنیا میں رہنے والے اور آسمانی دنیا میں رہنے والے پروردگار: پالنے والا، تربیت کرنے والا زائیدگانِ نور: جمع زائیدہ، نور کے جنے ہوئے، پیدا کیے ہوئے مراد فرشتے روحِ رواں: وہ شخص یا چیز جس پر کسی کام کا دارومدار ہو

شمع

(۱ تا ۶ بند)

فریاد در گرہ: مراد ہر وقت فریاد کے لئے تیار، یا ہمہ وقت فریادی سپند: اسفند کا دانہ جو آگ پر ڈالنے سے چٹختا ہے اور حرارت پانے سے پہلے اس کی آواز اسی میں بند رہتی ہے اشکِ شفق گوں: شفق کے سے رنگ والے یعنی سرخ آنسو ہمکنار: بغلگیر، گود میں لئے ہوئے یک بیں: ہر شے پر ایک ہی زاویے سے نظر ڈالنے والی، یعنی بلا تفریق مذہب ہر عبادت گاہ پر روشنی ڈالنے والی، امتیاز نہ کرنے والی مایۂ آشوبِ امتیاز: موجودات میں فرق و تفریق کا فتنہ پیدا کرنے والی (جبکہ ساری کائنات میں ایک ہی خالق کا جلوہ ہے) دودِ سیاہ: کالا دھواں ناز: ادا، غمزہ، جان بوجھ کر کوئی ایسا انداز دکھانا جس سے عاشق کا دل تڑپ اٹھے بے نیاز: جسے کسی کی پروا نہ ہو، محبوبِ حقیقی خوابیدہ: سوئے ہوئے، موجود رفعت: بلندی کشاکش: کھینچا تانی، باہمی اختلاف آتش کدہ: وہ جگہ جہاں آتش پرست پوجنے کے لئے آگ روشن کرتے ہیں جو پھر کبھی نہیں بجھتی، کبھی نہ بجھنے والی آگ دلستاں: دل لینے والا، دل میں عشق پیدا کرنے والا کُن: ہو جا، قرآن پاک میں ارشاد ایزدی ہے کہ جب میں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو لفظ "کن" کہہ دیتا ہوں اور وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے، عدم سے وجود میں لانے کے لئے خدا تعالیٰ کا حکم تپش آموز: تڑپ سکھانے والی، عشق کی روح پھونکنے والی خوابِ پریشاں: مراد کائنات کی ہزاروں مخلوقات میں رنگ رنگ کے حسن قدرت کے منظر جو منتشر اور متعدد و مختلف ہیں غربت: پردیس، مراد جنت کو چھوڑ کر زمین پر آنے اور بسنے کی کیفیت وطن: مراد جنت مسجودِ ساکنانِ فلک: آدم/انسان جسے آسمان کے رہنے والے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، قرآنی حوالہ مآل: انجام ثریا نشان: جس کا نام و نشاں اور پتا/حقیقت ثریا کی طرح دور اور بلند ہو اور ظاہراً سمجھ میں نہ آئے آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں: کون و مکاں/کائنات کی نظم مرتب کرنے والے کی طبیعت یا

ذوق سے مناسبت رکھنے والا تخیل یا فکر، مراد نظم و نسق کرنے والا خالق کائنات دیوان ہست و بود: کائنات کو ایک دیوانِ اشعار سے تشبیہ دی ہے جس طرح دیوان مختلف شعروں پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح یہ کائنات بھی مختلف اشیا پر مشتمل ہے خود یعنی انسان کو سرفہرست قرار دیا ہے اشتیاق: شوق، دلی تمنا طائر بام حرم: (کعبہ، مسجد الحرام جہاں ذبیحہ اور شکار حرام ہے)، کعبہ وغیرہ کی چھت پر بیٹھا ہوا پرندہ، مراد ہر صاحب قدر و مرتبت قصہ دار و رسن: (دار: سولی، رسن: رسی) رسی میں باندھ کر سولی پر چڑھائے جانے کا واقعہ جو حسین بن منصور حلاج، مشہور خدا رسیدہ صوفی کو پیش آیا تھا، انہیں اس جرم کی سزا دینے کے موقع پر سولی پر لٹکایا گیا تھا کہ وہ وحدت الوجود کے نشے میں "انا الحق" (میں حق ہوں) کے نعرے لگاتے تھے

ایک آرزو

(۱تا۲۰)

= دل بجھ جانا یا بجھنا: دل میں کوئی امنگ نہ رہنا، دل میں افسردگی پیدا ہونا سکوت: خاموشی عزلت: گوشہ نشینی، تنہائی، سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنے خیالات میں محو رہنا سرود: نغمہ، راگ چٹکنا: کلی کا کھلنا جہاں نما: دنیا دکھانے والا ساغر: شراب کا پیالہ مراد پھول جلوت: محفل، انجمن مانوس: جس کو انس ہو، خوگر، ہلی ہوئی کھٹکا: ڈر، خوف شام کی دلہن: مراد شام مہندی: مراد شفق جو شام کے وقت پھوٹتی ہے کٹیا: چھوٹی سی جھونپڑی روزن: سوراخ سحر نما: صبح دکھانے والا، جس سے صبح طلوع ہونے کا پتا چلے درا: کوچ کی گھنٹی بیہوش: غافل، بے عملی کی حالت میں ہمنوا: ایک ساتھ بولنے والا/والے جگانا: مراد با عمل بنانا

آفتابِ صبح

(۱تا۷ بند)

= شورش میخانہ انساں: یہ مستوں کی دنیا جس میں انسان بستے ہیں بالاتر: زیادہ اونچا، بہت بلند دُر: موتی گوش: کان عروس: دلہن سیمائے افق: افق کی پیشانی، مراد افق، آسمان کا کنارہ جو چاروں طرف زمین سے ملا ہوا نظر آتا ہے اور جس میں

صبح اور شام کے وقت شفق کی سرخی ظاہر ہوتی ہے نازاں: فخر کرنے والی صفحۂ ایام: مراد دن اور رات مداد شب: رات کی سیاہی / تاریکی کوکب: ستارہ روشن معمور: بھرا ہوا، پر ضیا: روشنی جلوا: جلوہ قافیے کی ضرورت کے تحت و کو الف میں بدلا ہے زیر و بالا: نیچے اور اوپر، پست و بلند سر شک آباد: آنسوؤں سے تر، بھیگی ہوئی امتیاز: دو چیزوں میں فرق کرنا بستۂ رنگ خصوصیت: کسی خاص گروہ سے تعلق ہونا نوع انساں: انسانوں کی جماعت، کسی مذہب و ملت اور قومیت میں فرق و امتیاز کے بغیر راز نظم قدرت: قدرت کا راز انتظام، نظم و نسق، ازلی و ابدی انتظام کائنات کی حقیقت عیاں: ظاہر شمع تخیل: مراد روشن خیالات عقدۂ اضداد کی کاوش: مراد دنیا والوں کے باہمی اختلافات اور امتیازات کی الجھنیں (عقدہ، گرہ، الجھن، اضداد: جمع ضد، ایک دوسرے کے برعکس ہونے کی حالت کاوش: باہمی مخالفت، دشمنی) عشق انگیز: عشق ابھارنے والا، محبت پیدا کرنے والا شاہد قدرت: قدرت کا محبوب / معشوق مراد خدا تعالیٰ جس کی قدرت محبوب / پیاری ہے سودا: جنون، عشق کی محویت و مستی زحمت کش: تکلیف اٹھانے والا فضیلت: عظمت، بڑائی، بزرگی نیر اعظم: نور / روشنی دینے والوں میں سب سے بڑا، سورج حسن عالم آرا: دنیا کو سجانے والا حسن، مراد روشنی محرم: واقف، آگاہ ہمسر: رتبہ میں برابری کا درجہ رکھنے والا نور مسجود ملک: وہ نور جسے فرشتوں نے سجدہ کیا یعنی حضرت آدم کا نور جن کا پتلا بنانے اور اس میں روح پھونکنے کے بعد خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا، یہاں مراد نوع انساں کا نور جس کے ایک فرد آدم بھی تھے گرم تماشا: دیکھنے میں بہت مصروف منت پذیر: احسان اٹھانے یا قبول کرنے والا لیلیٰ ذوق طلب: محبوب کی جستجو اور تلاش کا حسین اور دل کش جذبہ بکشود: حل کرنا حاصل: ثمرہ، نتیجہ سعی بے حاصل: ایسی کوشش جو بے سود ہو، جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو درد استفہام: مراد ذوق جستجو کی خلش۔

دردِ عشق

(پہلا تا دوسرا بند)

گہر آب دار: چمکتا ہوا موتی آشکار: ظاہر ظاہر پرست: مراد مادے اور

مادیات پر یقین رکھنے والا اور روحانیت کا منکر محفل نو: مراد جدید دور کی تہذیب کی دنیا، مغربی دنیا، مادہ پرست دنیا غماز: چغلی کھانے والا، بھید ظاہر کر دینے والا نئی ہوا: جدید خیالات، مادہ پرستی پر مبنی تصورات گویا: بولنے والی نے: بانسری، مراد شاعر کی زبان فرقت: جدائی، ہجر نکتہ چیں: اعتراض یا گرفت کرنے والا مکیں: رہنے والا، باشندہ حیرت علم آفریدہ: وہ حیرانی جو معلومات حاصل ہونے کے بعد، علم کی بنا پر، پیدا ہو جویا: تلاش کرنے والی ناآشنا رسیدہ: ناتجربہ کار نگاہ جسے عشق کا تجربہ نہ ہو کشتہ نظارہ مجاز: ظاہری حسن کے دیدار کی ماری ہوئی، ظاہری خوبصورت پر مرنے والا/والی، ظاہر پرست مخمور: مستی میں ڈوبا ہوا، بہت مست

گل پژمردہ

= پژمردہ: مرجھایا ہوا

(پہلا تا دوسرا بند)

= گہوارۂ شاباں: بلتا ہوا یا جھولتا ہوا جھولا گل خنداں: ہنستا مسکراتا ہوا یعنی کھلا ہوا پھول طبلۂ عطار: عطر فروش کا ڈبا یا دکان، مراد خوشبو سے بھرا ہوا تعبیر: مراد خواب کا نتیجہ نیستاں: نرکل کے پودوں کا جنگل، بانسوں کا جنگل

سید کی لوح تربت

= لوح تربت: مزار کا پتھر جس پر میت/مردے کا نام وغیرہ کندہ کیا جاتا ہے سید: سرسید احمد خاں جنہوں نے انگریز کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جسے دشمن غدار کہتا ہے) میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے بعد ان کی سیاسی رہنمائی کی اور علی گڑھ میں ان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج قائم کیا جو بعد میں ''مسلم یونیورسٹی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مرحوم نے معاشیات اور ہر شعبۂ زندگی میں قوم کی ترقی و اصلاح کے لئے بہت سے مضامین لکھے جو ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شائع ہوتے رہے۔ سید نے ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔

(پہلا تا چوتھا بند)

تارِ نفس: مراد سانسوں کا آنا جانا/ سلسلہ گرویدۂ تقریر: تقریر پر شیفتہ و فریفتہ مدعا: مقصد، تمنا، غرض وا نہ کرنا: نہ کھولنا فرقہ بندی: قوم کا مختلف فرقوں میں تقسیم ہونا رنگ پر آنا: پسندیدہ ہونا، مفید ہونا، رونق پذیر ہونا مدبر: سیاستدان عصا: چھڑی زیبا: مناسب بیم و ریا: ڈر خوف اور دنیا سازی/ سیاسی بناوٹ خامۂ معجز رقم: ایسا قلم جس کی تحریر کا جواب لانے سے لوگ عاجز ہو جائیں جامِ جم: ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کا جام، جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس میں باہر کی دنیا نظر آتی تھی تلمیذِ رحمانی: خدا تعالیٰ کا شاگرد، براہِ راست غیب سے مضامین پانے والا، مشہور قول ''الشعراء تلامیذ الرحمان'' کی طرف اشارہ ہے

ماہِ نو

(پہلا تا چوتھا بند)

غرقابِ نیل: مراد نیلے آسمان کے دریا میں غرق (نیل، نیلا، نیلگوں) خونِ ناب: خالص خون، گاڑھا خون، شفق کی سرخی فصد کھولنا: نشتر وغیرہ کے ذریعے رگ سے خراب خون نکالنے کا عمل سیمِ خام: کچی چاندی، مراد ہلال بالی: کانوں کا بندا بے منت: احسان کے بغیر سیارۂ ثابت نما: ایسا گھومنے والا آسمانی ستارہ جو دیکھنے میں نہ گھومنے والا نظر آئے بے کل: بیقرار، بے چین طفلکِ سیماب پا: ننھا سا بچہ جس کے پاؤں کو پارے کی طرح بالکل قرار نہ ہو، ایک جگہ نہ ٹھہرنے والا مکتبِ ہستی: دنیا جو انسان کے لیے عبرت وغیرہ کی درس گاہ ہے

انسان اور بزمِ قدرت

(پہلا تا دوسرا بند)

درخشاں: چمکتا ہوا، روشن معمورۂ ہستی: دنیا کی آبادی پرتو: سایہ، روشنی، دھوپ سیمِ سیال: بہتی ہوئی یا رواں چاندی سورۂ والشمس: تیسویں پارے کی ایک سورہ جس کا آغاز لفظ ''والشمس'' سے ہوتا ہے (قسم ہے سورج کی) طلائی جھالر: سونے کی جھالر مراد بدلیاں (جھالر: ابریشم وغیرہ کا حاشیہ جو لٹکتا رہتا ہے) غم:

منکا مستور: چھپی ہوئی سطوت: رعب و دبدبہ، شان و شوکت ظلمت: تاریکی اختر: ستارہ سیہ روز: سیاہ روز، مصیبت زدہ سیہ کار: بداعمال، برے عمل کرنے والا بود و نبود: ہستی اور نیستی، وجود و عدم صحیفہ: کتاب، آسمانی کتاب پابندِ مجاز: جس کا دل و دماغ دنیا (ما سوی اللہ) تک محدود ہو صرف ظاہر کو دیکھنے والا

پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

= لانگ فیلو: امریکا کا مشہور شاعر۔ وہ بہت بڑا عالم، نیک نفس اور نرم دل انسان تھا، ایک دفعہ اس نے ایک چڑیا شکار کی۔ اس کے تڑپنے سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ پھر اس نے ساری عمر کوئی شکار نہ کیا۔ وفات پورٹ لینڈ ۱۸۸۲ء۔ امریکا کی مختلف درس گاہوں میں ادبیات کا پروفیسر رہا۔ اس کی نظم "DAY BREAK" سے یہ نظم ماخوذ ہے۔

(۱تا۹)

= جبیں: ماتھا، پیشانی افشاں: گوٹے یا مقیش کی کترن جو دلہن وغیرہ کے ماتھے پر لگاتے ہیں، مراد ستارے صبح خنداں: مسکراتی، ہنستی صبح، روشنی کی بنا پر یہ کہا ہے رنگیں نوا: سریلی آواز والی ظلمت شب: رات کی تاریکی سورۂ والنور: قرآن کریم کی ۲۴ ویں سورہ، آفتاب کا سورۂ والنور سے استعارہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کا نور بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے خوابیدگان: جمع خوابیدہ، سوئے ہوئے لوگ دَرِ: بتخانہ گویا: بولنے والی، بولی نمودِ مہرِ تاباں: روشن سورج کا طلوع چٹک: کھل، کھل جا سو: طرف گورِ غریباں: عدم کے مسافروں کی آرام گاہ، قبرستان شہرِ خموشاں: خاموش لوگوں کا شہر یعنی قبرستان بامِ حرم: کعبہ کی چھت، مراد ہر مسجد

عشق اور موت

= ٹینی سن: انگلستان کا مشہور شاعر اور ملک الشعرا۔ ولادت ۱۸۰۹ء وفات ۱۸۹۲ء، ورڈز ورتھ کی وفات (۱۸۵۰ء) کے بعد حکومت نے اسے "ملک الشعرا" کا خطاب دیا۔ ۱۸۸۳ء میں حکومت کی طرف سے اسے "لارڈ" کا خطاب ملا۔

(پہلا تا دوسرا بند)

نمود جہاں: دنیا کی تخلیق تبسم فشاں: مراد مسکرانے والی، کھلنے والی، زندگی کا آغاز کرنے والی تاج زر: سونے کا تاج، روشنی سیہ پیرہن: کالا لباس، مراد تاریکی تابندگی: چمک، چمکنے کی حالت پھوٹنا: اگنا، نکلنا رونا: مراد قطرے ٹپکانا تشنہ کام: پیاسی بیخودی: وجد میں بے خبری کی حالت چوٹی: جوڑا، بالوں کا وہ بنا ہوا گچھا جو عورتیں سر کے بال بنا کر پس پشت ڈال لیتی ہیں (پنجابی میں گت) مکاں: مراد جگہ، جس میں طول و عرض گھیرا ہو اور اس کی سطح پر کوئی چیز قائم یا ساکن ہو سکے لامکاں: مراد عالم قدس جہاں محبوب حقیقی کی تجلیوں کے سوا کچھ نہیں غرض: مختصر یہ کہ نظارگی: دیکھنے/ نظارہ کرنے والا ملک (م اور ل پر زبر): فرشتہ پتلا: پورا مجسمہ، تصویر پارا: مراد مضطرب، بیقرار پئے سیر: سیر کے لیے قضارا: اتفاق سے، اتفاقیہ گوارا: پسند، پسندیدہ گویا: بولا، بولی رخت ہستی: زندگی کا لباس آشکارا: نمایاں، واضح پارا: پارے کو ذرا سی آنچ لگے تو وہ اڑ جاتا ہے نور مطلق: خدا تعالیٰ (کا جلوہ) آنکھوں کا تارا: بہت پیارا گوارا: برداشت

زہد اور رندی

(۱ تا ۲۷)

منظور: قبول، پسند صوفی منشی: تصوف کے مسلک پر چلنے کی صورت حال شہرہ: چرچا، مشہوری اعالی: جمع اعلیٰ، بلند مرتبہ یا بڑے لوگ زہد: تقویٰ، پرہیزگاری ادانی: جمع ادنیٰ، کم مرتبہ لوگ مضمر: پوشیدہ، چھپے ہوئے لبریز: پوری طرح بھری ہوئی ذرو: تلچھٹ، مراد پست اور گندہ خیال ہمہ دانی: سب کچھ جاننا قمری: فاختہ کی قسم کا ایک پرندہ جسے عموماً سرو کا عاشق کہا جاتا ہے (اور سرو کو آزاد کہا جاتا ہے) قمری شمشاد معانی: مراد شعر و شاعری کے سرو/ درخت پر بیٹھنے والا خوش گلو پرندہ، مراد خوش فکر شاعر کلیم ہمدانی: ایران کا مشہور شاعر جو ایران کے شہر ہمدان کا رہنے والا اور دہلی میں مغل بادشاہ شاہ جہان کے دربار کا ملک الشعرا تھا، پورا نام ابو طالب، تخلص کلیم، ۱۶۵۱ء میں فوت ہوا

تشیع: شیعوں کا سا عقیدہ رکھنے والا تفضیل: فضیلت علیؓ: حضرت علیؓ، چوتھے خلیفۂ راشد خاک اڑانا: رسوائی کرنا، ذلیل کرنا عار: شرم، حیا، عیب حسن فروش: بازاری حسین عورتیں مجموعۂ اضداد: جس میں متضاد باتیں یا کیفیتیں وغیرہ جمع ہوں خفقانی: مالیخولیا کے مرض میں مبتلا، خام خیالی، جنون..... منصور کا ثانی: حسین بن منصور، مشہور خدا رسیدہ صوفی جنہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا تھا، منصور جیسا حقیقت: اصلیت، باطن کی صورت بانی: بنیاد رکھنے والا القصہ: مختصر یہ کہ، قصہ کوتاہ نغز بیانی: دلچسپ اور دلکش گفتگو (طنزیہ ایسا کہا ہے) احباب: جمع حبیب، دوست اڑ جاتی ہے: پھیل جاتی ہے زرو قرب مکانی: یعنی ہمسائیگی کی بنا پر خم: جھکنا، جھکاؤ سر تسلیم خم ہے: یعنی میں راضی بہ رضا ہوں جو آپ کی مرضی ہے میں اسی پر راضی/خوش ہوں تواضع: مراد عاجزی سے جھکنے کا عمل پیری: بڑھاپا پیدا: ظاہر ہمہ دانی: سب کچھ جاننا اشک فشانی: آنسو بہانا تمسخر: ہنسی مذاق واللہ: خدا کی قسم

شاعر

(۱۴۳)

گویا: ایک طرح سے افراد: جمع فرد، اشخاص، لوگ اعضا: جمع عضو، جسم کے کل حصے اعضائے قوم: یعنی وہ افراد جن کے مجموعے کو قوم کہا جاتا ہے منزل: مراد شعبہ صنعت: دستکاری، کاریگری رہ پیما: راستہ چلنے والے، مسافر دست و پائے قوم: مراد وہ افراد جن کے بل پر جماعتی کام سرانجام پاتا ہے محفل نظم حکومت: حکمرانی کرنے والی جماعت، یعنی حکومت کی انتظامیہ رنگین نوا: دل کش شعر کہنے والا دیدۂ بینائے قوم: قوم کی بصیرت رکھنے والی آنکھ

دل

(۱۴۹)

قصۂ دار و رسن: سولی اور رسی کا قصہ، مشہور خدا رسیدہ صوفی حسین بن منصور حلاج کا

واقعہ جنہیں "انا الحق" (میں حق ہوں) کا نعرہ لگانے پر، جو دراصل وحدت الوجود کے حوالے سے تھا حاکم وقت نے علما کے فتوے پر رسی باندھ کر سولی پہ لٹکا دیا تھا "ارنی": اے خدا مجھے اپنا جلوہ دکھا، کوہ طور پر حضرت موسیٰ کی اللہ سے گزارش جادۂ غلتک بقا: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی یا حیات دوام کے ملک میں پہنچانے والا راستہ خط پیمانہ: وہ لکیر جو شراب کی مقدار کا اندازہ کرنے کے لئے پیمانے میں بنی ہوتی ہے، مراد ورگیں حوزۂ ہستی: زندگی / وجود کی کھیتی، مراد زندگی گنج گراں مایہ: قیمتی خزانہ فرہاد: شیریں کا عاشق جس نے شیریں کی فرمائش پر چراگاہ سے لے کر اس کے محل تک اپنے تیشے سے بیستون نامی پہاڑ کاٹ کر نہر بنائی تھی تاکہ شیریں کے پینے کے لئے چراگاہ سے محل تک تازہ دودھ ہر وقت پہنچ سکے۔ قدیم ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے شیریں پر عاشق ہونے کے سبب اسے اپنے محل میں رکھا ہوا تھا۔ چونکہ اسے فرہاد کے شیریں سے عشق کا بھی علم تھا اس لئے نہر کھودنے کا چکر اسی نے چلوایا اور کام مکمل ہونے پر اس نے یہ افواہ اڑا دی کہ شیریں مرگئی ہے جس پر فرہاد نے وہی تیشہ اپنے سر پہ مار کر خودکشی کر لی کاشانہ: محل سودا: جنون لغزش مستانۂ دل: دل کی وہ غلطی جو مستی عشق میں سرزد ہو جائے اور احکام شریعت کے مطابق نہ ہو خاکستر: راکھ اکسیر: وہ روایتی چٹکی جس سے تانبے کو سونا بناتے ہیں مراد جنسِ اعلیٰ

موجِ دریا

(پہلا تا دوسرا بند)

مضطرب: بے چین، بیقرار عین: ٹھیک ٹھیک، اسی حالت میں سیماب: پارہ جو ہر وقت بیقرار رہتا ہے پایاب: دریا کی اتنی سطح جس میں آدمی پاؤں رکھ کر ادھر سے ادھر جا سکے حلقۂ گرداب: وہ گھیرا جو پانی میں بھنور پڑنے کے وقت پیدا ہوتا اور ایسا نظر آتا ہے جیسے اس نے ہر چیز کو اپنی حد میں قید کر لیا ہے توسن: گھوڑا خار ماہی: مچھلی کا کانٹا جذبۂ مہِ کامل: چودھویں رات کے چاند کی کشش جس سے سمندر میں جوار بھاٹا (سمندر کا اتار چڑھاؤ) پیدا ہوتا ہے گریزاں: بھاگنے والی

رخصت اے بزمِ جہاں

(۲۱۲۱)

ایمرسن: رالف والڈو ایمرسن (Ralph Waldo Emerson) مشہور امریکی شاعر اور انشا پرداز، ولادت ۲۵ مئی ۱۸۰۳ء بمقام بوسٹن، کئی دفعہ یورپ کی سیاحت پر گیا۔ اس کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ وفات ۲۷ اپریل ۱۸۸۲ء رخصت: الوداع آباد ویرانہ: یہ دنیا جو بظاہر آباد ہے لیکن اپنا کوئی ہم خیال نہ ہونے کے باعث ایک طرح سے وحشت کدہ ہے سوئے وطن: وطن کی طرف، فطرت کو اپنا پیدائشی علاقہ خیال کر کے دامن کوہ مراد لی ہے جو خدائی/ قدرت کی تجلیوں سے آباد ہے بسکہ: بہت زیادہ، چونکہ درخور: لائق، اہل، مناسب، قابل شبستاں: امیروں وزیروں کی رات کو سونے کی جگہ یا محفل جمانے کی جگہ زنجیر طلائی: سونے کی زنجیر، مراد نوابوں اور بادشاہوں کے دربار کی پابندی/ پابندیاں اسیر: قیدی ہنگامہ آرائی: مراد رونقیں، چہل پہل، محفلوں وغیرہ کی مشغولیتیں اجنبیت: بیگانہ پن، غیر ہونا، نامانوس ہونا خود آرا: خود نمائی کرنے والا، مغرور، متکبر ہم صحبت رہنا: مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا ہنگامہ عشرت: عیش و مسرت کی صحبتیں، سرور ونشاط کی محفلیں ظلمت: تاریکی، اندھیرا یوسف: حضرت یوسفؑ جنہیں ان کے سوتیلے بھائی دھوکے سے لے گئے اور ایک جگہ کنوئیں میں انہیں ڈال دیا۔ ایک قافلے کا ادھر سے گزر ہوا جس نے انہیں کنوئیں سے نکالا اور ایک شخص نے انہیں مصر کے بازار میں بیچ ڈالا اور پھر وہ بادشاہ مصر کے محل میں پہنچ گئے۔ بادشاہ کی بیوی زلیخا ان کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی۔ یوسفؑ نے اس کی بات نہ مانی تو اس نے بادشاہ سے ان کے کردار کی جھوٹی شکایت کی جس پر انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔ وہاں وہ لوگوں کو خوابوں کی تعبیریں بتاتے جو سچ نکلتیں۔ یوں ان کا بہت شہرہ ہوا اور آخر ایک روز وہ عزیز مصر یعنی وہاں کے بادشاہ بن گئے۔ یہاں مراد محبوب حقیقی ہے یا مقصد و مدعا ساحل: مراد سکون کی جگہ طوفان کا مارا: جس نے ادھر ادھر سب طرف مدعا کی تلاش میں ٹھوکریں کھائیں اور ناکام رہا

موسیقی گفتار: سریلی باتیں نرگس شہلا: ایک قسم کا زرد یا سیاہ رنگ کا پھول جو آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے محفل آرائی: محفل سجانا، باہم مل بیٹھنا کنج تنہائی: گوشۂ خلوت عزلت: تنہائی شمشاد: سرو کی مانند ایک لمبا اونچا درخت طعنہ زن: طعنے مارنے یا دینے والا گوش بر آواز: ہر آواز پر کان لگا کر ہر بات سننے کے لئے تیار مسند دارا و اسکندر: دارا اور سکندر یونانی جیسے قدیم بڑے بادشاہوں کا تخت رازِ ہست و بود: کائنات کا راز ہمراز: ایک دوسرے کے بھید سے واقف

طفلِ شیر خوار (دودھ پیتا بچہ)

(۱تا۱۴)

چلّانا: شور کرنا، زور سے رونا نو وارد: نیا نیا وارد یا داخل ہونے والا، آنے والا اقلیم غم: غموں کی سلطنت، یہ دنیا بے آزار: جس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے آزاد غبار آرزو: ہر قسم کی خواہش کے میل سے پاک آئینہ: مراد دل آنکھ کھلتے ہی: مراد ہوش میں آتے ہی جنبش: حرکت، ہلنا طرزِ دید: دیکھنے کا انداز صورت: مانند نوزائیدہ: نیا نیا جنم لینے والی، نئی نئی پیدا شدہ آزاد قید امتیاز: مومن اور کافر یا گورے یا کالے وغیرہ میں یعنی انسانوں میں فرق کرنے کی قید سے آزاد ہویدا: ظاہر بگڑ کر: ناراض ہو کر ہم آہنگ: ہم خیال، متفق تلون آشنا: جلد جلد رنگ بدلنے والا، مراد غیر مستقل مزاج، تغیر پسند لبھالینا: پسند آنا، عاشق بنانا گاہ: کبھی گریاں: رونے والا، روتا خنداں: ہنسنے والا

تصویرِ درد

(۱تا۶۹)

منت کش: احسان اٹھانے والا/والی تابِ شنیدن: سننے کی طاقت، برداشت دستورِ زباں بندی: زبان بند رکھنے، نہ بولنے کا اصول یا طریقہ و رسم عندلیب: بلبل طرزِ فغاں: آہیں بھرنے کا انداز حیاتِ جاوداں: ہمیشہ

.ہمیشہ کی زندگی　مرگِ ناگہاں: اچانک کی موت　ریاضِ دہر: زمانے کا باغ
گویائی: بولنا　حرفِ زیرِ لب: وہ بات جو ابھی منہ سے نہ نکلی ہو　گوشِ سماعت:
سننے والا / والے کان　گردِ کدورت: مراد مادیت کی تاریکی کا غبار　خزینہ:
خزانہ　ممنون: احسان اٹھانے والی　عرصۂ ہستی: وجود کا میدان
ولایت: ملک یا حکومت　جنونِ فتنہ ساماں: شورشِ دل پیدا کرنے یا شورش کو
بڑھانے والا عشق　عبرت خیز: عبرت پیدا کرنے والا، نصیحت اور انتباہ پکڑنے کا
حسرت ناک محرک　کلکِ ازل: قدرت کا قلم، خدائی مشیت　گلچیں: پھول
توڑنے / چننے والا　رزم آرائی: باہمی لڑائی جھگڑے　طائر: پرندہ، پرندے
عنادل: جمع عندلیب، بلبلیں، ہندو، مسلم　دھرا کیا ہے: فائدے کی کون سی
صورت ہے　داستانِ عہدِ کہن: پرانے دور زمانہ کی باتیں / روایتیں کہ فلاں
ہندو ہے اور فلاں مسلمان ہے　اسلوب: طریقہ　فطرت: قدرت
گامزن: قدم اٹھانے والا، چلنے والا　مگر: شاید　پریشاں: بکھیرنا　شغلِ
سینہ کاوی: دل کو نوچنے اور کھرچنے کا مشغلہ، دشواریوں میں کلیجہ مسوس کر زندگی
گزارنے کا عمل　رفعت: بلندی، ظاہری اور ذہنی دونوں طرح کی بلندی
دل بستۂ محفل: محفل کا فریفتہ　نالۂ بیداد سوزِ زندگی: اس ظالم طاقت کے
خلاف فریاد جو زندگی کے درد کے بیان کے راستے میں ظلم و جبر سے حائل اور
رکاوٹ ہے: انگریزوں کی برصغیر پر حکومت کی طرف اشارہ ہے　سپند آسا:
سپند کے دانے کی طرح، یہ دانہ آگ پر ڈالیں تو چٹختا ہے، ورنہ وہ آواز اس میں بند
رہتی ہے　کج بینی: مراد غور و فکر میں غلط بات سوچنا　چلیپا: سولی کی شکل جو
چاندی یا سونے وغیرہ سے بنا کر عیسائی اپنی گردن میں ڈالتے ہیں (یہ صلیب کا
مفرس ہے)　کیا حاصل: کیا فائدہ　پندار: گھمنڈ، غرور　مطلق: جو ہر
قسم کی قید اور شرط سے پاک ہو، جو کسی کے ساتھ مخصوص نہ ہو اور سب کے لئے
یکساں طور پر عام ہو　مقید: مراد محدود، مختص　بوالہوس: بہت زیادہ لالچی،
مراد دنیا دار جو دولت پر فریفتہ ہو　فرقہ آرائی: مختلف مذہبی گروہوں میں بٹ
جانے کے بعد ایک دوسرے کی مخالفت کا عمل　مجروح: زخمی　درماں: علاج
امتیازِ ما و تو: ہم اور تو میں فرق، خود میں اور دوسرے میں فرق کرنے کا عمل

استغنا: بے نیازی نگوں: الٹا، اوندھا حباب آبجو: ندی کا بلبلا، پانی میں اٹھنے والا بلبلا جو الٹے/ اوندھے پیالے کی طرح ہوتا ہے بیگانہ خو: غیروں کی طرح ملنے جلنے والا، برصغیر کے ہندو اور مسلم جو ایک دوسرے کو تعصب کی بنا پر غیر سمجھتے ہیں روح پرور: باطن میں فرحت اور تازگی پیدا کرنے والی دشت غربت: مسافرت کا جنگل جرس: گھنٹی، قافلے کے کوچ کی گھنٹی علاج گردش چرخ کہن: پرانے آسمان کی گردش کا علاج، مراد مصیبتوں اور حادثوں کے دور کرنے کی تدبیر سوزاں: جلتا شیریں: فرہاد کی محبوبہ بیستوں: ایران کا وہ پہاڑ جو فرہاد نے کھودا تھا کوہکن: کوہ کن، پہاڑ کھودنے والا، فرہاد سکوت آموز: خاموشی کا سبق دینے والا/ والی

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

آرنلڈ: ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو جو فلسفہ میں علامہ کے استاد اور ۱۸۸۷ء میں علی گڑھ میں فلسفے کے پروفیسر تھے۔ ۱۸۹۷ء کے قریب لاہور آئے اور یہاں علامہ کو ان کی شاگردی کا موقع ملا۔ آرنلڈ نے انہیں فلسفے کا گرویدہ بنادیا۔ ۱۸۹۵ء میں آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب "Preaching of Islam" لکھی۔ اس میں انہوں نے اس اعتراض کو دور کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ۱۹۰۴ء میں واپس ولایت چلے گئے جہاں ۱۹۳۰ء میں فوت ہوئے۔ =

(ابتدا تا ۵ بند)

مکاں: مراد ہندوستان صداقت: سچائی ظلمت شب: رات کی تاریکی = ضیائے روز فرقت: جدائی کے دن کی روشنی کشتۂ عزلت: تنہائی کا مارا ہوا ایام سلف: گزرے ہوئے دن، گزشتہ زمانہ خورشید آشنا: مراد نور علم سے منور اجنبیت: بیگانہ پن عالم نما: دنیا دکھانے والا، جس میں دنیا نظر آئے کلیم ذروۂ سینائے علم: علم و حکمت کے کوہ طور کی چوٹی پر کلیم جیسا مرتبہ رکھنے والا، یعنی بہت بڑا عالم موج نفس: سانس کی لہر باد نشاط افزائے علم: علم کی ہوا جس سے امنگ اور ولولے میں اضافہ ہو، علم کی ہوا جو مسرت روحانی میں اضافہ کرے

عقیدۂ تقدیر: تقدیر کی گتھی / الجھاؤ   گرویدۂ تقریر: گفتگو کا مشتاق   تابِ گویائی: بولنے کی طاقت

چاند

(۱تا۴)

= موج زن: جوش مارنے والا   قصد: ارادہ   زرد رو: پیلے چہرے والا   آفرینش: پیدائش، خلقت، جسمانی ترکیب   سیہ روزی: دن کا سیاہ ہونا، بدقسمتی، مر: د چاند کا دن کو غروب ہو جانا   ہم قسمت: ایک سی تقدیر رکھنے والا، دو آدمی جن کی قسمت ایک جیسی ہو   داغِ منتِ خورشید: سورج کے اس احسان کا داغ / زخم کہ وہ تجھے روشنی دیتا ہے   گردشِ پرکار: پرکار کی گردش، پرکار وہ دوشاخہ آہنی قلم جس سے دائرہ کھینچتے ہیں اور دائرہ گویا ایک خاص حلقہ ہے   سرگرداں: حیران و پریشان   فروزاں: روشن   طلب خو: جسے مانگنے کی ضرورت ہو، حاجت مند، محبوب کے حصول میں کوشش کرنے والا   یکتا: منفرد، بے مثال   حسنِ ازل: قدرت کا حسن و جمال جو مخلوق میں نظر آتا ہے، حسنِ ازلی   ماہ مبیں: روشن چاند، دنیا کو روشن کرنے والا چاند   ذوقِ آگہی: مراد معرفتِ الٰہی کا ذوق وشوق   جبیں: ماتھا، پیشانی

بلالؓ

= بلالؓ: حضور اکرمؐ کے ایک حبشی صحابیؓ جن کے سپرد اذان کی خدمت تھی اور جو نہایت دلکش لحن کے مالک تھے، وہ ایک حبشی غلام تھے لیکن عشقِ رسول اکرمؐ کی بدولت انہیں اکثر جلیل القدر صحابۂ کرامؓ "سیدنا" کہہ کر پکارتے تھے۔ مسجد نبوی کے مؤذن خاص تھے۔ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد انہوں نے اذان دینا ترک کر دی۔ حضور اکرمؐ سے اسی عشق کی بنا پر علامہ کو ان سے بے حد محبت تھی۔

(۱تا۳ بند)

= حبش: افریقہ، جہاں کے لوگ بڑے سیاہ فام ہوتے ہیں   جفا: سختی   سلمانؓ: حضرت سلمان فارسی، حضور اکرمؐ کے محبوب ترین صحابیؓ جن کا تعلق ایران سے تھا، بڑے

فقر و استغنا کے مالک تھے اویسؓ: حضرت اویس قرنی جو حضور اکرمؐ کے سچے عاشق تھے، ان کی والدہ بہت ضعیف تھیں اس لیے حضورؐ نے انہیں یہ پیغام بھیجا تھا کہ تم اپنی ماں کی خدمت کرو، میری ملاقات کے لیے نہ آؤ۔ ماں کی خدمت میں بھی تمہیں اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اسی وجہ سے وہ حضور اکرمؐ کی زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ ان کا یہ عشق اس حد تک تھا کہ جب انہوں نے جنگ احد میں حضورؐ کے دندان مبارک شہید ہونے کی خبر سنی تو اپنے سارے دانت توڑ ڈالے جاں ناشکیبا: بیقرار جان خندہ زن: ہنسی اڑانے والی ظلمت: مراد سیاہ فامی، حبشی ہونے کی وجہ سے ان کا رنگ بہت کالا تھا خوشا: بہت اچھا، کیا خوب تھا یثرب: مدینہ منورہ کا پرانا / قدیم نام

سرگذشتِ آدم (انسان کا گذرا ہوا ماجرا)

(۱تا۱۸)

غربت: مسافرت، سفر پیمانِ اولیں: وہ عہد جو عالم ارواح میں انسان سے لیا گیا تھا، سب سے پہلا عہد، رب ہونے کا عہد جو خدا تعالیٰ نے ظاہری خلقت سے پہلے روح انسانی سے لیا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" جواب ارواح "بیشک تو ہمارا رب ہے" اوج: بلندی خیال فلک نشیں: مراد آسماں کی طرح بلند خیال تغیر پسند: ہر لمحہ نئی سے نئی پسند یا تبدیلی کا عادی ذوق تکلم: بولنے کا ذوق شوق، خدا سے ہمکلام ہونے کا شوق صلیب: سولی غار حرا: مکہ معظمہ میں ایک پہاڑی کا علاقہ جس میں حضور اکرمؐ اپنی بعثت سے قبل چھپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے میں: یعنی حضور اکرمؐ جام آخریں: مراد شراب معرفت جو اسلام کے روپ میں آئی، معرفت کی آخری شراب، حضور ختم رسالت کا دین سرود ربانی: کرشن جی کی بانسری کا گیت، نغمۂ توحید ہویدا: ظاہر تہ نگیں: حکم یا اشاروں پر چلنے والی چشم مظاہر پرست: ظاہر کو عظمت کی نظر سے دیکھنے والی آنکھ وا: کھلی

ترانۂ ہندی

(۱تا۹)

غربت: پردیس پربت: پہاڑ سنتری: سپاہی، چوکیدار رشک جناں: جنت

کے لئے باعث رشک، جنت سے بہتر   رود گنگا: دریائے گنگا جو ہندوؤں کا مقدس
ترین دریا ہے جو ہمالیہ میں گنگوتری کے مقام سے نکلا اور خلیج بنگال میں جا کر گر گیا۔
مسلمانوں کا قافلہ عرب سے ہندوستان آ کر اسی کے کنارے پر مقیم ہوا تھا   تیرہ: دشمنی
دور زماں: زمانے کی گردش   درد نہاں: مراد دل کی اذیت و تکلیف

جگنو

(ایک تا تیسرا بند)

پیرہن: لباس   تکمہ: قمیص وغیرہ کے گریبان کی گھنڈی جو بٹن کی جگہ لگائی جاتی
ہے   حسن قدیم: مراد اس محبوب حقیقی کا جلوہ   گہن: چاند یا سورج کے کچھ
حصے یا پورے کے تاریک ہو جانے کی کیفیت   پتنگا: پروانہ   رنگیں نوا: سریلی
آواز والا   آرسی: انگوٹھی سے بڑا ایک زیور جس میں منہ دیکھنے کے لئے چھوٹا
سا شیشہ جڑا ہوتا ہے اور عورتیں انگوٹھے میں پہنتی ہیں' یہاں مراد شبنم کے قطرے
بے کلی: بیقراری، بے چینی   امتیاز: فرق   حسن ازل: محبوب حقیقی کا جلوہ
چٹک: کھلنے کی کیفیت، ہلکی سی غیر محسوس آواز   کسک: ہلکا ہلکا درد، ٹیس (عاشق
کو اس سے لطف آتا ہے)   چہک: سریلی آواز میں چڑیوں کے بولنے / چہچہانے کی
کیفیت   مخفی: پوشیدہ، چھپا ہوا   محل: مقام، جگہ

صبح کا ستارہ

(پہلا تا تیسرا بند)

عدم آباد: نیستی اور فنا کی دنیا   دامن صد چاک: پارہ پارہ یا بہت پھٹا ہوا دامن،
استعارہ ہے روشنی کے ان نشانات کا جو صبح کے وقت سینکڑوں جگہ سایہ دار چیزوں کے
درمیان ہوتے ہیں   ظلمت: تاریکی   قدرت: طاقت، اختیار، بس   قعر دریا:
دریا یا سمندر کی انتہائی گہرائی   کشاکش: کھینچا تانی   زیب گلو: گلے کی زینت، گلے
میں پہننے والا زیور   بانوئے قیصر: مراد ملکہ، بادشاہ کی بیوی   خاتم دست سلیماں
: حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی جس کی برکت سے تمام جن و انس اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ان
کے تابع تھے   شکست: ٹوٹ پھوٹ، ٹوٹنا   افشاں: گوٹے کی کترن جسے عورتیں

زیبائش کی خاطر ماتھے پر چنتی ہیں مستور: چھپا ہوا، مسخ میدانِ وغا: جنگ کا میدان تابِ شکیبائی: صبر وتحمل کی طاقت عارضِ گلگوں: گلاب کے سے سرخ رنگ کا رخسار افزوں: زیادہ کشش: دل کشی پر: جبین

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

(ا تا ۳ بند)

چشتی: حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری کا لقب جنہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہندوستان میں اسلام کی خدمات انجام دیں۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے بانی تھے۔ تاریخ وفات ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء نانک: سکھوں کے پیشوا گرو نانک جی جنہوں نے پنجاب میں توحید کا درس دیا تاتاری: ترکستان کے باشندے، تیموری ترک یعنی مغل بادشاہ جنہوں نے ہندوستان میں سولہویں صدی عیسوی سے اٹھارویں صدی عیسویں تک حکومت کی اور مسلم تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا حجازی: حجاز کے رہنے والے یعنی مسلمان یونانی: یونان کے رہنے والے، مراد یونان کے فلسفی جو ہندوستان کے فلسفے کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے تھے زر کا اثر: سونے کا اثر، مراد بڑی زرخیز ترک: ترکی کا باشندہ، مراد وہی تاتاری یا مغل فارس کے آسماں نے: ایران کی سرزمین کو وہاں کے ترقیاتی علوم وفنون وشعور کی بنا پر آسمان سے اور وہاں کے حکما اور شعرا کو (جو برصغیر میں آئے) ستاروں سے تشبیہ دی ہے کہکشاں سے: کہکشاں کی طرح، کہکشاں ستاروں کا ایک جھرمٹ چمکائے: شہرت دی میرِ عرب: حضور اکرمؐ نوح نبی: حضرت آدمؑ کے بعد مشہور نبی جن کی بددعا سے پانی کا ایسا طوفان آیا تھا کہ سوائے ان لوگوں کے جو ان کی کشتی میں بیٹھے اور خدا پر ایمان رکھتے تھے، پوری قوم غرق ہو گئی تھی سفینا: سفینہ، کشتی (شعری ضرورت کے تحت الف سے لکھا ہے) زینا: زینہ، سیڑھی

نیا شوالہ (شیو جی کا نیا مندر)

(دونوں بند)

شوالہ: شوالا برہمن: ہندوؤں کا مذہبی رہنما صنم کدہ: بت خانہ جنگ و

جدل: لڑائی جھگڑا، مراد فرقہ وارانہ فساد دیوتا: مقدس بزرگ، فرشتہ غیریت: غیر ہونا، اجنبی ہونے کی کیفیت نقشِ دوئی: باہمی اختلاف کا نقش، ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی اختلافات کا نشان سونی: سنسان، اجڑی ہوئی تیرتھ: مقدس مقام، زیارت گاہ کلس: مسجدوں اور مندروں کے گنبد کے اوپر بنی ہوئی برجی منتر: وظیفہ، ورد، بول پیت: محبت، اتحاد، دوستی پجاری: پوجا/عبادت کرنے والا شانتی: امن وامان سکون واطمینان شکتی: قوت، طاقت بھگت: پرہیزگار، متقی دھرتی: زمین باسی: باشندہ مکتی: نجات، بخشش پریت: پیت، محبت، اتحاد

داغ

(چاروں بند)

غالب: فارسی اور اردو کے مشہور شاعر، وفات ۱۸۶۹ء دہلی مہدیِ مجروح: میر مہدی، مجروح تخلص، غالب کے شاگردِ خاص پیوندِ زمین: زمین سے ملی ہوئی، زمین میں مدفون مکیں: رہنے والا، مراد مردہ شہرِ خموشاں: قبرستان غربت: پردیس امیر: امیر مینائی، اردو کے مشہور شاعر، وفات ۱۹۰۱ء ولادت لکھنؤ ۱۸۲۸ء مینائے امیر: امیر کی صراحی، مراد زندگی کیف: لطف، مزہ، نشہ بلبلِ دلی: مراد داغ، جو دلی کا خوش فکر شاعر تھا، نواب مرزا خان نام، داغ تخلص، ولادت دہلی ۱۸۳۱ء، وفات حیدر آباد دکن ۱۹۰۵ء دفن بھی وہیں ہوئے عنادل: جمع عندلیب، بلبلیں جہاں آباد: دلی کا قدیم نام جو مغل بادشاہ شاہ جہان کے دور میں رکھا گیا تھا بانکپن: حسن کافوری: بڑھاپے کی سفیدی اور: دوسرے شاعر بلبلِ شیراز: مراد حافظ وسعدی جیسے یا فارسی کے شاعر ساحر: جادوگر آزر: بت تراش ناوک فگن: تیر چلانے والا، تیر کی طرح دل میں گڑ جانے والے شعر کہنے والا حالی: پانی پت کے مشہور ادیب وشاعر اور غالب کے شاگرد خواجہ الطاف حسین نام، حالی تخلص، ولادت پانی پت ۱۸۳۷ء وفات ۱۹۱۴ء، ان کی ''مسدسِ حالی'' مشہور ہے، شاگردی کے سلسلے میں اکثر غالب کے پاس آتے رہتے تھے اور غالب کو ان پر بڑا ناز تھا۔

اَبر

(۱ تا ۷)

= پورب: مشرق سرہن: ایبٹ آباد کے مشرق میں پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام جو تقریباً ۶۲۴۳ فٹ بلند ہے توسن: گھوڑا نشاطِ مدام: پائیدار/دائمی مسرت وامنگ

ایک پرندہ اور جگنو

(۱ تا ۱۲)

= مرغِ نغمہ پیرا: گانے/چہچہانے والا پرندہ نوا ریز: گانے والا منقار: چونچ مستور: چھپا ہوا بہشت گوش: کانوں کے لئے جنت کی طرح خوشگوار فردوسِ نظر: آنکھوں کو جنت کا سا منظر دکھانے والی ضیا: روشنی ہم آہنگی: ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی کیفیت ساز: باجا سوز: تپش، درد و محبت

بچہ اور شمع

(تینوں بند)

= طفلک: چھوٹا سا یا معصوم بچہ پروانہ خو: پروانے کی سی عادت والا، پروانہ شمع کے گرد گھومتا ہے، اسی طرح بچے کی نظر بھی روشنی کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے جنبش: حرکت، ہلنا جلنا مدعا: مقصد مگر: یقیناً خاک تیرہ کا فانوس: سیاہ مٹی کا فانوس، یعنی جسم خاکی جس کے غلاف میں نورِ الٰہی کی شمع روشن اور چھپی ہوئی ہے آگہی: آگاہی، مراد معرفتِ خداوندی غبارِ دیدۂ بینا: بصیرت/معرفت رکھنے والی آنکھ پر پردے کی طرح حائل نقاب: پردہ ضو گستری: روشنی پھیلانا عظمتِ دیرینہ: مراد قدیم بزرگوں یا سلطنتوں کی شان و شوکت کے نشانات، پرانی عمارات وغیرہ کے کھنڈر جنہیں دیکھ کر قدیم بزرگوں کے جاہ و جلال کا پتا چلتا ہے ساکنان: جمع ساکن، رہنے والے، باشندے، یہاں مراد پرندے ہم آوازی: مل کر بولنا/گانا کسی: مراد محبوبِ حقیقی گم گشتہ شے:

گم شدہ چیز، محبوب حقیقی جو ظاہر نہیں آتا   جرس: گھنٹی   نالاں: فریادی
ماہیِ بے آب: وہ مچھلی جو پانی میں نہ ہو، اور اسی وجہ سے تڑپتی پھڑکتی رہے

کنارِ راوی

= راوی: دریائے راوی جس کے کنارے لاہور آباد ہے اور قریب ہی مقبرہ جہانگیر ہے۔

(تینوں بند)

= سکوت: خاموشی   زیر و بم: مدھم اور اونچا سر، پانی کی ہلکی اور تیز روانی   سوادِ حرم: کعبہ کا علاقہ جو وہاں پہنچنے والے ہر شخص کو سجدے اور ذکرِ خدا کی دعوت دیتا ہے   وسپِ رعشہ دار: کانپتا ہوا ہاتھ، مراد سورج جسے شام کو غروب سے ذرا پہلے دیکھیں تو کانپتا لرزتا نظر آتا ہے   تیز گام: تیز رفتار   عظمت فزائے تنہائی: تنہائی کی شان بڑھانے والے جنہوں نے تنہائی اور سناٹے میں انسان کے لئے دلچسپی کا سامان کیا ہے   منار: مینار   خواب گہ: سونے کی جگہ، مراد مدفن، مقبرہ   شہسوار: سواری کے فن میں ماہر   شہسوار چغتائی: یعنی مغل بادشاہ جہانگیر   زمانِ سلف: زمانۂ ماضی   ستمِ انقلاب: زمانے کی گردش کا ظلم کہ اس نے مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی شان و شوکت ختم کر کے مقبروں میں دفن کر دیا   گرمِ ستیز: مقابلہ کرنے میں مشغول   سبک روی: نرم اور تیز رفتاری   پیدا: ظاہر   شکست: ٹوٹ پھوٹ

التجائے مسافر

= حضرت محبوبؒ الٰہی: نظام الدین اولیاءؒ تیرھویں صدی عیسوی کے بہت بڑے ولی تھے، مزار مبارک دہلی میں ہے۔ حسینی سید تھے۔ ولادت بدایوں (یو۔ پی) ۶۳۲ھ/۱۲۳۶ء؛ والدین نے نام محمد رکھا۔ بدایوں میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ یہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی عقیدت دل میں پیدا ہوئی چنانچہ ایک روز صبح کی نماز کے بعد پیدل اجودھن (جو اب پاکپتن کہلاتا ہے) کی طرف چل پڑے۔ باباؒ نے ان کا جذبہ دیکھ کر انہیں سلطان السلاطین اور محبوب الٰہی کے القاب سے نوازا۔ باباؒ کے حکم پر دہلی چلے گئے

اور اسے اپنا تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ۶۵۶ھ سے ۷۲۵ھ (۱۳۲۳ء) وفات تک زندگی بھر تبلیغ فرماتے رہے اور ہزاروں کفار کو مسلمان بنایا۔

(دونوں بند)

جناب: بارگاہ، درگاہ مسیح: حضرت عیسیٰ مسیح اللہ خضر: حضرت خضر، جنہوں نے ایک روایت کے مطابق آبِ حیات پی کر حیاتِ دوام حاصل کر لی نکہت گل: پھول کی خوشبو امتحاں: آزمائش نگارخانہ: آراستہ و پیراستہ یا سجا ہوا مقام، مراد وطن کشاں کشاں: کھینچتے ہوئے، چار و ناچار، مراد حصولِ علم کی مجبوری درختِ صحرا: جنگل کا درخت جس کی کوئی دیکھ بھال نہیں کرتا، مراد غریب گھرانے کا فرد باغباں: مراد سرپرستی کرنے والا فلک نشیں: آسمان پر بیٹھا ہوا، آسماں کے برابر اوج و وقار پانے والا نردباں: سیڑھی شانہ: کنگھی مادر: ماں پدر: باپ شیخ بارگہ مرتضوی: مراد شمس العلما مولانا سید میر حسن سیالکوٹی جن کے فیضِ تربیت سے علامہ کو علوم و معارف میں دستگاہ حاصل ہوئی، مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے پروفیسر تھے، وفات ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء یوسفِ ثانی: مراد علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد جو علامہ سے تقریباً چودہ برس بڑے تھے۔ انہوں نے علامہ کو بیٹے کی طرح پالا، تعلیم دلائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان اور جرمنی بھیجا، دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے بے حد محبت تھی۔ علامہ کی وفات (۱۹۳۸ء) کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۰ برس تھی چھوٹے بھائی کی موت کے صدمے کے باعث ان پر ہر وقت رقت طاری رہتی، ان کا کلام پڑھ کر رویا کرتے، وفات ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء جانِ جاں: یعنی روح کی زندگی کا باعث

غزلیات

(۱)

(۱-۴)

گلزارِ ہست و بود: مراد کائنات کا چمن، کائنات بیگانہ وار: غیروں کی طرح، سرسری طور پر دم دینا: دھوکا دینا ہستیِ ناپایدار: فانی زندگی نقشِ کفِ پا:

پاؤں کے تلووں کا نشان، کسی گزرنے والے کے پاؤں کا نشان

(۲)

(۱تا۶)

= تکرار: ماننے میں تامل اور بحث   عار: عیب، شرم   سرکار: مراد محبوب
تاڑنا: کسی علامت کے بغیر پہچان لینا، جان لینا، نظروں سے پہچان لینا
تامل: سوچ، انکار پر مبنی توقف   فسوں: افسوں، جادو، منتر   گلی: مراد معشوق کی بزم میں

(۳)

(۱تا۵)

= عداوت: دشمنی   ظلمت: تاریکی   لرز جانا: کانپ جانا / اٹھنا

(۴)

= وائے ناکامی: ناکامی پر افسوس ہے   تاک کر: سیدھ باندھ کر، موقع نکال کر
بہتّر دو وحدت: بہتّر (۷۲) فرقے، اشارہ ہے حضور اکرمؐ کی اس حدیث کی طرف کہ میری امت بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، مراد دنیا کے مختلف مذاہب
آنکھ ملنا: نظر سے نظر ملنا   پیمانہ: مراد اصول اور مسلک   لوٹ جانا: بیتاب ہونا، مطلب کے حصول کے لئے بے چین ہونا   خرمن: مراد کمالات
پاس: لحاظ، خیال، مروت   ہم صفیر: مل کر چہچہانے والا، ہم زبان
صیاد: شکاری، مراد محبوب   مرغِ دل: دل کا پرندہ، دل

(۵)

(۱تا۱۰)

= اسیر حلقہ دام ہوا: نفسانی خواہش اور دنیا کی دل فریبیوں کے جال میں گرفتار
شرافت کا خلعت: طنزاً وہ خطاب جس کا پہلے مصرعے میں ذکر ہے (خلعت: عمدہ اور اعلیٰ قسم کا لباس)   تقاضا: طلب اور اصرار   کیونکر: کس طرح، کن اسباب سے، کسی طرح نہیں، کن دلائل سے   صبر آزما: مراد تکلیف دہ   حسن کامل: حسن کی تمام صفات کمال سے متصف حسن، مراد محبوب حقیقی کا حسن   خود نما: اپنے آپ کو ظاہر کرنے والا   نسخہ: وہ پرچہ جس پر دوائیں لکھ کر مریض کو دیا

جاتا ہے   لا دوا: جسے کسی دوا سے شفا نہ ہو سکے، لا علاج   پرسش اعمال: قیامت کے روز انسان کے عملوں (اچھے برے کاموں) کے حساب کتاب لئے جانے کا عمل   فنا: برباد/فنا ہو جانا

(۶)

(۱تا۸)

= انوکھی وضع: عجیب و غریب طور طریقے/رنگ ڈھنگ   سوزن: سوئی   پھلا پھولا: سرسبز و شاداب، بارونق، آباد   خانماں برباد: جس کا گھر اجڑ گیا ہو (خان: خانہ، گھر + و + مان: اسباب)   یگانگی: غیریت، انجان پن   ٹوٹا ہوا دل: ایسا دل جو عشق کی ٹھیس سے شکستہ ہو گیا ہو

(۷)

(۱تا۹)

= تماشا کرنا: دیکھنا   وا کرنا: کھولنا   دیدۂ دل: باطن کی آنکھ، بصیرت   منصور: منصور حلاج جنہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا (میں حق ہوں، یا حق مجھ میں سمایا ہوا ہے، وحدت الوجود کا نعرہ) لیکن وقت کے علما نے ان کے خلاف فتویٰ دے کر بادشاہ سے انہیں سولی پر لٹکوا دیا   دعویٰ: اپنی زبان سے کسی بات کے حقیقت ہونے کا پرزور لفظوں میں اظہار   عذر آفریں جرم محبت: محبت کے جرم کا عذر پیدا کرنے والا، اگر محبت گناہ ہے تو اس گناہ کے ارتکاب کا عذر یا اس ارتکاب پر معذور/مجبور ہونے کی معذرت خود حسن ہے، نہ حسن ایسا ہوتا نہ یہ گناہ سرزد ہوتا   اڑ بیٹھنا: کسی خواہش پر ڈھیٹ پن کے ساتھ اصرار کرنا   کلیم: حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ   جنبش: ہلنے کی حالت   بار: بوجھ   نرگس کی آنکھ سے: مراد ٹکٹکی باندھ کر، کھل جانا

(۸)

(۱تا۹)

= آرزوے بیدلی: عاشق کی تمنا   کہاں تک: کتنی زیادہ   سوداے زیاں: نقصان کا سودا، مراد دل دے کر عاشق کی موت قیمت میں لینے کا عمل جو عشق میں گویا کامیابی ہے   فروغ مے: شراب کی چمک، مراد کثرت یا زیادتی جو خود بخود

ارتقا کا باعث بن جاتی ہے ہوائے گل: پھولوں کی خواہش / ہوس چمن افروز: باغ کو اپنے وجود سے زینت بخشنے والا خوشنوائی: نغمہ سرائی، حق گوئی فیض پریشانی: بکھرنے کے طفیل، کی بدولت جرس: گھنٹی خوابیدہ: سویا ہوا، مضمر، پوشیدہ رحیل کارواں: قافلے کا کوچ / روانگی کشود کار: مشکلات کا حل، کامیابی عقدہ: گتھی، اُلجھن، بھنور کے بیچ میں پانی کا پڑنے والا چکر خاطر گرداب: مراد گرداب / بھنور کا درمیانی حصہ جو گرہ یا چکر سا نظر آتا ہے میہمان: مہمان، یہاں مراد جوانی

(۹)

(۱ تا ۱۸)

ظلمت خانۂ دل: دل کا تاریکیوں کا گھر، مراد دل مکین: رہنے والا مکاں: مراد کائنات عالم مذاق جبہ سائی: سجدہ کرنے کا ذوق محمل نشین: کجاوے میں بیٹھا ہوا، مراد تجھ میں خود بھی محبوب کا جلوہ پنہاں ہے ناخدا: ملاح، کشتی بان کلیم اللہ: حضرت موسیٰ کا لقب، انہوں نے خدا سے باتیں کی تھیں ناز آفریں: ناز پیدا کرنے والا، مراد محبوب حقیقی نازنین: نازک اندام، حسین، مراد تمام مخلوقات جن میں اس ذات اقدس کا جلوہ پایا جاتا ہے اور اس بنا پر وہ سب حسین ہیں شمع کشتہ: بجھی ہوئی شمع خرقہ پوش: گدڑی پہننے والے، اللہ والے ارادت: عقیدت مندی ید بیضا: روشن ہاتھ، حضرت موسیٰ کا معجزہ، جب وہ اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر باہر نکالتے تو وہ روشن ہوتا، مراد یہ کہ اللہ والے یا مرشد کرامتوں والے ہیں نگاہ نارسا: نہ پہنچنے والی نگاہ، مراد مادہ پرستوں کی نگاہ خلوت گزیں: تنہائی اختیار کیے ہوئے، گوشۂ تنہائی پسند کرنے والا، خداست، اللہ والا خوشہ چیں: مراد فیض حاصل کرنے والا ٹوٹنے والا دل: ذرا سی ٹھیس سے متاثر ہونے والا دل، مراد حسن کی ادنیٰ سی جھلک پڑنے سے اثر قبول کرنے والا دل، جس میں سوز و گداز ہو نازک آبگینہ: جلد ٹوٹنے والا شیشے کا جام پھڑک اٹھنا: کسی بات پر یکا یک بیقرار ہونا، پسندیدگی کے موقع پر لوٹ پوٹ ہو جانا "ما عرفنا": ہم نے نہیں پہچانا، حضور اکرم کی حدیث جس میں آپ نے فرمایا کہ اے پالنے والے (خالق) ہم نے تجھ کو اتنا نہیں

پہچانا جتنا کہ پہچاننے کا حق ہے۔ ناز آفریں: یہاں مراد دوسرے انبیا و رسول باریک بین: بال کی کھال نکالنے والے، مراد فلسفی یا کمزور عقیدے والے جو حضورؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپؐ کو اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں چرچا: گفتگو، بحثیں وغیرہ چلانا: زور زور سے بولنا، مراد باریک بینوں سے بحث کرنا قرینہ: سلیقہ، انداز نکتہ چیں: حرف گیری کرنے والا، اعتراض یا گرفت کرنے والا

(۱۰)

(۱تا۶)

= صبر آزما: مراد تکلیف دہ، صبر آزمانے والی/ والا آپ: مراد اللہ تعالیٰ "لن ترانی": تو ہرگز نہیں دیکھے گا یا نہیں دیکھ سکتا، کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کی اس درخواست پر کہ "اے خدا! مجھے اپنا جلوہ دکھا، اللہ تعالیٰ کا جواب، حضرت موسیٰؑ کے اصرار پر ایک بجلی چمکی اور آناً فاناً حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو گئے اور پہاڑ جل گیا رازکی بات: مراد محبوب کے وصل کے دن قریب ہونے کا تذکرہ

(۱۱)

(۱تا۹)

= دست کرم کشادہ کرے: خدا بخشش کا ہاتھ کھول دے، مہربانی پر مائل ہو احتراز: بچ بچ کے رہنے کی صورت حال امتیاز: فرق مدام: ہمیشہ، ہر وقت گوش بہ دل رہنا: دل کی آواز غور سے سننے کے لئے تیار رہنا شکستہ: مراد درد عشق سے متاثر نوائے راز: عشق الٰہی کے اسرار/ راز گداز کرنا: پگھلا دینا سوز الٰہی: خدا سے عشق کا جذبہ تمیز: فرق تمیز لالہ و گل: لالہ اور گلاب کے پھول میں فرق، بلبل لالہ دیکھ کر گلاب کو یاد کرتی اور اس کے فراق میں نالے کرتی ہے چشم وا نہ کرنا: آنکھ نہ کھولنا زباں دراز کرنا: برا بھلا کہنا غبار راہ حجاز کرنا: یعنی عشق محمدیؐ کی راہ میں غبار کی طرح چاروں طرف پھیلا کر فنا کر دے

(۱۲)

(۱تا۶)

= غیر سے غافل ہونا: یعنی خدا کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرنا ظالم و جاہل:

اشارہ ہے قرآنی سورہ الاحزاب، آیہ ۷۲ کی طرف، ہم نے یہ امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، بیشک وہ ظالم و جاہل ہے **جلوہ پیرائی:** جلوہ گری **نمودِ حق:** جلوۂ حق کا نظر آنا **باطل:** مراد بے حقیقت، بے وجود **خزف چین:** کنکریاں اور سنگ ریزے چننے والا، موتیوں سے محروم **ملک:** فرشتہ، فرشتے **ذلت:** پستی، پستی میں وارد ہونا، اشارہ ہے حضرت آدم کو جنت سے زمین پر بھیجے جانے کی طرف **شرافت:** مراد اشرف المخلوقات ہونے کا وصف جو انسان کو حضرت آدم کے زمین پر آنے کے بعد ملا **غفلت:** بے خبری، اشارہ ہے حضرت آدمؑ کے گندم کھانے کی طرف، جس پر انہیں زمین پر بھیج دیا گیا اور وہ فرشتوں سے جدا ہو گئے **اپنے آپ کو ڈھونڈنا:** اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنے کی جستجو **آپ ہی گویا مسافر:** مشہور قول ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا

(۱۳)

(۱تا۱۴)

= **کمال ترک:** مراد دنیا و مافیہا سے پوری طرح روگردانی **عقبیٰ:** آخرت، حساب کتاب، جنت اور حور و قصور کا خیال **تقلید:** پیروی **خضر کا سودا:** راستہ دکھانے کے لئے خضر کی تلاش، خضر کا سہارا (اپنے بھروسے پر کام کر) **خامہ:** قلم **حرف غیر:** مراد غیروں کے علوم و فنون **نازش بیجا:** نازیبا افتخار / فخر **بسمل:** زخمی، متاثر **پاسبان عقل:** عقل جو ہر مرحلے میں نگہبان کی طرح انسان کو خطروں سے بچاتی ہے **مدار:** انحصار، سہارا **جواز:** جائز اور حلال ہونے کی صورت حال

حصہ دوم

(محبت)

۱-۱۶= **عروسِ شب:** رات کی دلہن، مراد رات **لذتِ رم:** چلنے / گردش کی لذت **آئینِ مسلّم:** مانا ہوا / تسلیم شدہ اصول **ظلمت خانہ:** تاریک گھر، عدم

امکان: مراد وجود   پہنائے عالم: کائنات کی وسعت   مذاق: ذوق
نظم ہستی: وجود کی تنظیم   ہویدا: ظاہر   خاتم: انگوٹھی   کیمیا گر: ادنیٰ دھات
کو دوا وغیرہ سے اعلیٰ بنا دینے والا، مراد حضور اکرم کا نور جس کے پرتو سے کل
کائنات وجود میں آئی   ساغر جم: ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کا جام جس میں
دنیا نظر آتی تھی   اکسیر کا نسخہ: مراد مٹی اور زود اثر کی ترکیب   تاک میں
رہنا: گھات میں یا موقع کے انتظار میں رہنا   اسم اعظم: خدا کا سب سے بڑا نام
جس میں یہ تاثیر ہے کہ جب اس کے واسطے سے کوئی دعا کی جائے تو وہ فوراً قبول
ہوتی ہے۔ یہ نام کسی کو معلوم نہیں لیکن عموماً ''اللہ'' ہی کو سمجھا جاتا ہے   بر آنا:
پوری ہونا   سعی پیہم: لگاتار اور مسلسل کوشش   اجزا: جزو کی جمع، وہ سب
چیزیں جن سے کوئی چیز مرکب ہوتی ہے، نسخے کے مفردات   محرم: واقف حال،
راز داں   داغ جگر: دل کے بیچ کا سیاہ نقطہ، وہ کالا دھبا جو چاند کے درمیان
نظر آتا ہے   تیرگی: سیاہی، تاریکی، اندھیرا   زلف برہم: پھیلی ہوئی یا
پریشان زلفیں، بکھری ہوئی......   تڑپ: بیقراری   حرارت: گرمی، تاثیر
مسیح ابن مریم: حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح   ربوبیت: رب/ خدا
ہونے کی صفت   افتادگی: گرنا، خاکساری   چشمۂ حیواں: آب حیات کا
چشمہ   مرکب: دو یا زیادہ اجزا سے مل کر بنی ہوئی چیز   مجنوں: مراد کیمیا گر
جس کا نظم کے پانچویں شعر میں ذکر ہے   ہستی نوخیز: تازہ تازہ وجود میں آنے
والی کائنات   گرہ کھولنا: مشکلیں حل کرنا   جنبش: حرکت، گردش
عیاں: ظاہر   خرام ناز: جھوم جھوم کر چلنے کا عمل، اشارہ ہے اپنی دوری حرکت
کے ساتھ ساتھ دوسرے کروں کے چاروں طرف حرکت کی کیفیت کی طرف
چٹک: کھلنا

حقیقتِ حسن

لازوال: لافانی، یا جس میں کبھی کوئی نقص یا پستی پیدا نہ ہو   تصویر خانہ: ایسا   ۱-۷ =
مکان جس میں کئی تصویریں لگی ہوئی ہوں، مختلف صورتوں کا مرقع   رنگ تغیر:
عارضی حالت جو ادلتی بدلتی رہتی ہے   دل خون ہونا: بہت رنج/ دکھ ہونا

سوگوار: غمگین، مغموم   محرم: واقفِ حال و راز

پیام

۱-۷= ذوقِ تپش: تڑپ کا ذوق، عشق میں پیش آنے والی بیقراری کا ذوق   حاصلِ سوز و ساز: وہ جذبات و احساسات جو عشقِ حقیقی کی زندگی بسر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں   گریۂ جاں گداز: جان/روح کو پگھلا دینے والی گریہ وزاری   سرمۂ امتیاز: مراد فرق کرنے کا سرمہ یعنی یہ پھول ہے، یہ کانٹا ہے، وہ پرندہ حسین ہے، یہ پرندہ بدصورت ہے وغیرہ   بلند بال: بلند پرواز، عالی/بلند حوصلہ   پیرِ مغاں: شراب خانے کا مالک، مراد ہندوستان میں شراب علم پلانے والے اساتذہ   فرنگ: یورپ، مراد انگریز جو ہندوستان کے حکمران تھے   کیفِ غم: مراد عشقِ حقیقی کی لذت   خانہ ساز: گھر میں بنائی ہوئی شراب، مراد اسلامی تہذیب و علوم (کی شراب)   بزمِ کہن بدل گئی: پرانی محفل بدل گئی، مسلمان پہلے پورے ہندوستان پر حکمران تھے اب غلام و محکوم ہیں   مے مجاز: مراد دنیاوی شراب/تعلیم جو ماسوا اللہ سے متعلق ہو

سوامی رام تیرتھ

= سوامی رام: اصل نام تیرتھ رام، ولادت ۱۸۷۳ء گوجرانوالہ کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ والدین کی غربت کے باوجود بڑی محنت سے ریاضی میں ایم۔اے کیا اور مشن کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے۔ رام کی محبت کے جذبے میں ہفتوں دریائے راوی کے کنارے مراقبے میں بیٹھے رہتے۔ رفتہ رفتہ ان کی رام بھگتی کا شہرہ دور دور پہنچا اور بڑے بڑے دولت مند ان کی خاکِ قدم کو آنکھوں سے لگانے لگے۔ ہر سال تعطیلات میں ہردوار پہنچ کر دریائے گنگا کے کنارے مراقبے اور محویت میں بسر کرتے تھے۔ ۱۹۰۶ء کی چھٹیوں میں دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے ویدانت کے خیالات میں مستغرق تھے، پھر اچانک دریا میں اشنان کے لئے کود پڑے اور پھر لہروں کی نذر ہو گئے۔ تیسرے دن ان کی نعش خود بخود کنارے سے آ لگی۔ وہ بھی علامہ کی طرح محبت کا مسلک رکھتے تھے۔ یہ نظم ان کی وفات پر علامہ نے کہی

۱-۲= ہم بغل: بغل گیر، گلے سے لگا ہوا   گوہرِ نایاب: مراد بہت قیمتی موتی، عجیب اور نادر

سوتی جو کہیں نہ پایا جائے　راز رنگ و بو: مراد کائنات کا راز　غوغا: شور وغل، ہنگامہ　لا الٰہ الا اللہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے　معنی انجام: انجام کی حقیقت
سیماب: چاندی کا پانی یعنی پارہ　سیم خام: کچی چاندی جو بہت سفید اور منجمد ہوتی ہے
تسنیم: جنت میں شیریں پانی کا ایک چشمہ جسے نہر بھی کہا جاتا ہے　تسنیم عشق: مراد عشق　آذر: آگ، مراد آگ کی پرستش کرنے والے

طلبہ علی گڑھ کے نام

علی گڑھ: علی گڑھ کی مسلم یونیورسٹی

۱-۷= طرز کلام: گفتگو کا انداز　طائر زیر دام: جال میں پھنسا ہوا پرندہ، مراد وہ شخص جو عقل کے پنجے میں گرفتار اور جذبہ عشق سے محروم ہے　طائر بام: بلندی میں پرواز کرنے والا پرندہ، مرد مومن　مور ناتواں: کمزور چیونٹی، مراد کمزور انسان جو چیونٹی کی طرح ہر وقت جدوجہد کرنے کو اپنا انداز زندگی سمجھتا ہے　جذبہ حرم: جذبہ اسلام　انجمن حجاز: مراد ملت اسلامیہ　ذوق طلب: مراد عشق الٰہی، عشق رسول اکرمؐ　عیش جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کی راحت کی زندگی　گردش آدمی: مراد عشق کے ذوق و مستی کی حالت　غم کدۂ نمود: دنیا جو رنج و غم کا گھر ہے　زندگی کا ساز: زندگی کی کامیابی
بادۂ نیم رس: کچی شراب جس میں نشے کی مستی پیدا نہیں ہوئی مراد ابھی ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی انقلاب کا جذبہ پختہ نہیں ہوا　خم: شراب کا مٹکا، مراد وہ رسم و رواج اور آئین جو مسلمانوں میں رائج ہیں　خشت کلیسا: گرجے کی اینٹ، مراد انگریزی تمدن جو ہندوستان / برصغیر میں عموماً مسلمانوں میں رائج تھا

اختر صبح

۱-۲= فرصت نظر: دیکھنے کا موقع، صبح کا ستارہ تڑکے میں طلوع ہوتا اور سورج طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا ہے　بساط: حیثیت　تابندگی: چمک　جبین سحر: صبح کی پیشانی
ریاض سخن: شاعری کا باغ　جاں پرور: روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی
بنا: بنیاد

حسن و عشق

۱-۳ بند= کشتیِ سیمین قمر: چاندی کی چاندی جیسی سفید کشتی ہنگامِ سحر: صبح کے وقت آنچل: دوپٹا ہم رنگ: ایک جیسی رنگت والا کنول: سفید رنگ کا پھول جو پانی میں پھولتا ہے اور اس کی لمبی لمبی پنکھڑیاں تشتری کی صورت میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، نیلوفر یدِ بیضائے کلیم: حضرت موسیٰ کا یدِ بیضا (پہلے ذکر آ چکا ہے) نکہتِ گلزار: باغ کی خوشبو جو پھولوں کی وجہ سے پھیلتی ہے شمیم: مہک، خوشبو عشق کا حاصل: عشق میں منزلِ کمال پر پہنچا ہوا شامِ غربت: پردیس کی شام، جنت کو چھوڑ کر زمین پر آنے کی شام زلفوں کی پریشانی: زلفوں کا بکھرے ہوئے ہونا پیدا: ظاہر باغِ سخن: شاعری کا باغ تحریکِ کمال: کمال پر آمادہ کرنے اور ابھارنے کا عمل نہال: درخت آسودۂ منزل: ایسا مطمئن جیسے منزل پر پہنچا ہوا مسافر

...... کی گود میں بلی دیکھ کر

۱-۱۱= دُزدیدہ نگاہی: بار بار انکھیوں سے دیکھنا (جو محبت کی علامت ہے)، گوشۂ چشم سے کسی کو دیکھنا رمز: مراد طور طریقہ ذکاوت: ہوشیاری، دانائی، عقلمندی صفتِ آئینہ: منہ دیکھنے والے شیشے کی مانند نورِ آگاہی: باطنی شعور، اشیا کی حقیقت کو سمجھنے کا قدرتی مادہ چڑ: نفرت، دل کو ناگوار گزرنے والی بات شوخ: بیباک، شریر تجسس: جستجو، تلاش سودائی: عاشق اسی چیز: مراد حسن مکیں: رہنے والی/والا شیشۂ دہر: زمانے کا شیشۂ شراب، مراد زمانہ، دنیا بے تاب: خالص شراب کسک: ہلکا ہلکا درد، ٹیس، جس میں عاشق کو لطف آتا ہے۔

کلی

۱-۲ بند= عارضِ رنگیں: رنگدار یا روشن چہرہ جلوہ آشام: مراد جلووں کی خواہشمند سینہ شگافی: سینے کو چیر دینا، مراد کھل جانا دل چیر کے رکھ دینا: یعنی کلی کا کھلنا نشیمن: مراد مسکن، ٹھکانا گہوارہ: گاہوارہ، جھولا، ہنڈولا طرب اندوزِ حیات: زندگی کا لطف اٹھانے والا، زندگی کی مسرتیں حاصل کرنے والا عیاں: ظاہر جوہر اندیشہ:

شاعر کی قوت متفکرہ جو مستقل وجود رکھتی ہے اور کسی کی محتاج نہیں (اندیشہ کو جوہر سے تشبیہ دی ہے) **جانِ مضطر:** بیقرار و بیتاب روح / جان **عریاں:** مراد ظاہر

چاند اور تارے

بند ۱-۲= **مدام:** مسلسل، لگاتار **ستم کشِ سفر:** سفر کا ستم / دکھ اٹھانے والے **تجر:** تھر
مزرعِ شب: رات کی کھیتی **خوشہ چین:** بالیاں چننے والے، یعنی تارے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب ہوتے ہیں، رات ہی میں چمکتے ہیں، اسی لئے انہیں مزرعِ شب کے خوشہ چین کہا ہے **طلب کا تازیانہ:** خواہش کا کوڑا / چابک جو انسان کو اسی طرح دوڑاتی / دوڑاتا ہے جس طرح گھوڑا کوڑا کھا کر دوڑتا ہے **بے محل:** بے موقع، مصلحت کے خلاف **بکھل جانا:** مٹ جانا، فنا ہو جانا **خرام:** رفتار، روانی
انتہا: مراد درجۂ کمال، وہ جگہ جہاں کسی جد و جہد یا سعی کا خاتمہ ہو

وصال (محبوب سے ملاقات)

۱-۲= **جستجو:** تلاش **رنگیں نوا:** سریلی آواز والا / والی **دلِ مضطر:** بیقرار دل
سیماب: پارہ جو ہر وقت بے قرار رہتا ہے **ارتکابِ جرم:** ناجائز کام کرنا، عمل میں لانا
آئینہ دار: دکھانے والی **شبِ دیجور:** تاریک اور لمبی رات **تاثر:** اثر لینے کی کیفیت، جذبۂ عشق **گراں:** بھاری، ناگوار **غازہ:** سرخی، چہرے پر لگانے والا خوشبودار برادہ **ہمدمِ دیرینہ:** پرانا ساتھی، مراد محبوب **قید میں آنا:** مراد عشق کی پابندی میں مبتلا ہونا **دل کا لٹ جانا:** مراد عشق کے نتیجے میں دنیا کے ہر قسم کے خیالات چھن جانا، ہر خیال و تصور سے دل کا خالی ہو جانا **ضو:** روشنی
خورشید: سورج، مراد محبوب

سلیمی

(تحقیق کے باوجود معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کون تھی، ممکن ہے اقبال کی اصلی یا فرضی محبوبہ ہو)

۱-۵= **نمود:** عکس، ادنیٰ جھلک **ظلمت کدہ:** تاریک گھر **بانکپن:** مراد حسن
ہویدا: ظاہر، نمایاں **مہک:** خوشبو **پیرہن:** لباس

عاشقِ ہرجائی (ہر چیز سے تعلق رکھنے والا عاشق)

(۱)

۱-۱۰= **مجموعۂ اضداد:** جس میں ایک دوسرے کے متضاد صفتیں یا کیفیتیں وغیرہ ہوں **رفعتِ پرواز:** پرواز کی بلندی، مراد قوتِ تخیل کی بلند پروازی **زمیں فرسا:** زمین پر چلنے والا، زمین کا باشندہ **فلک پیما:** آسماں تک رسائی کرنے والا، اعلیٰ سے اعلیٰ مضمون لانے والا **عین:** ٹھیک ٹھیک، بالکل اسی وقت یا اسی حالت میں **سجدہ ریز:** سجدہ کرنے والی **رنگِ مشربِ مینا:** شراب کی صراحی کے مذہب کا انداز، مراد شراب نوشی کا طریقہ **مسلک:** راستہ، مذہب **حکمت آفریں:** مراد فلسفی، دانا **سودا:** جنون، عشق کی مستی **افتادہ:** گرا ہوا **آئینِ تلوّن:** دل لگی اور وہمی کی کیفیت جس میں آدمی طرح طرح کی باتیں کہتا ہے اور کسی پر قائم نہیں ہوتا **جبیں فرسا:** پیشانی رگڑنے والا، محبت کرنے والا **تلوّن کیش:** جسے ایک طریقے پر قرار نہ ہو، ہرجائی **حسنِ نسوانی:** عورتوں/حسیناؤں کا حسن

(۲)

۱-۱۵= **آشفتگی:** پریشانی، انتشار **رستخیز:** قیامت **مقصودِ نظر:** نظر کا مقصد **شرارِ جستہ:** اچھلنے والی چنگاری **اجزا:** جمع جزو **درد ناکامی:** درد اور ناکامی پر خاتمہ ہونے کی صورتِ حال **افلاسِ تخیل:** تخیل کی قوت جس منزل پر ہے اس سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی طاقت سے محرومی **تنک جلوہ:** (حسنِ ظاہر) جس کا جلوہ چند روزہ ہے

کوششِ ناتمام

۱-۱۶= **پیچ و تاب کھانا:** بیقرار رہنا **خوں فشاں:** خون/سرخی بکھیرنے والی **تابِ دوام:** مسلسل روشن رہنے کی حالت **قطبِ آسماں:** ایک ستارہ جو ہمیشہ شمال کی طرف نظر آتا ہے اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، قبلے کا تعین اسی سے کیا جاتا ہے **سوتوں:** جمع سوت، وہ پانی جو زمین سے جوش مار کر نکلے اور جگہ ملے تو بہتا رہے، پانی زمین سے نکلنے کی جگہ، پانی کا چشمہ **ماہِ تمام:** پورا یا چودھویں کا چاند جس کی وجہ سے سمندر میں مد جزر/جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے **خضرِ خجستہ گام:** خضر جس کا قدم یا آنا برکت کا باعث ہے

نوائے غم

۱-۲ بند= رباب: ایک قسم کی سارنگی بربطِ کون ومکاں: کائنات کا باجا منت کش: احسان اٹھانے والا، ممنون، احسان مند سکوت: خاموشی مضراب: وہ تار جسے انگلی میں پہن کر اس سے ستار بجاتے ہیں سمت: طرف بانگِ درا: کوچ کی گھنٹی، آنسو رواں ہونے کی حالت شروع ہونا رفعت: بلندی، عظمت

عشرتِ امروز

۱-۷= شرابِ طہور: جنت کی پاک شراب فریفتہ: شیدائی، عاشق ساقیِ جمیل: جنت کا حسین ساقی سلسبیل: جنت کی ایک نہر کا نام پری کو شیشے میں اتارنا: لفظوں کے جادو وغیرہ سے قابو میں لانا

انسان

۱-۲ بند= آگہی: آگاہی، چیزوں کی حقیقت کو سمجھنے کا قدرتی مادہ راز جو: (قدرت کے) راز/ بھید تلاش کرنے والا آئینے کے گھر: کائنات کے مظاہر جو قدرت کے جلوے کے آئینہ دار ہیں گرمِ خرام: چلنے میں مصروف جادہ پیما: راستہ چلنے والا زنداں: قید خانہ عابد: عبادت کرنے والا برخیز: اٹھو، بیدار ہو جاؤ غم گسار: غم مٹانے والا، سچا دوست، ہمدرد

جلوۂ حسن

۱-۵= ابدی: ہمیشہ ہمیشہ کا، جاودانی سربہ گریباں ہونا: مراد فکر یا تصور میں محو رہنا: گریزاں ہونا: بھاگنا، دور ہونا ادراک: فہم وشعور، علم خاتم: انگوٹھی

ایک شام (دریائے نیکر کے کنارے پر)

۱-۷= دریائے نیکر: جرمنی کے شہر ہائیڈل برگ کے ایک دریا کا نام اور شہر کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں پانچ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں نوا فروش: نغمہ بیچنے والے، مراد چہچہانے

والے پرندے سبز پوش: درخت اور پودے فطرت: قدرت
فسوں: جادو، سحر مراقبے میں ہونا: محو و مستغرق ہونا (مراقبہ: گردن جھکا کر فکر کرنے کا عمل، ماسوا اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا کی طرف دل لگانے کی کیفیت)

تنہائی

۱۔۵= حزیں: غمگین، ملول، آزردہ خوابیدہ: سوئی ہوئی، خاموش نسترن زار: سفید پھول سیوتی کا تخت، جہاں یہ پھول بہت ہوں ہم نفس: ساتھی، رفیق

پیامِ عشق

۱۔۷= دردِ پہلو: دل کا درد، مراد عشق طلبگار: خواہشمند غزنوی: مراد سلطان محمود غزنوی جس نے ہند کے مشہور مندر سومنات کے بت توڑ ڈالے تھے سومنات دل: مراد ایسا دل جس میں مادیت کے بت بھرے پڑے ہوں جو خدا کی سچی محبت سے روکتے ہیں ایاز: محمود غزنوی کا غلام شانِ سکندری: یونانی بادشاہ سکندر اعظم کی سی شان، مراد صاحب اقتدار یا دولت مند اور طاقت ور ہونے کی حالت وابستہ: متعلق، منحصر آئینہ ساز: لوہے کو جلا دے کر آئینہ بنانے والا، صاحب کمال، ہنر مند، سکندر اعظم نے سب سے پہلے آئینہ بنایا تھا پیکار: جنگ، مراد جدو جہد قرضِ قدیم: پرانا قرض، ذمہ دار قناعت شعار گلچیں: وہ پھول چننے والا جو تھوڑے بہت پھول چن کر دامن سمیٹ لے وفورِ گل: پھولوں کی کثرت دامن دراز: لمبی چوڑی جھولی/ دامن والا آزری کرنا: بت بنانا/ تراشنا، مراد فرقہ بندی کر کے ماسوی اللہ میں الجھا دینے اور اللہ سے ہٹانے کا عمل صحرا نوردی: عاشق کا صحرا میں جا کر تنہائی میں زندگی بسر کرنا (مجنوں کی طرح) طلسم مجاز: مراد دنیا اور ماسوئی اللہ کا جادو

فراق

۱۔۲ بند= جلوس: شاہی تخت پر بادشاہ کا بیٹھنا گوشۂ عزلت: تنہائی کا کونا/ گوشہ شکستہ گیت: ٹوٹا ہوا گیت، مراد پہاڑ کے پتھروں سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ٹکرا ٹکرا کر پانی کے گرنے کی آواز دعائے طفلک گفتار آزما: جو ننھا سا بچہ بولنے کی کوشش کر رہا

ہواس کی دعا، شکستہ گیت کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے   جان ناشکیبا: بیقرار جان / روح
طفل صغیر: چھوٹا / ننھا بچہ   شکیب: صبر   لعل: ایک سرخ رنگ کا قیمتی جوہر
دیدۂ بینا: بصیرت کی حامل آنکھ

عبدالقادر کے نام

عبدالقادر: شیخ سر عبدالقادر جو علامہ کے دوست اور ۱۹۰۷ء میں علامہ کے ساتھ انگلستان میں مقیم تھے۔ انہوں نے اردو زبان کی بہت خدمت کی اور آخری وقت تک بڑی سرگرمی سے یہ خدمت انجام دیتے رہے اور اردو کی اشاعت و ترویج میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، اردو زبان و ادب پر ان کا ایک اور احسان یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا مشہور رسالہ "مخزن" جاری کیا جس نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی۔ اسی رسالے کی بدولت اردو دان طبقہ اقبال، اکبر الہ آبادی، ظفر علی خان، حسرت موہانی، داغ دہلوی، مرزا محمد ہادی اور عزیز لکھنوی جیسے شعراء سے روشناس ہوا۔ پھر مولانا شبلی، شرر، نذیر احمد اور حالی جیسی مشہور ہستیوں نے اس میں مضامین لکھے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج انسان تھے، ہر ضرورت مند کی بے لوث امداد کرتے اور ہر معاملے میں اللہ کی مصلحت پر بھروسا اور ایمان رکھتے تھے۔ وفات ۹ فروری ۱۹۵۰ء

۱۔۱۱۱ = افق خاور: مشرق کا کنارہ، مراد سرزمین ہند جو مشرقی علاقے کا ایک ملک ہے اور جس میں اس وقت ہندوؤں کی سازش کے نتیجے میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک تھا   بزم: مراد ملت اسلامیہ   شعلہ نوائی: مراد ایسا نغمہ سنانے کا عمل جو لوگوں کے دل گداز کر دے اور قوم میں عمل کی سرگرمی پیدا کر دے   سپند: ہرمل کا دانہ جو آگ پر ڈالنے سے چٹختا ہے جبکہ اس سے پہلے اس کی آواز اسی میں بند رہتی ہے   بساط: حیثیت، حقیقت
صیقل عشق: مراد وہ جلا (پالش) جو عشق رسول اکرمؐ سے دل میں پیدا ہوتی ہے
یوسف گم گشتہ: مراد وہ اسلاف و بزرگ جنہیں موجودہ نسل بھول چکی ہے   اس چمن: مراد برصغیر   آئین نمو: مراد جدوجہد سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا اصول / انداز   شبنم بے مایہ: مراد بے حقیقت یا حقیر و ناچیز قوم / ملت   رخت جاں: مراد جان و دل   بتکدۂ چیں: چین قدیم علوم میں مشہور ہے، مراد چینی تہذیب و تمدن اور روایات و خیالات، اسلام کے علاوہ ہر قسم کی تعلیم جو اس وقت ہند / بھارت میں رائج تھی

رخ سعدیٰ و سلمیٰ: عرب کی مشہور حسیناؤں کا چہرہ، مراد عربی تہذیب و تمدن کی خوبیاں/ اوصاف ناقۂ لیلیٰ بیکار رہوا: لیلیٰ کی اونٹنی کی اب ضرورت نہیں رہی، مراد لوگوں کا اونٹوں پر سفر کرنے کا سلسلہ ختم ہوا کیونکہ اب (۱۹۰۸ء میں) وہاں دمشق سے ریل آ گئی ہے قیس: مراد عاشقانِ خدا و رسولؐ آرزوئے نو سے شناسا کرنا: مراد مسلمانوں کو نئے خیالات اور ترقی کے جدید رجحانات سے باخبر کرنا جگر شیشہ و پیمانہ و مینا: یعنی محفل شراب پینے والوں (پوری محفل/قوم) کے دل سردیٔ مغرب: مراد یورپ کی بے کیف زندگی جس میں عشقِ رسول کا کوئی نام بھی نہیں لیتا داغ: مراد عشق کا زخم یا سوز جو دل میں ہوتا ہے، عشق رسول اکرمؐ وقفِ تماشا: رفاہ عام کے لئے منظر عام پر رکھ دینا تاکہ لوگ اس کے دیدار سے مستفیض ہوں اغیار: جمع غیر، اپنے علاوہ دوسرے لوگ

صقلیہ (جزیرہ سسلی)

۱-۳ بند= صقلیہ: اطالیہ/ اٹلی کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً دس ہزار مربع میل ہے اور آبادی (علامہ کے وقت میں) چالیس (۴۰) لاکھ تھی۔ عربوں نے ۸۲۷ء میں اسے فتح کر کے تقریباً ۱۹۳ سال حکومت کی اور اس مدت میں اسے ہر قسم کے علوم اور تہذیب و تمدن سے آراستہ کر دیا، لیکن علامہ نے اپنے اس سفر (یورپ سے واپسی) میں جب اسے دیکھا تو حالات بالکل بدل چکے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے اسے اپنی اس نظم میں "تہذیب حجازی کا مزار" سے تعبیر کیا ہے دیدۂ خونناب بار: خالص خون کے آنسو بہانے والی آنکھ/ آنکھیں تہذیب حجازی کا مزار: یعنی جہاں کبھی اسلامی تہذیب کا دور دورہ تھا صحرا نشین: مراد عرب بازی گاہ: کھیل کا میدان عصر کہن: پرانا دور/ زمانہ، اسلام سے پہلے کا زمانہ جاہلیت جہانِ تازہ کا پیغام: ایک نئی تہذیب و ثقافت یعنی اسلام کا پیغام مردہ عالم: یعنی بے حس اور ولولوں جذبوں سے عاری قوم شورشِ قم: قم کا ہنگامہ "اٹھ کھڑا ہو" حضرت عیسیٰؑ یہ کلمہ کہہ کر مردے کو زندہ کیا کرتے تھے، مراد ولولہ انگیز نعرے اور خود اعتمادی کا رجز زنجیرِ توہم: وہم پرستی کی بیڑی اس وقت لوگوں کے دل و دماغ توہم پرستی میں جکڑے ہوئے تھے غلغلہ: شور و غل، گونج سسلی: جزیرۂ سسلی جسے عرب صقلیہ کہتے ہیں خال: چہرے/ گال کا تل

رخسار: گال / سمندر بحر پیما: سمندری سفر کرنے والا سبک: ہلکا، مراد دلکشی کا باعث مدام: ہمیشہ حسن عالم سوز: جس کے مقابل دنیا جل کر خاک سیاہ معلوم ہو شیراز کا بلبل: مراد سعدی شیرازی فارسی کے مشہور شاعر اور "گلستان" اور "بوستان" کے مصنف داغ: اردو کا مشہور شاعر داغ دہلوی دولت غرناطہ: غرناطہ کی مسلم حکومت غرناطہ: ہسپانیہ کی ایک ریاست جو مسلمانوں کی عظمت ماضیہ کی آخری یادگار تھی اور جس کے فتح کئے جانے کے بعد مسلمان اس علاقے سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے تھے ابن بدروں: ایک مشہور عربی شاعر جس نے دولت غرناطہ کی تباہی پر مرثیہ کہا تھا۔ اصل شاعر کا صحیح نام ابن بدرون نہیں بلکہ ابو محمد عبدالمجید ابن عبدون الفہری ہے۔ ابن بدروں نے مرثیے کی شرح لکھی تھی۔ مرثیے کا عنوان تھا "البشامہ"، علامہ کو سہو ہوا ہے ایام سلف: گزرا ہوا زمانہ / دور

غزلیات

(۱)

۱-۳= رم: دوڑنا، چلنا محرم: واقف حال، رازداں زائران: جمع زائر، زیارت کرنے والے زمزم: مراد زمزم کا پانی جو سب حاجی کعبہ سے بطور تحفہ و تبرک لاتے ہیں، زمزم وہ چشمہ جو کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان اس وقت پیدا ہوا تھا جب حضرت اسماعیلؑ شیر خواری کے عالم میں پیاس سے بے چین ہو کر وہاں اپنی ایڑیاں رگڑنے لگے تھے اور ہاجرہؓ بی بی ادھر ادھر پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں

(۲)

۱-۶= خجستہ پے: مبارک قدم، باعث برکت سودائے بخیہ کاری: ادھڑے ہوئے ٹانکے کی جگہ دوسرے ٹانکے بھرنے کا جنون، مراد دنیاوی معاملات کی اصلاح کا جنون چرخ کہن: پرانا آسمان، آسمان عرب کا معمار: حضور اکرمؐ جنہوں نے گویا قصر اسلام کی بنیاد ڈالی حصار ملت: قوم کا قلعہ، مراد قوم اتحاد وطن: مراد وطن کی بنیاد پر قوم بننا یا کہلانا (یعنی مسلمانوں کے عقیدۂ توحید ایک ہونے سے ان کی قومیت ایک ہوتی ہے) امتیاز عقبیٰ: آخرت کا امتیاز / فرق مدیر مخزن: شیخ عبدالقادر جنہوں نے ۱۹۰۱ء میں اردو رسالہ مخزن جاری کیا تھا سر پیرہن: لباس کی پروا

(۳)

۱-۱۳= محشر اٹھنا: طوفان برپا ہونا صدف نشینی: سیپی میں بیٹھنا یا بیٹھے رہنے کی حالت (موتی سیپی میں بنتا ہے) سرو کنارِ جو: ندی کے کنارے اگا ہوا سرو کا درخت خوابیدہ: سوئی ہوئی، موجود نگار خانہ: نقش و نگار سے سجی ہوئی جگہ، مراد وطن طلسم ہوس: حرص اور لالچ کا جادو سبو: پیالہ، پیالی، پھول پیالی کی صورت میں ہوتا ہے ریاضِ ہستی: وجود کا باغ عیب جو: نقص اور برائی تلاش کرنے والا سپاس: شکر گزاری تقلید: دوسروں کی پیروی کرنا یارا: طاقت محزوں: غمگین کمالِ وحدت: کل کائنات کے ایک مستقل وحدت ہونے اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہ ہونے کی صورت حال، وحدت الوجود جو تصوف کا مسئلہ ہے

(۴)

۱-۸= عیاں: ظاہر ہویدا: ظاہر پستی: بلندی کی ضد، خاکساری افتادگی: گرے ہونا، مراد سکون گریباں گیر: گریبان پکڑنے والی، مراد مجرم قرار دے کر پوچھ گچھا بازپرس کرنے والی ذوقِ تکلم: کلام کرنے کا ذوق، مراد شعر میں مضمون ادا کرنے کا انداز / اسلوب استعارہ: مراد مجاز کا کوئی بھی پہلو چاہے وہ استعارہ ہو یا کنایہ یا مجاز مرسل جنس: سودا، سرمایہ، دولت و مال وغیرہ خسارہ: گھاٹا، نقصان "لن ترانی": حضرت موسیٰؑ کے واقعہ طور کی طرف اشارہ ہے، جہاں ان کے خدا سے جلوہ دکھانے کی آرزو پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا تھا کہ تو نہیں دیکھ سکتا یا نہیں دیکھ سکے گا۔ ان کے تقاضے پر تجلی کی صورت میں جلوہ نمایاں ہوا تھا جسے دیکھ کر موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے تھے

(۵)

۱-۵= افسردگی: بجھنے کی کیفیت، رنجیدگی آسودگی: آرام و سکون، دل کا اطمینان ماہ سیما: چاند کی سی پیشانی والا / والی، حسین، حسینہ خاک: مٹی کی شے، انسان

(۶)

۱-۱۰= طوف: طواف، کسی چیز کے ارد گرد چکر لگانے کا عمل کلیم: حضرت موسیٰؑ، کلیم اللہ تمنّائے ناتمام: مراد ایسی کوشش جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو غرض: مقصد خرقہ پوش: گدڑی پہننے والا، درویش راہ گرد: قابوشہ: ناواقف ہونا گھر پھونک کے: گھر کو دوست رکھے ہرے رہو: خدا تمہیں سرسبز و شاداب رکھے ماذنی:

(MAZZINI) اٹلی کا مشہور محبِ وطن جس نے جمہوریت کے سلسلے میں عمر بھر سختیاں جھیلیں اور آخر کار جیل ہی میں مر گیا   پیر: بوڑھے کو بھی کہتے ہیں   دیر: بت خانہ، گرجا

مارچ ۱۹۰۷ء

۱-۱۷= آشکار ہونا: ظاہر ہونا   آوارۂ جنوں: مراد شہروں اور قصبوں کی غیر مسلم اکثریت کا ماحول تبلیغِ حق کے بے حد شوق و جذبہ کی راہ میں حائل ہونے کے باعث دور دراز علاقوں میں تصوف کا لبادہ اوڑھ کر گھومنے پھرنے والے فقرا، درویش   بستیوں میں: مراد شہروں اور قصبوں کے میدانِ عمل میں   مے خانہ: مراد شرابِ اسلام، یعنی علومِ اسلامیہ کا مدرسہ   بادہ خوار: مراد اسلام کے فیض کے چشموں سے مستفیض ہونے والا   برہنہ پائی: ننگے پاؤں ہونے کی حالت، مراد مشقت کے ساتھ دوڑ دھوپ اور جدوجہد کرنا   خارزار: کانٹوں سے بھرا ہوا میدان، مراد جدوجہد اور مشقت کا محاذ   بے حجابی: بے پردہ ہو جانا، مراد دل کی بات صاف صاف بلا خوف اور کسی جھجک کے بغیر کہنا، کوئی لگی لپٹی نہ رکھنا اور اپنے خیالات کا اظہار آزادانہ کر دینا   پردہ دار: پردے میں رکھنے والا   عام دیدارِ یار ہوگا: مراد اصولِ اسلام کو جو اب تک چھپ چھپ کر اور دب دب کر بیان کیے جاتے تھے، کھلم کھلا/علی الاعلان بیان کیا جائے گا   ساقی: مراد علما اور واعظین جو اب تک چھپ چھپ کر شرابِ اسلام پلاتے تھے (اسلام کی تبلیغ کرتے تھے)، علامہ انہیں آزادی کا احساس دلا کر علانیہ تبلیغِ اسلام کی ترغیب دے رہے ہیں   گوشِ منتظر: انتظار کرنے والا کان، وہ کان جو پیامِ اسلام سننے کے انتظار میں تھا   حجاز کی خامشی: مراد اسلام کی زبانِ حال   عہد باندھا جانا: مراد رحمت کے نزول کا قول و قرار ہونے کی طرف اشارہ ہے جو قبولِ اسلام کے موقع پر عربوں سے کیا گیا تھا   استوار: محکم، مضبوط، پختہ، مراد اسی طرح عمل کی قوتیں پھر بیدار ہو جائیں گی تو پھر وہی رحمتیں مسلمانوں پر نازل ہوں گی   روما: روم کی مشرقی سلطنت قسطنطنیہ   شیر: مراد اس دور کا بہادر مجاہد   پیرِ میخانہ: مراد مسلمانوں کے جلسہ میں شریک ہونے والی جماعت کے بزرگ، ملت کے بزرگ   منہ پھٹ: جس کے منہ کو لگام نہ ہو، مراد کھری کھری باتیں کہنے والا   خوار: رسوا، ذلیل   دیارِ مغرب: یورپ   زرِ کم عیار: وہ سونا جو کسوٹی پر پرکھے جانے کے وقت کھوٹا نکلے، اشارہ ہے یورپی تہذیب و تمدن کی

طرف مور ناتواں: کمزور چیونٹی، مراد مسلمان قوم جو بظاہر کمزور ہے سفینہ برگ گل: پھول کی پتی کی کشتی، مراد بچاؤ کا معمولی سازو سامان جو میسر ہو کشاکش: کھینچا تانی لالہ: مشہور پھول، مراد قوم کا واعظ جو اپنے دل میں قوم کی محبت کا داغ ہونے کا مدعی ہے دل جلا: جس کا دل درد و غم کی آگ نے جلا دیا ہو، دل پر صدموں کے داغ رکھنے والا دکھاوا: نمائشی بات، ریاکاری ہزار کر کے دکھانا: کم تعداد کو بڑھا کر ہزار بنا دینا، مراد یہ کہ اسلام ایک مذہب ہے اس کے سینکڑوں فرقے بنا دیے گئے قمری: فاختہ کی قسم کا ایک طوق دار پرندہ جو شمشاد کے درخت پر بیٹھ کر خوش ہوتا ہے، شعرا اسے عموماً سرو کا عاشق کہتے ہیں اور سبزہ کو آزاد کہا جاتا ہے، یہاں مراد ہے قوم کے باغ کا ایک رفیق / ساتھی پا بگل: کیچڑ میں پھنسا ہوا، مراد انگریز حکومت کا غلام جنبش نظر: ادھر سے اُدھر دیکھنا، تیور بدلنا جو سیاسی دنیا میں جرم کے برابر ہے بزم فنا: فانی دنیا ظلمت شب: رات کی تاریکی، مراد ناسوافق حالات شرر فشاں: چنگاریاں اڑانے والی، مراد دلوں میں اسلام کا سوز و جذبہ پیدا کرنے والی آہ: مراد پُردرد اشعار شعلہ بار: آگ بھڑکانے والا، جذبات کو ابھارنے والا نفس: مراد پرسوز کلام مدعا: مقصد غیر از: کے علاوہ کیفیت: مراد بیخودی اور محویت کی حالت سر راہ گذار: راستے کے کنارے پر، لوگوں کے راستے میں

حصہ سوم

بلاد اسلامیہ (اسلامی ممالک)

بلاد: جمع بلد، شہر، ممالک

بند ۱-۵ = دلی: دہلی، کبھی مسلمان حکمرانوں کا پایہ تخت ہوا کرتا تھا، آج کل بھارت کا مرکز حکومت ہے مسجود: جسے سجدہ کیا جائے اسلاف: جمع سلف، ماضی کی بڑی شخصیات، پرانے دور کے بزرگ آبا و اجداد جنہوں نے دہلی کو فتح کیا تھا، یا جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جسے انگریز غدر کا نام دیتے ہیں) میں انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہوئے خیر الامم: (امم جمع امت) امت مسلمہ جسے قرآن پاک میں تمام سابق امتوں سے بہتر کہا گیا ہے نظم: تنظیم، اصلاح مدار: انحصار گرمی محفل: محفل کی رونق، ملت کی رونق، مسلمانوں کی حکومت وغیرہ حاصل: باغ یا کھیتی یا کسی بھی کام کا ثمرہ جہاں

آباد: دلی کا پرانا نام بغداد: عراق کا مشہور شہر جو دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری میں عباسیوں کا دارالسلطنت تھا اور دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے کرامت: عظمت ہمدوش ارم: بہشت کی ہمسر جانشینان پیمبرؐ: حضور اکرمؐ کے جانشین، سلاطین بنی عباس جو خلافتِ حضور اکرمؐ کے مدعی تھے چمن ساماں: باغ کی طرح پر بہار قرطبہ: ہسپانیہ (سپین) کا ایک مشہور شہر جہاں دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے (پہلے ذکر ہو چکا ہے) ملت بیضا: روشن ملت، ملت اسلامیہ فروزاں: روشن تہذیب حاضر: دور حاضر کا تمدن، رسم و رواج اور ثقافت وغیرہ تاکِ گلشن یورپ کی رگ: مراد مغربی/ یورپی ملکوں کے تمام علوم و فنون کی حیات نے (جو قرطبہ کے مسلمان علما و حکما کا صدقہ جاریہ ہے) تاک: انگور کی بیل قسطنطنیہ: جو آج کل استنبول کہلاتا ہے، ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد خان فاتح (ترک) نے اسے فتح کیا اور ۱۹۲۳ء تک یہ ترکی کا پایہ تخت اور مسلمانوں کا سیاسی مرکز رہا قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب، اصلی معنی وہ بچہ جس کی ماں مر جائے اور اس (ماں) کا پیٹ چاک کر کے اس (بچے کو) نکالا جائے، روم کا ایک بادشاہ اسی طرح پیدا ہوا تھا، اس کے بعد وہاں کے ہر بادشاہ کا یہی لقب ہو گیا، یہاں مراد سلطان قسطنطین ہے جو چوتھی صدی عیسوی میں فوت ہوا اور جس نے قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی تھی سطوت: شان و شوکت، عظمت مہدی امت: قوم کا مہدی، مراد سلطان محمد جس نے قسطنطنیہ فتح کیا تھا اور "فاتح" کے لقب سے ملقب ہوا شہ لولاک حضور اکرمؐ: حدیث قدسی ہے کہ (اے محبوبؐ!) اگر تو نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا ایوب انصاری: خالد نام، ابو ایوب کنیت، مدینے کے ان منتخب بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں رسول کریمؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، جب حضور اکرم قریش کے ظلم و ستم کے باعث ماہ ربیع الاول میں نبوت کے تیرھویں سال مدینہ کو ہجرت کر گئے، جہاں آپ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر اترے، یوں حضور کی میزبانی کا شرف سب سے پہلے انہیں نصیب ہوا۔ ۵۲ھ (۶۷۰ء) میں روم پر فوج کشی میں وہ بھی شامل ہوئے۔ اس سفر میں وہاں عام وبا پھیلی جس سے بہت سے مجاہدین اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت ایوبؓ بھی اسی وبا میں فوت ہوئے اور قسطنطنیہ میں دفن کیے گئے حج اکبر: شریعت کے مطابق محض حج جو عمرہ کے مقابلے میں بڑا ہوتا ہے، عوام کی نظر میں جمعہ کے روز واقع ہونے والا حج مسجد

جم: قدیم ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کا تخت، مراد ایران کی حکومت ماویٰ: پناہ کی جگہ، ٹھکانا نقطۂ جاذب: اپنی طرف کھینچنے والا نقطہ/ مرکز تاثر: اثر لینے کی کیفیت، جذبۂ عشق

ستارہ

۱-۲ بند= مآلِ حسن: خوبصورتی کا انجام متاعِ نور: روشنی کا سرمایہ ہراس: خوف، ڈر اُڑھائی: پیشانی اوج: بلندی وداعِ غنچہ: کلی کا رخصت ہونا، کھل جانا آفرینشِ گل: پھول کی پیدائش، پھول کھلنا عدم: نیستی، فنا، وجود/ ہستی کی ضد ثبات: قرار، برقرار رہنے کا عمل تغیر: تبدیلی، انقلاب

دو ستارے

۱-۲ بند= قِران: دو ستاروں کا ایک برج میں جمع ہو جانے کا عمل مدام: ہمیشہ کا وصل: ملاقات، میل ملاپ سراپا: پورے طور پر

گورستانِ شاہی (شاہی قبرستان)

۱-۱۲ بند= خرقۂ دیرینہ: پرانی گودڑی مکدر: میلا، دھندلا جھلکی: جلی جلی صبح صادق: نور کا تڑکا جب رات کی تاریکی کے بعد سورج سے روشنی پھیلنے لگتی ہے اشجار: جمع شجر، درخت بربط: ایک قسم کا باجا جس کی شکل بطخ کے سینے سے ملتی جلتی ہے جولاں گاہِ عالمگیر: مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا گھوڑا دوڑانے کا میدان، عالمگیر نے گولکنڈہ کے مشہور تاریخی قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ۱۶۸۷ء میں جنگ کی تھی، یہ شہر حیدرآباد دکن سے سات میل کے فاصلے پر مغرب کی جانب واقع ہے، کبھی یہ بڑا شاندار شہر تھا، یہاں پہاڑی پر ایک بڑا مضبوط قلعہ ہے جسے اس دور میں تسخیر کرنا ناممکن تھا، اس شہر کا آخری حکمران ابوالحسن تھا جس نے مرہٹوں سے ساز باز کر کے قوم سے غداری کرنے کو اپنا شعار بنا لیا تھا، اسی بنا پر عالمگیر نے اس پر چڑھائی کی اور قلعہ فتح کر کے غدار حکومت کا

خاتمہ کر دیا حصار: قلعہ بار: بوجھ معمور: آباد، بھرا ہوا، پُر سنسان: اجاڑ، غیر آباد سکانِ کہن: پرانے باشندے (سکان جمع ساکن، رہنے والے) دل دادہ: فریفتہ، عاشق ایستادہ: ایستادہ، کھڑا ہے روزن: روشندان، سوراخ ناظر: دیکھنے والا/ والی سبز فام: ہرے رنگ کا خاک بازی: مٹی سے کھیلنا، گرد اڑانے کا عمل، یعنی معمولی اور حقیر بات ازبر: یاد، حفظ رنگ و آب: سجاوٹ کا سامان رونق خوں گشتہ: جن کا خون بہ چکا ہے، جو مر چکی ہیں حسرت افزا: حسرت اور افسوس بڑھانے والی اشکِ گلگوں: سرخ رنگ یعنی خون کے آنسو جو بے حد دکھ درد کا نتیجہ ہیں خراج: مالیہ، ٹیکس جو حکومت وصول کرتی ہے، (آنسو بہا) گردوں پایہ: آسمان کے سے بلند مرتبہ/ مقام والی برگشتہ قسمت: مراد بد قسمت ہونا حذر: بچنے یا ڈرنے کی کیفیت مضطرب: بے چین، بیقرار ناصبور: بے صبر ظلمت: تاریکی آفتاب: مراد سلاطین جو قبروں میں دفن ہیں جبیں گستر: ماتھا رکھے ہوئے مآل: انجام تدبیر جہاں بانی: حکومت کرنے/ حکمرانی کے انداز کا منصوبہ/ کوشش رعبِ فغفوری: مراد سلطانی دبدبہ (فغفور چین کے ایک بادشاہ کا لقب جسے اس کی ماں نے بت کی نذر کر دیا تھا بعد میں چین کے ہر بادشاہ کا یہی لقب رہا) غنیم: دشمن یورش: حملہ کشت: کھیتی حاصل: پیداوار، ثمرہ عود: ایک قسم کا باجا نالۂ شبگیر: رات کے وقت بلند ہونے والی آہ و فریاد عرصۂ پیکار: میدان جنگ جانِ رفتہ: گئی ہوئی جان، جو جان نکل چکی ہو زحمت کش بیداد: ظلم کی تکلیف اٹھانے والی کوچہ گردِ نے: بانسری کے تنگ راستے سے گزرنے والا مرغِ خوش نوا: دلنشیں نغمہ الاپنے/ چہچہانے والا پرندہ ریاضِ دہر: زمانے کا باغ ناپیدا کنار: جس کا کوئی ساحل/ کنارہ نہ ہو، بیحد وسیع صورت گرِ ہستی: موجودات کی صورتیں بنانے والا، خالقِ کائنات اعجاز: معجزہ، جسے انسان کرنے سے عاجز ہوں سیمابی قبا: سفید لباس چرخِ بے انجم: ستاروں کے بغیر آسمان، جب دن کو ستارے نہ ہوں اقوام: جمع قوم، قومیں بے اعتبار: جس پر بھروسہ نہ کیا جا سکے زیاں خانہ: نقصان کا گھر، ایسی جگہ جہاں قوتِ عمل سے کام نہ لیا جائے تو سب فطری قوتیں نقصان پذیر ہو جاتی ہیں گردوں وقار: آسمان کی بلندی جیسا یعنی بلند مقام رکھنے والی خوگر: عادی ذوقِ جدت: کسی کی پیروی کرنے کی بجائے

اپنی طرف سے نئی بات پیدا کرنے کا ذوق شوق **مادرِ گیتی**: زمانے کی ماں، زمین کی ماں **آبستن**: حاملہ، بچہ جننے والی **کوہِ نور**: ایک مشہور ہیرا جو تقریباً 9 درم وزن کا ہے اور جو آج کل برطانیہ کی ملکہ کے تاج میں لگا ہوا ہے **بابل**: چار ہزار سال قبل مسیحؑ عراق کا دارالحکومت تھا، اس کی شہر پناہ ۶۰ میل لمبی تھی اور اس میں اڑھائی سو دروازے تھے، ایک انقلاب نے اس شہر کو تہس نہس کر دیا **گہوارہ**: پنگھوڑا، جھولا **صنوبر**: ایک قسم کا سرو جس پر خزاں اور بہار کا اثر نہیں ہوتا، اسے محبوب کے قد سے بھی تشبیہ دیتے ہیں **کاشانہ**: محل، قصر **عزلت خانہ**: گوشۂ تنہائی **مطرب**: گانے والا/ والی **خامہ**: قلم **گلستان زادہ**: باغ کے پیدا کئے ہوئے، مراد درخت اور پودے وغیرہ **شبان زادہ**: چرواہے کا بیٹا، یعنی اس کی اولاد **مستور**: چھپی ہوئی **طفلِ خفتہ**: سویا ہوا بچہ **نشاط آباد**: مسرتوں سے بسی ہوئی بستی، دنیا **صدہا گہر**: مراد سینکڑوں باہمت مسلمان جو اب ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے **برق**: بجلی مراد جوش و ولولہ **ابرِ آذاری**: بہار کے مہینے کا بادل، مسلمانوں کی فتوحات اور فیض رسانی اور پھر ایک جنرل کو بہار میں برسنے اور چلے جانے والے بادل سے تشبیہ دی ہے

نمودِ صبح

دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار: رات اور دن کی اچھوتی اور کنواری بیٹی، چونکہ رات اور دن کے ملنے سے صبح پیدا ہوتی ہے اس لئے اسے لیل و نہار کی دختر کہا اور لیل و نہار کو والدین فرض کیا ہے **درودِ فصلِ انجم**: ستاروں کی فصل کی کٹائی، ستارے دانے سے ملتے جلتے ہیں اس لئے انہیں فصل سے تشبیہ دی ہے **کشتِ خاور**: مشرق کی کھیتی، مراد مشرق **آئینہ کار**: آئینے کا کام کرنے والا، مراد آئینے کی طرح روشن **آمدِ خورشید**: سورج کا آنا، طلوع ہونا **محمل**: اونٹ کا کجاوہ **دہقانِ گردوں**: آسمان کا کسان، آسمان کو کسان سے تشبیہ دی ہے جس نے ستاروں کی چنگاریوں کے دانے اپنے کھیت میں بوئے تھے **عابدِ شب زندہ دار**: یعنی رات بھر عبادت کے لئے جاگنے والا **سماں**: نظارہ، منظر **تیغِ آبدار**: چمکتی ہوئی تلوار **مطلعِ خورشید**: خورشید/سورج کے طلوع ہونے کی جگہ، مضمون کے حوالے سے مطلع کا مطلب ہے غزل کا پہلا شعر **مضمر**: پوشیدہ، چھپا ہوا **اختلاط انگیز**: ملاپ بڑھانے والی، پیدا کرنے والی ۱۹ء

ناقوس: سنکھ جو بت خانوں میں بجایا جاتا ہے ہم کنار: بغل گیر، ساتھ ملے ہوئے
نغمہ ریز: نغمے الاپنے والے، چہچہانے والے ترنم ریز: گانے والا، گنگنانے والا
قانون: باجا

تضمین بر شعر انیسی شاملو

= انیسی شاملو: ایک ترکی الاصل شاعر جو ایران میں پیدا ہوا تھا، پورا نام میرزا یولی قلی بیگ تھا، جوانی میں دوسرے ایرانی شعرا کی طرح ہندوستان آیا اور شاعر نظیری کے توسط سے عبدالرحیم خان خاناں والی گجرات کے ہاں ملازم ہو گیا۔ خان خاناں نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی اور قصۂ محمود و ایاز نظم کرنے پر مامور کیا، چنانچہ اس نے اس کا آغاز کیا لیکن موت نے مکمل نہ ہونے دیا ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء میں بمقام برہان پور فوت ہوا۔

=۹-۱ خوشتر: زیادہ اچھا/اچھی جادہ پیمائی: راستہ چلنے کا عمل، چلتے رہنا پیر سنجر: (صحیح سجزی، سنجر نہیں ہے)، مشہور صوفی بزرگ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ جن کا مزار اجمیر (بھارت) میں اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے سجزستان/سیستان کے رہنے والے تھے۔ ۵۶۲ھ/۱۱۶۷ء میں اجمیر تشریف لائے۔ یہاں پورے ستر سال مقیم رہ کر انہوں نے اور ان کے خلفا نے ہند میں دور دور تک ایسی اور اتنی تبلیغ فرمائی کہ ہر جگہ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ بہت سے لوگ انہیں "وارث النبیؐ فی الہند" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء میں فوت ہوئے منت پذیر: احسان مند تاب گوئی: بولنے کی قوت مرقد: مزار تارک: ترک کرنے/چھوڑنے والا قیس: لیلیٰ کے عاشق مجنوں کا نام ہے، ہر عاشق جو محبوب کی محبت میں دیوانہ ہو انداز لیلائی: معشوقانہ ناز و ادا، حسن کی دلکشی لیلیٰ: مراد اسلام زمین شور: نمک ملی ہوئی مٹی کی زمین، بنجر زمین، یعنی بے حس دل۔ نازائی: بانجھ پن، پیدا کرنے کی اہلیت نہ ہونے کی صورت حال۔ نغمہ کشی ساز: یہودیوں یا غیر مسلموں کا باجا، مراد غیر مسلموں سے ملتے جلتے اعمال نواہائے کلیسائی: عیسائیوں کے گرجے کی آوازیں، یعنی عیسائیوں کے سے اعمال و افعال اور نقل و حرکت وغیرہ دل شوریدہ: دیوانہ/سودائی دل وفا آموختی: تو نے وفاداری ہم سے سیکھی لیکن اسے دوسروں (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے لیے صرف کیا یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے تم نے ہم سے ایک موتی لیا اور

غیروں پر نچھاور کر دیا۔

فلسفۂ غم

۱-۶ بند= کیفِ عشرت: مسرت وشادمانی/عیش کا لطف ونشہ سحاب: بادل حباب زندگی: زندگی کا بلبلہ جو ناپائیدار ہوتا ہے "الم": قرآن کریم کی پہلی صورت، جس کی شکل الم یعنی غم سے ملتی جلتی ہے، اسی بنا پر کتاب زندگی کے آغاز کو بطور ایہام "الم" سے تعبیر کیا ہے خزاں نادیدہ: جس نے موسم خزاں نہ دیکھا ہو دیدۂ بینا: بصیرت رکھنے والی نگاہ غازہ: سرخی، منہ پر سرخی پیدا کرنے کے لئے ملنے کا خوشبودار برادہ شہپر: پرندے کا سب سے بڑا بازو، وہ دونوں بازو جس سے پرندہ اڑتا ہے انکشافِ راز: بھید کا کھلنا، ظاہر ہونا، راز کی تشریح سرودِ بربطِ ہستی: زندگی کے باجے کی دل کش آواز جلوہ پیرا: جلوہ گر کوکب: ستارہ، ستارے کلفتِ غم: غم کی تکلیف، اذیت مستور: چھپا ہوا نظمِ دہر: زمانے کا بندوبست/ انتظام ادراک: شعور، علم افتاد: گرنے کا عمل جوئے سیماب رواں: پارے کی طرح سفید/ چمکتی ہوئی رواں ندی تارِ سیم: چاندی کا تار آفات: جمع آفت، مصیبتیں، آفتیں محصور: گھری ہوئی رزم گاہ: میدان جنگ خضرِ ہمت: ہمت کا خضر، بلند ارادے کا خضر، ہمت کو خضر سے تشبیہ دی ہے جو مشکلوں میں انسان کی رہبر ہوتی ہے ظلمات: جمع ظلمت، تاریکیاں

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

۱-۷= مستِ ناز: محبوب جو اپنے ناز وادا میں محو/ مگن ہے زہے نصیب: کیا اچھی قسمت ہے کنول: سفید رنگ کا پھول جو پانی میں پھوٹتا ہے اور اس کی لمبی لمبی پنکھڑیاں تشتری کی صورت میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، نیلوفر تصدق: قربان فسردہ: افسردہ، رنجیدہ، فکرمند گلِ آفتاب: سورج کا پھول یعنی سورج شگفتہ: کھلا ہوا، کھلتا، خوش ہوتا

ترانۂ ملی

۱-۱۱= پہلا وہ گھر......: خانہ کعبہ، جسے دنیا کے ہر گھر سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا

خنجر ہلال کا: ہلال (پہلی رات کا چاند جو تلوار کی طرح خمدار ہوتا ہے) کا خنجر، ہلال ہمارے پرچم پر بنا ہوتا ہے اور ہمارے جہاد کی طرف اشارہ کرتا ہے **سیلِ رواں ہمارا:** طوفان کی طرح بڑھتا ہوا ہمارا لشکر **اندلس:** ہسپانیہ، اسپین جسے پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے فتح کیا اور ایک مدت تک یہاں بڑی عظمت و شوکت سے حکومت کرتے رہے **دجلہ:** دریائے دجلہ، جس کے کنارے عراق کا شہر بغداد آباد ہے اور جو دورِ عباسیہ میں دارالحکومت اور بہت ترقی پر تھا **ارضِ پاک:** پاک سرزمین، حجاز کی سرزمین جہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (حرمین شریفین) واقع ہیں **میرِ حجاز:** حضور اکرمؐ **جادہ پیما:** یعنی سرگرمِ عمل

وطنیت

۱-۳ بند= **جم:** جمشید، مشہور قدیم ایرانی بادشاہ جو بہت شراب پیتا تھا اور انگور کی شراب کا جو موجد تھا **ساقی:** شراب پلانے والا، مراد اربابِ حکومت جو اپنی پالیسی کے تحت سیاست کی شراب سے لوگوں کو سرشار کر رہے ہیں **لطف:** مہربانی، عنایت **حرم:** مراد مسلک **تہذیب کا آزر:** تہذیب کا بت تراشنے والا، یعنی موجودہ تہذیب (جو یورپی تہذیب سے متاثر ہے) جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے (بانگِ درا، مطبوعہ ۱۹۳۹ء میں "آذر" لکھا ہے جو غلط ہے، کیونکہ اس کے معنی آگ کے ہیں) آزر: حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا مشہور بت تراش، بت تراشنے والا **تراشیدہ:** تراشا ہوا، گھڑا ہوا **تہذیبِ نوی:** جدید/موجودہ تہذیب **مصطفویؐ:** حضور اکرم مصطفیٰؐ سے نسبت رکھنے والا **نظارۂ دیرینہ:** پرانا نظارہ، اسلام کا عظیم ماضی **قیدِ مقامی:** کسی خاص مقام سے وابستہ ہو جانے کی پابندی، کسی وطن کی تخصیص **ترکِ وطن:** اپنی جائے رہائش/شہر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسنے کا عمل، ہجرت **رقابت:** باہمی دشمنی، باہمی کینہ **تسخیر:** تابع کرنا، فرماں بردار بنانا، ملک فتح کرنا۔

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

۱-۹= **دشنۂ رہزن:** راہ مار/لٹیرے کا خنجر، راستے میں لوٹنے والے ڈاکو کا خنجر **بیدل:** غمزدہ **زہراب:** زہر میں ملا ہوا پانی **بیباکانہ:** بے خوف ہو کر **دشت پیمائے حجاز:** حجاز

کے جنگل/صحرا کا راستہ طے کرنے والا **مدفون یثرب:** مراد حضور اکرمؐ کی نعش پاک جو مدینہ منورہ میں مدفون ہے **محمل شامی:** وہ محمل جو غلاف کعبہ کے ساتھ ہر سال حج کے موقع پر ملک شام سے حجاز بھیجا جاتا تھا **جاں کاہی:** قدم قدم پر جان نکلنے کی کیفیت جو خوف کی وجہ سے پیش آتی ہے **تاثر:** اثر لینے کی کیفیت، جذبہ عشق **زیاں اندیش:** نقصان کا سوچنے والی، انسان کو منزل محبوب کی راہ میں جان دینے سے روکنے والی

قطعہ

۱-۴= **شوریدہ:** حیران و پریشان، دیوانہ، سودائی **خواب گاہ:** سونے کی جگہ، مراد روضۂ مبارک **بنائے ملت:** قوم کی بنیاد، ایک قوم ہونے کی بنیاد **زائران:** جمع زائر، زیارت کرنے والے **حریم مغرب:** مراد وہ مسجد جو حکومت فرانس نے مسلمانوں کو مائل کرنے کے لئے پیرس میں بنوائی اور جس کی تعمیر میں خلوص کو دخل نہیں **واسطہ:** تعلق، سروکار **مرشدانِ خود بیں:** مغرور و متکبر راہنما/لیڈر

شکوہ

۱-۵ بند= **زیاں کار:** وہ آدمی جو خود اپنے نقصان کا کام کرے **سود فراموش:** مراد فائدے کو نظر انداز کرنے والا **دوش:** گزری ہوئی رات **ہمہ تن گوش:** سننے میں پوری طرح محو، کان لگا کر سننے والا **جرأت آموز:** دلیری سکھانے والی **تابِ سخن:** بات کرنے کی طاقت، شعر و سخن کی صلاحیت **خاکم بدہن:** میرے منہ میں خاک (کسی بزرگ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کا لفظ ادا کرتے وقت بولا جاتا ہے) **شیوۂ تسلیم:** دوست کی رضا پر راضی رہنے کی عادت و کیفیت **معمور:** آباد، بھرا ہوا، پُر **معذور:** مجبور ہونے کے باعث قابل معافی **خوگرِ حمد:** خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے کا عادی **شمیم:** خوشبو، مہک **پریشاں:** بکھری ہوئی **صاحبِ الطاف عمیم:** جس کی مہربانی کسی سے خاص نہ ہو اور ہر شخص کے لئے عام ہو (الطاف جمع لطف، مہربانیاں) **جمعیتِ خاطر:** دل کے اطمینان کا باعث **مسجود:** جسے سجدہ کیا جائے **معبود:** جس کی عبادت کی جائے **پیکرِ محسوس:** مادی جسم جو نظر آئے **سلجوق:** ترکوں کے ایک مشہور قبیلے کا نام **تورانی:** توران کے رہنے والے سلجوقی اور تورانی جو اسلام سے

قبل وسیع علاقے پر حکمران تھے ساسانی: ایران کے مشہور قبیلے/ خاندان ساسان کے لوگ جنہوں نے ایران پر حکومت کی معمورہ: دنیا

۶-۱۱ بند= معرکہ آرا: مراد جہاد کرنے والا/ والے یورپ: یعنی مغربی ممالک پر مشتمل براعظم کلیسا: گرجا، عیسائیوں کا عبادت خانہ جہاندار: بادشاہ، حکمران کلمہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تیغ زنی: تلوار چلانا سر بکف: سر ہتھیلی میں لئے، مارنے مرنے پر تیار اڑ جانا: پاؤں جما کر لوہے کی دیوار کی طرح جم جانا ٹلنا: میدان چھوڑ جانا، بھاگ جانا در خیبر: اسلام کے آغاز میں مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر یہودیوں کا ایک مضبوط و مستحکم قلعہ جس میں یہودی قلعہ بند تھے اور حضور اکرمؐ نے اس کا محاصرہ فرمایا تھا۔ اس قلعے کا مضبوط دروازہ حضرت علیؓ نے اکھاڑ کر لشکر اسلام کو اس کے اندر جانے کی راہ نکالی تھی شہر قیصر کا: قسطنطنیہ جو قیصر کا پایہ تخت تھا سر کرنا: فتح کرنا مخلوق خداوند: ایسی مخلوق جو خدا سمجھی جاتی تھی، یعنی بت آتش کدۂ ایران: ایران کے آتش خانے جہاں وہاں کے مجوسی آگ کی پوجا کرتے تھے شمشیر جہانگیر: دنیا کو فتح کرنے والی تلوار "ھو اللہ احد": وہ اللہ ایک ہے، خدا واحد ہے، توحید کی بات زمین بوس: زمین کو چومنے والی یعنی سجدہ کرنے والی قوم حجاز: ملت اسلامی، اسلامی لشکر محمود: محمود غزنوی، مراد آقا، بادشاہ ایاز: جو محمود غزنوی کا غلام تھا، مراد غلام بندہ: غلام بندہ نواز: غلاموں، خادموں پر مہربانی کرنے والا، آقا صاحب: مالک، آقا غنی: دولتمند، امیر

۱۲-۱۷ بند= محفل کون و مکاں: یہ دنیا بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانا: اشارہ ہے عقبہ بن نافع کے واقعہ کی طرف، اس نے مراکش فتح کرنے کے بعد یہ کہہ کر اپنے گھوڑے سمیت سمندر میں چھلانگ لگادی تھی کہ الٰہی کیا کروں تیری زمین ختم ہوگئی، ورنہ میں یونہی فتح کرتا آگے بڑھتا رہتا عجز: عاجزی، انکسار مے پندار: غرور اور گھمنڈ کی شراب اغیار: جمع غیر، مراد دوسری قومیں برق گرنا: بجلی کا بادلوں میں کڑک کر زمین پر گرنا اور جس پر گرے اسے جلا دے "مسلماں گئے": یعنی زوال کا شکار ہوکر مصیبت میں پھنس گئے حدی خواں: وہ ساربان جو قافلے میں اونٹوں کے سامنے خاص لہجے میں خاص شعر پڑھتے ہیں جس سے اونٹ مست ہوکر تیز چلنے لگتے ہیں، مراد قوم کو ابھارنے والے اشعار کہنے والا/ والے خندہ زن: ہنسی اڑانے والا پاس: لحاظ، خیال

حور و قصور: مراد دنیا کی حسین عورتیں اور شاندار بنگلے/محل جو اس وقت ہند کی غیر مسلم قوموں کے پاس تھے جبکہ مسلمان اپنی بے عملی کے باعث ان سے محروم تھے (قصور جمع قصر/محل، بنگلے) الطاف: جمع لطف، مہربانیاں مدارات: خاطرداری سیلی زدۂ موج سراب: جسے ریت کی لہریں اُلٹے ہوئے پانی کی طرح تھپیڑے لگائیں (سراب: وہ ریت جو سورج کی چمک میں دور سے بہتا ہوا پانی معلوم ہو اور جب کوئی پیاسا اسے پانی سمجھ کر آگے بڑھے تو مایوس ہو جائے)۔ سینۂ صحرا سے حباب اٹھنا: بیاباں کی ریت سے چشمے اُبل پڑنا، یعنی ناممکن کام کا ہو جانا عوض: بدلہ

۱۸-۲۲ بند= صلے لے بھی گئے: محبت کا یہ صلہ پا کر زندۂ جاوید ہو گئے وعدۂ فردا: مراد قیامت کا وعدہ درد لیلیٰ بھی وہی..... جادو بھی وہی: اس بند میں "درد لیلیٰ" سے مراد محبوب حقیقی کی یاد، "قیس کے پہلو" سے مراد عاشقانِ الٰہی "نجد کے صحراؤں میں رم آہو" سے مراد خدا کے عاشقوں کی صحرا نوردی، "عشق" سے مراد مردِ مومن اور "حسن کے جادو" سے مراد اسلام کی دل کشی ہے آزردگی غیر سبب: بلا وجہ کی ناراضی، خفگی آشفتہ سری: عشق کی دیوانگی سلمانؓ: حضور اکرمؐ کے محبوب ترین صحابی جو ایران کے باشندے اور سلمان فارسی کے نام سے موسوم ہیں، انؓ کا فقر و استغنا مشہور ہے اویس قرنیؒ: حضور اکرمؐ کے ایک سچے عاشق، ان کی والدہ بہت ضعیف تھیں اس لئے حضورؐ نے انہیں یہ پیغام بھیجا تھا کہ "تم اپنی ماں کی خدمت کرو، میری ملاقات کے لئے نہ آؤ، ماں کی خدمت میں بھی تمہیں اتنا ہی ثواب ملے گا" اسی وجہ سے وہ حضورؐ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکے تاہم اس کے باوجود انہیں حضورؐ سے ایسا والہانہ عشق تھا کہ جب جنگِ احد کے موقع پر انہوں نے حضور اکرمؐ کے ایک مبارک دانت کے شہید ہونے کی خبر سنی تو اس خیال سے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے کہ معلوم نہیں کہ حضورؐ کا کون سا دانت شہید ہوا ہے بلال حبشیؓ: حضور اکرمؐ کے ایک حبشی صحابی کا نام جن کو اذان کی خدمت سپرد تھی اور جو نہایت دل کش لحن کے مالک تھے قبلہ نما: وہ آلہ جس کے ذریعے قبلہ کی سمت معلوم کی جاتی ہے اس میں ایک سوئی لگی ہوتی ہے جو ہر پھر کر قطب کی طرف گھوم جاتی ہے اور جب اسے ہاتھ میں لے کر حرکت دیں تو قطب کی طرف بار بار گھومنے میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے تڑپ رہی ہے ہرجائی: کسی ایک جگہ نہ جمنے والا، ہر چیز سے تعلق رکھنے والا

۲۳-۲۶ بند = فاراں: مکہ معظمہ کی وہ پہاڑی جس سے اسلام کا سورج طلوع ہوا آتش اندوز: آگ جمع کرنے والا، مراد دل میں حرارت اور جوش و ولولہ کا ذخیرہ کرنے والا سوختہ ساماں: جس کی جان، مال، دل اور روح سب کچھ آتش عشق کی نذر ہو گیا ہو شرر آباد: مراد عشق کی حرارت سے پُر سوختہ ساماں: جس کی جان، مال، دل اور روح سب کچھ آتش عشق کی نذر ہو گیا ہو وادی نجد: حجاز کا وہ حصہ جو لیلیٰ کا وطن تھا اے خوش آں روز: وہ دن بہت ہی مبارک / اچھا ہو گا نغمۂ کوکو: کوئل کی کوک / چہچہاہٹ ھو: وہ آہ جو مستی و شوق اور ولولے کی حالت میں منہ سے نکلے، جذبۂ عشق کے ابھار کی تحریک جو ایسے عالم میں، جس کا بیان ہو چکا ہے، تائید ایزدی کے بغیر ممکن نہیں، توفیق و تائید الٰہی غیر: غیر مسلم، کفار جام بکف: دنیاوی عیش میں مست ہونے کا کنایہ خود افروزی: اپنے آپ کو روشن کرنا، اپنی خودی کو آپ بلند کرنا، اپنی ہستی کو محبوب حقیقی کی تجلیات کا آئینہ بنانا برقِ دیرینہ: مراد عشق کی وہی پرانی آگ / سوز جو کبھی مسلمانوں کے دلوں میں روشن تھی جگر سوزی: آتش عشق سے دل جلنے کی کیفیت عناں تاب: باگ موڑنے والی، رخ کرنے والی، متوجہ بلبل بے پر: مراد مسلمان جو وسائل اور اسباب سے محروم ہیں

۲۷-۳۱ بند = امت مرحوم: وہ امت جس پر اللہ کی رحمت ہو، نیز بمعنی مردہ یا کمزور قوم مور: چیونٹی، کمزور مسلمان ہمدوش: کندھے سے کندھا ملائے سلیمانؑ: حضرت سلیمانؑ جو صاحب نبوت بھی تھے اور صاحب حکومت بھی، جن و انس اور مور و ملخ بھی ان کے تابع اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے۔ وہ سب کی بولی سمجھتے تھے، ایک چیونٹی سے ان کی گفتگو کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے می چکد: ٹپکتی ہے، جاری ہے بوئے گل: پھول کی خوشبو، مراد بے وفا مسلمان لیڈر جو اپنے قومی مفاد کو چھوڑ کر غیروں سے ملے ہوئے ہیں بیرون چمن رازِ چمن: چمن کا راز چمن / باغ سے باہر یعنی اپنی قوم کی کمزوری اور بے حسی کا بھید دوسری قوم کے سامنے پھول: مراد قوم کے افراد غماز: مراد بھید ظاہر کرنے والا عہدِ گل: مراد قوم کی ترقی پر ہونے کا دور زمزمہ پرداز چمن: باغ میں گیت گانے والے، مراد وہ مسلمان جو اسلام کی بہار اور رونق بڑھانے کا دم بھرتے تھے ایک بلبل: باغ اسلام میں اپنے شعروں کے نغمے سنانے والا، یعنی خود علامہ اقبال قمریاں: مراد وہ پہلے مسلمان جو باغ اسلام کی زینت تھے شاخ صنوبر: مراد

گلزارِ اسلام   پتیاں پھول کی ......: باغِ اسلام میں خزاں آ گئی   وہ پرانی روشیں: مراد قدیم مسلمانوں کے عہد کے طور طریقے   ڈالیاں جن کی تہی دامن برگ ......: مراد مسلمان علوم و معارف اور اخلاق و عقاید سے عاری ہو گئے   قیدِ موسم: مراد وقت کا رجحان، ماحول کی رفتار   خونِ جگر پینا: مراد کڑھنا، صبر کرنا، کلیجہ مسوس کے رہ جانا   عجمی خم: غیر عرب منکا، غیر اسلامی / عرب انداز بیان

چاند

۱-۲ بند= حریمِ خاکی: مراد یہ دنیا   خو: عادت، خصلت   جستجو: تلاش، مقصود انساں ہے شمع ......: تو (چاند) اسی بزمِ معرفتِ الٰہی کی تلاش کر رہا ہے جس کا چراغ انسان ہے، یعنی معرفتِ الٰہی کی بزم تمام مخلوق میں انسان کے دم سے روشن ہے اور انسان ہی اس کی معرفت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے   خامشی: خاموشی، سکوت   اِستادہ: ایستادہ، کھڑا   آرسی: انگوٹھی سے ایک بڑا زیور جس میں منہ دیکھنے کے لئے چھوٹا سا شیشہ جڑا ہوتا ہے اور عورتیں انگوٹھے میں پہنتی ہیں، شبنم کے قطروں کو آرسی سے تشبیہ دی جن میں شفق وغیرہ کا عکس نظر آتا ہے

رات اور شاعر

(رات)

۱-۷= پریشاں: بے چین، بیقرار   رفعت: بلندی   ربابِ ہستی: وجود / کائنات کا ساز   گرداب: بھنور   ہنگامہ آفریں: ہنگامے پیدا کرنے والی   فسوں: افسوں، جادو

(شاعر)

۱-۷= گہر: گوہر، موتی، مراد آنسو   عزلتِ شب: رات کی تنہائی   برقِ ایمن: کوہِ طور کی وادی کا وہ جنگل جس میں حضرت موسیٰؑ کو محبوبِ حقیقی کے جمال کی تجلی نظر آئی تھی، مراد خدا تعالیٰ کا جلوہ   تابندہ: روشن، چمکتے ہوئے

بزمِ انجم

۱-۳ بند= شامِ سیہ قبا: کالے لباس والی شام، اندھیرے کے حوالے سے کہا ہے   طشتِ افق:

آسمان کے ان کناروں کو جن پر شام کے وقت سرخی دوڑتی ہے ... سے تشبیہ دی ہے
سونے کا سارا زیور: زیور مراد چاند اور تارے جن کا رنگ سونے سے ملتا جلتا ہے اس سے
مراد سونے یعنی نیند کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو رات کی غرض و غایت ہے
چاندی کے گہنے: دن کی سفیدی اور روشنی **لیلائے ظلمت:** اندھیرے / تاریکی کی
لیلیٰ / تاریکی کو لیلیٰ کہا ہے **عروسِ شب:** رات کی دلہن یعنی رات **موتی:** مراد
ستارے **فلک فروزی:** آسمان کو چمکانا، روشن کرنا **مَلَک:** (م اور ل پر زبر) فرشتہ
تابندہ: روشن **گردوں نشیں:** آسمان پر بیٹھی ہوئی **تابِ جبیں:** پیشانی کی چمک /
روشنی **آئینے قسمتوں کے:** انسانی کی قسمتوں / تقدیر کا آئینہ، انسان یہ سمجھتے ہیں کہ ان
کی قسمت کے بننے بگڑنے کا تعلق ستاروں کی گردش سے ہے **معمور:** بھری ہوئی،
پُر **طرزِ کہن:** پرانا انداز، مراد قدیم قانون و دستور، رسم و رواج معاشرہ و تہذیب
وغیرہ جس سے قومی زندگی پرانی روش پر برقرار رہے **اَڑنا:** (الف پر زبر) ڈٹے رہنا،
قائم رہنا، تبدیلی پر آمادہ نہ ہونا **رواروی:** پے در پے تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی
صورت حال، مراد دوسری قوموں کے ہنگامہ خیز انقلاب کی رفتار جو بے حس پڑی ہوئی
قوموں کو پامال کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں **جذبِ باہمی:** ایک دوسرے کی
کشش جس سے دونوں کی حیات برقرار رہے

سیرِ فلک

۱-۲ بند= **چرخ:** آسمان **رازِ سربستہ:** چھپا ہوا بھید جو کسی پر ظاہر نہ ہو **حلقہ:** دائرہ
اِرم: جنت (شداد نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور ایک جنت بنوائی تھی جس کا تخت، کہا جاتا ہے،
کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر عالمِ بالا میں جنت میں شامل کر لیا اور شداد اس سے مستفیض نہ
ہو سکا)، مراد جنت / بہشت **خاتم:** خاتمے کی آخری حد **طوبیٰ:** جنت کا ایک اور
روایتی درخت جس کی مہک بڑی دلکش اور شاخوں کا سایہ بہشت کے تمام گھروں پر پڑتا
ہے **جلوہ فروش:** مراد جلوہ دکھانے والی، اپنے جلوے سے آنکھوں کو گرم کرنے والی
ساقیانِ جمیل: خوبصورت ساقی / شرابِ طہور پلانے والے **نوشانوش:** پیو،
خوب پیو **طالعِ قیس:** قیس / مجنوں کے نصیبے کی طرح سیاہ **دوش بدوش:** کندھے
سے کندھا ملائے ہوئے، ہمسر، برابری کا درجہ رکھنے والا، **خنک:** ٹھنڈا **کرۂ**

زمہریر: کرۂ ہوا کا وہ حصہ جو کل کائنات سے زیادہ سرد ہے سروش: فرشتہ تہی آغوش: خالی گود والا، بالکل خالی مستعار: ادھار مانگے ہوئے لرزاں: کانپنے والا عبرت کوش: نصیحت حاصل کرنے والا، برے انجام سے سبق لینے والا انگار: شعلے

نصیحت

۱-۱۲= عامل: عمل کرنے والا شیوہ: طور طریقہ/ انداز ارباب ریا: ریاکاری کرنے والے، دکھاوے کے طور پر کام کرنے والے مصلحت آمیز: چال بازی اور حکمت سے بھرا ہوا فریب پر مبنی انداز تملق: خوشامد/ چاپلوسی کا انداز اعجاز: مراد جو کام دوسرے لوگ نہ کر سکیں مدحت: مدح، تعریف موجد: اختراع و ایجاد کرنے والا آئین نیاز: عاجزی و خاکساری کا دستور حکام: جمع حاکم مقام محمود: تعریف کیا گیا مقام، بہت پسندیدہ مقام پالسی: (POLICY) حکمت عملی جو لوگوں کی فلاح و بہبود کی بجائے ذاتی مفاد اور مکر و فریب پر مبنی ہو اوصاف: جمع وصف، خوبیاں دست پرورد: ہاتھ کا پالا ہوا، مراد جس نے رئیس اور نذرانے لئے ہوں تشہیر: شہرت طرۃ: انوکھی بات، مستزاد شرابِ شیراز: مراد حافظ شیرازی کے کلام کی سی دلکشی تگ و تاز: دوڑ دھوپ، کوشش، سیاسی مقابلہ غم صیاد: شکاری کا غم، مراد حکومت کی طرف سے کسی بات کا ڈر پر و بال: شہپر، مراد اسباب/ اوصاف جن کی کسی کام میں ضرورت ہو دماغِ پرواز: اڑنے کا شوق، مراد ترقی کا شوق

رام

= رام: ہندوؤں کے قدیم اوتار (مذہبی رہنما) شری رام چندر جی، جو راجا دسرتھ کے بیٹے اور تخت کے وارث تھے، ان کی سوتیلی ماں کے اکسانے پر راجا نے انہیں اجودھیا (یو۔پی) سے چودہ برس کے لئے نکال دیا۔ وہ اپنی پتنی/ بیوی سیتا جی اور اپنے بھائی لچھمن کے ساتھ چلے گئے اور جنگلوں میں رہنے لگے۔ جب وہ چودہ برس کے بعد اجودھیا لوٹے تو وہاں خوشیاں منائی گئیں۔ راجا مر چکا تھا اور شری رام چندر جی کی کھڑاویں راج گدی پر رکھی تھیں اب وہ بنائی

گئیں اور شری اپنے باپ کی گدی پر بیٹھ گئے۔ ہندوؤں کا دسہرے کا تیوہار اسی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ ان کا نام ماں باپ کی اطاعت و فرماں برداری میں آج تک مشہور ہے۔

1-6= لبریز: (لب ریز) بھرا ہوا رام: مطیع، مراد لوہا ماننے والے فکر فلک رس: آسمان تک پہنچنے والی فکر، بہت بلند فکر رفعت: بلندی ملک سرشت: فرشتوں کی سی فطرت و خصلت والے، پاکیزہ و پاک دل والے فرد: یکتا، بے مثل

موٹر

= موٹر: اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ علامہ اپنے ایک دوست نواب سر ذوالفقار علی خان مرحوم کی موٹر میں سیر کو گئے۔ سر جگندر سنگھ اور مرزا جلال الدین بیرسٹر بھی ہمراہ تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کاروں سے گھڑگھڑاہٹ کی کافی آواز نکلتی تھی۔ چونکہ مذکورہ موٹر بہت قیمتی تھی اس لیے اس سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ گاڑی کا نام TALBOT تھا جو ۱۹۱۱ء میں منگوائی گئی تھی۔ تھوڑی دور چل کر جگندر سنگھ نے کہا کہ نواب صاحب کی موٹر کس قدر خاموش ہے۔ علامہ نے یہ فقرہ ذہن میں رکھ لیا اور دوسرے دن یہ نظم کہی جس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ زندگی کی راہ میں ہر تیز پا خاموش ہے۔

1-6= ہنگامہ آفریں: مراد شور یا گھڑگھڑاہٹ پیدا کرنے والا/والی خرام ناز: مستانہ چال، مراد تیز رفتاری پاشکستہ: جس کے پاؤں ٹوٹے ہوئے ہوں، جو چل نہ سکے جرس: گھنٹی نکہت: خوشبو، مہک مدام: ہمیشہ شورش قلقل: صراحی سے پانی یا شراب نکلنے کی آواز کا شور پا بگل: (پا بہ گل) جس کا پاؤں کیچڑ میں پھنسا ہو خرام آشنا: چلنے اور دوڑ کرتے رہنے کا شغل رکھنے والا

انسان

1-5= صنوبر: سرو کی قسم کا ایک درخت جس پر بہار و خزاں کا اثر نہیں ہوتا خوگر: عادی سرگرم: مشغول و مصروف تقاضا: طلب، خواہش ہیئت: صورت، خاکہ

خطاب بہ جوانانِ اسلام

1-12= تدبر: غور و فکر دارا: قدیم ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جسے سکندر یونانی / رومی

نے شکست دی تھی خلاق: پیدا کرنے والا "الفقر فخری": حضور اکرم کی حدیث / ارشاد کہ میں فقیری کی زندگی بسر کرنے پر فخر کرتا ہوں امارت: امیری، سرداری، حکومت منعم: دولت مند نسبت: تعلق، مطابقت، مناسبت ثابت: مراد وہ بے عمل جو ایک ہی جگہ ٹکا رہے سیارہ: گردش میں رہنے والا ستارہ، مراد باعمل اور متحرک انسان اسلاف: جمع سلف، پرانے بزرگ ثریا: وہ چھ ستارے جو ایک گچھے کی صورت میں زمین سے بہت دور بلندی پر واقع ہیں، مراد انتہائی بلندی سیپارہ: (سی پارہ) تیس ٹکڑے، مراد ٹکڑے ٹکڑے غنی: غنی کاشمیری، فارسی کے مشہور شاعر

غرۂ شوال (یا) ہلال عید

۱-۲ بند: تمہید: آغاز ملت بیضا: روشن ملت، ملت اسلامیہ الفت دیرینہ: پرانی محبت علم: (ع اور ل پر زبر) جھنڈا، پرچم تیغ آزما: تلوار چلانے والا، میدان میں تلوار چلا کر اس کی کاٹ آزمانے والا رایت: جھنڈا حسن روز افزوں: روز بروز بڑھنے والا حسن، ہلال کے پورا چاند / بدر تک کی روزانہ افزونی کی طرف اشارہ ہے آشنا پرور: دوست نواز، وفادار پیراہن سیمیں: چاندی کا لباس، سفید لباس رہرو در ماندہ: پیچھے رہا ہوا مسافر، مراد دور حاضر کے مسلمان جو پستی کا شکار ہیں قافلے: مراد دوسری قوموں کے گروہ جو ترقی کی منزل کی طرف چل رہے ہیں، ترقی پر ہیں فرقہ آرائی: مذہبی گروہوں میں بٹ جانے کا عمل شکست رشتۂ تسبیح شیخ: مراد مسلمانوں کا قومی شیرازہ بکھر جانے کی صورت حال پختہ زناری: (زنار: وہ تاگا جو ہندو گلے میں ڈالے رکھتے ہیں، جنیو) مراد غیر مسلموں کی طاقت میں روز بروز اضافہ مسلم آئینی: مسلمانوں کے سے اصول اپنانے کی صورت حال مسلم آزاری: مسلمانوں کو دکھ تکلیف پہنچانے کا عمل حوادث: جمع حادثہ، مصیبتیں آئینہ دیواری: شیشے کی دیوار بنانا جو پتھر لگنے سے ٹوٹ جائے، مراد بے حسی اور بے عملی تملق پیشگی: خوشامد کو اپنا شغل / پیشہ بنانا آبرو والے: مراد مسلمان جن کے اسلاف آبرو والے تھے بے آبرو: مراد دوسری قومیں جن کا ماضی تاریک تھا لطف تکلم: بات چیت کا لطف آشنا لطف تکلم سے کیا: مراد ہندوستان کی وہ قومیں جنہیں ہندوستان فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے ہر طرح

کی تہذیب سکھائی حریفِ بے زباں: مراد وہ غیر مسلم قومیں جنہیں بولنے تک کا بھی سلیقہ نہ تھا گرم گفتاری: مراد بڑھ بڑھ کے اور سینہ تان کر مقابلہ کرنے کی صورت حال ترکِ ناداں: سیاست کو نہ سمجھنے والی ترک قوم جس نے اپنے ملک کی "خلافت" کو مغربی انداز کی "حکومت" میں تبدیل کرنا شروع کر دیا تھا اور آخر ۱۹۲۴ء میں ایسا ہی کر کے رہی سرود ِدوش: مراد ماضی کی مسرتیں اور وہ غیبی تائیدیں جو خدا تعالیٰ نے ماضی میں مسلمانوں پر کی تھیں

شمع اور شاعر

(شاعر)

۱-۵= شانہ ء: ایک یا کوئی کنگھی (فارسی میں اس قسم کے الفاظ کے آخر میں ایرانی ے/ی لگا کر "کوئی" یا "ایک" کے معنی لیتے ہیں جبکہ ہم ے کی بجائے ء پر، اور نیچے زیر لگاتے ہیں جو صحیح نہیں ۔ میں نے اسی لئے ایرانی املا رکھی ہے) کا شانہ ء: کوئی / ایک گل لالہ صحرا استم: (صحرا استم) میں صحرا کا لالہ ہوں بالے نہ زند: کوئی پر نہ مارا ہی تپد: تڑپتا ہے (ط کے ساتھ اس کی املا غلط ہے) جانِ اہلِ فرسودۂ من: میری جان جو آرزو / آرزوؤں میں بسر ہو گئی عالم فروز: دنیا کو روشن کرنے والی اندوختی: تو نے جمع کی آموختی: تو نے سکھایا

(شمع)

(۱)

۱-۱۱= نوا پیرا: نغمہ الاپنے والا مضمر: پوشیدہ، چھپا ہوا فروزاں: روشن سوزِ دروں: اندر یا دل کا سوز و گداز / درد شعار: عادت، طور طریقہ زشت روئی: بدصورتی شوریدہ سر: دیوانہ ذرہ تابندہ: چمک دار موتی برہم: بکھرا بے محل: بے موقع

(۲)

۱-۶= ذوقِ تماشا: دیکھنے کا شوق شعلہ آشام: شعلے پی جانے والا آتش بجام: جام میں آگ جیسی شراب جمعیت: گروہ بسمل: آدھا قتل ہوا، زخمی بالائے بام: چھت کی منڈیر گرم نوا: گیت گانے میں مست و مصروف

بے حس: احساس سے محروم

(۳)

۸-۱= متاع: پونجی رشتہ: دھاگا پریشان ہونا: بکھرنا فلک پیما: آسمان ناپنے والا
فرزانے: عقلمند، دانشمند زیاں: نقصان وائے: افسوس ناکامی: مایوسی

(۴)

۸-۱= ہنگاموں: شور و غوغا، عظیم کارنامے بَن: جنگل سطوت: شان و شوکت
دوام: ہمیشہ کا شیون: رونا دھونا آسودہ: آرام سے خرمن: کھلیان
منت کش: احسان اٹھانے والا، احسان مند دیدۂ خونبار: خون (کے آنسو) برسانے والی آنکھ/ آنکھیں

(۵)

۸-۱= مژدہ: خوشخبری پیمانہ بردار: پیالہ اٹھانے والا خمستان: شراب خانہ نقد: قیمت، دولت بہا: قیمت بادۂ اغیار: غیروں کی شراب (تہذیب و تمدن، علوم وغیرہ) مئے مغرب: یورپ کی شراب (یورپی تہذیب و علوم وغیرہ) ماہ سیما: چاندی سی پیشانی والا سلمیٰ: عرب کی ایک مشہور محبوبہ/ حسینہ شراب خانہ ساز: گھر کی بنائی ہوئی شراب یعنی ساقی (حضور اکرمؐ) کے ارشادات اور لوازم شاعری جزویست از پیغمبری: شاعری کو بھی پیغمبری کا ایک جز وا حصہ سمجھو، اس لئے کہ ایک سچا شاعر اکثر ایسی باتیں کہتا ہے جو پیغمبروں کی نصیحتوں وغیرہ سے ملتی جلتی ہیں

(۶)

۹-۱= رہزن (رہرو/راہ زن): لیٹرا، ڈاکو، راہ مار، راستے میں لوٹنے والا ذوق تن آسانی: آرام طلبی کا شوق اسرار حیات: زندگی کے بھید/ راز (اسرار جمع سر بمعنی بھید) پیدا کر: حاصل کر ربط ملت: قوم کا میل ملاپ اور اتحاد

(۷)

۹-۱= مستور: چھپا ہوا، چھپی ہوئی، چھپا کر خیمہ زن: خیمہ/ شامیانہ لگانے والا وادیِ سینا: طور سینا، جہاں حضرت موسیٰ نے خدا کا جلوہ دیکھا تھا، مراد خدائی تجلیات کا مشاہدہ، قدرتی مناظر کا نظارہ شعلۂ تحقیق: حقیقت کی تلاش جو غیر حقیقی خیالات کو آگ کی طرح جلا کر فنا کر دیتی ہے صرف تعمیر سحر: صبح یعنی روشنی کی عمارت بنانے میں خرچ کرنے

کی صورت حال   عین: پوری طرح یا بالکل درمیان میں   حباب آسا: بلبلے کی
مانند   گردوں پیمانہ: اُلٹے پیالے والا   پارینہ کوہ و صحرا: زمانہ ماضی میں فتح کیے
ہوئے پہاڑ اور ریگستان / جنگل   افتاد: (دانے کی طرح زمین میں) گرائے جانے کی
کیفیت   تلمیذ: شاگرد   رمِ شبنم: مراد اوس کے قطروں کا نیچے گرنا (جس کی آواز
سنائی نہیں دیتی)   لب کشا ہونا: زبان کھولنا، بولنا، خاموشی کو توڑنا

(۸)

۱-۷= دہقان: کسان، مراد دنیا میں آخرت کے لئے اعمال کی کھیتی کرنے والا   باراں: بارش
رہرو: (راہ رو) راستہ چلنے والا، مسافر   اندیشہ: فکر، ڈر   ناخدا: ملاح   کوچۂ
چاک گریباں: پھٹے ہوئے گریبان کا کوچہ، مراد مراقبے کی حالت جس میں انسان اپنے
گریبان کی طرف منہ جھکا کر بیٹھتا ہے   خاشاکِ غیر اللہ: اللہ کے سوا جو کچھ ہے کوڑا
ہے، تمام جہان کے ممکنات کو کوڑے اور تنکے سے تشبیہ دی ہے   غارت گر: تباہ کرنے والا
جوہر آئینۂ ایام: ہستی / وجود کے آئینے کی چمک دمک، مراد اشرف المخلوقات

(۹)

۱-۹= اصلیت: حقیقت   بے پایاں: جس کی کوئی حد یا انتہا نہ ہو، بے حد وسیع، جس کا کوئی
کنارہ نہ ہو   طلسمِ ہیچ مقداری: کم مائیگی کا جادو   شوکت: شان، عظمت
امین: امانت دار   پیامِ ناز: حسین پیغام، مراد اسلام   ہویدا: ظاہر   ہفت کشور
سات ملک / ولایتیں، ساری دنیا   تسخیر: فتح   تفنگ: بندوق   شاہد: گواہ
کوہ فاراں: فاراں وہ پہاڑی جس سے اسلام کا سورج طلوع ہوا، آغاز ہوا   سکوت:
خاموشی   تغافل پیشہ: غفلت برتنے کا عادی   کسوتِ مینا: صراحی کا لباس
عریاں: مراد ظاہر   آتش نوائی: آگ لگا دینے یا عشق کی آگ بھڑکا دینے والے
نغمے سنانے کا عمل، جس پر میری زندگی کا دار و مدار ہے، گویا یہ نہ ہو تو میں زندہ نہیں رہ سکتا)۔

(۱۰)

۱-۹= آئینہ پوش: آئینے کا لباس پہنے ہوئے، بہت روشن، مراد نورِ اسلام سے منور   سیماب
پا: پارے کی طرح بیقرار، ختم   ظلمت رات کی: مراد بالکل تاریکی   ترنم
آفریں: نغمگی کی فضا پیدا کرنے والی، پُر کیف   بادِ بہار: موسم بہار کی ہوا
نکہتِ خوابیدہ: سوئی ہوئی خوشبو، وہ خوشبو جو ابھی پھول کی پتیوں سے نہیں نکلی   غنچے کی

نوا: کلی کے چٹخنے کی آواز سینہ چاکانِ چمن: باغ میں کھلے ہوئے پھول، مراد عشق رسول رکھنے والے دل سینہ چاک: مراد وہ لوگ جو تازہ اسلام لانے والے ہو گئے بزمِ گل: پھول کی محفل، مراد اربابِ عشق ہم نفس: ایک ساتھ سانس لینے یا زندگی بسر کرنے والا / والی، ساتھی شبنم افشانی: آنسو بہانا، مراد پر اثر شعر / شاعری ہر گل: مراد ہر فرد / مسلمان سطوتِ رفتارِ دریا: طوفانی موجوں کی پر شکوہ روانی، مراد طاقتور مخالفین اسلام کی خوفناک ریشہ دوانیاں / سازشیں مآل: انجام موجِ مضطر: بیقرار موج جس کی طغیانی کو کسی قدر قرار نہیں، مراد غیر مسلمین کی شورش زنجیرِ پا: پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑی، مراد وبالِ جان صیاد: شکاری، مراد اسلام کے دشمن نوا سامان: خوشی کے گیت گانے والا / والے طیور: جمع طائر، پرندے، مراد مسلمان گلچیں: (گل چیں) پھول چننے / توڑنے والا، مراد گلشنِ اسلام کی بہاروں / عظمت کے دشمن رنگیں قبا: رنگدار یا سرخ لباس والا گل: مراد مسلمان کیا سے کیا: تبدیلی، بری حالت سے اچھی حالت میں تبدیلی شب گریزاں ہو گی: مراد باطل کی تاریکی چھٹ جائے گی، ختم ہو جائے گی جلوۂ خورشید: سورج کی روشنی، مراد اسلام کے سورج کی روشنی چمن: مراد دنیا معمور: بھرا ہوا آباد

مسلم

(۱)

۱-۶= مستور: چھپا ہوا معمور: پُر، بھرا ہوا سرودِ رفتہ: ماضی کا نغمہ، مسلمانوں کے عظیم ماضی کی داستان جویا: تلاش کرنے والا پیغامِ کہن: پرانا پیغام خفتہ پا: جس کے پاؤں سوئے ہوئے ہوں، سویا ہوا، بے عمل یاس آفریں: مایوسی پیدا کرنے والی شبِ دوشینہ: گزری ہوئی رات

(۲)

۷-۱۲= شاہدِ عادل: انصاف پسند گواہ جسارت: دلیری، بے خوفی حافظ: حفاظت کرنے والا، محافظ کوکبِ تابندہ: چمکتا ہوا ستارہ تابانی: چمک جوشِ کارزار: جنگ کا جوش، مراد مقابلے کے میدان میں ہر لحظہ کام در پیش ہونا نشاط افزا: مسرت و شادمانی بڑھانے والا

حضورِ رسالت مآبؐ میں

رسالت مآب: رسالت کی جائے پناہ، حضور اکرمؐ

۱-۳ بند= گراں: بھاری قیود: قید کی جمع، قیدیں، پابندیاں حضور: خدمت میں، بارگاہ آیۂ رحمت: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نشان، رحمۃ للعالمینؐ عندلیب باغِ حجاز: حجاز کے باغ کی بلبل، عاشقِ اسلام مسلمان؍شاعر، علامہ اقبال سرخوش: مست، مسرور ولا: محبت، حضور اکرمؐ اور آلِ محمدؐ کی محبت فتادگی: افتادگی، خاکساری، عاجزی ملائک: جمع ملک، فرشتے آسودگی: آرام و سکون آبگینہ: شیشے کا جام؍پیالہ طرابلس: ترکی کا ایک مشہور مقام جس پر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے حملہ کر کے برطانیہ کی مدد سے فتح کر لیا تھا، اس جنگ میں بہت سے ترک شہید ہوئے تھے جھلکتا: اندر سے کچھ کچھ چمک ظاہر ہوتا

شفاخانۂ حجاز

۱-۲ بند= دیوانۂ حجاز: مراد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ یعنی اسلام کا عاشق دار الشفا: شفاخانہ، ہسپتال حوالی: آس پاس تلخاب: کڑوے پانی کا گھونٹ عیسیٰ: مراد ڈاکٹر مجاز: حقیقت کو سمجھانے کے لئے استعاروں اور کنایوں کی بات

جوابِ شکوہ

۱-۳ بند= قدسی الاصل: اپنی اصلیت کے لحاظ سے پاک و مقدس پیرِ گردوں: آسمان کا بوڑھا، مراد آسمان رضواں: جنت کے داروغہ کا نام تگ و تاز: بھاگ دوڑ، کوشش، یعنی رسائی، پہنچ خاک کی چٹکی: یعنی انسان جو مٹی سے تخلیق ہوا ہے سکان: جمع ساکن، رہنے والے مکیں: رہنے والے، باشندے پستی: زمین کیف: کیفیت (جو کیسا؟ کے جواب میں بولا جائے) رموز: جمع رمز، بھید، راز کم: کتنا، مقدار، تعداد

۵-۱۰ بند= لبریز: بھرا ہوا مائل: آمادہ، تیار ہم سائل: سوال کرنے یعنی مانگنے والا گِل: مٹی شانِ کَی: ایران کے مشہور بڑے بادشاہ کیخسرو کی سی شان و عظمت، کَے خاندان کا نام تھا آزر: حضرت ابراہیمؑ کے دور کا مشہور بت گر، بت پرست، بت تراشنے والا لالۂ صحرائی: مراد آغازِ اسلام کے مسلمان جو

جد و جہد اور جہاد کی غرض سے جنگلوں بیابانوں میں زندگی بسر کرتے تھے بادہ آشام: شراب پینے والے، مراد اسلام کی شراب پینے والے، عاشقانِ اسلام یک جائی: ہرجائی کی ضد، نکونام: اچھے نام والا، مشہور

۱۱-۱۵ بند = ہاتھ پر ہاتھ دھرنا: بیکار بیٹھے رہنا، کوئی کام نہ کرنا شعور: عقل، لیاقت قصور: جمع قصر، محل فاطر: پیدا کرنے والا، خالق مسلم آئیں: اسلام کے طریقوں پر عمل کرنے والا منفعت: نفع، فائدہ پنپنا: بڑھنا پھولنا، ترقی کرنا تارک: چھوڑنے والا، عمل نہ کرنے والا رسولِ مختارؐ: حضور اکرمؐ جو کل باتوں کا اختیار رکھتے ہیں مصلحت: بہتری، بھلائی معیار: کسوٹی، اندازہ، جس کے مطابق کوئی کام کیا جائے شعار: طور طریقہ، روش اغیار: جمع غیر، مراد دوسری قومیں طرزِ سلف: ماضی کا انداز، قدیم بزرگوں کے طور طریقے / انداز صف آرا: قطار میں کھڑے ہونے والے، نماز پڑھنے والے غربا: جمع غریب، مفلس

۱۶-۲۰ بند = برق طبعی: بجلی کی سی فطرت، جوش و جذبہ شعلہ مقالی: سوز و گداز کی حامل گفتگو / وعظ روحِ بلالیؓ: حضرت بلالؓ کی سی روح / جذبہ، عشق رسول اکرمؐ سے سرشار روح، حضرت بلالؓ جب اذان دیتے تو حضور اکرمؐ کا اسم گرامی آنے پر ان کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی تلقینِ غزالی: امام غزالیؒ (جو اسلامیات کے مشہور عالم تھے) کی ہدایات، عشق رسول اکرمؐ کا درس نابود: نا ہنود: ہندو کی جمع، کافر لوث مراعات: ایک دوسرے کی رعایت کی آلودگی فوق الادراک: فہم و شعور اور عقل سے بلند / بالا تر از بر یاد تن آسانی: سست الوجودی، آرام سے بیٹھے رہنا، کوئی کام نہ کرنا حیدری فقر: حضرت علیؓ کا سا فقر، ان کی تنگ دستی اور اس میں جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرنے کا عمل دولتِ عثمانی: حضرت عثمان غنیؓ کا سا مال و متاع تارک: چھوڑنے والا، عمل نہ کرنے والا

۲۱-۲۳ بند = رحیم: مہربان کریم: کرم اور مہربانی سے پیش آنے والا خطا پوش: دوسروں کی خطائیں معاف کر دینے والا قلبِ سلیم: بردبار دل، سلامت روی سے چلنے والا دل فغفور: قدیم چین کے ایک بادشاہ کا لقب، جسے اس کی ماں نے بت کی نذر کر دیا تھا، بعد میں ہر بادشاہ کا یہی لقب رکھا گیا کے: کیخسرو، ایران کا قدیم مشہور بادشاہ سریر: تخت حمیت: غیرت، شرم اخوت: بھائی چارہ، باہم پیار محبت سے رہنے کا عمل

سراپا کردار: پوری طرح جہد و عمل کا نمونہ صداقت: سچائی بت ہندی: ہندووانہ تہذیب و معاشرت برہمن ہونا: ہندوؤں کا تمدن اختیار کرنا مہجور: جدا بدظن: بدگماں زحمت کش: تکلیف اٹھانے / برداشت کرنے والا بادیہ پیما: جنگلوں جنگلوں پھرنے والا جور: سختی، ظلم

۲۵-۳۰ بند= آتش زن: آگ لگانے والا، جلا دینے والا مالی: باغبان، مراد مسلمان (یہاں مایوسی کا بیان ختم کر کے پر امید شعر کہے گئے ہیں) کوکب: ستارہ خس و خاشاک: کوڑا کرکٹ، مراد وہ آثار جنہوں نے مسلمانوں کے گلشن یعنی زندگی کو بے رونق بنا دیا ہے گل برانداز: پھول برسانے والی، مراد زندگی کے آثار پیدا کرنے والی لالی: سرخی عنابی: سرخ، شفق افق تابی: افق کے روشن ہونے / چمکنے کی کیفیت ثمر چیدہ: پھل چننے یا پانے والی کاہیدہ: مرجھایا ہوا مالی: مراد رضا بالیدہ: سرسبز بطن: پیٹ بروَمندی: پھل کھانے / بار آور ہونے کی کیفیت چمن بندی: باغبانی، باغ کی تربیت و خدمت کنعاں: حضرت یوسفؑ کی ولادت گاہ کا نام (شام کے صوبہ فلسطین میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کے مسکن کا نام) یورشِ تاتار: تاتاریوں / چنگیزیوں کا حملہ، چنگیز نے ۶۱۶ھ / ۱۲۱۹ء میں ایران و بغداد پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور قتلِ عام کیا تھا، بعد میں اسی کی نسل کے ایک بادشاہ / حکمران نے اسلام قبول کر لیا تھا یورشِ بلغاری: بلقان کی ریاستوں کا ترکی پر چاروں طرف سے حملہ جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک جاری رہا صہیل: ہنہنانے کی آواز فرسِ اعدا: دشمنوں کا گھوڑا

۳۱-۳۶ بند= امکاں: ممکن ہونے کی صورت حال، عدم سے وجود میں آنے کا عمل اتمام: مکمل کرنا تنک مایہ: مال یا طاقت وغیرہ کے لحاظ سے کمزور استادہ: ایستادہ، کھڑا تپش آمادہ: حرکت کرنے والی، متحرک مرزِ حبش: ملکِ حبش / افریقہ کا علاقہ، حضرت بلالؓ حبشی اسی علاقے کے باشندے تھے رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک: تیسویں پارے میں سورۂ "الم نشرح" کی ایک آیت، ("اے رسولؐ") ہم نے تیری خوشی کے لئے تیرے ذکر کو بلند کیا مردم: آنکھ کی پتلی

ساقی

۱-۳۰= آبِ بقائے دوام: آبِ حیات، ایک روایتی پانی جسے پی کر انسان قیامت تک زندہ رہتا

ہے   ہنگامہ گستری: ہنگامے مچانے یا فتنے فساد برپا کرنے کا عمل

تعلیم اور اس کے نتائج

۱-۳= لبِ خنداں: ہنستے مسکراتے ہونٹ   فراغت: اطمینان، سکون   الحاد: خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار، کفر   پرویز: قدیم ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز جس کی کنیز شیریں پر فرہاد عاشق ہو گیا تھا، یہاں مراد مردِ مسلمان   شیریں: یہاں دولت کا استعارہ ہے   تیشۂ فرہاد: (فرہاد کو پہاڑ کھودتے وقت شیریں کے مرنے کی جھوٹی خبر دی گئی، اس نے اسی کلہاڑی سے اپنا خاتمہ کر لیا) یہاں مراد قصرِ اسلام کی بنیادیں اکھاڑنے والا جذبہ یا رجحان

قربِ سُلطان

۱-۱۰= قرب: قریب ہونے یا ہم نشین ہونے کی صورتِ حال   تمیز: فرق   ہم دوش: شانہ بشانہ، ہمسر   خواجہ پرستی: آقا کی پوجا کرنا، حاکم کو خدا سمجھنا   بندگی: غلامی   منصب پرست: عہدے کی پرستش کرنے والا، جاہ پرست، عہدے کا بھوکا   قوم فروش: مراد اپنے مقصد کے لئے قوم سے غداری کرنے والا   بسم اللہ: اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، مراد جو کچھ تیرے دل میں ہے کہہ ڈال   خروش: مراد دل میں جو کچھ ہے اس کا زبان سے اظہار   جوش: مراد ولولہ، جذبہ   مرشدِ شیراز: حافظ شیرازی   نہاں خانۂ ضمیر فروش: وہ راز جو غیبی فرشتے کے خانۂ دل میں پوشیدہ ہے، مراد فرشتۂ غیب نے یہ بات بتائی ہے

شاعر

۱-۲ بند= جوئے سرود آفریں: نغمے پیدا کرنے والی ندی   لالہ گوں: یعنی سرخ   کام: واسطہ، تعلق   مرغزار: مرغ زار (م پر زبر)، چراگاہ، جہاں بہت گھاس اگتی ہے   مزرع: کھیتی   آزری: بت گری، غیر اللہ سے یا دنیاوی مفادات سے محبت

نویدِ صبح

نوید: خوشخبری

۱-۲ بند= سکوت: خاموشی   احرامِ حیات: زندگی کا لباس، مراد پھولوں کا کھلنا   خوابیدہ: سویا

ہوا، جہد و عمل سے بیگانہ ناپید: غائب سحاب: بادل، تاریکی
خود افشانی: مراد اپنی پوری صلاحیت کو عمل سے ظاہر کرنے کی کیفیت دیدۂ
خفاش: چمگادڑ کی آنکھیں، چمگادڑ جورات کی تاریکی میں نکلتی ہے اور دن بھر آنکھ نہیں کھولتی

دُعا

۱-۱۰= زندہ تمنا: مراد جیتی جاگتی اور ہر وقت جہد و عمل کے لئے بیقرار رکھنے والی خواہش
وادی فاراں کا ہر ذرہ: وادی فاراں سے مراد اسلام اور اس کے ہر ذرے سے مراد اسلام
کی ایک ایک حقیقت ذوق تقاضا: خدا تعالیٰ کے جلووں سے فیض یابی کی تمنا
محروم تماشا: خدا کے جلووں کی فیضیابی سے محروم، مسلمان اور طلب بھٹکا ہوا آہو:
راستہ بھولا ہوا ہرن، مراد مسلمان جو اسلام کی راہ سے ہٹا ہوا ہے شاہد لیلیٰ: مراد حضور
اکرم کی محبت ظلمت: تاریکی بلبل نالاں: آہ و فغاں کرنے والا بلبل، مراد خود
علامہ اقبال جو ملت کی افسوسناک صورت حال پر آزردہ خاطر تھے ثریا: چھ ستارے جو
ایک گچھے کی شکل میں زمین سے بہت دور بلندی پر واقع ہیں، مراد بے حد بلندی

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

۱-۶= شالا مار: لاہور کا مشہور باغ جسے ۱۶۳۲ء میں شاہجہان بادشاہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور
جو اب تک مسلم حکومت کی عظمت کی یادگار ہے پامال: پاؤں میں روندا
زائران: جمع زائر، زیارت کرنے / دیکھنے والے غم بہار: مراد مسلمانوں کے عروج کا
زمانہ باقی نہ رہنے کا افسوس سوگوار: غم زدہ، غمگین

فاطمہ بنتِ عبداللہ

۱-۲ بند= امت مرحوم: وہ امت / ملت جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو سقائی: دوسروں کو پانی
پلانے کا عمل جسارت آفریں: جرأت و دلیری پیدا کرنے والا کلی: مراد معصوم
فاطمہ شبنم افشاں: مراد رونے والی نشاط انگیز: خوشی و مسرت بڑھانے والا
آفرینش: پیدائش، وجود میں آنا ضو: روشنی ظلمت خانۂ ایام: موجودہ دور کی
تاریکیاں پرتو: عکس

شبنم اور ستارے

۱-۲ بند= زہرہ: ایک سیارے کا نام جسے رقاصۂ فلک بھی کہتے ہیں، یہ تیسرے آسمان پر ہے چمن افروز: باغ کو اپنے وجود سے زینت بخشنے والی مرغِ نواریز: نغمہ الاپنے والا پرندہ نرگسِ بیمار: نرگس کے پھول کو شعرا محبوب کی مخمور نیم وا اور شرمیلی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں، یہی حالت مریض کی آنکھوں کی ہوتی ہے، اسی حوالے سے نرگس کو نرگسِ بیمار کہا ہے دل سوختہ: جس کا دل جلا ہوا ہو گرمیِ فریاد: قمری (پرندہ) کے نالوں (چیخوں) کا سوز جو شمشاد کے درخت پر بیٹھ کر چلاتی ہے زندانی: قیدی، اپنی جگہ پر جیسے بندھا ہوا ہو کہ حرکت تک نہیں کر سکتا درماں: علاج قرطاس: کاغذ، صفحہ

محاصرۂ ادرنہ

۱-۸= حق و باطل کی چھڑ گئی: مراد ترک جو حق پر تھے، کیونکہ دشمنوں نے بلاوجہ ان پر حملہ کیا تھا اور باطل (بلقان کی ریاستیں جو بلغاریہ، رومانیہ اور یونان پر مشتمل تھیں اور بلاوجہ حملہ کرنے کے باعث باطل پر گامزن تھیں)، گویا ترکی اور بلقان محاذ آرا ہو گئے، دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی گردِ صلیب: سولی کا گرد و غبار، اس سے عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے قمر: مراد ترکی شکری: جنرل شکری جو ترکوں کے خلاف حملہ کرنے والی بلقانی فوج کا سپہ سالار تھا محصور: گھرا ہوا، قلعہ بند آئینِ جنگ: مارشل لاء شاہیں: سفید رنگ کا شکاری پرندہ جو بہت طاقتور ہوتا ہے، مراد ترکوں کا لشکر عصفور: چڑیا، مراد بلقانی فوج جو ترکوں سے محاذ آرا تھی دانۂ عصفور: مراد بلقانیوں کا غلہ اور رسد وغیرہ صاعقۂ طور: طورِ سینا کی بجلی گرما کے: جوش میں بھر کے غضب ناک ہو کے ذمّی: وہ غیر مسلم جو مسلم حکومت کو جزیہ دیتا ہو

غلام قادر رہیلہ

۱-۱۳= جفاجو: مراد پہلو نکال نکال کے ستانے یا سختی کرنے والا کینہ پرور: جس کے دل سے بغض و عداوت کسی حال میں بھی دور نہ ہو اہلِ حرم: مراد افغان عورتیں جنہیں رہیلہ نے گرفتار کیا تھا غیرت کش: شرم و حیا کے گلے پر چھری چلانے والا نازنینان

سمن بر: چنبیلی کا سا نازک اور سفید جسم رکھنے والی (بہت خوبصورت) حسینائیں
تعمیل: عمل کرنا، بجالانا طرب: عیش و عشرت، خوشی و مسرت مغفر: لوہے کا ٹوپ جو لڑائی / جنگ کے وقت پہنا جاتا ہے جاں ستاں: جان لینے والی، موت کے گھاٹ اتارنے والی آتش فشاں: آگ برسانے والی سبق آموز: کئی نئی باتیں یا مضمون سکھنے والا تابانی: چمک چشم احمر: سرخ آنکھ، وہ آنکھ جو غصے کی یا زیادہ جاگنے کی وجہ سے لال ہو اخگر: شرارہ تیموری حرم: مراد شاہ عالم ثانی کی شہزادیاں وغیرہ صف آرایانِ لشکر: لشکر کو مقابلے کے لئے تیار کرنے والا حمیت: شرم، غیرت

ایک مکالمہ

۱-۷= مرغِ سرا: گھروں کے آس پاس اُڑنے پھرنے والا پرندہ (کوا، چڑیا وغیرہ) مرغِ ہوا: فضا میں بلندی پر اڑنے والا پرندہ جیسے شاہین اور عقاب وغیرہ پردار: پَر رکھنے والا ہوا گیر: فضا میں اڑنے والا مائل پندار: غرور و تکبر پر آمادہ دل آزار: دل کو دکھ پہنچانے والی

میں اور تو

۱-۹= مذاقِ دید: دیکھنے یا نظارہ کرنے کا ذوق و شوق رہینِ شکوۂ ایام: ہر وقت زمانے کی شکایات کے لئے وقف دَور: گردش پھر کیا؟: تو کیا ہوا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، یہ تو اپنی اپنی تدبیر اور اپنی اپنی قسمت کی بات ہے فزوں: افزوں، زیادہ سود: نفع، فائدہ کاوش: خلش، تکلیف زیاں: نقصان بادباں: وہ پردہ جو ہوا بھرنے یا ہوا کا رخ بدلنے کے لئے کشتی یا جہاز پر لگاتے ہیں، پال

تضمین بر شعرِ ابو طالب کلیم

= تضمین بر شعر: کسی دوسرے شاعر کے مشہور شعر کو مضمون کی مناسبت سے اپنے کلام میں چسپاں کرنا ابو طالب کلیم: ایران کا ایک مشہور شاعر جو پہلے شاہنواز خاں صفوی کے ساتھ اور پھر شاہجہان بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھا۔ شاہجہان نے اسے "ملک الشعرا" کا خطاب دیا تھا۔ وہ ۱۰۲۸ھ میں وطن چلا گیا، ۱۰۳۰ھ میں دوبارہ ہندوستان آیا:

شاہجہان جب تخت طاؤس پر بیٹھا تو اس نے ایک قصیدہ پڑھا جس پر شاہجہان نے اسے چاندی میں تلوا دیا۔ جس کی قیمت ۵۵۰۰ روپے ہوئی۔ بادشاہ کے ساتھ کشمیر گیا وہ خطہ بہت پسند آنے کے باعث وہیں مقیم ہو گیا۔ ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء میں فوت اور سری نگر کے "مزار الشعرا" نامی قبرستان میں دفن ہوا۔ کشمیر کے فارسی شاعر غنی کاشمیری نے تاریخ وفات نکالی: طور معنی بود روشن از کلیم کلیم کا شہر ہمدان سے تعلق تھا۔

۱-۷= شعار: طور طریقہ، روش صاحب یثرب: حضور اکرمؐ پاس: لحاظ، خیال حلقۂ خاتم: انگوٹھی کا چھلا سلیماں: حضرت سلیمانؑ جن کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسم اعظم کندہ تھا، اس کی برکت سے انہیں بہت سی نعمتیں (تخت کا ہوا پر اڑنا سب جن و انس اور جانوروں کی بولیاں سمجھنا وغیرہ) حاصل تھیں، یہاں مراد مسلمان حیرت آفریں: حیرت پیدا کرنے والی مکیں: مقیم، رہنے والا طور معنی: حق گوئی کی روشن بلندی کلیم نکتہ بیں: باریکیوں یا رازوں کو سمجھنے والا کلیم/شاعر

شبلی و حالی

= شبلی: مولانا شبلی ۱۸۵۷ء میں بمقام اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا اور ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو عمر ۵۷ برس فوت ہوئے۔ ان سے بہت سی ادبی، تاریخی، فارسی و اردو ادب کی تاریخی کتب یادگار ہیں۔ سیرۃ النبیؐ ۲ جلد، شعر العجم ۵ جلد، الکلام، الماسون، الفاروق وغیرہ۔ اہل قلم ہونے کے علاوہ شاعر اور خطیب بھی تھے۔ حکومت نے انہیں "شمس العلما" کا خطاب دیا تھا۔

= حالی: مولانا حالی ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت پیدا اور ۳۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے۔ غالب اور نواب شیفتہ کی صحبت میں شعر و سخن کے ذوق کی تکمیل کی۔ اردو شاعری کو جدید و مفید مطالب مضامین سے روشناس کیا۔ "مقدمہ شعر و شاعری" یادگار غالب اور دیگر کتب ان سے یادگار ہیں۔ ۱۸۷۹ء میں سرسید مرحوم کی فرمائش پر "مسدس مد و جزر اسلام" تصنیف کیا۔ اس کے بارے میں سرسید نے کہا کہ روز حشر جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تو دنیا سے کیا توشۂ آخرت لے کر آیا ہے تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں۔

۱-۱۰= دیوانِ جزو و کل: کائنات عالم کی کتاب سرودِ رفتہ: ماضی کا گیت، مسلمانوں کے باعظمت ماضی کی داستان علوم نو: نئے/جدید یورپی علم جو مسلمانوں کے ماضی کے

علوم و فنون وغیرہ کی کتب سے استفادہ کرنے کے بعد وجود میں آئے **قافلہ ہائے کہن:** پرانے قافلے، ماضی کے مسلمانوں کی عظیم تہذیب **تہذیب:** یعنی جدید یا یورپی تہذیب جو مذکورہ تہذیب کے مقابلے میں گرد راہ ہے **مردانِ کار:** باعمل، بہادر اور غیر تنومند انسان **چرخِ لاجورد:** نیلے رنگ کا آسمان (لاجورد جواہرات میں نیلے رنگ کا ایک پتھر جو بہت قیمتی ہوتا ہے) **ہم نبرد:** جنگ آزما، صف آرا **غماز:** بھید کو ظاہر کرنے والی **رہ نوَرد:** روانہ

ارتقا (بلندی پر چڑھنے اور ترقی کرنے کا عمل)

۱۔۷ = **ستیزہ کار:** لڑنے جھگڑنے والا **چراغِ مصطفویؐ:** حضورؐ کا چراغ علم و حق **شرارِ بولہبی:** ابولہب کی لگائی ہوئی آگ، یعنی جہل اور باطل (ابولہب، حضور اکرمؐ کا چچا جو باطل کا سب سے بڑا علمبردار تھا قرآن کریم کی سورۃ "تبت یدا" اسی کی ہجو میں ہے) **کشاکشِ زم و گرما:** سردی اور گرمی کے موسموں کی کشمکش اور متضاد قسموں کی اثر اندازی **بست:** مراد پھل کے اندر قطرۂ آب کے بستہ ہونے کے لئے اس کے مقید رہنے کا عمل **شکست:** ٹوٹنا، مراد درخت سے پھل توڑے جانے کی صورت حال **سوز:** آگ پر رکھ کر حرارت پہنچنے یا پہنچانے کا عمل **کشید:** کھینچا جانا **قطرۂ نیساں:** وہ قطرہ جس سے انگور کی بیل میں خوشہ پھوٹتا ہے **آتشِ عنبی:** انگور کی لگائی ہوئی آگ، مراد شراب **تب و تابِ ملتِ عربی:** مراد مسلمانوں کا جوش و خروش یا سرگرمی اور ان کی ترقی

صدیقؓ

(حضرت ابوبکرؓ کا لقب جو رسول اکرمؐ کے پہلے خلیفہ تھے، لفظی معنی بہت سچ بولنے والا)

۱۔۲ بند = **اصحابؓ:** صاحب کی جمع، دوست، مراد وہ لوگ جو حضور اکرمؐ کی خدمت سے فیض یاب ہوئے یا جنہوں نے بحالتِ اسلام حضور اکرمؐ کی زیارت کی **فرطِ طرب:** بے حد خوشی **راہوار:** راہوار، گھوڑا **ایثار:** قربانی، سخاوت **دست نگر:** محتاج **عیال:** بال بچے، زن و فرزند **خویش و اقارب:** رشتہ دار، عزیز اور قریب کے رشتہ دار، دوست وغیرہ **استوار:** مضبوط **بلکہ یمین:** دایاں ہاتھ، عربی روزمرہ کے مطابق غلام یا کنیز **جنس:** مراد اناج اور کھانے پینے کا دوسرا سامان **اسپِ قمر سم:** گھوڑا جس

کے تھر چاند کی طرح (چوڑے، گول اور حسین) تھے قاطر: خچر حمار: گدھا
فروغ گیر: روشنی حاصل کرنے والا تکوین روزگار: کائنات کا پیدا ہونا، خلق کیا جانا

تہذیب حاضر
(تضمین بر شعر فیضی)

= فیضی: اکبری دربار کا مشہور شاعر اور ابوالفضل کا بڑا بھائی، پورا نام ابوالفیض، شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا، ولادت ۱۵۴۷ء ملک الشعرا غزالی مشہدی کی وفات کے بعد اکبر بادشاہ کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر فائز ہوا اور شہزادوں کا اتالیق بھی بنا۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور ترکی میں اسے مہارت تھی۔ تاریخ، فلسفہ، طب اور انشا پردازی میں کمال رکھتا تھا۔ اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ قرآن کی بے نقط تفسیر لکھی بعنوان "سواطع الالہام"، فارسی دیوان اور انشائے فیضی بھی مشہور ہیں۔ ۱۵۹۵ء میں بمقام آگرہ فوت ہوا۔

۱-۸= بلا کی: بہت زیادہ بھوکا: آگ کا شعلہ تاب مستعار: ادھار یا دوسروں سے لی ہوئی روشنی جلوہ فرما: چمک دمک دکھانے والا تغیر: تبدیلی تدبیر: سوچنے یا غور و فکر کرنے کا عمل جگر چاکی: مراد غنچے کی پنکھڑیوں کا بکھرنا تازہ پرواز: نیا نیا اڑنے والا، مراد تہذیب حاضر کا تازہ شوق رکھنے والے نوجوان اپنا آشیاں: مراد اپنے گھرانوں کا طور طریقہ رقابت: دشمنی، کینہ، حسد خود فروشی: اپنی عزت کا خیال نہ کرنے کا عمل ناشکیبائی: صبر نہ کر سکنے کی حالت ہوسناکی: بہت ہوس کرنے کا عمل، منع کی گئی باتوں سے بہت رغبت کہنہ اورا کی: تجربے کی منزلوں سے گزرا ہوا شعور

والدہ مرحومہ کی یاد میں

بند ۱-۲= زندانی: قیدی، پابند مجبور: بے بس، جس کے اختیار میں کچھ نہ ہو (سب کچھ اس مختار کل کی رضا کے مطابق ہوتا ہے) سیماب پا: جس کے پاؤں ایک جگہ نہ رکتے ہوں، گردش کرنے والا سبو: مٹکا، پھول کی پیالی عیاں: ظاہر زیر و بم: نچلے اور اونچے سر رہزن: راہزن، لٹیرا، راہ مار الماس: ہیرا شادابی: تر و تازگی اشک عنابی: سرخ رنگ کے آنسو، خون کے آنسو آلام: جمع الم، مصیبتیں، رنج و غم

نیرنگیِ دوراں: زمانے کی رنگ بدلنے کی کیفیت، انقلاب کی صورت حال **خنداں:** ہنسنے والا، خوش **قاصد:** مراد باعث **تردید:** رد کرنا، کسی بات یا خیال کو باطل کر دینے کا عمل

بند ۳-۶ = **گریۂ سرشار:** جی کھول کر رونے کی کیفیت **پائندہ:** مراد مضبوط **عرفاں:** آگاہی، حقیقت کو سمجھنا **گنجِ آب آورد:** پانی کا لایا ہوا خزانہ، مراد آنسوؤں کی جھڑی **پابپا:** پاؤں ملائے ہوئے، ایک صف میں کھڑے **شوخیِ گفتار:** مراد شعروں کی دلکشی **وہ جواں:** علامہ کا اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طرف اشارہ ہے **ہم پہلو:** مراد ساتھی **مسا:** شام **برنا و پیر:** جوان اور بوڑھا **کلبۂ افلاس:** غریب کا جھونپڑا **طوقِ گلو افشار:** گلے کو دبانے / بھینچنے والا طوق (لوہے کا بھاری اور خاردار حلقہ جو قیدی کے گلے میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ گردن نہ اٹھا سکے)

بند ۷-۱۰ = **امتحاں:** آزمائش **نہ:** نو (۹) **خاکِ رہِ سپہر:** راستے میں اڑنے والی مٹی **جنت نظارہ:** نگاہوں کے لئے جنت کے مناظر کی طرح پر لطف **ہیئتِ تعمیر:** تعمیر کی صورت **حجت:** دلیل **سر بزانو:** مراد غور و فکر میں مشغول **خود فزائی:** اپنے وجود کو بڑھانے کا عمل **قوتِ آشفتہ:** منتشر / بکھری ہوئی طاقت / زندگی **شیرازہ بند:** مراد مضبوط و مستحکم کرنے والی **تجدیدِ مذاق:** ذوق از سر نو پیدا کرنے کا عمل **خوگر:** عادی **تجدیدِ بال و پر:** پروں کو تولنا، عالم بالا میں جانے کے لیے تیار ہونا

بند ۱۱-۱۳ = **رخت ہستی:** زندگی کا لباس، مراد زندگی **دل آسائی:** دل کا سکون و قرار **لالۂ افسردہ:** مرجھایا ہوا لالہ کا پھول **آتش قبا:** شعلے کی طرح بھڑکتا ہوا لباس پہنے ہوئے، مراد سرخ رنگ جو لالہ کا ہوتا ہے، لالہ کا کھلنا **خفتگان:** جمع خفتہ، سوئے ہوئے **عروس:** دلہن **ہمکنار:** بغلگیر **دامِ سیمینِ تخیل:** خیالات کا وہ جال جو چاندی کے تاروں سے بنا گیا ہو، مراد دلکش افکار **آفاق گیر:** کل عالم پر چھا جانے والا **جولاں گاہ:** گھوڑے دوڑانے کا میدان، مراد دنیا و عمل کا میدان **بے حاصلی:** کوئی پھل حاصل نہ ہونے کی صورت حال، بے نتیجگی **فروزاں:** روشن **خاکی شبستاں:** مٹی میں سونے کی جگہ، قبر **سبزۂ نورستہ:** تازہ تازہ اُگا ہوا سبزہ

شعاعِ آفتاب

۱-۹= آوارہ تھی: مراد گھوم رہی تھی   سراپا اضطراب: مکمل طور پر بیقرار   ناشکیبا:
بے صبر   خرمن: کھلیان، غلے کا ڈھیر جس پر آسمانی بجلی گرنے کا خطرہ ہوتا ہے
خو: عادت، خصلت   خفتہ: سوئے ہوئے، مراد موجود   تنویر: روشنی
جستجو: تلاش   ناری: آگ سے بنی ہوئی، مراد روشن   مہرِ عالمتاب: دنیا
کو روشن کرنے والا سورج   جویائے ہشیاری: ہوشیار رہنے کی حالت کی
تلاش کرنے والا

عرفی

۱-۸= عرفی: فارسی کا مشہور شاعر، ولادت شیراز ۱۵۵۶ء، بادشاہ اکبر اعظم کے دور میں
وارد ہند ہوا، ۳۶ برس کی عمر میں ۱۵۹۲ء میں فوت ہو گیا   سینا: حکیم ابو علی بن
سینا جو طب، ریاضی، منطق، فلسفہ اور کلام میں بے مثل تھا، اسے علما سب سے بڑا
فلسفی سمجھتے ہیں۔ ولادت ۹۸۰ء (بخارا کے ایک گاؤں میں) وفات ۱۰۳۷ء
فارابی: محمد بن طرخان ابو نصر فارابی، بہت بڑا فلسفی تھا، ولادت فاراب (ترکستان)
۵ ۸۷۰ء، وفات بمقام دمشق ۹۵۰ء   تصدق: قربان   اشکِ عنابی: سرخ
رنگ کے یعنی خونیں آنسو   تغیر: تبدیلی، انقلاب   سیمابی: مراد بیقراری،
بے چینی   بار: بوجھ   ظلمت ربا: تاریکی دور کرنے والا   آسماں تابی:
آسمان کو روشن کرنا   کم گو: مت کر، مت کہہ

ایک خط کے جواب میں

۱-۶= تگ و تاز: بھاگ دوڑ، کوشش، دوڑ دھوپ   حصولِ جاہ: بڑا مرتبہ و مقام
حاصل کرنے کا عمل   ریزہ کار: باریک اور دقیق / گہرے مضمون باندھنے
اور سمجھنے والی، نکتہ بیں   سحابِ دریا پاش: ایسا بادل جس سے گویا دریا
برسیں، بہت برسنے والا بادل   ہوا: فضا   حافظ: مشہور فارسی شاعر
حافظ شیرازی

نانک

۱-۸= گوتم: بدھ مت کے بانی، مہاتما بدھ کے نام سے مشہور ہیں، ولادت صوبہ بہار (ہندوستان) ۵۶۷ قبل مسیح، (بدھ سے مراد ہے جس کی روح منور ہو) انہوں نے مساوات اور اخلاقی زندگی کا سبق دے کر ہندو مذہب (جو ذات پات کے امتیاز پر مبنی ہے) کی خود بخود تردید کر دی گوہرِ یک دانہ: بہت قیمتی موتی شودر: ہندوؤں کی چوتھی ذات، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ برھما کے پاؤں سے پیدا ہوئی ہے، خدمتی لوگ جنہیں ہندو پلید سمجھتے ہیں اور ان کو ہاتھ تک لگانا پسند نہیں کرتے برہمن: ہندوؤں کی سب سے پہلی اور سب سے مقدس ذات، ہندو عالم، مندر کا پجاری پندار: تکبر سرشار: مست اغیار: جمع غیر، دوسری قومیں آزر: حضرت ابراہیمؑ کے دور کا بہت بڑا بت تراش و بت پرست آزر کا گھر: مراد ہندوستان نورِ ابراہیمؑ: مراد توحید کی تعلیم جو گوتم نے دی

کفر و اسلام

= میرضی دانش: مشہد (ایران) کا شاعر، شاہجہاں بادشاہ کے دور میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آیا۔ بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، دو ہزار روپے انعام ملا۔ کچھ مدت بعد شہزادہ دارا شکوہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ شہزادے نے اسے ایک شعر پر ایک لاکھ روپے انعام دیا۔ وہ شعر یہ تھا:

تاک را سرسبز کن اے ابرِ نیساں در بہار

قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

۱-۷= کلیمِ طور: حضرت موسیٰؑ جنہوں نے طورِ سینا پر اللہ تعالیٰ سے جلوہ دکھانے کی التجا کی تھی آتشِ نمرود: نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا جو خدائی حکم سے گلزار بن گئی، مراد کفر و باطل غائب: مراد اللہ تعالیٰ جو نظروں سے دور، یا امام مہدی جن کا قیامت سے پہلے ظہور ہوگا حاضر: مراد باطل وادیِ کوہِ فاران: مکہ معظمہ کی وہ پہاڑی جس سے اسلام کا سورج طلوع ہوا تھا، اسلام کا

آغاز ہوا تھا   ربط: تعلق

بلالؓ

۱-۲ بند= سکندر رومی: روم کے قبل از اسلام کا مشہور بادشاہ سکندر اعظم   رومی: یعنی سکندر   پورس: ہندوستان کا مشہور راجا جسے سکندر نے وادیٔ سندھ میں شکست دی تھی   دارا: قدیم فارس (ایران) کا مشہور بادشاہ جسے اس سکندر نے شکست دی تھی   انجم سپاہ: جس کی فوج ستاروں کی طرح لاتعداد/ بے حد تھی   نیل فام: نیلے رنگ کا   مستنیر: روشن   اسود: سیاہ رنگ کا آدمی، مشرقی یا افریقی ملک کا باشندہ جس کا رنگ کالا ہوتا ہے   احمر: سرخ وسپید رنگ کا شخص، یورپ وغیرہ کا باشندہ   اختلاط: میل ملاپ   حبشی: حضرت بلالؓ

مسلمان اور جدید تعلیم

تضمین بر شعر ملک قمی

= ملک قمی: فارسی کا مشہور شاعر: ایران کے شہر قم سے تعلق تھا، ۹۸۷ء میں دکن آیا، جہاں والیٔ بیجاپور ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے وابستہ ہوا، بادشاہ نے اس کی عزت وقدر کی، ۱۰۲۵ء میں فوت ہوا۔

۱-۸= شوریدہ سر: دیوانہ   تغیر: تبدیلی، انقلاب   متاعِ کس نخر: ایسی دولت یا سامان جس کا کوئی خریدار نہ ہو، حقیر   بارآور: مراد کامیاب   فرسودہ: گھسا پٹا   زیرک: چالاک، ہوشیار   خونِ فاسد: خراب/ گندا خون   سودا: جنون، شوق   واجب: ضروری، لازمی   زبوں بختی: بدقسمتی

پھولوں کی شہزادی

۱-۲ بند= باغِ رضواں: جنت، بہشت   سرشار: وہ کیفیت جو صورت سے چھلکے، اُبلے   فردوس دردامن: اپنے دامن میں جنت/ بہشت کو لیے ہوئے   سریر آرا: حکومت کے تخت کو زینت دینے والی، ملکہ   درخشاں: روشن   افتادہ: گرنے والی، گرنے کی طرف مائل   اہلِ ماتم: مراد ہر غمزدہ اور مصیبت کا مارا

انسان

تضمین بر شعرِ صائب

= تضمین بر شعر: کسی شاعر کے مشہور شعر کو مضمون کی مناسبت سے اپنے کلام میں شامل کرنا صائب: مشہور ایرانی شاعر محمد علی، تخلص صائب، ولادت تبریز (ایران) اصفہان میں تعلیم پائی، کابل کے صوبہ دار ظفر خاں کی خدمت میں آ کر قصیدہ پیش کیا جسے صوبہ دار نے بہت پسند کیا اور اسے فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا۔ عمر کے آخری حصے میں اصفہان واپس چلا گیا اور وہیں ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء میں وفات پائی۔

۱-۷= تخمِ سینائی: کوہ طور کی تجلیوں کا بیج، مراد اسلام اور تبلیغ اسلام کی تحریک کی سرسبزی خود افزائی: اپنے آپ کو ترقی دینا، اپنی حیثیت میں اضافہ کرنا پیری: بڑھاپا، مراد بوڑھے لوگ برنائی: جوانی، جوان لوگ خوابیدہ: سو جانے والے دلِ آگاہ: حقیقتوں اور اسباب سے باخبر صاحبِ عمل نواگر: نغمہ گانے والا، شاعر زہراب: زہر میں ملا ہوا پانی شکر خائی: مراد شیریں کلامی

فردوس میں ایک مکالمہ

= مکالمہ: باہم گفتگو، باہم مل بیٹھ کر بات چیت کرنا

۱-۱۳= ہاتف: غیبی فرشتہ، غیب سے آواز دینے والا فرشتہ حالیؔ اور سعدیؔ: دونوں کا پہلے ذکر آ چکا ہے واماندۂ منزل: منزل سے پیچھے پڑا ہوا، منزل سے دور، عاجز صاحبِ اعجاز: مراد معجز بیان شاعر تزلزل: زوال، تبدیلی، تہ و بالا ہونے کی حالت ورقِ ایام کا الٹنا: مراد ہندوستان کی حکومت میں تبدیلی آئی اور مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو کر خبیث انگریز حکمران بن گئے زمیں گیر: مراد پست زمیں تاز: مراد مادی فائدوں کے سلسلے میں جدوجہد کرنے والی الحاد: خدا کے وجود سے انکار، شرک و کفر غماز: چغل خور، بھید ظاہر کر دینے والا

مذہب (تضمین بر شعر میرزا بیدلؔ)

= میرزا بیدلؔ: میرزا عبدالقادر بیدلؔ، ولادت پٹنہ (عظیم آباد) بعض کے مطابق

بخارا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دوسرے شہزادے محمد اعظم کی سرکار میں منشی (آج کل کے سیکرٹری کا عہدہ) تھا۔ اپنی بے حد خودداری کے باعث شہزادے کی مدح میں کبھی ایک مصرع بھی نہ کہا۔ ایک دفعہ شہزادے نے اپنی مدح میں قصیدہ کہنے کے لیے کہا اور یہ کہا کہ میرے دادا نے کلیم کو چاندی میں تلوا دیا تھا، میں تمھیں سونے میں تلوا دوں گا۔ بیدلؔ نے قصیدہ کہنے کی بجائے استعفیٰ دے دیا اور دہلی میں تنگی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ساری عمر کسی امیر کے دربار میں نہیں گیا۔ ۳ صفر ۱۱۳۳ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ اپنے زمانے کا سب سے بڑا شاعر اور مشکل پسندی و مضمون آفرینی میں بے مثل تھا۔

۱-۶ = پیرِ فلسفۂ مغربی: یورپ کے فلسفے کا بڑے سے بڑا عالم   محسوس: جو چیز آنکھوں سے نظر آئے یا حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکیں   عقاید: جمع عقیدہ، اعتقاد، مذہبی خیالات یا مسلک   انتعاش: مراد بلندی   مرشدِ کامل: مراد میرزا بیدلؔ

جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

= یرموک: اُردن کے علاقے میں، دمشق سے کچھ فاصلے پر ایک میدان ہے جس میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور (۱۵ھ/۶۳۶ء) میں بیس ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومیوں کو شکست دی تھی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح تھے جو تاریخ میں ''فاتح شام'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ۵۸ برس کی عمر میں ۱۸ھ/۶۳۹ء میں حضرت فوت ہوئے۔

۱-۱۰ = عساکر: جمع عسکر، بمعنی لشکر کی جمع   امیر: سردار، سالار   رخصتِ پیکار: جنگ کی اجازت   حضورِ رسالتؐ پناہ: حضورِ اکرمؐ کی خدمتِ عالیہ میں   تیغِ بے نیام: ننگی تلوار جو رکاوٹ کے بغیر چل جائے

مذہب

۱-۳ = قیاس: مراد ایسا اندازہ جو دو چیزوں کو برابر سمجھے، لیکن اٹکل پر مبنی ہو، بے معنی ہو   جمعیت: ایک جماعت کی صورت ہونا   انحصار: دارومدار

پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

۱-۶= سحاب: بادل زر کامل عیار: بالکل خالص سونا، یہاں مراد ایمان
اوراق: جمع ورق، پتے شاخِ بریدہ: کٹی ہوئی شاخ پیوستہ: جڑا ہوا، ملا ہوا

شب معراج

۱-۲= رہِ یک گام: ایک قدم کا راستہ، بہت ہی نزدیک

پھول

۱-۸= دلِ صد چاک: مراد بہت زخمی / پھٹا ہوا دل چاک: پھٹا ہوا حصہ رفو کرنا: سینا پا بہ گِل: جس کے پاؤں مٹی میں ہوں، مراد ساکن، ایک جگہ ٹکا ہوا تنگ بخشی: کچھ دینے میں بخل کرنا، ضرورت سے کم دینا استغنا: بے نیازی، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے کا جذبہ جور: ظلم و ستم مضمر: پوشیدہ آئینہ رو: حسین، نورانی چہرے والا، مجازاً حضور اکرم کی ذات اقدس

شیکسپیئر

= شیکسپیئر: انگلستان کا مشہور شاعر اور ڈرامہ نویس۔ ولادت ۱۵۶۴ء، وفات ۱۶۱۶ء۔ اس نے اپنے ڈراموں میں انسانی فطرت کے تمام پہلو کسی نہ کسی طرح روشن و واضح کیے ہیں۔ فطرت کا بڑا نباض اور ماہر تھا۔

۱-۲= عارضِ زیبا: خوبصورت چہرہ / گال فکرِ فلک رس: آسمان تک پہنچنے والا فکر، بہت بلند فکر گیا: ایسا لگتا ہے جیسے مآلِ ہستی: زندگی کا انجام دیدار طلب: کسی کو دیکھنے کا خواہش مند تاب: روشنی مستور: پوشیدہ، چھپی ہوئی سودا: جنون، دیوانگی حجلہ: دلہن کا چھپرکٹ، دلہن کے لیے سجایا گیا کمرہ

میں اور تُو

۱۰۹= قرینۂ خلیلؑ کا: مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سا پختہ ایمان اور بت شکنی کی لگن   سلیقہ کلیمؑ کا: مراد جلوۂ ایزدی کے دیدار کا شوق و جذبہ جس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ سرشار تھے   جادوئے سامری: حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے بہت بڑے جادوگر کا جادو، سامری نے سونے کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل سے اس کی پرستش کروائی تھی اور اپنے جادو سے اس میں بولنے کی صفت پیدا کر دی تھی   ہلاک: مراد فریفتہ   قتیل: قتل کیا ہوا، مارا ہوا   آزری: مراد بت تراشی و بت پرستی   نوائے سوختہ در گلو: جس کے گلے میں سوزِ دل سے آواز تک جل گئی ہو اور یوں آواز کراہ کے ساتھ نکلے   پریدہ رنگ: جس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو، مراد جو رنج و غم کے باعث مضمحل ہو   رمیدہ بو: جس کی مہک اڑ چکی / ختم ہو چکی ہو، مرجھایا ہوا ہو، مراد شدتِ رنج و غم   سم: زہر   گرو جم: مراد غیر اسلامی تہذیب میں جکڑا   رم زندگی: زندگی کا چلنا پھرنا، وجود کا برقرار رہنا   نانِ شعیر: جَو کی روٹی، جو حضرت علیؓ جیسے عظیم مجاہد کی خوراک تھی   پتنگ: پتنگا، پروانہ، مراد مسلمان   سرشتِ سمندری: سمندر (چوہے کی شکل کا ایک جانور جو آتشکدے میں پیدا ہوتا ہے اور اگر باہر نکلے تو مر جاتا ہے) کی سی فطرت، دینِ اسلام اور حضور اکرمؐ سے عشق کا جذبہ   ہری ہری: مراد توبہ توبہ (ہری: بھگوان، خدا)   ستیزہ گاہ: میدانِ جنگ   پنجہ فگن: ایک قسم کا زور جو مقابل کی پانچوں انگلیوں میں اپنی پانچوں انگلیاں ڈال کر ایک دوسرے کا ہاتھ موڑنے کے لیے کیا جاتا ہے، مراد مقابلہ کرنے والا   دماغ سکندری: سکندر بادشاہ کا سا دماغ، مراد قاہرانہ ولولہ و جذبہ   گدا: فقیر محتاج

اسیری (قید میں ہونا)

۳= اعتبار افزا: انسان کی قدر و عزت میں اضافہ کرنے والی   نیساں: وہ مہینا جس کی بارش سے سیپ میں موتی اور انگور کی بیل میں دانہ پیدا ہوتا ہے   صدف: سیپ، سیپی   اذفر: خالص اور تیز خوشبو والی   نافۂ آہو: ہرن کی ناف، مشک کا تار یا تھیلی

کے ہرن کی ناف کے اندر کی تھیلی　　　بہرہ مند: حصہ پانے والا، شرف حاصل کرنے والا

دریوزۂ خلافت

= اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں عربوں کی غداری کے باعث ترکوں کو شکست فاش ہوئی جس سے مسلم دشمن انگریز کی دلی تمنا پوری ہو گئی۔ اس موقع پر انگلستان کے وزیر اعظم نے اپنے فلسطین کے فاتح جنرل کے سینے پر "ہلال پر صلیب کی فتح" کا تمغہ لگا دیا اور کہا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہمیں جو شکست دی تھی، اب ہم نے اس کا انتقام لے لیا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں اشتعال پھیلا۔ انگریز نے برصغیر کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ترکی کے حصے بخرے نہیں کیے جائیں گے، لیکن ۱۹۱۹ء میں ترکی کے خاتمے کا فیصلہ کر لیا۔ اس خبر سے کہ خلافت اسلامیہ ترکی کا اب وجود نہیں رہے گا ہندوستان کے تمام مسلمان غم و غصہ سے لبریز ہو گئے، حتیٰ کہ ہندو لیڈر مہاتما گاندھی جی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ ہر مقام پر خلافت کمیٹیاں قائم ہو گئیں، جن کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسے منعقد ہونے اور جلوس نکالے جانے لگے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی (علی برادران) اس تحریک کے بڑے ارکان تھے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر کی خلافت کمیٹی نے اپنے اجلاس میں یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۲۰ء میں ایک وفد انگلستان بھیجا جائے جو ظالم و خبیث حکومت برطانیہ پر زور دے کہ "خلافت" کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ یہ وفد وہاں پہنچ کر آٹھ مہینے انگلستان میں مقیم رہا جس پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی، لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ علامہ اقبال نے پہلے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ خلافت کے زوال کی آرزومند اور مسلمانوں کی بہت بڑی دشمن خبیث حکومت برطانیہ کبھی یہ مطالبہ پورا نہیں کرے گی۔ چنانچہ اپنی اس نظم میں انہوں نے اپنے اسی نظریے کا اظہار کیا ہے۔

۱-۳= احکام: جمع حکم　　آگہی: آگاہی، واقفیت، باخبری　　ننگ: باعثِ شرم

ہمایوں

۱-۵= چنگاری: وہ معمولی سا پرسوز فقرہ جو قوم کی ہمدردی میں زبان سے نکلا تھا

انجمن افروز: محفل کو روشن کرنے والی　　نزار: دبلا، کمزور　　گردوں نورد:

آسمان تک پہنچنے والا، مراد بڑے بڑوں پر چھا جانے والا   اختتام: ختم ہونا، انجام   دوام زندگی: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی

خضر راہ (شاعر)

۱۔۲ بند= محو نظر: دیکھنے میں معروف دست   آسودہ: راحت والی   نرم سیر: آہستہ بہنے والا، چلنے والا   کم ضو: تھوڑی روشنی والا   پیک جہاں پیما: دنیا بھر میں ہر وقت چلنے پھرنے والا   وا: کھلی   سخن گستر: گویا، بات کرنے والا جویا: تلاش کرنے والا   شہید جستجو: مراد حقیقت حال معلوم ہونے کا دلدادہ، تحقیق پر جان دینے والا   "کشتی مسکین" "جان پاک" "دیوار یتیم": ایک مفلس کی کشتی جس میں حضرت خضرؑ نے سوراخ کر دیا اور حضرت موسیٰؑ نے جو اس وقت ان کے ہمراہ تھے، اس پر اعتراض کیا تو خضرؑ بولے کہ میں نے اسی شرط پر آپ کو ساتھ لیا تھا کہ آپ میری کسی بات پر اعتراض نہیں کریں گے۔ جواب میں موسیٰؑ بولے، اب ایسا نہیں کروں گا۔ آگے چل کر خضرؑ نے ایک نوجوان کو قتل کر دیا۔ یہاں پھر حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا، حضرت خضرؑ نے پھر انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا، حضرت موسیٰؑ نے پھر معذرت کر لی۔ آگے بڑھ کر ایک بستی میں ٹھہرے اور لوگوں سے کھانا مانگا جو انہیں نہ دیا گیا۔ وہ کچھ اور آگے بڑھے تو اس بستی کے ایک مکان کی دیوار گرنے والی تھی۔ حضرت خضرؑ نے اس کی مرمت کر دی۔ اس پر موسیٰؑ بولے کہ اگر آپ اجرت لے کر یہ کام کرتے تو اچھا تھا۔ اس پر وہ بولے کہ تم نے پھر مجھے ٹوکا۔ حضرت موسیٰؑ نے سر جھکا لیا۔ پھر حضرت خضرؑ نے یوں وضاحت کی کہ بادشاہ کے آدمی کشتیاں بیگار میں پکڑ رہے تھے۔ میں نے غریب کی کشتی میں سوراخ بیگار میں پکڑے جانے سے بچانے کے لیے کیا۔ نوجوان سخت ملحد تھا جبکہ اس کے ماں باپ مومن تھے۔ وہ ان دونوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ دیوار اس لیے اجرت کے بغیر مرمت کی کہ یہ دو یتیموں کی دیوار تھی اور اس کے نیچے باپ کا خزانہ دفن تھا، اگر دیوار گر جاتی تو یتیم خزانے سے محروم ہو جاتے۔ حضرت موسیٰؑ یہ سب اسرار سن کر حیران ہوئے اور ان باتوں کا علم ہونے پر حضرت خضرؑ کا شکریہ ادا کیا   خرقۂ دیرینہ چاک ہونا: مراد اپنے قدیم شعار اور خصوصیات کو ترک کرنا

اقوام نو دولت: مراد یورپ اور امریکہ کی وہ قومیں جو موجودہ دور میں مالدار ہو گئی ہیں، نئی سلطنتیں/حکومتیں بھی مراد ہے   قبا پوش: لباس پہننے والا، مراد مقلد، پیرو، نقالی کرنے والا   نا نوش: پینا پلانا   ہاشمی: مراد عرب قوم بالخصوص شریف مکہ جس کا نام حسین تھا اور جس نے ۱۹۱۶ء میں انگریزوں سے دوستی کر کے ترکوں کی تباہی میں حصہ لیا تھا اور اس طرح اسلام کی عزت گنوادی تھی

جوابِ خضر (صحرانوردی)

۸-۱= تگا پوئے دمادم: مسلسل اور لگاتار دوڑ دھوپ   رہینِ خانہ: گھر کا گروی، مراد بے عمل جو گویا گھر ہی میں گرفتار رہتا ہے   بانگِ رحیل: کوچ کی آواز   حضر: سفر کی ضد، ایک جگہ کا قیام   نمود: ظاہر ہونا، طلوع   اخترِ سیماب پا: بیقرار ستارہ، صبح کا ستارہ جو طلوع ہو کر جلد غروب ہو جاتا ہے   سلسبیل: جنت کی ایک نہر کا نام جس سے روزِ قیامت نیک اعمال والے لوگ سیراب ہوں گے   زنجیری: قید میں پھنسا ہوا، مراد دلچسپی میں پھنسا ہوا   کشت و نخیل: کھیتی اور کھجور کا درخت، مراد باغ

زندگی

۳-۱ بند= اندیشۂ سود و زیاں: نفع اور نقصان کا تصور/سوچ   تسلیمِ جاں: زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان/نثار کر دینا   پیہم رواں: مسلسل چلنے والی   ضمیرِ "کن فکاں": مراد تخلیق کی باطنی قوت جو خدا کے ہاتھ میں ہے اور انسان کو اس کی عملی سرگرمی کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے نصیب ہو جاتی ہے "کن فکاں" خدا تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات کے وقت فرمایا تھا، کن یعنی پیدا ہو جا، جس کے فوراً بعد "فکاں" یعنی کائنات پیدا ہو گئی   کوہکن: کوہ کن، پہاڑ کھودنے والا، فرہاد   جوئے شیر: دودھ کی ندی جو فرہاد نے پہاڑ کھود کر جاری کی تھی   قوتِ تسخیر: مراد اپنے علم کے زور سے کائنات کو مسخر کرنا، اشیا کی حقیقت کا حال دریافت کر کے اپنی قوتِ عمل سے ان سے استفادہ کرنا   زیاں خانہ: نقصان کا گھر، مراد ایسی جگہ جہاں قوتِ عمل سے کام نہ لیا جائے تو ساری فطری قوتیں نقصان پذیر ہو جاتی

انبار: ڈھیر شمشیر بے زنہار: ایسی تلوار جس سے بچا نہ جا سکے جاں: مراد خدا تعالیٰ اور حضور اکرم کا عشق اور ان کے احکام پر عمل کرنے کی لگن جس سے انسان صحیح معنوں میں باعمل بن کر دین و دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے مستعار: مراد جو ذاتی نہ ہو بدخشاں: پاکستان اور خراسان کے درمیان ایک مشہور پہاڑی علاقہ جہاں لعل پیدا ہوتے ہیں عرصہ: میدان دفتر: کتاب

سلطنت

۱-۱۱ = رمز: راز ''ان الملوک'': قرآنی آیت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بادشاہ گاؤں وغیرہ فتح کر کے اس میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں، اس کے معزز لوگوں کو رسوا کرتے اور ملوکیت کے زعم میں ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں محکوم: غلام ذات بے ہمتا: جس کا کوئی ثانی نہیں، خدائے واحد دیو استبداد: ظلم و جبر کا بھوت پائے کوب: رواں دواں پردہ: راگ، نے نیلم پری: نیلے رنگ کی نہایت حسین پری جو قدیم ہندوستان کے راجا اندر کے دربار میں ہوتی تھی، آزادی کو اس سے تشبیہ دی ہے مجلس آئین: قانون سازی کی انجمن جو حکومت بنائے، اسمبلی گرمی گفتار: تقریر کا جوش و خروش اعضائے مجالس: اسمبلیوں کے رکن الاماں: خدا کی پناہ جنگ زرگری: بناوٹی یا مصنوعی لڑائی سراب: ریتلی زمین جو چاند، سورج کی چمک سے پانی کا دھوکا دیتی ہے، مراد حکومت کی سیاسی چالبازی و فریب کاری

سرمایہ و محنت

۱-۲ بند = برات: رزق دولت آفریں: دولت پیدا کرنے والا، مراد مزدور جس کی محنت سے سرمایہ دار دولت کماتا ہے ساحر الموط: الموط کا جادوگر حسن بن صباح جو جادوگر تو نہ تھا لیکن اس کے کام جادوگری کے سے تھے، مراد سرمایہ دار برگ حشیش: بھنگ کی بوٹی شاخ نبات: مراد مصری کا شیریں شربت خواجگی: آقائی، حکمرانی مسکرات: مدہوش کر دینے والی چیزیں مسکر: نشہ غنچہ ساں: کلی کی طرح جم: جمشید قدیم ایرانی بادشاہ کرمک: کیڑا، مراد

مزدور   زخم گل: مزدور کا استعارہ ہے   تدبیر: مراد تلاش وجستجو   شمع: مراد سرمایہ دار   تجلی زار: روشنیوں کا کھیت، مراد مستقبل

دُنیائے اسلام

۱-۳ بند= تثلیث: عیسائی نظریہ کے مطابق خدا کی توحید کی تین شاخیں ہیں، باپ یعنی خدا، بیٹا یعنی حضرت عیسیٰ اور روح القدس، تثلیث کے فرزند یعنی عیسائی، بالخصوص انگریز جو اس وقت برصغیر پر حکمران تھے   کلاہِ لالہ رنگ: سرخ رنگ کی ٹوپی، ترکی ٹوپی جو ترکوں کی خاص ٹوپی تھی، یہ ٹوپی اس تحریک میں ختم ہو گئی تھی جو ترکوں نے قومی لباس ترک کرنے کے لیے بیسویں صدی کے ربع اول میں چلائی تھی   پارس: فارس، ایران   مے: یہاں مراد یورپی تہذیب وتمدن   گاز: گیس، تیزاب   مومیائی: ایک دوا جو پہاڑوں سے حاصل ہوتی ہے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑتی ہے، یہاں مراد مسلمانوں کی زبوں حالی دور کرنے کے لیے دوسرے ملکوں سے امداد مانگنا   مور بے پر: پروں کے بغیر چیونٹی، مجبور چیونٹی، مسلمان   خرگاہی: شاہی خیمے کا   والا گہر: اونچی ذات کا، اعلیٰ خاندان کا   سطوتِ رفتارِ دریا: طوفانی موجوں کی پرشکوہ روانی یعنی طاقتور مخالفین اسلام کی خوفناک ریشہ دوانیاں   موجِ مضطر: مراد غیر مسلموں کی شورش   زنجیر: مراد غیر کے لیے وبال جان   سمندر: آگ میں پیدا ہونے اور مرنے والا کیڑا   لاتخلف المیعاد: قرآنی آیت کا اقتباس، پورا فقرہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

طلوعِ اسلام

بند۱= تنک تابی: ہلکی / مدہم روشنی   گراں خوابی: گہری نیند، غفلت میں پڑے رہنا   عروق: جمع عرق، رگیں   تلاطم: طوفان، طغیانی   نطق: زبان مراد فصاحت وبلاغت   شکوہِ ترکمانی: ترکوں کی سی شان وعظمت   ذہن ہندی: مراد دانائی وزیرکی   برگستواں: گھوڑے کا زین وساز، مراد ظاہری زیبائش   جگر تابی: باطن کی تڑپ، بے چینی

بند۲= گہر: موتی، مراد عظیم جذبوں والے مسلمان   عثمانی: مراد ترک   جہاں بینی:

رہنے والا مینا خانہ: شراب کی بوتلوں کا گھر، بوتلوں کا ڈھیر بار دوش: کندھے کا بوجھ دلی والا ہور ہم پہلو ہوئے: دلی اور لاہور ساتھی بنے

(۳)

بلبل شوریدہ: دیوانی بلبل مصلحت اندیش: وقت کے مطابق بہتری اور بھلائی کو سوچنے والی/ والا، انجام پر غور کرنے والی فرسودہ کا قاصد: مراد حضور اکرمؐ کا حکم سبک گام عمل: راہ عمل میں تیز رفتاری سے چلنے والا دہر آشوبی: دنیا میں انقلاب لانے کا عمل زناری بت خانہ ایام: دنیا کے بت کدے میں پوجا کرنے والا، مراد دنیا میں کسی قسم کا انقلاب لانے سے کوسوں دور کاوش: فکر ترازو: مراد کسوٹی/ پیمانہ کم و کیف: کتنا اور کیسا (جو کیسا کے جواب میں بولا جائے) شمار: گنتی تنگ بخشی: کم دینا، دینے میں بخل/ کنجوسی کرنا تہی جام: خالی پیالے والے بادہ گردان عجم: غیر عرب ملکوں کی شراب علم پینے والے/ والا، مراد غیر اسلامی درسگاہوں میں تعلیم پانے والا مے آشام: شراب پینے والا، مراد غیر اسلامی درس گاہوں سے شراب علم پینے والا طالب علم، یعنی مغرب زدہ لوگ نو گرفتار: جو کسی جگہ نیا نیا پھنسا ہو، ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو وعظ و ہدایت کے بعد اپنی پہلی بری روش چھوڑ کر صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں پھڑکنا: مراد سابق کے/ پہلے لطف یاد کر کے بیقرار ہونا ۱-۱۰ء

(۴)

انجمن آرائی: محفل سجانا، گوشے سے نکل کر منظر عام پر آنا، اشارہ ہے اس طرف کہ وہ مسلمان کو کہہ رہے ہیں کہ گھر میں بیکار اور گمنام پڑے رہنے سے خدمت اسلام نہ ہو سکے گی، باہر نکل اور میدان میں آ چشمک پنہاں: چھپ چھپ کر نظروں سے دیکھنے کا عمل نفس گرم: مراد عشق کا سوز اعجاز حیات: زندہ کر دینے کا معجزہ مسیحائی: مُردے کو زندہ کر دینے کا کام دریوزہ گری: بھیک مانگنا شعلہ سینائی: طور سینا والا شعلہ، وہ تجلی ایزدی جو حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر نظر آئی تھی انداز کلیسائی: عیسائیوں/ غیر مسلموں کا سا طور طریقہ رعنائی: حسن و جمال بادیہ پیمائی: جنگلوں میں دیوانہ وار پھرنا، تلاش محبوب میں دشت و بیاباں کی خاک چھاننا ۱-۸ء

(۵)

۱-۶= اجزا: جمع جزو برہم ہونا: مراد منتشر ہونا، پھیل جانا پریشاں ہونا: بکھرنا، پھیلنا جنسِ محبت: محبت کا سرمایہ/سودا کم مایہ: تھوڑی پونجی والے، صلاحیت میں اور قبول کے مادہ میں کم لوگ ارزاں: سستا مستور: چھپی ہوئی رہرو فرزانہ: عقلمند/دانا مسافر

(۶)

۱-۷= حقیقتِ منتظر: ایسی حقیقت جس کا انتظار کیا جائے، کسی کے مطابق اس سے مراد حضرت امام مہدیؑ ہیں جو قیامت سے پہلے وارد ہوں گے اور بعض کے نزدیک خدا تعالیٰ طرب آشنائے خروش: مراد جذبہ عشق کی دھوم مچا دینے کی لذت سے واقف محرم: واقف راز، آشنا کرمکِ شمع: مراد پروانہ حدیث: بات عفو بندہ نواز: بندوں اور غلاموں پر رحم/مہربانی کرنیوالے کا بندوں کو معاف کر دینا، بخش دینا صنم آشنا: مراد ماسویٰ اللہ (اللہ کے سوا) یعنی باطل قوتوں کی محبت میں گرفتار

(۷)

۱-۳= نوائے زیر لبی: وہ آواز جو ہونٹوں میں دب کر رہ جائے اور اسے کوئی سن نہ سکے دلِ ناصبور: بیقرار دل اسد اللّٰہی: خدا کے شیر یعنی حضرت علیؓ سے تعلق رکھنے والی ابولہبی: مراد حضور اکرمؐ کی اور اسلام کی عداوت/دشمنی میں ابولہب کا ظلم

(۸)

۱-۳= زندانی: قیدی تنقید: نکتہ چینی، مراد وہ نکتہ چینی جو عقل آئے دن مذہبی اصولوں پر کرتی رہتی ہے اور اس کی وجہ سے عقیدوں میں خلل پیدا ہو جاتا ہے "لا یخلف المیعاد": قرآنی آیت، پورا فقرہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا، مراد یہ کہ ملت اسلامیہ اس کے احکام پر عمل کرے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی صلاح و فلاح کے سامان مہیا فرمائے گا "ان وعد اللہ حق": اللہ کا وعدہ سچا ہے لسان العصر: اپنے دور/زمانے میں قوم کی زبان، مراد حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم جن کا یہ لقب تھا۔

ظریفانہ

(دل لگی اور ہنسی مزاح والا کلام)

۲۸۰-۱= مشین: زندگی کا کوئی کام انجام دینے والا اوزار فلاح: بھلائی، بہتری، سلامتی مدنظر: پیشِ نظر وضع: طور طریقے حامی: حمایت کرنے والا شیخ صاحب: طنزاً کہا ہے، جنابِ شیخ / پیر، شیخ جی، ملا بدظن: بدگمان زن: عورت اوٹ: پردہ عوض: بدلے میں جرأت آفریں: دلیری پیدا کرنے والی ڈینگ مارنا: شیخی / شیخیاں مارنا / بگھارنا ہینگ: ایک درخت کا گوند جس میں بہت خوشبو ہوتی ہے اور جو ماش کی دال وغیرہ میں تھوڑی سی ڈال کر کھاتے ہیں آغا: افغانی پٹھان بوٹ کی ٹو چاٹنا: خوشامد کرنا، مراد حاکموں کی چاپلوسی / خوشامد کرنا رینگنا: چھوٹے کیڑوں کی طرح آہستہ آہستہ چلنا، مراد جب کوئی خوشامدی کسی حاکم کے پاس جاتا ہے تو اس کی رفتار ایسی ہی ہوتی ہے بھدا: بھونڈے جسم کا، ٹیڑھے میڑھے اعضا والا تنگدست: مفلس، محتاج ردِ جہاد: کفر کے خلاف جنگ کرنے کی تردید (جو اس وقت ایک شخص میرزا قادیانی نے کئی رسالوں میں کی تھی اور انگریز حکومت نے اسے بہت انعام و کرام دیا تھا) پِل: گولی یا دوائی کی گول ٹکیا غسال: مُردے کو غسل دینے والا کنکر: ڈبا، زنبیل ہٹ: ضد، اصرار اصلِ شہود و شاہد و مشہود: ظہور ہونے یا دیکھنے والا، جسے دیکھا گیا، سب ایک ہیں، وحدت وجود کی طرف اشارہ ہے معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ، آخرت، عقبیٰ قانونِ وقف: جائیداد کو صرف اولاد کے لیے وقف کرنے کا قانون جو ۱۹۱۲ء میں حکومت ہند نے بابائے قوم کی تجویز پر منظور کیا مِس: Miss کنواری انگریز لڑکی جہازِ بیاباں: مراد اونٹ، جو ریت میں سامان اور سواریوں کی آمد و رفت وغیرہ میں جہاز کی طرح مفید ہے فلیٹ: جنگی جہازوں کا بیڑا سلیقہ سوال کا: مراد بھیک مانگنے کا عمل اور وہ بات جو کونسل کی میٹنگ میں حکومت سے جواب طلب کرنے کے لیے کہی جائے امپریل کونسل: انگریزوں کے دور میں برصغیر میں یہ حکومت بنی تھی، اس کی تشکیل سے اہلِ ہند کو مزید نشستیں تو مل گئیں لیکن اس کے

ارکان کو زیادہ تر دہلی میں مقیم رہنا پڑتا تھا اور اس میں اتنے اخراجات ہوتے تھے کہ غریب مسلمانوں کا اس سے مستفیض ہونا مشکل تھا کلکٹر: ضلع کے محکمہ مال کا افسر، ضلع کا حاکم کمیٹی: مراد میونسپل کمیٹی مُشرک: شرک کرنے والا، خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے والا، ایک سے زیادہ خداؤں کا قائل حق نیوش: حق / سچی بات سننے والا قیود: جمع قید، پابندیاں مداوا: علاج، بیماری کی دوا سرجن: ڈاکٹر چیر پھاڑ کا کام کرنے والا، جراح حذر: بچنے کی کیفیت دیرینہ: پرانا گائے: مراد ہندوستان کے ہندو اونٹ: مراد پاکستان بننے سے پہلے کے مسلمان کلیل: جانور کی اچھل کود غمزہ اشتر: اونٹ کی چالاکی اور فریب گوسفند: بکری پلنگ: چیتا خرِ لنگ: لنگڑا گدھا تشنہ کامی: پیاسا ہونا بسوہ دار: وہ چھوٹا زمیندار جو کسی بڑے زمیندار کے نیچے ہوتا ہے جیل: اشارہ ہے مہاتما گاندھی کے ایک مضمون کی طرف جو انہوں نے جیل میں سیاسی مصلحت سے لکھ کر شائع کرایا، خلاصہ اس کا یہ تھا کہ قرآن اور گیتا کی تعلیم یکساں ہے آشتی: صلح صفائی، ملاپ بدری: ایک فرضی ہندو نام، ہندو ست: سچائی تت: اصل، جوہر، خلاصہ چٹے بٹے کی ایک ہی تھیلی کے: ایک ہی گھرانے کے ہیں، سب کی اصلیت ایک ہے "وقد کنتم بہ تستعجلون": قرآنی آیت، اور تم یقیناً اس (عذاب) کی طرف جلدی جلدی بڑھ رہے ہو یاجوج اور ماجوج: پرانے زمانے میں دو قومیں تھیں جو فارس میں گھس کر تباہی مچایا کرتی تھیں، سورۂ انبیاء میں ان قوموں کے برباد ہو جانے کی پیش گوئی کی گئی ہے، یہاں مراد فتنہ پرداز مفسد قومیں ینسلون: (قرآنی آیت) یہاں تک کہ جب (وہ یاجوج ماجوج قیامت کے قریب) کھولے جائیں گے یعنی ان کے لشکر اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے یا پھسلتے ہوں گے (غالباً یہاں مراد روس اور امریکہ ہیں) رند علم یزل: ہمیشہ شراب پینے والا، ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے شریف مکہ کے بیٹے امیر فیصل کو شام کا بادشاہ بنا دیا اور عراق و فلسطین کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے فرانس کے سپرد کر دیا، شامیوں نے فرانس کے خلاف جنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ۱۹۲۵ء میں فرانس نے ان علاقوں کو پورے طور پر آزاد تسلیم کر لیا نیلی رواق: آسمان کرزن: ایک

انگریز جو پہلے برصغیر کا وائسرائے تھا اور اس وقت حکومت برطانیہ کا وزیر خارجہ تھا ورد ولا یطاق: ایسا ورد جسے برداشت نہ کیا جا سکے سر آغا خان: فرقۂ اسمٰعیلیہ کا مشہور مذہبی پیشوا، اسمٰعیلی اسے امام حاضر خیال کرتے ہیں مزارع: کسان، کھیتی باڑی کرنے والا شوریدہ حال: پریشان حالت والا نجار: بڑھئی، مراد انگریز جنہوں نے ہندوستانیوں کو بناوٹی آزادی دینے کے لیے الیکشن وغیرہ کروائے تھے اور اہل ہند کی کونسلیں بنائی تھیں رندا: بڑھئی کا ایک اوزار جس سے لکڑی کو صاف اور ہموار اور چکنا کرتے ہیں لیس للانسان الا ما سعیٰ: صرف وہی چیز انسان کو ملتی ہے جس کی وہ کوشش کرے دستکار: صنعتی کام کرنے والا، ہاتھ کا کاریگر مسجد قوت الاسلام: شاہ عالمی کے باہر ایک مسجد ہے جو مسلمانوں نے ایمانی جذبے کے تحت رات بھر میں پوری تعمیر کر لی تھی امیر فیصل: شریف مکہ بن حسین جس نے جنگ عظیم کے بعد انگریزوں سے مل کر ترکوں کے سینوں کو اپنی گولیوں سے چھلنی کیا اور دمشق پر انگریزوں کی فتح و قبضہ کی خوشی میں اپنے یہاں چراغاں کیا تھا سنوسی: سید محمد ادریس السنوسی جو سنوسیہ تنظیم کے ایک بزرگ تھے، انہوں نے ترکوں کے ساتھ مل کر اطالیہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ۱۹۱۱ء میں اپنے مریدوں کی ایک فوج بنائی تھی، سنوسیہ ایک رضا کارانہ خدمت کا ادارہ تھا جس کی بنیاد حضرت سید محمد بن علی نے ڈالی تھی، وہ الجیریا کے مسلمان تھے اپدیشک: واعظ، نصیحت کرنے والا۔

تمت بالخیر

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

یزدانی سٹریٹ عارف چوک۔ ملت روڈ محسن آباد۔ لاہور

جمعۃ المبارک 30-9-2005

maablib.org

مزید کتابیں

زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
اپنا گریبان چاک (خود نوشت سوانح حیات)	ڈاکٹر جاوید اقبال
اقبال فراموشی	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال کا فکری نظام اور تصور پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو، انگریزی)	ترتیب و تالیف محمد اکرام چغتائی
مفکر پاکستان	محمد حنیف شاہد
کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا (عام ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
شکوہ جواب شکوہ	علامہ محمد اقبال
علم الاقتصاد	علامہ محمد اقبال
اقبال شناسی اور آغا صادق	ترتیب ڈاکٹر نوید حسن
علامہ اقبال کی سیاسی زندگی	محمد سلیم
اقبال ـــــ نئی تفہیم	ڈاکٹر صدیق جاوید
اقبال شخصیت، افکار و تصورات، مطالعہ کا ایک تناظر	ڈاکٹر سلیم اختر
علامہ اقبال ـ حیات، فکر و فن	ڈاکٹر سلیم اختر
اقبال اور ہمارے فکری رویے	ڈاکٹر سلیم اختر
فکر اقبال کا تعارف	ڈاکٹر سلیم اختر
فکر اسلامی کی تشکیل نو	پروفیسر محمد عثمان
اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی
ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر سید عبداللہ
اعجاز اقبال	ڈاکٹر سید عبداللہ
اقبال اور عصری مسائل	ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف

شرح اقبال

اُردو

۱) بانگ درا
۲) بال جبریل
۳) ضرب کلیم
۴) ارمغان حجاز (فارسی۔ اردو)
۵) اسرار و رموز
۶) پیام مشرق
۷) جاوید نامہ
۸) زبور عجم
۹) پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مسافر

The Reconstruction of Religious Thought in Islam	Allama Muhammad Iqbal
The Development of Metaphysics in Persia	Allama Muhammad Iqbal
Iqbal and Tagore: New Avenues for their Comparative study	M. Ikram Chaghatai
Iqbal: New Dimensions	Ed. by M. Ikram Chaghatai
Iqbal Afghan and Afghanistan (English, Urdu, Persian, Pashto)	" "
Iqbal: The Spiritual Father of Pakistan	Rashida Malik
Iqbal: The Great Poet of Islam	Sh. Abdul Qadir
A Voice from the East (The Poetry of Iqbal)	Zulfiqar Ali Khan

Rs. 600.00

www.sang-e-meel.com